لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ریویو آف ریلیجنز

(ماہنامہ اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳ | ماہِ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ماہِ جنوری ۱۹۴۴ء | عدد ۱

فہرست مضامین!

سیاستِ احمدیت

قسطِ اوّل

(از مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر۔ مولوی فاضل)

احمدیت درحقیقت اسلام کا ہی دوسرا نام ہے۔ اس لئے سیاست اور اُس کے مختلف پہلوؤں پر احمدیت کے نقطۂ نگاہ کا اظہار دوسرے الفاظ میں اس حقیقت کو منکشف کرنا ہے۔ کہ اسلام سیاسیات کے بارہ میں بنی نوع انسان کی کیا راہنمائی فرماتا ہے۔

پیشتر اس کے کہ اس بارہ میں اسلامی اصول و قوانین احمدیت کی روشنی میں درج کئے جائیں، یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ موجودہ زمانہ کے بعض مسلم نوجوان جو مغربیت کی رَو سے متاثر ہیں، یہ کہا کرتے ہیں، کہ سیاسی مسائل جن کا نظام کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اُن پر مذہبی نقطۂ نگاہ سے غور نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ سیاست کا مذہب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ہر زمانہ کے مسلمان اس بارہ میں آزاد ہیں، اور انہیں اختیارِ کلی حاصل ہے۔ کہ وہ جس نظام سیاست کو اپنے لئے پسند کریں اختیار کرلیں۔ چاہیں تو خود مختار بادشاہ پر متفق ہو جائیں۔ چاہیں تو جمہوریت کو پسند کرلیں۔ چاہیں تو بولشویک اصول قبول کرلیں، اور چاہیں تو آئینی بادشاہت کی اقتداء کریں۔ سیاسی اصول مذہب کے نام پر رائج کرنا نہ مفید ہو سکتا ہے، اور نہ مذہب کا یہ کام ہے۔ کہ وہ سیاست میں دخل دے۔

یہ سوال نہایت اہم ہے، اور اس پر غور کرنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے۔

اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ کوئی خاص نظام سیاست اسلام پیش نہیں کرتا۔ اور اس بارہ میں اس نے کوئی معین اصول مقرر نہیں فرمائے۔ تو اس موضوع پر مزید بحث بالکل رائگاں ہوگی۔ اور فی الواقع یہ کہا جا سکے گا، کہ نظام سلطنت کے بارہ میں مسلمان آزاد ہیں اور اُنہیں اختیار حاصل ہے، کہ وہ جس طرح چاہیں اور جس شکل میں چاہیں ایک نظام اپنے لئے تجویز کر لیا کریں۔ پھر نہ صرف مسلمانوں کو نظام سیاست میں ہی آزاد سمجھنا پڑتا ہے۔ بلکہ اس امر کو تسلیم کرنے کے نتیجہ میں یہ امر بھی ماننا پڑتا ہے۔ کہ خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کے اعمال کا وہ حصہ جو نظامِ سیاست کے قیام سے تعلق رکھتا تھا، نعوذ باللہ مذہبی حیثیت
نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ یہ کام محض ضرورتِ زمانہ کے ماتحت آپؐ سرانجام دیا کرتے تھے۔ اسے
شرعی اور مذہبی تائید حاصل نہیں تھی۔ کیونکہ اگر مذہبی تائید حاصل ہوتی، تو وہ نظام بعد
میں آنیوالے لوگوں کے لئے بھی سُنّت اور قابلِ عمل قرار دیا جاتا۔

اِس اعتراض کے جواب سے پہلے یہ امر سمجھ لینا ضروری ہے۔ کہ دُنیا میں دو قسم کے
مذاہب پائے جاتے ہیں۔ **اوّل** وہ مذاہب جن کا دائرہ عمل چند اذکار اور عبادات تک
محدود ہے، اور وہ امورِ دُنیوی کو ایک علیحدہ چیز قرار دیتے ہیں۔ جیسے مسیحی مذہب ہے۔ کہ
اس نے افراد کے اعمال کو مذہب کی پابندیوں سے الگ رکھنے کے لئے شریعت کو لعنت
قرار دیدیا۔ حضرت مسیحؑ نے جب یہ فقرہ کہا، کہ شریعت ایک لعنت ہے۔ تو اُن کا یہ مطلب
نہیں تھا، کہ شریعت لعنت ہے، بلکہ اُن کا مطلب صرف اتنا تھا، کہ یہود جو شریعت کے
صرف ظاہری احکام کو دیکھتے ہیں، اُن کی باطنی حقیقت اور روحانیت سے تعلق نہیں رکھتے
اُن کے لئے شریعت بجائے رحمت بننے کے لعنت بن گئی ہے لیکن جب مسیحیت روما میں پھیلی
تو انہوں نے اس فقرہ کے معنے وسیع کر لئے، اور فیصلہ کیا، کہ مذہب کو دُنیوی امور کے متعلق
احکام دینے کا اختیار حاصل نہیں۔ ہر قوم ضرورتِ زمانہ کے مطابق اِس بارہ میں خود قوانین
تجویز کر سکتی ہے۔ اِس طرح انہوں نے اپنے آپکو اُن پابندیوں سے آزاد کر لیا، جو موسوی
شریعت نے امورِ سیاست میں اُن پر عائد کی تھیں۔ پس ایک قسم کے مذاہب تو وہ ہیں،
جو اپنے آپ کو عبادات و اذکار تک محدود رکھتے ہیں۔ لیکن بعض ایسے مذاہب بھی ہیں جنہوں
نے مذہب کے دائرہ کو وسیع کیا، اور انسانی اعمال اور باہمی تعلقات اور نظامِ سیاست
وغیرہ کے متعلق بھی قواعد بنائے۔ جو لوگ ایسے مذہب کے پیرو ہیں، اُنہیں لازماً ماننا پڑتا
ہے، کہ سیاسی معاملات میں بھی مذہب کو دخل اندازی کا حق حاصل ہے۔ اور ان احکام
کی پابندی افراد کے لئے اسی طرح ضروری ہے، جس طرح نماز۔ روزہ کے احکام کے
سلسلہ میں وہ مذہب کی اتباع کرتے ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے، کہ اسلام کن مذاہب میں شامل ہے؟ قرآن کریم اور احادیث
کے مطالعہ سے یہ امر ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے، کہ اسلام مؤخر الذکر قسم کے مذاہب میں شامل
ہے۔ اس نے صرف عقائد اور انفرادی اعمال کے بتانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا، بلکہ ان احکام

کو بھی لیا ہے، جو قانون اور سیاست کیساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ میاں بیوی کے تعلقات پر بھی بحث کرتا ہے۔ لین دین کے قواعد پر بھی بحث کرتا ہے۔ تجارت اور فنانس کے اصول بھی بیان کرتا ہے۔ شہادت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے، جن پر قضاء کی بنیاد ہے۔ مختلف افعال کی جسمانی سزائیں بھی تجویز کرتا ہے۔ مثلاً قتل یا چوری کی سزا۔ وہ وراثت کے قوانین بھی بیان کرتا ہے۔ حکومت کو جو ٹیکس کا حق حاصل ہے، اس پر بھی پابندیاں عائد کرتا اور ٹیکسوں کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ حکومت کو ان ٹیکسوں کے خرچ کرنے کے متعلق جو اختیارات ہیں، ان کو بھی بیان کرتا ہے۔ فوجوں کے متعلق قواعد، معاہدات کے متعلق قواعد، بین الاقوامی تعلقات کے متعلق قواعد، مزدور اور ملازم رکھنے والوں کے متعلق قواعد، سڑکوں وغیرہ کے متعلق قواعد۔ غرض وہ تمام امور جو حکومت اور سیاست کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، اُن سب کو وہ بیان کرتا ہے۔ پس اسلام کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سیاست کو آزاد چھوڑ دیا ہے، اُسے سیاسی امور سے کیا واسطہ۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کا کوئی تحریر شدہ قانون نہ تھا۔ قبائل کا رواج ہی اُن میں قانون کا مرتبہ رکھتا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے سامنے آسمانی شریعت پیش کی، اور اس پر اُن سے عمل کرایا۔ اگر تو قرآن کریم صرف نماز، روزہ کے احکام اور بعض عقائد کے بیان کرنے پر ہی اکتفا کرتا، اور احکام سیاست و تدبیرِ ملکی میں دخل نہ دیتا، بلکہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بیان فرماتے، تو بھی کوئی شخص کہہ سکتا تھا، کہ چونکہ مُلک بغیر نظام اور قانون کے تھا، اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کی ضرورت سے مجبور ہو کر، مُلک کو ابتری سے بچانے کے لئے بعض قوانین تجویز فرما دیئے اور اُن پر لوگوں سے عمل کرایا، یہ حصہ آپؐ کے عمل کا مذہب نہیں کہلا سکتا۔ مگر ہم تو دیکھتے ہیں، کہ ان امور کے متعلق تفصیلی احکام خود قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اور نہ صرف احکام موجود ہیں، بلکہ اُن کے نفاذ کے متعلق بھی بحث کی گئی ہے۔ مثلاً:-

۱۔ حکومت کا کام بعض باتوں کا حکم دینا ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ یہ حق دیتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے واضح ہے۔

۲۔ حکومت کا کام بعض باتوں سے روکنا ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ یہ حق بھی دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔ وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ

عَنْهُ فَانْتَهُوْا (حشر رکوع ۱) اسی طرح فرماتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف رکوع ۱۹)

۱۳۔ پھر افراد کی مالی، جانی اور رہائشی آزادی کو حکومت خاص حالات میں سلب کر سکتی ہے۔ اس کا حق بھی اللہ تعالےٰ آپ کو دیتا ہے۔ کہتا ہے، اُن کے مال لے سکتے ہو۔ (خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ۔ توبہ۔ رکوع ۱۳) ٹیکس وصول کر سکتے ہو (قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ توبہ رکوع ۴) جانیں اُن سے طلب کر سکتے ہو، اور جنگ پر لیجا سکتے ہو (فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ توبہ رکوع ۱۱) اسی طرح آپ کو اس بات کا بھی اختیار دیا، کہ آپ مفسد لوگوں کو ملک سے نکال سکتے ہیں (اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ۔ مائدہ رکوع ۵) پھر قضاء حکومت کا کام ہے۔ قضاء کا حق آپ کو دیتا ہے۔ اور آپ کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیتا ہے (فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ نساء۔ رکوع ۹) پھر حکومت کی قسم بھی بتا دی۔ کہ یہ اس بات کا پابند نہیں، کہ تمہاری سب باتیں مانے، مگر تم اس بات کے پابند ہو، کہ اس کی سب باتیں مانو۔ کیونکہ اگر یہ تمہاری سب باتیں مان لے، تو اس کے خطرناک نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔ (اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ نور۔ رکوع ۷) وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ٥ حجرات۔ رکوع ۱) پس ان آیات سے ثابت ہے، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق امورِ حکومت کے انصرام سے وقتی ضرورت کے ماتحت نہ تھا۔ بلکہ شریعت کا ایک حصّہ تھا۔ اور جس طرح نماز، روزہ کے احکام مذہب کا جزو ہیں، اسی طرح اسلام کا پیش کردہ نظام سیاست بھی مذہب اور دین کا حصّہ ہے۔

اِس موقعہ پر بعض لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی حکومت، حکومتِ رسالت وہبت تھی، نہ کہ حکومتِ ملوکیت۔ اسے ہم بھی درست تسلیم کرتے ہیں، مگر الفاظ کا سوال نہیں، سوال تو یہ ہے، کہ آیا اسلام نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی اقتدار ملک اور جان پر دیا تھا، یا نہیں۔ اسی طرح نہ ماننے والوں پر کوئی اختیار دیا تھا، یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہے، تو ہم کہیں گے، کہ بیشک اسلام ملوکیت کا مخالف ہے، مگر ایک خاص قسم کے نظام کو وہ اسکی جگہ قائم کرتا ہے۔ اور وہ نظام اسلام کا مذہبی حصّہ ہے، اور اس کا قیام مسلمانوں کیلئے ضروری ہے، جہاں تک اُن کے اندر طاقت ہو۔

حکومت درحقیقت کسی خاص طرز کا نام نہیں۔ انگلستان کا نظامِ حکومت امریکہ سے، امریکہ کا روس سے، اور روس کا جرمنی سے مختلف ہے۔ مگر اِس اختلاف کیوجہ سے یہ نہیں ہوتا، کہ ہم ایک کو حکومت کہیں، اور دوسرے کو حکومت نہ کہیں۔ حکومت درحقیقت نام ہے، **مُلکی حدود** اور اُس میں **خاص اختیارات** کے اجراء کا۔ اور **مُلکی حدود** اور **خاص اصول کا نفاذ** قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جیسا کہ سورۂ توبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً فرماتا ہے۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۔ اسی طرح فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ

يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔ غرض جب ایک ملکی حد اور اس حد میں ایک خاص قانون اور ایک اصلی باشندے مُلک کے ، اور ایک معاہد ، اور ایک غیر ملکی کا وجود پایا جاتا ہے ۔ تو ایک خاص نظامِ حکومت بھی ثابت ہے ۔ اس کا نام ہم ملوکیت نہیں رکھتے ، کیونکہ ملوکیت ایسے معنوں کی حامل ہے ، جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا ۔ لیکن بہرحال ایک مُلکی اور قانونی نظام ثابت ہے ۔ اور اسی کی بناء پر ہم امورِ سیاست میں بھی مذہب کی راہنمائی ضروری سمجھتے ہیں ۔

پس احمدیت کے نزدیک جس طرح نماز ، روزہ کے احکام رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک ختم نہیں ہوگئے ، اسی طرح نظامِ قومی یا نظامِ مُلکی کے احکام بھی آپؐ کی وفات کے ساتھ ختم نہیں ہو گئے ۔ کیونکہ جس طرح افراد کی روحانی ترقی کے لئے نماز روزہ کی ضرورت ہے ، اسی طرح قوم کی ترقی کے لئے اِن دوسری قسم کے احکام کے نفاذ اور انتظام کی بھی ضرورت ہے ۔ اور جس طرح نماز باجماعت جو ایک اجتماعی عبادت ہے ، آپؐ کے نائبین کے ذریعہ ادا ہوتی رہتی ہے ، اسی طرح احمدیت کے نزدیک نظامِ سیاست سے تعلق رکھنے والے دوسرے احکام بھی آپؐ کے نائبین کے ذریعہ ہمیشہ پُورے ہوتے رہنے چاہئیں ۔

اِس اصولی بحث کے بعد اب ہم تفصیلات کی طرف آتے ہیں ۔ مگر پیشتر اس کے کہ اُن تفصیلات کو بیان کیا جائے ، یہ امر ذہن نشین کر لینا ضروری ہے ، کہ اِن امور کے متعلق شریعتِ اسلامیہ نے صرف اصولی تعلیم دی ہے ۔ اور تفصیلات کا تصفیہ ہر مُلک ، ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات پر چھوڑ دیا ہے ۔ تاکہ انسانی دماغ کو فروعات میں اپنے طور پر غور کرنے اور ترقی کرنے کا موقعہ حاصل ہو ۔ جو انسانی عقل کے ارتقاء کے لئے ایک ضروری چیز ہے ۔
حقیقت یہ ہے کہ اگر سب باتیں اپنی تفصیلات کے ساتھ قرآن کریم بتا دیتا ، اور انسانی اجتہاد ، اور اس کی دماغی ترقی کے لئے کوئی میدان نہ چھوڑتا ، تو یہ امر انسان کی ترقی میں سخت حارج ہوتا ۔ اس لئے اس نے اصولی ہدایات کے بیان پر اکتفاء کیا ہے ۔ اور درحقیقت اصول پر ہی تمام بُنیاد ہوتی ہے ۔ اگر اصول درست ہوں ، تو اُن کے ماتحت جو کام بھی کیا جائے گا ، درست ہوگا ۔ اور اگر اصول غلط ہوں ، تو اُن کے ماتحت جو کام بھی کیا جائے گا لازماً وہ غلط ہوگا ۔
اِس مختصر نوٹ کے بعد یہ امر سمجھ لینا چاہیئے ۔ کہ دُنیا میں سیاست کے بُنیادی اصول چار

سمجھے جاتے ہیں۔ **اوّل**۔ صدرِ حکومت یعنی امیر یا حاکم کا تقرر کس اصل پر مبنی ہو آیا (۱) ورثہ کے حق کی بناء پر ہو۔ (۲) یا کسی خاندانی امتیاز کی بناء پر ہو۔ (۳) یا بعض خاص لوگوں کی رائے پر ہو۔ (۴) یا عامۃ الناس کے مشورہ کے ساتھ ہو۔ **دوم**۔ طریق حکومت کیا ہونا چاہیئے۔ (۱) آیا خود مختارانہ، جسے استبدادی طریق کہا جاتا ہے۔ (۲) یا کسی قانون کے ماتحت (۳) اور پھر یہ بھی، کہ آیا اسلام کے پیشکردہ طریق حکومت میں صدرِ حکومت کے لئے لوگوں کا مشورہ لینا ضروری ہے، یا نہیں۔ **سوم**۔ لوگوں کا اپنے حکام کے متعلق کیا رویہ ہو۔ (۱) آیا انتہائی حد تک تعاون کریں، اور کرتے چلے جائیں۔ (۲) یا جب بھی اپنے حقوق خطرہ میں دیکھیں یا حاکم کا کوئی فعل قابلِ اعتراض سمجھیں، تو اس کے خلاف عَلمِ بغاوت بلند کریں، اور یہ بھی کہ اگر واقعی حکام کا رویّہ صریح طور پر ناجائز اور قابلِ اعتراض ہو، تو پھر کیا طریق عمل اختیار کیا جائے۔ **چہارم**۔ حکومت کے رعایا کے متعلق کیا فرائض اور واجبات ہیں۔ یہ چار اصول تمام سیاست کی بُنیاد اور مرکزی نقطہ ہیں۔ جو مذہب اِن امور میں لوگوں کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ درحقیقت وہی مذہب دُنیا میں امن کی مضبوط بُنیادیں قائم کرنیوالا قرار پا سکتا ہے۔

پہلا اصل

سیاست کے پہلے بُنیادی اصل کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اسلام یہ بتاتا ہے کہ حکومت کسی خاص فرد کا حق نہیں، بلکہ جمہور کا حق ہے۔ جس میں سب لوگ برابر کے شریک ہیں۔ مگر چونکہ بوجہ بہت سے لوگوں کے اشتراک کے لوگ فرداً فرداً اس امانت کے حقوق کی نگرانی خود نہیں کر سکتے، اور انتظامی اغراض کے لئے ضروری ہوتا ہے، کہ حکومت کی انتہائی باگ ڈور ایک حاکمِ اعلیٰ یا صدرِ حکومت کے ہاتھ میں ہو۔ اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے جمہور کو حکم دیا ہے، کہ وہ اپنی یہ امانت باہمی مشورہ سے ایک ایسے شخص کے سپرد کریں، جو اُن کے نزدیک اس کام کا سب سے زیادہ اہل ہو۔ چنانچہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ ہدایت دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ

فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ (نساء۔ رکوع ۸) یہ آیت جس رکوع میں آتی ہے، اس کا مضمون یہ ہے، کہ یہود حسد کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو حکومت دینا چاہتا ہے۔ اگر اُن کے بس میں ہوتا، تو وہ مُسلمانوں کو کچھ بھی نہ لینے دیتے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پھر فرمایا۔ اِس فضل کے جو لوگ مُنکر ہوں گے، ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ لیکن مومن جو اِس فضل کو تسلیم کریں گے، انہیں جنّتی زندگی ملیگی۔ پھر فرماتا ہے، یہ فضل اور رحمت جو تمکو حاصل ہوگی اس کے قیام کے لئے ایک نظام کی بھی ضرورت ہوگی۔ خودسری اور پراگندگی سے قوم اس انعام کو حاصل نہیں کرسکتی۔ پس اس بارہ میں ہم تمکو حکم دیتے ہیں، کہ (۱) امانتوں کو اُن کے اہل کے سپُرد کرو۔ یعنی اپنے لئے ایسے سردار چنو جو اس امانت کو اٹھانے کے اہل ہوں۔ (۲) پھر جن کے سپُرد یہ امانت کی جائے، ہم حکم دیتے ہیں، کہ وہ انصاف اور عدل سے کام کریں۔ جب اس طرح نظام قائم ہوجائے، تو فرماتا ہے اب تم اِس نظام کی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کرو۔ یہ نہیں، کہ نظام بناکر گھروں میں بیٹھ جاؤ اور سارا کام اُمراء پر ڈال دو۔ امراء کا قیام کام کرنے کے لئے نہیں، بلکہ کام لینے کے لئے ہوتا ہے۔ پس چاہئے، کہ جب اُمراء قائم ہوجائیں، تو تم قومی ذمہ داریوں کو ادا کرنے میں لگجاؤ۔ چنانچہ انتخابِ اُمراء کے معًا بعد اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے ارشاد کا صاف مطلب یہ ہے، کہ نظام کی غرض یہ ہوتی ہے، کہ قومی فرائض صحیح طور پر ادا ہوسکیں۔ پس نظام کے قیام کے بعد جب امراء مختلف سکیمیں تجویز کریں، تو تمکو چاہئے کہ ان کی اطاعت کرو۔ اور اگر کبھی تم میں اور ان میں اختلاف ہوجائے، تو ان اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ۔ یعنی ان اصول کے مطابق انہیں طے کرو، جو اللہ اور اسکے رسول نے مقرر کئے ہیں۔ اور اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ اِس آیت میں اللہ تعالےٰ نے مندرجہ ذیل اصولِ سیاست بیان فرمائے ہیں۔ (۱) قومی نظام ایک امانت ہوتا ہے، کیونکہ اس کا اثر صرف ایک شخص پر نہیں پڑتا، بلکہ ساری قوم پر پڑتا ہے، پس اس کے بارہ میں فیصلہ کرتے وقت اپنی اغراض کو نہیں دیکھنا چاہئے، بلکہ قوم کی ضرورتوں اور اُس کے فوائد کو مدِ نظر رکھنا چاہئے۔ (۲) اس امانت کی ادائیگی کے لئے ایک نظام کی ضرورت ہے جس کے بغیر یہ امانت ادا نہیں ہوسکتی۔ یعنی افراد فرداً فرداً اس امانت کو پورا کرنے کی اہلیت

نہیں رکھتے، بلکہ ضروری ہے، کہ اس کی ادائیگی کے لئے کوئی منصرم ہوں۔ (۳) ان منصرموں کو قوم منتخب کریگی۔ (۴) انتخاب میں یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ جنہیں منتخب کیا جائے وہ ان امانتوں کو پورا کرنے کے اہل ہوں۔ اس کے سوا اور کوئی امر انتخاب میں مدنظر نہیں رکھنا چاہیئے۔ (۵) جن کے سپرد یہ کام کیا جائے گا، وہ امرِ قومی کے مالک نہ ہوں گے، بلکہ صرف منصرم ہوں گے۔ کیونکہ فرمایا۔ اِلٰی اَھْلِھَا، یعنی ان کے سپرد یہ کام اس لئے نہیں ہوگا، کہ وہ اس کے وارث اور مالک ہیں، بلکہ اس لئے ہوگا، کہ وہ اس خدمت کے اہل ہیں۔

یہ احکام کسی خاص مذہبی نظام کے متعلق نہیں، بلکہ جیساکہ الفاظ سے ظاہر ہے عام ہیں، خواہ مذہبی نظام ہو، اور خواہ دُنیوی۔ اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ملوکیت کو اپنے نظام کا حصہ تسلیم نہیں کرتا، بلکہ صرف انتخابی نظام تسلیم کرتا ہے۔ اور پھر اس نظام کے بارہ میں یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ افراد کو چاہیئے، کہ ان حکّام کی اطاعت کریں۔ جن کے سپرد یہ کام کیا جائے۔

اگر کہا جائے، کہ کیا اسلام کسی خالص دُنیوی حکومت کو بھی تسلیم کرتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ احمدیت کے نزدیک اسلام سب صحیح سامانوں کی موجودگی میں خالص دُنیوی نظام کو تسلیم نہیں کرتا۔ مگر وہ حالات کے اختلاف کو بھی نظرانداز نہیں کرتا۔ کیونکہ ہوسکتا ہے، کہ کسی وقت وہ اعلیٰ نظام جو اسلام کے مدنظر ہوتا فرض نہ کیا جاسکے۔ اس صورت میں دُنیوی نظاموں کی بھی ضرورت ہوسکتی ہے۔ مثلاً کسی وقت مسلمانوں کا معتدبہ حصہ کفار حکومتوں کے ماتحت ہو، تو جن ملکوں میں اسلام کا زور ہو وہ اکٹھا مذہبی اور دُنیوی نظام قائم نہیں کرسکتے، کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت اُس کی اتباع نہیں کرسکتی۔ پس ان ملکوں میں خالص دُنیوی نظام کی اجازت ہوگی۔ جو انہی اصول پر قائم ہوگا۔ خالص دُنیوی نظام سے یہ مُراد نہیں، کہ وہ نظام اسلامی احکام کو جو حکومت سے تعلق رکھتے ہیں، نافذ نہیں کریگا، بلکہ مُراد یہ ہے، کہ اس کے احکام سب عالمِ اسلامی پر واجب نہ ہوں گے، کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت سیاسی حالات کی وجہ سے ان کی پابندی نہ کرسکیگی، اور نہ اس نظام کے قیام میں مسلمانوں کی اکثریت کا ہاتھ ہوگا۔ پس ایسے وقت میں جائز ہوگا، کہ ایک خالص مذہبی نظام الگ قائم کیا جائے۔ جس کا تعلق اس اسلامی نظام سے ہو، جس کا تعلق حکو

سے نہ ہو۔ بلکہ اسلام کی روحانی تنظیم سے ہو۔ اور چونکہ وہ صرف روحانی نظام ہوگا، اور حکومت کے کاروبار میں دخل نہ دیگا، اس لئے ایسا نظام غیر مسلم حکومتوں میں بسنے والے مسلمانوں اور مسلم حکومت میں بسنے والے مسلمانوں کو اکٹھا کر سکے گا، اور اسلام پراگندگی سے بچ جائے گا۔ یہ بات کہ ایسے حالات میں ایک خالص مذہبی نظام الگ قائم قائم کرنیکا اس آیت سے ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح ہے، کہ اس آیت میں سب مسلمان مخاطب ہیں۔ اور انہیں ہر وقت اُولی الاَمرِ منکم کی اطاعت کا حکم ہے۔ پس جس طرح دوسرے احکام میں اگر ایک حصہ پر عمل نہ ہو سکے، تو دوسرے حصے معاف نہیں ہو جاتے، جو شخص جہاد نہ کر سکے، اس کے لئے نماز معاف نہیں ہو جاتی۔ اسی طرح اگر سارے عالم اسلامی کا ایک سیاسی نظام نہ ہو سکے، تو مسلمان اُولی الاَمر کی اطاعت کے اُن حصوں سے آزاد نہیں ہو سکتے، جن پر وہ عمل کر سکتے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے، کہ خالص مذہبی نظام مختلف حکومتوں میں بٹ جانیکی صورت میں ناممکن نہیں ہو جاتا۔ جیسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ظہور سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دیا۔ اگر مسلمان اپنے تنزل کے زمانہ میں یہ سمجھتے، کہ ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُولی الاَمر کی اطاعت اُن پر واجب ہے۔ اور جن حصوں میں اُولی الاَمر کی اطاعت اُن کے لئے ناممکن تھی، اُن کو چھوڑ کر دوسرے حصوں کے لئے وہ نظام قائم رکھتے تو وہ اس حکم کو پورا کرنیوالے بھی رہتے، اور اسلام بھی ضعف اور پراگندگی سے بچ جاتا۔

خلاصہ یہ، کہ اس آیت میں اسلامی نظام کے قیام کے چند اصول بیان کئے گئے ہیں اور یہ حکم دیا گیا ہے، کہ (۱) اسلامی نظام انتخاب پر ہو، (۲) مسلمان ہر زمانہ میں اولو الامر کے تابع رہیں، (۳) حکومت کسی فردِ واحد کی ملکیت نہیں، جو بطور ورثہ اس کی اولاد کو مل سکے، بلکہ یہ امانت جمہور کی طرف سے جس کے سپرد ہوگی، اُس کے مرنے کے بعد پھر یہ جمہور کی ہی ملک ہوگی، اور انہی کا حق ہوگا، اور دوبارہ اس امانت کو اس کے اہل کے سپرد کریں۔ گویا اسلام کے نزدیک حکومت اس نیابتی فرد کا نام ہے، جس کو لوگ باہمی مشورہ سے اپنے مشترکہ حقوق کی نگرانی کے لئے منتخب کریں۔ نیابتی حکومت کے سواء اسلام اور کسی حکومت کا قائل نہیں (۴) انتخاب کے لئے اسلام اہلیت اور قابلیت کی شرط عائد کرتا ہے۔ اور یہ شرط نہ صرف حاکمِ اعلیٰ کے انتخاب کے متعلق ہے، بلکہ ماتحت حکام کے تقرر کے متعلق بھی ہے اسی لئے امانت کی جگہ امانات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اسلام نے

خصوصیت کے ساتھ ایسے لوگوں کو حکومت سپرد کرنے سے منع فرمایا ہے، جو خود اس کی خواہش کرتے ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

انا واللہ لا نولی ھذا العمل احداً سألہ ولا احداً حرص علیہ (مسلم کتاب الامارۃ) یعنی خدا کی قسم ہم کبھی کسی ایسے شخص کو حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیں گے، جو خود اس عہدے کو طلب کرے، یا اس کا خواہش مند ہو۔ (باقی)

قرآن مجید اور علوم سائنس

(قسطِ دوم)

(از عبد القادر صاحب لائلپور)

اجرامِ فلکی میں آثارِ حیات

اگر ہمارے لئے تمام کائنات کا سفر ممکن ہو، تو ہمیں باقی کائنات کے مقابلہ میں ہماری زمین اُن ذرّوں سے بھی چھوٹی نظر آئے گی، جو سورج کی شعاع میں ہم کو دکھائی دیتے ہیں۔ زمین کا تو ذکر ہی کیا، جب آپ کائنات پر نظر ڈالیں گے، تو آپ کو آفتاب کی حقیقت (جو زمین سے دس لاکھ گنا بڑا ہے) ایک ذرۂ ریگ سے زیادہ معلوم نہ ہوگی اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اتنی وسیع و عریض کائنات میں کیا زمین کے سوا اور کہیں حیات کا وجود نہیں ہے؟ ادنیٰ تدبّر سے یہ معلوم ہو سکتا ہے، کہ یہ "رَبُّ الْعٰلَمِیْن" کی عالمگیر خالقیت سے بعید ہے، کہ وہ صرف اس خاکدانِ ارضی میں ہی آثارِ حیات رکھ دے، جو کہ عالمِ بالا کے بے پایاں نظام میں ایک نقطہ، یا کائنات کے اتھاہ سمندر میں ایک قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی، اور باقی تمام کرّوں کو آثارِ حیات سے خالی رکھے۔ ہاں یہ بات "خلاق" کے کمالِ خلقت اور وسعتِ تخلیق کے منافی ہے۔ اور اس کی عالمگیر پیدائش کو محدود کرنے کے مترادف۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے، کہ علومِ ہیئت کی رُو سے باقی کرّوں کے حالات اس قدر مختلف ہیں، کہ وہاں ہمارے جیسے انسان یا ہماری زمین جیسے جانور یا نباتات پائے نہیں جاتے۔ اس لئے، کہ وہاں وہ لوازماتِ حیات مفقود ہیں، جو کہ ہماری زمین پر پائے جاتے ہیں۔ . . . .

. . . . لیکن ساتھ ہی علمِ ہیئت والے یہ کہتے ہیں، کہ بالکل ممکن ہے، کہ وہاں مختلف قسم کی حیات ہو۔ وہاں ان لوازمات کی ضرورت نہ ہو، جو ہماری زمین کے لازم حال ہیں۔ چنانچہ ایک بہت بڑے سائنسدان سر جیمس جینس (Sir James Jeans) اپنی معرکۃ الآرا تصنیف Through space and time میں لکھتے ہیں:۔

"ہماری زمین پر . . . . . ہر طرف سے اس کثرت سے آثارِ حیات نمایاں ہیں، کہ یہ گمان کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، کہ کائنات میں ایسے خطے بھی ہوسکتے ہیں، جہاں کی طبیعی حالات زندگی کے لئے ناموزوں ہے۔ ہم کو زندگی کے آثار زمین کے گرم و سرد ترین موسم میں ملتے ہیں بلکہ سمندر کی گہرائی میں سخت اور ٹھوس زمین میں، اور زمین کے نیچے تیل کے چشموں تک میں آثارِ حیات بافراط پائے جاتے ہیں۔ ان مختلف سطحوں میں ماحول کی مناسبت سے انواع حیات مختلف ہیں۔ اس صورت میں ہم اس سے انکار نہیں کرسکتے ہیں، کہ زندگی نے دوسرے سیاروں میں وہاں کے بالکل مختلف ماحول کے مطابق دوسری شکل اختیار کرلی ہے۔ ہمکو یہ کہنے کا حق نہیں رہتا کہ کائنات میں زمین کے سوا کہیں حیات کا وجود نہیں ہے۔ کیونکہ ممکن ہے، کہ ہمکو جس قسم کی زندگی کا علم ہے، یا جس قسم کی زندگی کا ہم تصور کرسکتے ہیں، اس سے کسی دوسرے نوع کی زندگی کسی دوسرے سیارے پر ہو"

(Through Space and Time کا اُردو ترجمہ سیر کائنات صفحہ ۱۹۵)

الغرض یہ بات مسلّم ہے، کہ حیات کا وجود ہماری زمین کی طرح باقی کائنات میں بھی موجود ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے، کہ وہاں مختلف ماحول سے اس کی شکل بدل گئی ہو۔ چنانچہ شاعرِ مشرق انسانی پرواز کے سامنے عالم بالا کی بلندیاں رکھتے ہوئے کہتا ہے ؎

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں + ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں + یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ و بُو پر + چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا + ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روز و شب میں اُلجھ کر نہ رہ جا + کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اب ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ قرآن کریم اس موضوع پر کیا روشنی ڈالتا ہے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے، کہ عالم بالا کے کرّے زندگی سے تہی نہیں۔ بلکہ اُن میں بھی زندگی موجود اور اللہ تعالےٰ کی مخلوق پائی جاتی ہے۔ اور اس مخلوق کے لئے بھی ظاہری اور باطنی سامان موجود ہیں۔ جیسے کہ ہمارے لئے اللہ تعالےٰ نے پیدا کئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"پھر فرمایا۔ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ اس آیت میں اشارہ فرمایا، کہ آسمانی اجرام میں آبادی ہے۔ اور وہ لوگ بھی پابند خدا کی ہدایتوں کے ہیں۔"

(ص۱۵۲ چھوٹی تقطیع)

اسی طرح قرآن کریم کی اور بھی کئی آیات ہیں، جن سے ثابت ہے، کہ اجرامِ فلکی میں زندگی موجود ہے، مفقود نہیں۔

۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ...... وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲۴/۴۲) کیا تجھے معلوم نہیں، کہ آسمان اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں ..... اور اللہ کے لئے ہی آسمان اور زمین کی بادشاہت ہے۔

۲۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ○ (۲۷/۱۵) کہو جو مخلوق بھی آسمان اور زمین میں ہے، سوائے اللہ تعالےٰ کے کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ اور وہ نہیں جانتے، کہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ گویا زمینی مخلوق کی طرح آسمانی مخلوق کا بھی حشر نشر ہوگا۔

۳۔ يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ○ (۵۵/۱۳) آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب اسی سے مُراد مانگتے ہیں۔ وہ ہر روز ہر وقت ایک نئی شان یا نئے کام میں لگا ہوا ہے۔

۴۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ ...... الخ (۶۵/۱۲) اللہ تعالیٰ وہ ہے، جس نے سات آسمان بنائے اور زمین سے انہی کی مانند۔ اور ان سات آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کا حکم

نازل ہوتا رہتا ہے۔ تاکہ تم جان لو۔ کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ....
.... الیٰ آخر (بنی اسرائیل ۴۴)

"ساتوں آسمان اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اسی طرح زمین بھی۔ اور اسی طرح جو ان میں بسنے والے ہیں، وہ بھی۔ اور جو بھی چیز ہے، وہ اس کی تعریف کرتی ہوئی اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن (افسوس) تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔"

نوٹ :۔ سب چیزوں کی تسبیح سے مُراد یہ ہے، کہ ہر چیز میں خدا کی صفات کی جھلک ہے۔ ہر چیز خدا کے قانون میں جکڑی ہوئی، اُس کی صفات اور اُس کے قوانین پر عمل کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ دُنیا کا کوئی ذرہ بھی لے لو، اُس میں صفاتِ الٰہی کام کرتی ہوئی نظر آئیں گی۔ اور وہ قانونِ الٰہی پر چل رہا ہوگا۔ یہی سب چیزوں کی تسبیح ہے۔

۶۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ (مریم رکوع) آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب اُس کے سامنے غلام (بندہ) ناچیز بن کر حاضر ہوں گے۔

۷۔ آسمان اور زمین میں بسنے والی مخلوق کی تفصیل! وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ (نحل رکوع) آسمان اور زمین میں جتنے جاندار ہیں، اور فرشتے، سب اللہ تعالےٰ کے قانون کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔

۸۔ اب آخر میں ایک قطعی آیت درج ذیل ہے۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ؕ (شوریٰ ۲۹) اور اُس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا ہے۔ اور ان دونوں کے اندر اُس نے جو جاندار پھیلا رکھے ہیں، وہ اُن کو جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے۔ یہ وہ قطعی آیت ہے، جس میں آسمان اور زمین دونوں میں آبادی کا ذکر ہے۔ اور پھر ان دونو قسم کی مخلوق کے اجتماع کا ذکر ہے، جس سے کہ حشر بھی مُراد ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی اشارہ ملتا ہے۔ کہ ایسے ذرائع اللہ تعالےٰ کی مشیت سے پیدا ہو سکتے ہیں، کہ زمینی اور آسمانی مخلوق کی ملاقات اور اجتماع ہو جائے۔

نوٹ :۔ قرآن کریم میں اکثر سَمَآءٌ سے مراد كُلُّ مَا فِي السَّمَآءِ کو لیا گیا ہے۔ جیسے

فلکی اجرام بھی شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ متذکرۃ الصدر آیات سے اظہر من الشمس ہے، کہ آسمانوں یعنی آسمانی اجرام میں مخلوق موجود ہے۔ ان کی طرف حکم نازل ہوتا ہے، ان کا بھی حشر نشر ہوگا، وغیرہ وغیرہ۔

آسمان کے متعلق قرآنی فلاسفی

قرآن کریم نے آسمان کو السَّمَآءُ کہہ کر اس کی حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ السَّمَآءُ اُس بلندی کا نام ہے، جو وسیع فضاء کی صورت میں کائنات عالم کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اب صاف ظاہر ہے، کہ قرآن کریم نے آسمان کو زمین کی طرح ٹھوس اور کثیف قرار نہیں دیا، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ۔ اور پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، اور وہ دُخانی حالت میں ہے۔ یعنی گیس کا مجموعہ ہے۔

یہ یاد رہے، کہ آسمان اُس چادر کا نام ہے، جو ہمیں نیلگوں نظر آتی ہے۔ آسمان کا نیلگوں نظر آنا اور وجوہ سے ہے۔ ہم اگر کسی طیارے میں بیٹھکر اُوپر جائیں، تو آسمان کے رنگ میں قریباً ۸ میل سے خاص تبدیلی شروع ہو جائیگی۔ پہلے گہرا نیلا، پھر گہرا بنفشی پھر سیاہ بنفشی، اور قریباً ۱۴ میل کی بلندی پر سیاہی مائل نظر آنا شروع ہو جائیگا۔ اس تبدیلی کی وجہ یہ ہے، کہ جوں جوں ہم فضاء میں اُوپر چڑھتے ہیں، ہوا، غبار و انجرات کے ذرّے نیچے رہ جائیں گے۔ انہی ذرّات کیوجہ سے آسمان کی روشنی منتشر ہو جاتی ہے چونکہ یہ ذرّات روشنی کی مختلف موجوں میں سے نیلے رنگ کی موجوں کو منتشر کرنے میں زیادہ کامیاب رہتے ہیں، اس لئے آسمان ہمیں نیلا نظر آتا ہے۔ جیسے جیسے یہ ذرات کم ہوتے جائیں گے، آسمان باری باری سے ان رنگوں کو اختیار کرتا چلا جائے گا جنکو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو نیلا، پھر اس کے بعد گہرا نیلا، پھر گہرا بنفشی اور آخر میں بالکل سیاہ بھورا معلوم ہوگا۔ ارضی فضاء سے باہر ہونے کے بعد تو آسمان ہم کو بالکل سیاہ نظر آئیگا۔ (سیر کائنات)

پس قرآن کریم کے نزدیک آسمان اُس نیلگوں چادر کا نام نہیں، جو کہ ہمیں اپنے سروں کے اُوپر چاروں طرف نظر آ رہی ہے، بلکہ اُس لطیف پول یا محیط کا نام ہے، جو فضائے بسیط کی صورت میں کائناتِ عالم کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس پول کا اندرونی قرآن کریم کے

نزدیک خالی نہیں، بلکہ لطیف مادہ سے بھرا ہوا ہے جس میں کہ اجرام فلکی تیر رہے ہیں چنانچہ فرمایا۔ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ کہ ہر ایک کُرہ اپنے اپنے دائرہ آسمان میں تیر رہا ہے۔ سَبَحَ کا لفظ چونکہ پانی یا ہوا میں تیرنے پر بولا جاتا ہے، اِس سے معلوم ہوا، کہ سب اجرام سماوی کسی ٹھوس ستون پر قائم نہیں ہیں۔ بلکہ پانی یا ہوا کی مانند کسی رقیق یا لطیف مادہ میں تیر رہے ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئینہ کمالات اسلام حاشیہ صفحہ ۱۳۱ تا صفحہ ۲۱۴ میں سماوی وجود پر مفصل بحث کرتے ہیں، اس کا ایک حصہ درج ذیل ہے:-

"آجکل کے علم ہیئت کے محققین جو یورپ کے فلاسفر ہیں، جس طرح سے آسمانوں کے وجود کی نسبت خیال رکھتے ہیں، وہ خیال قرآن کریم کے مخالف نہیں کیونکہ قرآن کریم نے آسمانوں کو اگرچہ نرا پول تو نہیں ٹھہرایا، لیکن اس سماوی مادہ کو جو پول کے اندر بھرا ہوا ہے صلب اور کثیف اور متعسر الخرق مادہ بھی قرار نہیں دیا۔ بلکہ ہوا اور پانی کی طرح نرم اور کثیف مادہ قرار دیا جس میں ستارے تیرتے ہیں۔ اس کی طرف اشارہ ہے، جو اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے۔ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔

. . . . . . غرض، قرآن کریم نے جو سمٰوٰت کی حقیقت بیان کی ہے، وہ نہایت صحیح اور درست ہے۔ جس کے ماننے کے بغیر ان کا کچھ بھی بن نہیں پڑتا . . . . . . قرآن کریم آسمانوں کو یونانی حکماء کی طرح نہ طبقات کثیف ٹھہراتا ہے۔ اور نہ بعض نادانوں کے خیال کے موافق نرا پول جس میں کچھ بھی نہیں . . . . . . (یہ خیال، کہ آسمان کچھ بھی وجود نہیں رکھتا، نرا پول ہے) استقراء کی رُو سے سراسر غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر ہم اس فضاء کی نسبت جو چمکتے ہوئے ستاروں تک ہمیں نظر آتا ہے، بذریعہ اپنے تجارب استقرائیہ کے تحقیقات کرنا چاہیں، تو صاف ثابت ہوتا ہے، کہ سُنت اللہ یا قانونِ قدرت یہی ہے، کہ خدا تعالیٰ نے کسی فضاء کو محض خالی نہیں رکھا۔ . . . . . (پس یہ) درست نہیں ہے، کہ آسمانوں سے مُراد صرف ایک خالی فضاء اور پول ہے، جس میں کوئی مخلوق مادہ نہیں۔ ہم جہاں تک ہمارے تجارب رویت رسائی رکھتے ہیں، کوئی مجرد پول مشاہدہ نہیں کرتے۔ پھر کیونکر خلاف اپنی مستمر استقراء کے

حکم کر سکتے ہیں۔ کہ ان مملوء فضاؤں کے آگے چلکر ایسے فضا بھی ہیں جو بالکل خالی ہیں...... علاوہ اس کے اللہ جلشانہٗ کی اس میں کسر شان بھی ہے، کہ گویا وہ عام اور کامل خالقیت سے عاجز تھا۔ تبھی تو تھوڑا سا بنا کر باقی بے انتہا فضا چھوڑ دی...... اگر کوئی شخص ایسا ہی اعتقاد اور رائے رکھتا ہے کہ چند مادی کُروں کے بعد تمام پول ہی پڑا ہے، جو بے انتہا ہے۔ تو وہ ہماری اس استقرائی حجت سے صاف، اور صریح طور پر ملزم ٹھہر جاتا ہے...... اگر یہ خلجان انکے دلوں میں پیدا ہو، کہ آسمانوں کا اگر کچھ وجود ہے تو کیوں نظر نہیں آتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ہر ایک وجود کا مرئی ہونا شرط نہیں۔ جو وجود نہایت لطافت اور بساطت میں پڑا ہوا ہے وہ کیونکر نظر آ جائے، اور کیونکر کوئی دُوربین اس کو دریافت کر سکے۔

غرض سماوی وجود کو خدا تعالٰے نے نہایت لطیف قرار دیا۔ چنانچہ اسکی تشریح میں یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ یعنی ہر ایک ستارہ اپنے آسمان میں تیر رہا ہے۔ غرض سماوی وجود کو خدا تعالٰے نے نہایت لطیف قرار دیا، جو وجود کہ نہایت لطافت اور بساطت میں پڑا ہونے کی وجہ سے غیر مرئی ہے، یعنی نظر نہیں آ سکتا۔"

ایتھر

چنانچہ علماءِ سائنس نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے، کہ یہ سماوی پول کسی لطیف شے سے بنا ہوا ہے۔ یہ لطیف مادہ ساری فضائے بسیط کو دُور سے دُور ستاروں کے پار تک پُر کئے ہوئے ہے۔ یہ مفروضہ قائم کرنیکی وجہ یہ پیش آئی، کہ حرارت، نور اور برقی موجوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے کسی درمیانی واسطہ کی ضرورت مسلّم امر ہے۔ پس علماءِ سائنس نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے، کہ یہ موجیں ایک جگہ سے دوسری جگہ کو اپنا اثر ڈالتی ہیں، یہ تصور کیا، کہ ساری فضائے بسیط ایک لطیف شے سے بھری ہوئی ہے جس کا نام انہوں نے "ایتھر" رکھا۔ یہ مفروضہ علماءِ سائنس کے نزدیک نہایت ضروری تھا کیونکہ اگر آپ یہ کہتے ہیں، کہ روشنی اور لاسلکی لہریں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنی موجوں کے

ذریعہ جاتی ہیں، تو پھر ان موجوں کو پہنچانے کے لئے کوئی ذریعہ تو ہونا چاہیئے۔ تالاب میں جب پتھر پھینکتے ہیں، تو پانی میں موجیں پیدا ہو کر پھیلتی ہیں، اور دوسرے کنارے تک پہنچتی ہیں۔ اگر پانی نہ ہو، تو پھر موجیں کس طرح پیدا ہوں۔ پس ایتھر کا وجود اس لئے فرض کیا گیا، کہ اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں، جس سے مختلف موجیں فضاء میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جائیں۔ اور پھر ایتھر میں بہت سی صفات ایسی تصور کی گئی ہیں، جو معمولی دنیاوی اشیاء میں نہیں پائی جاتیں۔ (معلوماتِ سائنس)

اب ہر عقل سلیم رکھنے والا یہ محسوس کریگا، کہ اس نظریۂ قرآنی کے سائنس دان اب بہت قریب آگئے ہیں، کہ سماوی پول خالی نہیں، بلکہ کسی لطیف در لطیف مادّے سے بھرا ہوا ہے، جس میں کہ ستارے تیر رہے ہیں۔

اجرامِ فلکی کے اثرات کرۂ ارض پر

۱۔ آسمان اور زمین کا تعلق:۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے، کہ زمین آسمان کے لئے بطور زوج کے ہے چنانچہ فرمایا رَفَعَ السَّمٰوٰتِ۔ آسمان کو بلند کیا۔ مَدَّ الْاَرْضَ، زمین کو نیچے بچھا دیا۔ گویا ان دونوں کا آپس میں شدید تعلق ہے۔ اگر ایک میں اثر ڈالنے کا مادّہ ہے، تو دوسرے میں اثر قبول کرنے کا۔ اسی قوتِ مؤثرہ اور متأثرہ سے یہ نظامِ عالم قایم ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی اپنا کام چھوڑ دے، تو نظامِ عالم آن کی آن میں تباہ ہو جائے۔ اس بات کی طرف، کہ آسمان مجموعۂ مؤثرات ہے اور زمین مجموعۂ متأثرات، فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ، آسمان گواہ ہے، جو اپنے اثرات لوٹاتا ہے۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ، اور زمین گواہ ہے، جو ان اثرات کو قبول کرنے کے لئے کھل جاتی ہے۔ اسی معنوں کو قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ نہایت خوبصورت پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ جس سے ایک روحانی تڑپ برقی رَو کی طرح انسانی قلب میں پیدا ہوتی ہے۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۝ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۝ (ذاریات رکوع ۲) فرمایا اے انسان! غور کر

اور دیکھ آسمان کو ہمنے کس طرح وسعت دی ، اور زمین کو ہمنے اس کے نیچے کیا ہی خوب بچھایا ہے ۔ اس ارض وسماء کے جوڑے کی طرح پھر ہمنے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ پس اے انسان ! تیرا جوڑا اور تعلق تیرے خدا سے ہے ۔ پس تو اللہ تعالیٰ کی آغوش میں بھاگ کر آجا ۔ ان آیات سے ظاہر ہے ، کہ آسمان اور زمین کا ایک زبردست جوڑ ہے ' زمین بھی آسمان سے اسی طرح متأثر ہوتی ہے ، جس طرح مادہ نر سے ۔ جب تک آسمان سو بارش نہ برسے ، اور اپنے ساتھ شیریں پانی اور آکسیجن اور ایمونیا کو لیکر نہ آئے ، اور سورج کی روشنی اپنا اثر نہ ڈالے ، زمین پر کوئی زندگی اور سرسبزی پیدا نہیں ہوتی ۔ اور اُس کی باطنی استعدادیں اور مخفی بیج نشو و نما نہیں پاتے ۔" تمام اناج اور پھل آفتاب کی حرارت اور چاند کی خنک روشنی سے پکتے ہیں ۔ گویا ان ہی شعاعوں اور تاثیرات کی آغوش میں یہ فواکہ و اثمار خوش رنگ و طرحدار ، لذیذ اور مزیدار بن جاتے ہیں ۔

یہ تو ہوئے موٹے موٹے آسمانی اثرات ، جو کہ سبھی جانتے ہیں ۔ لیکن آج سائنس نے ثابت کیا ہے ، کہ سورج ، چاند اور ستاروں سے ایسی تاثیرات بھی دُنیا پر پڑتی ہیں ، جو آنکھوں سے نظر آنیوالی شعاعوں کے علاوہ دوسرے ذرائع سے انسان پہ اثر انداز ہوتی ہیں ۔ جیسے برقی یا مقناطیسی اثرات ۔ اسی طرح چاند سورج گہن کے اثرات ہیں ۔ اور پھر آفتابی داغوں کے اثرات ہیں ۔ کہ ان داغوں کی کمی بیشی کے ساتھ موسم گرما گرم و خشک سے سرد و تر ہو جاتا ہے ۔ یعنی جس سال آفتابی داغ بکثرت نمایاں ہوتے ہیں ، موسم گرما میں رطوبت و شادابی بڑھ جاتی ہے ۔ یہ موسمی تغیرات ان آفتابی داغوں کی کمی بیشی کے ساتھ ساتھ ہر گیارہویں سال واقع ہوتے ہیں ۔

پھر ستاروں میں پائی جانیوالی مختلف دھاتوں کے اثرات بھی دُنیا پر اُترتے رہتے ہیں ، جو اہلِ دُنیا کے دماغ اور قویٰ پر مختلف اثر ڈالتے ہیں ۔ آسمانی تاثرات کا سلسلہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا ، بلکہ گذشتہ پچاس برس کی جد وجہد سے علماءِ سائنس نے ہر ایک ذرّے کی ایسی باریک در باریک حالتوں کا انکشاف کیا ہے ، جو زمانہ ماقبل میں انسانی مشاہدہ اور دائرہ ادراک سے باہر تھیں ۔ اور ہر ایک ذرّے میں نظامِ شمسی ثابت ہُوا ہے یعنی یہ کہ ان میں ایک مرکز ہے ، جس کے اردگرد برق پارے تیزی سے حرکت کرتے رہتے ہیں ۔ اور پھر ذرّے کا دل چیرنے پر ہر ایک ذرّے میں سات آسمانوں کی طرح سات تہیں

ثابت ہوئی ہیں۔ یہ سب امور آسمان اور زمین کے شدید تعلق کے غماز ہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ سورج، چاند اور ستاروں، سیاروں کی تسخیر کا قرآن کریم میں تکرار ذکر کیا گیا، مثلاً فرمایا:-

وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو، اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے بے اُجرت کام پر لگا رکھا ہے۔ اور دوسرے تمام سیارے اور ستارے بھی اس کے حکم سے بلا اُجرت تمہاری خدمت میں متعین ہیں۔ یعنی اپنے اثرات زمین کی طرف لوٹا رہے ہیں۔ جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں، ان کے لئے اس میں یقیناً کئی نشان پائے جاتے ہیں۔ آگے مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ میں فرمایا کہ مختلف قسم کے رنگ بھی انسان پر اپنے اثرات ڈالتے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا۔ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ؕ (۳۳/۱۴) اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو جو ایک قانون میں چل رہے ہیں، تمہاری خدمت پر لگایا، بلکہ یہاں تک فرمایا، کہ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمینوں میں ہے، سب کو انسان کی خدمت کے لئے لگا دیا گیا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام کائنات کو انسانی افادہ کے لئے مسخر کر رکھا ہے۔ ان کے اثرات ہماری زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ انہی اثرات کے ماتحت زمین اپنی روئیدگی اور سرسبزی اُگاتی ہے۔ اور اس میں زندگی کا چکر چل رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں خدا تعالیٰ نے آسمانوں کو اور ان کے اجرام کو قوتِ مؤثرہ عطا کر رکھی ہے، اور زمین کو قوتِ قابلہ مرحمت فرمائی ہے۔ اور یہ جو فرمایا، کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔ یعنی عالم بالا کی اس تسخیر میں عقلمندوں کے لئے بڑے بڑے نشان پائے جاتے ہیں۔ تو ان الفاظ سے قرآن کریم نے انسانی نظر کو بلند سے بلند تر کر دیا۔ اور تحقیقات کا دروازہ کھول دیا۔ اور اجسام کائنات کی ہیبت کو دلوں سے محو کر دیا۔ جس ہیبت کی وجہ سے لوگ ان کو پوجنے لگے تھے۔ اور فرمایا، کہ ہم نے تو ان تمام چیزوں کو تمہارا غلام بنا کر پیدا کیا ہے، اور ان سب کا فرض ہے، کہ وہ تمہاری بلا اُجرت خدمت

کریں۔ لیکن انسان کی بھی عجیب حالت ہے، کہ انہی چیزوں کے آگے ہاتھ جوڑکر ڈنڈوت بجالاتا ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے، جیسے آقا اپنے خادم کے سامنے بید لرزاں کی طرح کانپ رہا ہو، اور اس کے آگے ہاتھ جوڑتا پھرتا ہو۔ پس یہ نادانی ہے، عقلمندی نہیں عقلمند ان مظاہر قدرت پر جوں جوں غور کرتا ہے، اس کی گردن انسانی شرف و تفاخر سے اونچی ہوئی جاتی ہے، اور اس کو یہی نظر آتا ہے، کہ اللہ تعالٰے نے اِن سب چیزوں کو میری خاطر مسخر کر رکھا ہے۔ چنانچہ مشرک قوموں کے متعلق قرآنی نظریہ یہ ہے، کہ وہ کبھی بام عروج پر نہیں پہنچ سکتیں۔ کیونکہ مشرک اشیاءِ عالم کو اپنی خدمت پر نہیں لگا سکتا، بلکہ انکی پوجا شروع کر دیتا ہے۔ چنانچہ مشرک کی مثال قرآن کریم میں یہ دی گئی ہے مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ (حج۔ رکوع ۴) یعنی جو چیزیں انسان کی خدمت کے لئے مسخر کر دی گئی ہیں، اُن سے خدمت لینے کی بجائے ان کی عبادت کرنیوالے کی مثال ایسی ہے جیسے وہ آسمان سے گر پڑا۔ اس آیت میں شرفِ انسانی کی رفعت کو رفعت سماء سے تشبیہہ دی گئی، اور اس شرف کو ضایع کر دینے والے کی مثال آسمان سے گرنے والے سے دی گئی۔

نظامِ ارضی نظامِ شمسی کے تابع ہے!

فرمایا:۔ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ (سورہ الرحمٰن۔ رکوع ۱) سورج اور چاند دونوں ایک حساب کے ماتحت کام کر رہے ہیں۔ یعنی ان کی حرکات قانون سے آزاد نہیں، بلکہ ایک معین اور مقررہ قانون کے مطابق ہیں۔ اور اس مقررہ قانون کا نتیجہ یہ ہے، کہ زمین کی روئیدگی اور سبزہ اس قانون کے ماتحت چلتا ہے۔ اور اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ فرمایا کہ سورج اور چاند جس قانون کے تابع ہیں، اس کے تابع سبزیاں، ترکاریاں، جڑی بوٹیاں اور بڑے بڑے درخت ہیں، جو سب اپنے اُگنے اور نشو و نما پانے اور پھل لانے میں سورج اور چاند کے پیچھے چلتے اور ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ اسی سے اس طرف بھی اشارہ کیا ہے، کہ زمین کے اندر جو تغیرات ہوتے ہیں، وہ سب نظامِ شمسی کا ایک حصہ ہیں، اور اس سے متاثر ہوتے ہیں، آزاد نہیں ہیں۔ (سیرِ روحانی)

"نظریۂ تجاذب کائنات"

ہماری زمین اور یہ بڑے بڑے آسمانی اجرام فضاء میں کیونکر قائم ہیں؟ اس کے متعلق سترہویں صدی میں "اسحاق نیوٹن" نے قانونِ تجاذب دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ گو اس سے قبل مسلمان اس قانون کو پیش کر چکے تھے۔ اسحاق نیوٹن نے وہی پُرانی مے ذرا صاف کرکے ایک نئے مُشکیزے میں پیش کر دی۔ بہرکیف اس قانون کی تفصیل یہ ہے، کہ کائنات کے ہر دو مادی ذرے ایک دوسرے کو کھینچ رہے ہیں۔ کیونکہ اُن کے درمیان ایک تجاذبی قوت پائی جاتی ہے۔ اسی جذب وکشش کے باعث تمام چیزیں قائم ہیں۔ یہاں تک کہ اسی کشش کے مقابلۂ باہمی سے یعنی کھینچ تان سے تمام فلکی اجسام اپنے اپنے دائرہ میں رواں دواں ہیں۔ سیارے، سورج پر چاروں طرف ایک بیضاوی مدار پر گھومتے ہیں۔ اس سے نیوٹن نے یہ نتیجہ نکالا، کہ سورج سیاروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور سورج کی کھینچ اور سیاروں کی تان سے سیارے بیضاوی مدار پر گھومنے لگے۔ اسی طرح زمین کی کشش چاند کو اپنے گرد پھراتی رہتی ہے۔

سر جیمس جینس ایک مشہور سائنسدان نیوٹن کے خیالات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جس طرح کہ کشش ارضی چاند کو ایک تقریباً مدور حلقہ میں اپنے گرد پھراتی رہتی ہے، اور اس سے باہر نہیں جانے دیتی۔ اسی طرح کششِ شمسی زمین اور دوسرے سیاروں کو آفتاب کے گرد گول یا تقریباً گول دائرہ میں حرکت کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ جیسے ہم ایک رسی میں پتھر باندھ کر اپنے سر کے گرد چکر دیتے ہیں، ویسے ہی یہ سیارے آفتاب کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ اپنے ہاتھ کو آفتاب اور پتھر کو سیارہ اور رسی کو قوتِ کششِ شمسی سمجھ لیجئے، تو یہ مسئلہ صاف ہو جائیگا۔ جتنا تیز پتھر پھریگا، اتنا ہی زیادہ زور رسی پر پڑیگا۔ مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ جو سیارے آفتاب سے قربت رکھتے ہیں، وہ زیادہ تیز رفتار ہیں، بہ نسبت دُور اُفتادہ سیاروں کے۔ اور اس لئے کششِ شمسی نزدیک والے سیاروں پر زیادہ قوی ہے، بہ نسبت دُور کے سیاروں کے۔ یہ عین مطابق ہے، نیوٹن کے قائم کردہ اصول کے کہ قوتِ کشش فاصلہ کے مربع کے تناسب سے گھٹتی جاتی ہے۔ اس اصول کے مطابق سیاروں کا فعل اور ان کی رفتار معلوم ہوتی ہے سیارہ

رفتار در بفعل قوت کشش کی مناسبت سے رہتی ہے۔ تاکہ وہ اپنے مدار سے باہر نہ جا سکے۔"
(Through Space and Time کا اردو ترجمہ سیر کائنات صفحہ ۱۹۲، ۱۹۳)

قرآن کریم میں مختلف سائنسی علوم کیطرف اصولی رنگ میں توجہ دی گئی ہے۔ اور بعض اہم علوم کی طرف اشارت کئے گئے ہیں۔ تاکہ انکی مدد سے دماغی قوتیں بروئے کار لائی جائیں۔ اور اسطرح علوم کی ترقی ہو۔ کیونکہ علوم کی ترقی، ترقی یافتہ دماغوں سے وابستہ ہے۔

ارضی خاصیات اور آسمانی نظام کے متعلق قرآن کریم میں مختلف جگہ توجہ دلائی گئی ہے۔

(۱) چنانچہ زمین کی کشش ثقل اور قوت جاذبہ کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ فرمایا۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّ اَمْوَاتًا۔ یعنی زمین میں کچھ ایسی قوت ہے، کہ باوجود تیز حرکت کے تمام چیزیں اس کی طرف کھینچی رہتی ہیں۔ اور اس کے ساتھ لگی رہتی ہیں۔

(۲) اسی طرح فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَ لَئِنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ (۳۵/۴۱) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روکتا ہے، کہ وہ اپنے راستہ سے ہٹ نہ جائیں۔ اگر وہ ہٹ جائیں، تو اس کے بعد کوئی انہیں نہیں روک سکتا۔ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ (حج۔ رکوع ۹) وہی آسمان کو زمین پر گر پڑنے سے روکتا ہے یعنی وہ قوانین کہ جن سے یہ اجرام کائنات وابستہ رہتے ہوئے اپنے اپنے رستوں پر رواں دواں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں۔ اگر یہ کسی قانون میں جکڑے ہوئے نہ ہوں، تو باہمی ٹکراؤ سے کائنات عالم کو تباہ کر دیں معلوم ہوا، کہ کوئی طاقت ہے، جو ان اجرام کو روکے ہوئے ہے۔ جسکے باعث کوئی ان میں سے اپنی حدود مقررہ سے باہر نہیں جاتا۔ نہ وہ آپسمیں ٹکراتے ہیں، نہ بال بھر رفتار بدلتے ہیں۔ غرض کوئی قانون ضرور ہے جو اجرام فلکی کے بیشمار بھاری بھرکم گولوں کو تصادم سے بچائے ہوئے ہے۔

(۳) لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (۳۶/۴۰) یعنی آفتاب چاند کو نہیں پکڑ سکتا اور رات جو مظہر ماہتاب ہے، دن پر جو مظہر آفتاب ہے۔ کچھ تسلط کر سکتی ہے۔ تمام اجرام فلکی اپنے مقررہ دائرہ میں تیر رہے ہیں۔ یہاں سَبَحَ۔ يَسْبَحُوْنَ کے ذریعہ سماوی اجرام کے تیرنے کے ذکر میں ایک لطیف اشارہ ہے۔ جیسے فضائے بسیط میں تیرنے والے پرندہ کو کشش ارضی اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور وہ اپنی قوت پرواز سے اس کشش کا ایک حد تک

اندفاع اور مقابلہ کرتا ہے، اور اس طرح فضاء میں قایم رہتا ہے۔ اسی طرح اجرام کائنات ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، اور اس کھینچ تان میں وہ فضاء میں معلق رہتے ہیں۔ جیسے زمین کی کشش اور پرندے کی قوت پرواز اس کو فضاء میں معلق رکھتی ہے۔ اسی طرح بعض اجرام کی کھینچ اور بعض کی تان اُن کے قیام کا باعث بن جاتی ہے۔

(۴) آسمان اور زمین میں ایک تجاذبی قوت پائی جاتی ہے۔ جس کے باعث آسمان اور زمین دونو اپنے اپنے اثرات کو ایک دوسرے کی طرف لوٹاتے ہیں۔ فرمایا، يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ ، (۳۴) وہ جانتا ہے جو زمین میں داخل ہوتا ہے، اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے۔ اور جو آسمان سے اُترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے۔ یعنی سماوی قوتیں آسمان سے اُترتی اور زمین میں داخل ہوتی ہیں اور زمینی قوتیں زمین سے نکلتی اور آسمان میں چڑھتی ہیں۔ گویا زمین اور آسمان ایکدوسرے کو اپنی قوت اور اپنے اثرات لوٹا رہے ہیں۔

(۵) زمین اور آسمان کے باہمی تعلقات کو دوسری جگہ غیر مرئی ستون کہا گیا، فرمایا۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ۔ ۔ ۔ ۔ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْأَرْضَ (رعد، رکوع ۱) اللہ تعالیٰ وہ ہے، جس نے آسمان کو ایسے ستون کے بغیر بلند کیا ہے، جو تمہیں نظر آتے ہوں۔ اور پھر وہ عرش پر قایم ہوا۔ اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ چنانچہ ہر ایک کرہ ایک معین میعاد تک (اپنی مقررہ گردش کے مطابق) چل رہا ہے۔ وہ ہر امر کا انتظام کرتا ہے، اور وہ اپنی آیات کو کیونکر بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم لوگ اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھو۔ اور وہی ہے، جس نے زمین کو آسمان کے نیچے بچھا دیا۔ گویا آسمان اور زمین کچھ ایسے ستونوں سے وابستہ ہیں، جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے۔ جن کے باعث زمین آسمان کے نیچے بچھی ہوئی ہے، اور اجرام فلکی اپنی جگہ قایم ہیں۔

چونکہ یہاں اور اس کے سیاق و سباق میں ساری بحث ہی بعض تعلقات پر ہے جو نظر نہیں آتے، جیسے یہی آسمان کا تعلق وغیرہ۔ اس لئے ان ستونوں سے مراد وہ تعلقات ہیں، جن کی وجہ سے زمین و آسمان اپنی اپنی جگہ پر قایم ہیں۔ چاہے وہ تعلقات کشش ثقل کے ہوں، یا حرکات مخصوصہ سیارگان یا اور دوسرے ذرایع جو علمائے طبعیات نے دریافت کئے ہیں، یا جو اب تک دریافت نہیں ہوئے۔ بہرحال یہ ایسے تعلقات ہیں، کہ بغیر انکے

یہ نظامِ کائنات قائم نہ رہ سکتا تھا۔ یہی تعلقات بمنزلہ عمائد ہیں، اور یہی وہ عمائد یا ستون ہیں، جنہیں ہم نہیں دیکھ سکتے۔ یہاں بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا میں کیا لطیف مضمون بیان فرمایا، کہ اگر مادی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے، تو اجرام سماویہ بغیر ستونوں کے کھڑے ہیں اگر اسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، کہ جس چیز کے ذریعہ کوئی چیز اپنی جگہ پر قائم ہے وہ اس کا ستون ہے۔ تو پھر جان رکھو، کہ کائناتِ عالم ایسے ستونوں پر قائم ہے جو نظر نہیں آتے۔

(۶) اس کے علاوہ قرآن کریم میں کئی جگہ آسمان اور زمین کے شدید تعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور بیان کیا گیا ہے، کہ یہ دونو ایک عظیم الشان جوڑ اور تعلق میں منسلک ہیں۔ بلکہ یہاں تک فرمایا، کہ دُنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں، جو جوڑے کے بغیر ہو۔ گویا کائنات کا ذرّہ ذرّہ ایکدوسرے سے وابستہ ہے۔ اور باہم شدید تعلق رکھتا ہے۔ اور کائنات کی ہر چیز میں نر و مادہ کی طرح کشش اور رشتہ موجود ہے۔ ایک چیز کے اثر ڈالنے، اور دوسری چیز کے اثر قبول کرنے سے ہی سلسلۂ نظامِ عالم چل رہا ہے۔ (ملاحظہ ہو سورہ ذاریات رکوع ۲)

اِن سب آیات کو سامنے رکھ کر آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں، کہ قرآن کریم کے نزدیک اجرامِ فلکی تو کیا، دُنیا کی ہر چیز باہمی تعلق کی وجہ سے قائم ہے۔ اِسی تعلق کے باعث اجرامِ فلکی کے بھاری بھرکم گولوں میں بگاڑ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اپنے اپنے دائروں میں تیر رہے ہیں۔ اسی تعلق کو غیر مرئی ستون کہا گیا، جسکے سہارے یہ کائنات قائم ہے۔

مسلمان اور نظریۂ تجاذبِ کائنات!

مسلمانوں کو چونکہ ان علوم کی طرف توجہ دلائی گئی تھی، اس لئے انہوں نے ان باتوں پر غور کیا، اور انہوں نے سب سے پہلے دُنیا کے سامنے قانونِ تجاذب پیش کیا۔ لوگ کہتے ہیں کہ سترہویں صدی میں اسحاق نیوٹن نے قانونِ تجاذب بنایا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سے کافی عرصہ پیشتر مسلمانوں نے اس نظریہ کو دُنیا کے سامنے رکھا۔ چنانچہ پروفیسر مصطفےٰ نے لکھا ہے، کہ "نیوٹن کے نظریۂ کشش کے آثار مسلمانوں کی تصانیف میں ملتے ہیں۔" پھر ہم اس نظریہ کو خالصتاً نیوٹن کی میراث نہیں سمجھ سکتے۔ بلکہ نیوٹن کو صرف یہ شرف حاصل

کہ اُس نے قانونِ تجاذب کو ریاضی کی زبان میں بیان کیا۔ اور پھر اس ریاضیاتی قاعدہ سے باضابطہ طور پر سیاروں وغیرہ کی حرکات کی توجیہہ وتشریح کی۔ ورنہ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس نظریہ کی بُنیاد مسلمانوں نے اٹھائی۔ چنانچہ یہ نظریۂ تجاذب مسلمانوں میں اس درجہ وسعت حاصل کر چکا تھا، کہ ادب اور شعر وسخن میں بھی اس کا ذکر ہونے لگا تھا۔

مثنوی مولینا جلال الدین رومیؒ میں نظریۂ تجاذب

چنانچہ مولینا رومؒ نے اپنی مثنوی میں ایک حکیم اور ایک عامی کے مابین مکالمہ درج کیا ہے جس میں عالمگیر قانونِ تجاذب کی تشریح شاندار پیرایہ میں کی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش + جفت جفت و عاشقان جفت خویش
ہست ہر جزوے بعالم جفت خواہ + راست ہمچو کہربا و برگِ کاہ
آسماں گوید زمیں را مرحبا + با توام چوں آہن و آہن ربا

اس کائنات کا ہر ذرہ ہر دوسرے ذرے کے ساتھ وابستہ ہے، اور ان میں کشش باہمی پائی جاتی ہے۔ اور اس طرح ایک دوسرے کو کھینچتا ہے، جیسے کہ کہربا پتھر گھاس کے تنکوں کو کھینچتا ہے آسمان اور زمین دونوں باہم لوہے اور مقناطیس کی طرح ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں۔

نوٹ :۔ نیوٹن کے نظریہ کے بھی یہی الفاظ ہیں، "کہ کائنات میں ہر ذرہ دوسرے ذرہ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے"

پھر سوال اٹھاتے ہیں کہ یہ زمین فضائے بسیط میں کیونکر معلق ہے۔ اس کی توجیہہ ایک حکیم کی زبان سے اسی عالمگیر قانونِ تجاذب کی رُو سے کرتے ہیں، فرمایا ؎

گفت سائل چوں بماند ایں خاکداں + درمیانِ ایں محیطِ آسماں
ہمچو قندیلے معلق در ہوا + نے بر اسفل می رود نے بر علا
آں حکیمش گفت کز جذبِ سما + از جہاتِ شش بماند در ہوا
چوں زمقناطیس قبہ ریختہ + درمیانِ ماند آہنے آویختہ

یعنی اُس آدمی نے سوال کیا، کہ یہ کیا بات ہے، کہ یہ دُنیا محیط آسمان کے درمیان

اس طرح معلق ہے، جس طرح قندیل۔ کہ نہ وہ نیچے گرتی ہے، نہ اُوپر کو چڑھتی ہے حکیم نے جواب دیا، کہ دُنیا ہوا میں اس لئے معلق ہے، کہ آسمان اُسے ہر طرف سے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہؤا، کہ زمین بیچ میں معلق ہو کر رہ گئی۔ اس کی مثال یہ ہے، کہ اگر مقناطیس کا ایک گنبد بنایا جائے، اور لوہے کا کوئی ٹکڑا اس طرح ٹھیک وسط میں رکھا جائے، کہ ہر طرف سے مقناطیس کی کشش برابر پڑے، تو وہ درمیان میں لٹکا رہ جائے گا یہی حالت زمین کی ہے۔

غور کیجئے! کیا اس سے زیادہ واضح تر الفاظ، عام فہم زبان اور سادہ پیرایہ میں قانونِ تجاذب کی تشریح کی جا سکتی ہے؟ واضح رہے، کہ یہ مثنوی نیوٹن سے پانچسو سال پہلے کی تصنیف ہے +

(باقی دارد)

خدا لگتی

(از جناب بابو کرم الٰہی صاحب وصلانی پٹیالہ)

دو تین دن ہوئے، جو میں نے اپنی کتابوں میں سے حسب معمول خالی وقت گذارنے کیلئے ایک جلد نکالی تو وہ ریویو آف ریلیجنز سنہ ۱۹۲۱ء تھی۔ اس کی ورق گردانی کرتے ہوئے میری نظر رسالہ نمبر ۴ جلد مذکورہ بابت ماہ اپریل صفحہ ۱۰۰، ۱۰۱ کے اس نوٹ پر پڑی، جو بحوالہ رسالہ صدیق مولانا دریا بادی کیطرف سے بہ سلسلہ اداریہ تحت سرخی "ایک خواب" بدیں خلاصہ درج ہے، کہ مولانا دریابادی سے ایک اہلِ دل نے ایک دوسرے اہلِ دل کی زبانی بہت عرصہ ہوا بیان کیا تھا، کہ ان بزرگ کو مرزا صاحبؐ کے بارہ میں تردد اور خلجان رہا کرتا تھا۔ آخر ایک روز عالم رؤیا میں حضور صلعم کی زیارت نصیب ہوئی، اور انہوں نے اس بارگاہِ عالی میں سوال پیش کر دیا، کہ یہ مرزا کیسا شخص ہے؟ انکا بیان ہے کہ جواب اردو میں ارشاد ہوا "باتونی ہے"۔) اس پر رسالہ صدیق میں مولانا کا ریمارک یہ ہے "کہ وہ خواب حجت شرعی یقینی نہیں۔ خصوصاً جب وہ نقل در نقل ہو کر پہنچے لیکن ایک لفظ کے ذریعہ سے ایک مخصوص ذہنیت کی حکیمانہ لطیف ترین تشریح ہے، بہت لگی ہوئی"۔ اس پر ایڈیٹر صاحب ریویو کا ریمارک ہے۔ کہ "سمجھ میں نہیں آتا، کہ جب مولانا کو یہ مسلم ہے، کہ خواب حجت شرعی نہیں، اور یہ خواب تو آپ تک پہنچا بھی نقل در نقل ہو کر ہے، پھر آپ نے ایسی کمزور چیز کا سہارا لیکر ایسے شخص کو ملعون کرنیکی کیوں کوشش کی، کہ جسکی صداقت پر زمین و آسمان میں ہزاروں قطعی اور یقینی نشانات ظاہر ہو چکے ہیں، جنکے لاکھوں انسان گواہ ہیں" وغیرہ وغیرہ

اِس نوٹ اور اِن ریمارکس کو پڑھ کر معاً مجھے یاد آیا، کہ جب یہ رسالہ پہلے روز موصول ہو کر میری نظر سے گذرا تھا، اس نوٹ پر میری نظر ذرا ٹھٹکی تھی، اور دل نے کہا تھا، کہ خواب میں سوال کے جواب کا تعلق چونکہ ایک عظیم الشان ہستی کے متعلق ہے، اس لئے رؤیا کے متعلق اور خصوصاً لفظ باتونی کے متعلق جو مضمونِ خواب کا مرکز ہے، اس سے کچھ زیادہ توضیح ہونی چاہیئے تھی جس قدر کہ کیگئی ہے۔ اس کے بعد رسالہ رسالوں میں رکھا گیا اور مجلد بھی ہو گیا، مگر اب اُس سابقہ خیال کے تازہ ہونے پر حسب ذیل امور میرے دل میں آئے:۔

۱- خواب کے حجتِ شرعی مسلّمہ نہ ہونیکے باوجود یہ امر بھی ضرور قابلِ لحاظ ہے، کہ خواب دیکھنے کے وقت خواب بین صاحب کے اپنے خیالات اور جذبات اس سوال کے متعلق کیا تھے کیونکہ ان جذبات اور خیالات کا جو اثر خواب پر پڑنا لازمی ہے، وہ اِس مثال سے واضح ہوسکتا ہے کہ اگر کسی شخص کی آنکھوں پر کسی رنگدار شیشہ کی عینک لگی ہوئی ہو، تو اشیاد کے نظر آنیکے باوجود انکا رنگ حقیقت کے خلاف اور عینک کے شیشوں کے رنگ کے تابع نظر آئیگا۔ اسکا نوٹ میں کوئی تذکرہ یا قرینہ نہیں ہے۔

۲- اب رہا لفظ **یا توفی** اس کے متعلق یہ جانتے ہوئے بھی، کہ اس کا استعمال ایک مذموم پہلو پر بھی ہوتا ہے، اِس لفظ کے نفس میں مجھے کوئی مذموم عنصر نظر نہیں آیا۔ علاوہ ازیں یہ کون نہیں جانتا، کہ ہر زبان میں ایسے الفاظ بھی ضرور ہوتے ہیں، کہ جو مدح اور ذم ہر دو مقام پر استعمال ہوسکتے ہیں۔ اُن کا صحیح مفہوم، محلِ استعمال اور اُس شخص کی شخصیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے لیا جاتا ہے۔ مثلاً زید بکر سے بطور مشورہ دریافت کرے، کہ فلاں کام اگر فلاں شخص کے سپرد کیا جاوے، آپ کی اندریں بارہ کیا رائے ہے۔ بکر جواب دے، کہ وہ آدمی ہشیار ہے۔ اب اگر اسکی شہرت اس سے قبل دھوکہ دہی اور عیاری میں ہو، تو لفظ ہوشیار کا مفہوم عیار اور ناقابلِ احتماد ہوگا۔ اور اگر اسکے برعکس وہ شخص نیک نام اور دیانتداری میں شہرت یافتہ ہے، تو اس کا مفہوم کام کا اہل اور تعریفی پہلو لئے ہوئے ماننے پڑینگے۔ چونکہ لفظ یا توفی ایک اُردو زبان کا لفظ ہے، اور اُردو زبان میں ایسے الفاظ بکثرت ملسکتے ہیں، جو مدح اور ذم ہر دو مقام پر بلاتامّل استعمال ہوتے ہیں۔ اس کا مفہوم محلِ استعمال اور مستعمل لہٗ سے ہوتا ہے۔ مثلاً آخری شاہ دہلی ظفر مرحوم جو اہل زبان کے بھی بادشاہ تھے، اور کئی دیوانوں کے مصنف، اپنے ایک مثلث میں فرماتے ہیں ؎

یا تو افسر مِرا شاہانہ بنایا ہوتا + یا مِرا تاج فقیرانہ بنایا ہوتا
ورنہ ایسا جو بنایا نہ بنایا ہوتا + کیوں خردمند بنایا نہ بنایا ہوتا
تونے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا + ورنہ ایسا جو بنایا نہ بنایا ہوتا

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دوسرے بند میں لفظ دیوانہ سے مُراد اینٹ پتھر مارنیوالا پاگل مُراد ہے۔ بلکہ عشق و محبت میں حد سے گزرا ہوا۔ جیسا کہ آیت شریفہ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں ضآل کے معنے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے، کہ الحمد شریف کے لفظ ضَآلِّیْنَ میں بھی وہی معنے ہیں؟

۳- اِسی سلسلہ میں میرا خیال آیت شریفہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَعَلَّمَهُ الْبَيَانَ کی طرف

منتقل ہوا۔ بیان بات کرنے کے مفہوم سے متعلق ہے یا خاموش رہنے سے۔ اِس سے عیاں ہے کہ چونکہ انسان کی خصوصیت اور تمیز ہی بیان سے ہے جو کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئی۔ اسلئے لازمی ہے کہ جسقدر انسان کامل ہوگا، اسی قدر اس کا بیان کامل اور مکمل ہوگا۔ اب غور کے قابل یہ امر ہے، کہ بیان کے مفہوم میں بات کرنا داخل ہے یا خاموش رہنا۔ نیز سورہ یوسف کی آیہ شریفہ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ قابل ملاحظہ ہے۔ تاویل حدیث کے معنے بات کو کھولکر اسکی حقیقت ظاہر کرنا ہے۔ اس کا مفہوم خاموشی کا مرادف نہیں، بلکہ اس کا مطلب بات کرنے اور تفصیل اور وضاحت سے بات کرنیکا متقاضی ہے جس سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ لفظ با توفی حالات کے لحاظ سے صاحب تاویل احادیث کا مرادف معنی ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تاویل احادیث کے جو دریا بہائے، وہ کسی اہل دل سے پوشیدہ نہیں۔ صدہا روحانی مسائل جو خلاف عقل خیال کئے جا کر مخالفوں کی نظر میں محل اعتراض بنے ہوئے تھے، اُن کی وہ تاویل فرمائی ہے، کہ نہ صرف معترض فریق کا مُنہ بند کر دیا، بلکہ روحانیات کے سربستہ رازوں کا انکشاف ہو کر وہی مسائل لطیف پیشین گویوں پر مبنی اور روحانی علوم کے خزانے ثابت ہو چکے ہیں، اور لاکھوں انسانوں کے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئے ہیں تفصیل کی اس مختصر نوٹ میں گنجائش نہیں ہے۔ متلاشی حق کو حضور علیہ السلام کی کتب کا مطالعہ کرنا لازمی ہے۔

خاکسار کو یہ چند سطور صرف اسی خیال سے حوالہ قلم کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی، کہ تا دریابادی صاحب اور اُن کے دو اہل دل کی کشتی ایمان خدا کرے دریا بُردی سے محفوظ رہے۔ اور نیز اس لئے، کہ جب خواب کو حجت شرعی نہ ہونا تسلیم کرتے ہوئے بھی وہ اپنے خیال میں ایک لگتی ہوئی بات ہونے کے سبب اس کی اشاعت پر مجبور ہوئے، تو اِس طرف سے کیوں ایک خدا لگتی بات کہنے میں تامل کیا جاوے ؎

تمہیں تقصیر اُس بُت کی ہے یا میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہنا خدا لگتی

سنسار کا اوتار!

شریمان پوجیہ سنت رام جی بی۔اے رسالہ کانتی لاہور نومبر ۱۹۴۳ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

"میرا وشواش ہے کہ بھارت کا آنیوالا نجات دہندہ یا اوتار وہی انسان ہوسکیگا، جو جاتی بھید کو مٹا کر دیش میں سچی واشٹریتا (قومیت) کی بُنیاد رکھیگا"

شریمان جی آپکو میں یہ خوشخبری بتا دیتا ہوں، کہ پرم پتا پرماتمانے اپنی دیالتا سے اس مرتیولوک سے اشانتی کو دُور کرنیکا اتی سُندر اوپائے بتادیا ہے، اور ہم نے اس اوپائے پر عمل کر کے دیکھ لیا ہے، کہ پرم پتا پرماتما کی آگیا پالن کرنے کے بغیر بھارت ورشی کبھی بھی سُکھ اور شانتی حاصل نہیں کرسکتے۔ اس لئے آپ کا یہ دھارمک فرض اور آتما کی شکتی اور شانتی حاصل کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے، کہ آپ پرماتما کی اُس آواز کو جو قادیان کی پوتر بھومی سے مہاراج یوگی راج میرزا غلام احمدؑ قادیانی کرشن ثانی علیہ الصلوۃ والسلام کے ذریعہ بلند ہوئی ہے۔ اس کی طرف دھیان دیں، کیونکہ آپ نے یہ خود ہی تحریر کیا ہے:۔

"رام، کرشن اور وکرم کے زمانوں میں بھارت پر جیسی مصیبت آئی تھی۔ اُس سے بھی زیادہ اِس وقت آئی ہے۔ اُن زمانوں میں بھارت کو باہری دشمنوں کی تکلیف ضرور تھی، مگر دیش کی بھیتری (اندرونی) حالت اب سے بہت اچھی تھی۔ اُس وقت دیش میں آج کی طرح گھریلو پھوٹ نہ تھی۔ آج بیرونی دشمن کا خطرہ تو پہلے کی طرح موجود ہے ہی، اس کے علاوہ نہ صرف ہندو اور مسلمانوں کا ہی پیچیدہ سوال دُکھ دے رہا ہے، بلکہ خود ہندوؤں کے اندر بھی دُوِج اور شودر کا، براہمن اور غیر براہمن کا، بھومی ہار اور کایستھ کا، جاٹ اور بنئے کا، اچھوت اور سودن کا نیا جھگڑا کھڑا ہو گیا ہے۔ ان سب کے سوارتھ (مفاد) ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ جو چیز ایک کے لئے امرت ہے، وہی دوسرے کے لئے ہلاہل ہے۔" (کرانتی نومبر ۱۹۴۳ء)

مذکورہ بالا حوالہ یہ صاف صاف بتا رہا ہے۔ کہ آپ کو ہندوستان کی بیماری کا علم ہے۔ اور وہ بیماری ایسی ہے، جو حضرت رام چندر جی اور یوگیراج حضرت کرشن جی علیہم السلام کے وقت میں نہ تھی۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے، کہ اس وقت بیماری کا علاج بھی ہو۔ سو آپ کو ایشور کا گن گانا چاہیئے۔ کہ اس نے اس بیماری کا علاج کرنے کے لئے یوگیراج کرشن ثانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قادیان میں نازل فرما دیا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"میں اُن گناہوں کے دُور کرنے کے لئے جن سے زمین پُر ہو گئی ہے، جیسا کہ مسیح ابن مریمؑ کے رنگ میں ہوں۔ ایسا ہی راجہ کرشنؑ کے رنگ میں بھی ہوں۔ جو ہندو مذہب کے تمام اوتاروں میں سے ایک بڑا اوتار تھا۔ یا یوں کہنا چاہیئے، کہ روحانی حقیقت کی رُوح سے میں وہی ہوں۔ یہ میرے خیال اور قیاس سے نہیں، بلکہ وہ خُدا جو زمین اور آسمان کا خُدا ہے، اُس نے میرے پر ظاہر کیا ہے، اور ایک دفعہ نہیں، بلکہ کئی دفعہ مجھے بتایا ہے۔ کہ تو ہندوؤں کے لئے کرشن، اور مسلمانوں اور عیسائیوں کے لئے مسیح موعود ہے۔"

(از لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۰)

شری یوگیراج حضرت کرشن ثانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا وند تعالےٰ نے نہ صرف مسلمانوں اور عیسائیوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے نازل فرمایا ہے، بلکہ دُنیا کی ٹھکرائی ہوئی پُرانی ہندو جاتی کے لئے بھی اصلاح کا مرکز بنایا ہے۔ اسلئے حضورؑ نے ہندوؤں کی بہتری اور بہبودی و شانتی کا مارگ بھی بتلا دیا ہے۔

آپ یہ مانتے ہیں، کہ ہندوستان کی تباہی، گراوٹ اور بربادی کے دو بڑے کارن، یعنی ہندو مُسلم نا اتفاقی اور ہندوؤں میں جاتی بھید ہے۔ مَیں آپ کو یہ بتاتا ہوں، کہ صرف اسلام ہی ایک ایسا دھرم ہے، جو ہندو مُسلم اتحاد کرا سکتا ہے، اور ہندوؤں کو ایک سنگٹھن کی لڑی میں پرو سکتا ہے۔ اسلئے آپ کا یہ فرض ہے، اور آپ کو خود سوچنا چاہیئے۔ کہ یہ بات جو میں آپ کی سیوا میں نویدن کرنے لگا ہوں، آپ کے لئے کلیان کاری ہے، یا نہیں؟

اگر کلیان کاری ہے، تو اس کو مان کر اپنی آتما کا سُدھار کریں، اور ایشور یہ سچائی کو گرہن کر کے شانتی کے بھاگی بنیں۔

ویدک دھرم جاتی بھید کو قائم رکھنا بتاتا ہے کہ:۔

"قاعدہ تو جنم سے ہی ورن ملنے کا تھا، رام چندر نے شمبک شودر کو صرف اس لئے مار ڈالا، کہ وہ جنم کا شودر ہو کر بھگوان کا بھجن (خدا کی عبادت) کیوں کرتا تھا، یہ تریتا یگ کی بات ہے۔ ویدک کال میں بھید اس ایتریہ اس بات کا پرمان ہے، کہ جنم کے ساتھ اونچ نیچ مانی جاتی تھی۔ دواپر میں ہم دیکھتے ہیں، کہ دروپدی مہا ویر کرن سے بیاہ کرنے سے صرف اس لئے انکار کرتی ہے، کیونکہ وہ سوت پتر تھا۔

(از رسالہ کرانتی لاہور جولائی ۱۹۴۲ء نمبر ۵۲-۵۳)

اس لئے آپ ویدوں کو مانتے ہوئے ورن بھید سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جب تک وید پرمانک ہیں، اُس وقت تک ذات پات سے چھٹکارا پانا خشکی پر کشتی چلانا یا سمندر میں گھوڑا دوڑانا ہے۔ اور جات پات کیا ہے؟ وہ یہ ہے:۔

"اس جات پات کے زہریلے مادے نے ہماری زندگی کے تمام اہم پہلوؤں میں فاسد مادہ بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ اور اس وجہ سے ہماری سوسائٹیاں پریم سے خالی ہیں۔ یہ جاتی کا بھید بھاؤ انسانیت کے سخت خلاف ہے۔"

(از رسالہ کرانتی لاہور نومبر ۱۹۴۲ء)

"بھارت کی گراوٹ کا مُول کارن ورن ویوستھا ہے۔ یہ وٹن ویوستھا دکت کے سدھانت پر کھڑی کی گئی ہے۔ براہمن کا دکت کشتریہ کے دکت سے سریشٹھ (اعلیٰ) کشتریہ کا ویش سے، اور ویش کا شودر کے دکت سے۔" (کرانتی نومبر ۱۹۴۲ء)

"اصل میں براہمن، کشتری، اور ویش پن ایک قسم کی بیماری ہے۔ اس بیماری نے اُن دُم چھلے والوں کے دماغ کو بگاڑ دیا ہے۔ اور ان کے لئے چھوٹی جاتیوں کے ساتھ شریفانہ اور برابری کا برتاؤ کرنا ناممکن کر دیا

ہے۔ یہ جات پات ایسی قدیمی اور پیدائشی بیماری ہے، کہ اچھوت اور شودر کو دیکھتے ہی ان دوجوں کے دل میں نفرت، حقارت اور خودی کا جذبہ زور مارنے لگتا ہے۔ اس بیماری کا اصلی علاج انسانیت کی تعلیم ہے۔"

(از رسالہ کرانتی لاہور۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء صہ ۲۹)

ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ ویدک دھرم ورن ویوستھا کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ اور آپ نے بڑے قوی دلائل سے یہ ثابت کر دکھایا ہے، کہ ورن ویوستھا ہی ہندوستان کی تباہی، تنزل اور بربادی کا کارن ہے۔ اسلئے آپکو یہ معلوم ہونا چاہیئے، کہ اگر ورن ویوستھا کی جڑھ کو نہ کاٹا گیا، تو آپ کی تمام محنت رائیگاں جائے گی۔

اب میں آپ کو آپ کی بیماری، یعنی ورن ویوستھا کا علاج انسانیت کو ترقی دینے والی تعلیم، یعنی اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ کیونکہ آپ خود یہ تسلیم کر چکے ہیں، کہ:-

"اسلام ہندو دھرم کا بالکل اُلٹ ہے۔ اس کا سدھانت ہے، کہ سب مسلمان بھائی ہیں۔ اُس نے اچھوت اور نیچ جاتی کے ہندوؤں کی ایک بہت بڑی تعداد کو کھینچا۔ اسلام قبول کر لینے پر اُن لوگوں کا درجہ حکمرانوں کا ہو جاتا تھا۔ بھارت میں مسلمانوں کی تعداد کے آٹھ کروڑ، یعنی کل آبادی کا ۱/۴ حصہ ہونے کا کارن یہی ہے۔"

(از کرانتی نومبر ۱۹۴۳ء صٹ)

آپ پر یہ روشن ہو چکا ہے، کہ اسلام ہی انسانیت کو قائم رکھنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس لئے آپ اس کارآمد اور تجربہ شدہ ہتھیار کو لیکر میدان میں آجائیں تاکہ فی الحقیقت اچھوت جاتی کی سیوا کر سکیں۔ اور اُن کو انسان کی پدوی کا حقدار بنائیں۔ سعادت اس میں ہے، کہ آپ اس انسانیت کو قائم رکھنے والی تعلیم کو قبول کرلیں۔

بڑی دانش اور حکمت یہی ہے، کہ معرفتِ الٰہی کے سیراب کرنے والے اس شیریں سوتہ سے پختہ تعلق قائم کرلیں۔ اور یہی وہ آبِ حیات ہے، کہ جو خداوند کریم نے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پیدا کیا ہے۔ اور خداوند تعالےٰ نے پورے طور پر اسلام کا دروازہ تمام دُنیا کے لئے کھولا ہوا ہے۔ جوں جوں انسان اس مذہب

میں کوشش کرے گا، توں توں دیارِ رحمت اس پر کھلتا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں یوگیراج حضرت کرشن قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا ہے، اسکے معنے یہ ہیں، کہ وہ ہندو قوم کو ترقی دینا چاہتا ہے۔ وہ تو چاہتا ہے، کہ ستیہ یگ کی طرح ہندوؤں میں روحانی شکتی پیدا کرے۔ مگر افسوس ہے، کہ آپ لوگ فنا ہوجانیوالی دُنیا اپنی سوراج کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اور اُس عزت سے بے پرواہ ہیں، جو سرب شکتیمان پرم پتا پرماتما بہت لمبے عرصہ کے بعد آپکو دے رہا ہے، اور جو اسلام کو قبول کرنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ آپکو یہ خوب یاد رکھنا چاہیئے، کہ احمدیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ تمام ہندوستان کی عزت بڑھیگی۔ جہاں جہاں احمدیت پھیلیگی، وہاں جو ہندوستانی جائیگا، وہاں کے احمدی اسکی عزت کرینگے، اور کہیں گے، کہ یہ ہمارے سردار ہیں۔ اس ملک سے آئے ہیں جس میں قادیان واقع ہے۔ انہیں عزت سے بٹھائینگے اور اُن کے آرام کیلئے بندوبست کرینگے۔ اسلام اور احمدیت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہندوستانیوں کی عزت بھی بڑھیگی، اور ہر جگہ احمدی انکی عزت کریں گے۔ یہاں سے چونکہ انہیں ہدایت حاصل ہوئی ہوگی، اسلئے اِس ملک کے ہر باشندہ کو خواہ وہ ہندو ہو، یا سِکھ یا عیسائی یا کِسی اور مذہب کا ہو، دیارِ محبوب کا باشندہ سمجھکر اسکی عزت کرینگے۔ اب آپ غور کریں، اِس عزت کے مقابل میں سوراج کی حقیقت ہی کیا ہے۔ مگر افسوس! کہ پیارے ہندو بھائیوں نے اِس سوال کو ابھی تک اِس نقطۂ نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت کرشن ثانی مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے مامور فرمایا ہے۔ اور احمدیت نے دُنیا کے کناروں تک پھیلنا ہے، اور اسکے یہ معنے ہیں، کہ اللہ تعالےٰ دنیا کے کناروں تک ہندوستان کا ادب اور رُعب قائم کریگا۔

اِس کے بعد میں یہ بتاتا ہوں، کہ ہندو مُسلم اتحاد کیسے پائیدار بنایا جاسکتا ہے؟ اُمید ہے کہ آپ میرے اِن وچاروں پر گھمبیرتا پوروگ دھرشٹی ڈالینگے، اور سچائی کو گرہن کرینگے شری یوگیراج کرشن علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"یہ خدا تعالیٰ کا شکر کرنیکا مقام ہے، کہ ہم لوگ جو مسلمان ہیں، ہمارے اصول میں یہ داخل ہے، کہ گذشتہ نبیوں میں سے جنکے فرقے اور قومیں اور اُمتیں بکثرت پھیلگئی ہیں کسی نبی کی تکذیب نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے اسلامی اصول کے موافق خدا تعالیٰ مفتری کو ہرگز یہ وقت نہیں بخشتا، کہ وہ ایک سچے نبی کی طرح مقبولِ خلائق ہو کر ہزارہا فرقے اور

قومیں اسکو مان لیں، اور اسکا دین زمین پر جم جائے، اور دیر پا ہو جائے، لہٰذا یہ ہمارا فرض ہونا چاہئے، کہ ہم تمام نبیوں کو جنہوں نے خدا کے الہام کا دعویٰ کیا، اور مقبولِ خلائق ہو گئے اور اُن کا دین زمین پر جم گیا۔ خواہ وہ ہندی تھے یا فارسی، چینی تھے یا عبرانی، خواہ کسی اور قوم سے تھے، در حقیقت سچے رسول مان لیں۔ اور اگر انکی امتوں میں کوئی خلافِ حق باتیں پھیل گئی ہوں تو اُن باتوں کو ایسی غلطیاں قرار دیں جو بعد میں داخل ہو گئیں۔ یہ اصول ایسا دلکش اور پیارا ہے، جسکی برکت سے انسان ہر ایک قسم کی بدزبانی اور بدتہذیبی سے بچ جاتا ہے۔ اور در حقیقت واقعی امر یہی ہے کہ جھوٹے نبی کو خدا تعالیٰ اپنے کروڑہا بندوں میں ہرگز قبولیت نہیں بخشتا اور اسکو وہ عزت نہیں دیتا جو سچوں کو دیجاتی ہے۔ اور صدیوں اور زمانوں میں اُسکی قبولیت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔ بلکہ جلد اُسکی جماعت منتشر ہو جاتی ہے، اور اُس کا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔" (اخبار الحکم ۷ ارمئی ۱۹۰۴ء)

اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت کرشن ثانی علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں :-

"اے مسلمانو! جبکہ ہندو صاحبان تمہیں بوجہ اختلافِ مذہب کے ایک غیر قوم جانتے ہیں، اور تم بھی اسوجہ سے انکو ایک غیر قوم خیال کرتے ہو۔ پس جبتک اس سبب کا ازالہ نہ ہوگا کیونکر تم میں اور اُن میں ایک سچی صفائی پیدا ہو سکتی ہے۔ ہاں ممکن ہے، کہ منافقانہ طور پر باہم چند روز کے لئے (جیسا کہ ۱۹۲۱ء میں ہوا تھا۔ احمدی شرما) میل جول بھی ہو جائے مگر وہ دلی صفائی جسکو در حقیقت صفائی کہنا چاہئے صرف اسی حالت میں پیدا ہوگی جبکہ آپ لوگ وید اور وید کے رشیوں کو سچے دل سے خدا کی طرف سے قبول کر لوگے، اور ایسا ہی ہندو لوگ بھی اپنے بخل کو دُور کر کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کر لینگے۔ یاد رکھو، اور خوب یاد رکھو، کہ تم میں اور ہندو صاحبوں میں سچی صُلح کرانیوالا صرف یہی ایک اصول اور یہی ایک ایسا پانی ہے جو کدورتوں کو دھوئیگا۔ اور اگر وہ دن آگئے ہیں، کہ یہ دونو بچھڑی ہوئی قومیں باہم ملجائیں تو خدا اُن کے دلوں کو بھی اس بات کیلئے کھول دیگا جس کیلئے ہمارا دل کھول دیا ہے۔" (رسالہ پیغام صلح ص۱۹، ۱۷)

حضرت کرشن ثانی مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مذکورہ بالا ارشاد کی تصدیق مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

"خوشی کی بات ہے، کہ اب غلط فہمی کے بادل چھٹتے جاتے ہیں، چنانچہ اہلِ ہند رفتہ رفتہ حقیقت شناس

ہو رہے ہیں۔ ماضی قریب میں دیکھا گیا ہے، کہ اگر اکثر ہندو اور دیگر غیر مسلم عربی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت خوانی کر رہے ہیں تو دوسری طرف بہت سے معزز اور تعلیمیافتہ مسلمان کھلے دل سے حضرت شری کرشن جی علیہ السلام، کی مدحت طرازی میں معروف ہیں۔ اور یہ امر اقوام ہند کے باہمی اتحاد و اتفاق کے واسطے نہایت مبارک اور اہم ہے۔ کیونکہ ترقی اور آزادیٔ ہند کا انحصار اسی امر پر ہے"۔

(از آریہ اخبار ملاپ اُردو کرشن نمبر لاہور اگست ۱۹۳۹ء)

آپ یہ ملاحظہ فرما چکے ہیں، کہ صرف یہی ایک واحد ذریعہ، یعنی مسلمان وید اور وید کے رشیوں کو سچا، اور ہندو بھائی ہمارے پیارے آقا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سچا مان لیں ہے کہ ہندوستان پھر دُنیا میں عزت کی جگہ حاصل کر سکے کیونکہ یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں، کہ اتفاق ایک ایسی چیز ہے کہ وہ بلائیں جو کسی طرح دُور نہیں ہو سکتیں، وہ اتفاق سے حل ہو جاتی ہیں۔ پس ایک عقلمند سے بعید ہے، کہ اتفاق کی برکتوں سے اپنے تئیں محروم رکھے۔ اور ہر بھلے ہندو اور مسلمان کا یہ فرض ہے کہ اس تحریک کو ہندو اور مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ مقبول کرنے کی کوشش کرے۔ ورنہ ہر ہندو اور مسلمان یہ یاد رکھے، کہ اب بھی اگر اس سنہری اور واحد ذریعہ سے آپس میں دلی صفائی پیدا نہ کی گئی، تو حضرت کرشن ثانی مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ ذیل ہیبتناک تحریر کو بار بار پڑھے، اس پر غور کرے، اور غور کرنے کے بعد اسکو اپنے دل میں جگہ دے۔ اگر انکو اپنی جان پر رحم نہیں پیدا ہوتا، تو اپنی اولاد کا ہی خیال کر کے تباہی و بربادی کے راستہ کو چھوڑ کر سلامتی کی راہ پر گامزن ہو جاویں۔ حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایسے نازک وقت میں یہ راقم (یعنی حضرت کرشن قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپکو صلح کیلئے بلاتا ہے، جبکہ دونوں قوموں کو صلح کی بہت ضرورت ہے۔ دُنیا پر طرح طرح کے ابتلا نازل ہو رہے ہیں، زلزلے آ رہے ہیں، قحط پڑ رہا ہے، اور طاعون نے بھی ابھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور جو کچھ خدا نے مجھے خبر دی ہے، وہ بھی یہی ہے، کہ اگر دُنیا اپنی بدعملی سے باز نہیں آئیگی، اور بُرے کاموں سے توبہ نہ کریگی، تو دُنیا پر سخت بلائیں آئینگی۔ اور ایک بلا ابھی بس نہیں کریگی، کہ دوسری بلا ظاہر ہو جائیگی۔ آخر انسان نہایت تنگ ہو جائیں گے، کہ یہ کیا ہونیوالا ہے۔ اور بہتیرے مصیبتوں کے پنجہ میں آ کر دیوانوں کی طرح ہو جائینگے۔ سو اے ہموطن بھائیو! قبل اسکے کہ وہ دن

کوئی زیادتی ہو جو وہ صلح کی مانع ہو، اس زیادتی کو وہ قوم چھوڑ دے ... عداوت کا تمام گناہ اس قوم کی گردن پر ہوگا۔" (رسالہ پیغام صلح ...)

"اور اگر ایک قوم دوسری قوم کو محض اپنے نفسیاتی تکبر اور شیخی سے ... تو وہ بھی داغِ حقارت سے نہیں بچیگی۔ اور اگر کوئی اُن میں سے اپنے ... میں مصر رہیگا، تو اسکا نقصان وہ آپ بھی اٹھائیگا۔ جو شخص تم دونو قوموں میں سے دوسری قوم کی تباہی کی فکر میں ہے، اُس کی اُس شخص کی مثال ہے جو ایک شاخ پر بیٹھکر اُسی کو کاٹتا ہے۔ آپ بفضلہ تعالیٰ تعلیمیافتہ بھی ہوگئے، اب کینوں کو چھوڑ کر محبت میں ترقی کرنا زیبا ہے۔ اور بے مہری کو چھوڑ کر ہمدردی اختیار کرنا آپ کی عقلمندی کے مناسبِ حال ہے۔ دُنیا کی مشکلات بھی ایک ریگستان کا سفر ہے جو عین گرمی اور تمازتِ آفتاب کے وقت کیا جاتا ہے۔ پس اس دشوار گذار راہ کے لئے باہمی اتفاق کے اس سرد پانی کی ضرورت ہے، جو اس جلتی ہوئی آگ کو ٹھنڈی کر دے اور نیز پیاس کے وقت مرنے سے بچالے۔" (از پیغام صلح ص ...)

بعض اوقات گائے کے باعث بھی ہندو مُسلم فساد ہو جاتا ہے، اس کے متعلق بھی ... مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہندوؤں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اگر ہندو صاحبان اپنے صدقِ دل سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ... مان لیں، تو یہ تفرقہ جو گائے کی وجہ سے ہے، اسکو بھی درمیان سے اٹھا دیا جائیگا جس چیز کو ہم حلال جانتے ہیں، ہمپر واجب نہیں کہ ضرور اُسکو استعمال بھی کریں۔" (از پیغام صلح ص ...)

اب یہ ہندو صاحبان کا فرضِ اوّلین ہے کہ اگر وہ فی الحقیقت گؤ ماتا کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو اس زریں اصول کو قبول کر کے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ... اور گائے کی حفاظت کا پُورا پُورا بندوبست ہو جاوے۔

میں خدا تعالیٰ سے دُعا کرتا ہوں، کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے آپ کی سچائی کی آنکھیں کھولے تاکہ آپ سچائی کو قبول کر سکیں۔

(آپکا ...)

وصایا

نوٹ :- وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

399.10....

نمبر ۷۰۶۶ :- منکہ خوشی محمد ولد مراد احمد قوم مسلم پیشہ مزدوری عمر ۲۹ سال پیدائشی احمدی ساکن پریم کوٹ ڈاکخانہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ ۴ ۴۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری غیر منقولہ جائیداد کوئی نہیں۔ کیونکہ میرے والد صاحب زندہ ہیں۔ مجھے مزدوری سے اوسطاً ... روپے ماہوار آمد ہوتی ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی میں وصیت کرتا ہوں۔ اگر بوقت وفات میری کوئی جائیداد ہوئی، تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد :- خوشی محمد احمدی۔ گواہ شد :- عبدالاحد مولوی فاضل قادیان۔ گواہ شد :- بقلم خود اللہ دتہ سیکرٹری پریم کوٹ۔

نمبر ۷۰۶۷ :- منکہ حوالدار کلرک عبدالحبیب خاں ولد چوہدری مولا بخش خانصاحب قوم راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۳۳ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن موضع کریام ضلع جالندھر۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ ۴۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری زمین اور مکان ۱۰ گھماؤں کے قریب ہے۔ جس کے ہم تین بھائی حصہ دار ہیں۔ اور یہ بلا تقسیم ہے۔ اس کے علاوہ میری موجودہ تنخواہ مبلغ -/۴۷ روپے ماہوار ہے۔ اور مبلغ -/۱۹ روپے ماہوار سمندر پار الاؤنس ہے۔ یعنی کل -/۶۶ روپے ماہوار ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میں تا زیست کل آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میری وفات پر بھی جو میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ اپنی جائیداد سے داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں، تو وہ روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد :- عبدالحبیب خاں موصی بقلم خود۔ گواہ شد :- عبدالغنی خاں سیکرٹری تعلیم و تربیت۔ گواہ شد :- مہر خاں امیر جماعت احمدیہ کریام۔

نمبر ۷۰۶۸ :- منکہ فضل نبی ولد میاں جیون۔ قوم قصاب پیشہ ... عمر ۴۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۰ء ساکن ... ڈاکخانہ ... ضلع ... بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ ... ۱۹ ... بمطابق ۱۳۲۲ ہجری شمسی حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری

جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد قریباً دس روپے ہے۔ جو کہ ہمیشہ کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اگر کوئی جائیداد اس کے بعد پیدا کروں، تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو، اسکے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ غلام نبی بقلم خود موصی۔ گواہ شد:۔ ملک احمد موٹر ڈرائیور وصیت نمبر ۴۲۲۷۔ گواہ شد:۔ محمد سعید انسپکٹر بیت المال +

نمبر ۷۰۸۱:۔ منکہ فقیر محمد ولد منصبدار قوم جٹ کاہلوں پیشہ زمیندارہ حال بیکار عمر ۷۰ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۱۵ء ساکن چھور ڈاکخانہ ظفروال ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴۳ ۱حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری وفات کے وقت جسقدر میری جائیداد ہو، اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں، تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائے گی۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ زمین چاہی و بارانی ۴۳ کنال قیمت تخمیناً ۵۰۰ روپے ایک مکان خام سکونتی تخمیناً یکصد روپیہ۔ ایک راس بھینس شیردار قیمت ایک سو روپیہ۔ کل جائیداد -/۷۰۰ روپے کے دسویں حصہ کی رقم -/۷۰ روپے حصہ جائیداد کی وصیت کرتا ہوں۔ میں کوشش کرونگا، کہ اپنی زندگی میں حصہ جائیداد ادا کردوں۔ العبد:۔ فقیر محمد موصی بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد اسلم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ حکیم محمد فیروزالدین انسپکٹر بیت المال +

نمبر ۷۰۸۲:۔ منکہ ملک محمد حسین ولد ملک نورالدین صاحب قوم اعوان۔ پیشہ زمیندارہ پنشنر۔ عمر ۵۲ سال۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن بحکہ ڈاکخانہ بھیرہ ضلع شاہ پور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴۳ احسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ ۲۵ بیگھے زمین میری ملکیت ہے۔ جس کی قیمت -/۲۳۰۰ روپے ہے۔ ترتالیس بیگھے زمین میرے پاس رہن ہے۔ جو کہ مبلغ ۱۲۲۴ روپے میں رہن ہے۔ تین عدد مکانات جن کی اندازاً قیمت -/۲۲۰۰ روپے ... کی

کل قیمت ۸/۱۲۷۵ روپے ہے۔ اس کے علاوہ میری ماہوار پنشن مبلغ -/۱۸۰ روپے ہے۔
اس تمام جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر
اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں، تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔
اور اس جائیداد پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت
کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کردوں، تو اس قدر روپیہ
اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد:۔ محمد حسین موصی بقلم خود۔ گواہ شد:۔
غلام محمد ساکن ہجکہ۔ گواہ شد:۔ محمد سعید انسپکٹر بیت المال۔

نمبر ۷۰۹ میں کہ محمد اسلم ولد چوہدری تاج محمد صاحب قوم کاہلوں پیشہ
زمیندارہ۔ عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن جھوروڈاکخانہ ظفروال ضلع سیالکوٹ۔
بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ ۱۱/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری
وفات کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو، اس کے ۱/۸ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان
ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیت
داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت
کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ ۴۳ کنال اراضی چاہی و بارانی
موضع جھوروالی تحصیل نارووال میں جو تخمیناً قیمت -/۳۵۰۰ کی ہے۔ اس میں سے ایک ہزار
روپیہ کی زمین گروی ہے۔ گویا موجودہ -/۲۵۰۰ کی جائیداد ہے۔ اور ۴ کنال اراضی چاہی
بارانی و سیلاب ٹھیک موضع جھوروالی جس کی قیمت تخمیناً -/۲۰۰ روپے ہے۔ علاوہ اسکے
مبلغ -/۳۰۰ کی اراضی رہن میرے پاس ہے۔ مکان سکونتی خام دکچھ حصہ پختہ قیمت مبلغ
-/۵۰۰۔ مویشی۔ ایک گھوڑی بمعہ بچہ قیمت دوصد روپیہ۔ دو راس بھینس قیمت مبلغ -/۵۰۰
اور ۳ بیل ایک جاموش قیمت مبلغ -/۶۰۰ روپے۔ دو جھوٹیاں ایک بچھڑا قیمت -/۲۰۰
کل جائیداد -/۷۵۰۰ روپیہ کے آٹھویں حصہ -/۸/۹۳۷ کی وصیت ہے۔ العبد:۔
محمد اسلم موصی بقلم خود۔ گواہ شد:۔ فقیر محمد ولد سعید اللہ جھورو۔ گواہ شد:۔ حکیم محمد عبداللہ
انسپکٹر بیت المال۔

نمبر ۷۱۰ میں کہ ... ولد محمد خدا یار صاحب قوم ... پیشہ زمینداری
عمر ... سال ... ساکن ... ڈاکخانہ ... ضلع ...

بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹ ماہ نبوت ۱۳۲۲ ہجری شمسی حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے، اس کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ سرکاری کاغذات میں میری موجودہ زمین ۲۰ بیگھے ہے جسکے نصف کی کاشت کرتا ہوں۔ اور نصف زیر دریا آ چکی ہے۔ مگر یہ زمین کم و بیش ہوتی رہتی ہے جس کی قیمت موجودہ نرخ کے لحاظ سے تقریباً دو ہزار روپے ہے۔ علاوہ ازیں نقد روپیہ پاس ۳۳۰/- روپے ہے۔ میں کل جائیداد مبلغ ۲۳۳۰/- کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں، تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں، تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنیکے وقت جسقدر میری جائیداد ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا۔ ملک محمد موصی۔ گواہ شد:۔ ملک احمد موٹر ڈرائیور لیہ گواہ شد:۔ محمد سعید انسپکٹر بیت المال؀

نمبر ۷۰۴۵ :۔ منکہ پیر انوار الدین ولد پیر اکبر علی صاحب قوم قریشی عرف بلدلہ پیشہ ملازمت عمر ۲۶ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن فیروزپور شہر۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۸/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ میری ماہوار آمد مبلغ تہتر روپے ہے، میں اسکے دسویں حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ میں انشاء اللہ باقاعدہ اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میری وفات کے وقت جو بھی میری جائیداد موجود ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں اپنے حصہ وصیت کی کوئی رقم ادا کر دوں، تو وہ اس میں سے منہا سمجھی جائے گی۔ العبد:۔ انوار الدین بقلم خود۔ گواہ شد:۔ مبارک احمد خاں امین آبادی حال وارد فیروزپور۔ گواہ شد:۔ [illegible] ای۔اے۔سی؀

نمبر ۷۰۴۹ :۔ منکہ غلام نبی ولد سرفراز خاں قوم جٹ وڑک پیشہ کاشتکاری عمر ۳۴ سال۔ تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۳۵ء ساکن قیام پور ڈاکخانہ [illegible]

وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴/۳/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد

حسب ذیل ہے۔ اراضی زرعی و غیر زرعی واقعہ موضع قیام پور علاقہ گھماؤں۔ اراضی

زرعی و غیر زرعی واقعہ موضع سہرو و تالی سے گھماؤں۔ کل میزان … گھماؤں۔ اراضی مذکورہ

کی بازاری قیمت اوسطاً مبلغ دس ہزار روپیہ ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت میں بحق صدر

انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز اگر اس کے علاوہ میں اور کوئی جائیداد پیدا کروں، تو

اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز اگر میری وفات پر

کوئی اور متروکہ اس جائیداد کے علاوہ ثابت ہو، تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ

قادیان مالک ہوگی۔ اور جو رقم میں وصیت مذکورہ سے اپنی زندگی میں ادا کر کے داخل خزانہ

صدر انجمن احمدیہ قادیان کر دوں، وہ وصیت سے منہا سمجھی جائیگی۔ المرقوم غلام نبی بقلم خود۔

گواہ شد۔ محمد شفیع سکنہ قیام پور۔ گواہ شد۔ فضل حق قیام پور۔

نمبر ۷۰۵۲: منکہ محمد شفیع ولد اصغر علی قوم سید عمر ۲۳ سال تاریخ بیعت

رمضان ۱۳۶۱ھ ساکن قیام پور ڈاکخانہ ملکے ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر

و اکراہ آج بتاریخ ۱۵ ر رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری

جائیداد اس وقت منقولہ یا غیر منقولہ کوئی نہیں ہے۔ مجھے دکان میں سے مبلغ … روپیہ

ماہوار اوسط آمدنی ہے۔ جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔

نیز آمدنی بڑھنے یا گھٹنے کی صورت میں صدر انجمن احمدیہ کو اطلاع دیتا رہونگا۔ حصہ وصیت

ہر ششماہی پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور اگر میری وفات

پر کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو، تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد

محمد شفیع بقلم خود۔ گواہ شد۔ فضل حق بقلم خود۔ گواہ شد۔ غلام نبی بقلم خود۔

نمبر ۷۰۵۳: منکہ پیر اکبر علی ولد پیر علم الدین صاحب قوم قریشی عرف … پیشہ

وکالت عمر تخمیناً ساٹھ سال تاریخ بیعت مارچ ۱۹۱۴ء ساکن فیروزپور شہر بقائمی

ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ … حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری …

کی آمدنی … ہے اس میں سے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان

کر کے … آمد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ … ادا کیا کرونگا

… تفصیل ذیل میں درج کرتا ہوں۔ … سے …

جو جائیداد درج ہے۔ یہ جائیداد جدّی ہے، اور میرے برادران وغیرہ کے ساتھ مشترکہ ہے۔ ابھی تقسیم نہیں ہوئی۔ باقی جائیداد میری خود پیدا کردہ ہے۔ (۳) پانچواں حصہ اشیاء واقع مواضعات سرانواں، قبروالہ، اسپال کنٹیاں والی۔ رقبہ تخمیناً بالقصد بگیہ پختہ یہ جملہ اراضیات ضلع فیروزپور کی تحصیل فاضلکا میں واقع ہیں۔ میراان میں پانچواں حصہ ہے میرے حصہ کی قیمت تخمیناً چودہ ہزار روپیہ ہے۔ (۴) دومربعہ اراضی واقع چک ۹ تحصیل و ضلع منٹگمری قیمتی تخمیناً پندرہ ہزار روپیہ (۵) اراضی تعدادی دو کنال قیمتی ۵۵۰/- روپے واقع محلہ دارالرحمت قادیان۔ (۶) اراضی تعدادی سات کنال تیرہ مرلہ واقع موضع چھاؤنی چک حرحری تحصیل و ضلع گوجرانوالہ۔ اس اراضی کے متعلق عدالت گوجرانوالہ میں مقدمات چل رہے ہیں۔ میں نے یہ اراضی چھ ہزار پانسو (۶۵۰۰) میں خرید کی ہے۔ (۷) اراضی تعدادی ۱۰ مرلہ واقع شہر فیروزپور نزد گورنمنٹ انڈسٹریل سکول قیمتی چار صد روپیہ۔ گویا میری جملہ غیر منقولہ اراضی جدّی و خود پیدا کردہ کی مالیت تخمیناً ۳۶۴۵۰/- روپے ہے۔ تفصیل جدّی اور خود پیدا کردہ کی اوپر درج ہو چکی ہے۔ میں اس جملہ جائیداد غیر منقولہ کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ کہ میری وفات کے وقت جو جائیداد میری ملکیتی موجود ہو، اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور میرے ورثاء سے دسواں حصہ پانے کی انجمن مذکور حق دار ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں مذکورہ بالا جائیداد کے کسی حصہ کی قیمت ادا کردوں، تو وہ وصیت میں سے منہا تصور ہوگی۔ مکرر آں کہ میں اپنی جائیداد موجودہ کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی جائیداد بوقت وفات ثابت ہو، تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ اکبر علی بقلم خود۔ گواہ شد:۔ صلاح الدین ای۔ اے۔ سی حال سیانوالی پسر موصی۔ گواہ شد:۔ مبارک احمد ایمن آبادی حال فیروزپور شہر۔

نمبر ۷۰۵۹:۔ منکہ احمد رشدی ولد حاجی علی قوم احمدی پیشہ ملازمت عمر ۔۔۔ تاریخ بیعت قریباً ۷ سال ساکن بٹاویہ۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۔۔۔ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد ۱۶۵/- روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل بیت المال ۔۔۔

قادیان کو دیتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی جائیداد اس کے بعد پیدا کروں، تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے بعد میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو، اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: موصی احمد رشدی جاوی۔ گواہ شد: میرزا نسیم احمد۔ گواہ شد: منشی رضا علی

نمبر ۶۲ ۷۰ ء: منکہ بشیر الدین ولد حسین بخش نمبردار قوم راجپوت بھٹی۔ پیشہ زمینداری و ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن سارچور ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۷ ۴۴ حسب ذیل وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ بشروط مندرجہ بالا کرتا ہوں۔ اس وقت میں ملازم بصیغہ پولیس بعہدہ کانسٹیبل مشاہرہ ۲۷ روپے یعنی اصل تنخواہ اٹھارہ روپے، الاؤنس چھ روپے، اسپیشل گریڈ تین روپے ملتے ہیں۔ علاوہ تنخواہ مندرجہ بالا کے میری اس وقت اور کوئی جائیداد نہیں ہے کیونکہ میرے والد صاحب زندہ موجود ہیں۔ اس لئے میں اپنی تنخواہ کا ۱/۱۰ حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان وصیت کرتا ہوں۔ علاوہ اس کے جو جائیداد میری زندگی میں میرے قبضہ میں آوے، منقولہ ہو یا غیر منقولہ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد: بشیر الدین بقلم خود موصی۔ گواہ شد: حسین بخش بقلم خود والد موصی۔ گواہ شد: مولاداد خاں پنشنر سب انسپکٹر پولیس پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ سارچور۔ گواہ شد: نور احمد خان سیکرٹری جماعت احمدیہ سارچور

نمبر ۶۳ ۷۰ ء: منکہ جلال الدین طاہر سماٹری ولد حاج عبد المنان طاہر صاحب قوم مسلمان پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال بیعت تقریباً تین سال ساکن پاتنگ طارو تعاونلی سماٹرا ڈاکخانہ پاتنگ طارو سماٹرا۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد مبلغ ۱۵ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی جائیداد اس کے بعد پیدا کروں، تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو، اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: جلال الدین طاہر سماٹری۔ گواہ شد: محمد سلیمان قریشی قادیان۔ گواہ شد:

نمبر ۷۰۶۹ :- منکہ قریشی شاہ دین نمبردار وعباگیر دار ولد قریشی علی بخش صاحب قوم
قریشی ہاشمی پیشہ زمینداری عمر اندازاً اسی سال تاریخ بیعت ۱۹۰۱ء ساکن ماہل پور ڈاکخانہ
خاص ضلع ہوشیارپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبرواکراہ آج بتاریخ ۱/۴۴ ۲ حسب ذیل وصیت
کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ اراضی بارانی بیس گھماؤں واقع موضع ٹلونڈی عاجز کی
ملکیت ہے جس میں سے ۱۱ گھماؤں رہن ہے۔ باقی نو گھماؤں اسوقت مملوکہ ومقبوضہ
ہے جس کی قیمت -/۱۸۰۰ روپے ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ مبلغ -/۱۸۰ روپے کی وصیت
بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز اگر میں مذکورہ بالا رہن زمین میں سے اس کا کچھ
حصہ یا سالم حصہ فک کرالوں، تو اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی
رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید
حاصل کرلوں، تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ میں سے منہا کردی
جائیگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت اس کے علاوہ جو میری جائیداد ثابت ہو، اسکے
بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد :- شاہ دین موصی۔ گواہ شد
افتخار احمد ہاشمی پسر موصی۔ گواہ شد :- مختار احمد ہاشمی کارکن صدر انجمن احمدیہ *

نمبر ۷۰۷۱ :- منکہ ضیاء الدین حمید حکیم ولد حکیم نظام الدین صاحب قوم سیٹھی وال
جٹ پیشہ ملازمت عمر ۲۷ سال ۵ ماہ۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن قادیان دارالرحمت بقائمی
ہوش وحواس بلا جبرواکراہ آج بتاریخ ۱۱/۲۲ ۱۳ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری
کوئی جائیداد نہیں ہے نہ منقولہ نہ غیر منقولہ۔ میں اس وقت ملازم ہوں۔ میری
تنخواہ ماہوار سردست مبلغ -/۶۵ روپے ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر
انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ تنخواہ کی کمی بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو کرتا رہونگا
میری وفات کے وقت جس قدر میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت
کرتا ہوں۔ انجمن کو حق ہوگا، کہ اس جائیداد کا واجب حصہ وصول کرلے۔ تقبل
منی یا ارحم الراحمین ط۔ العبد :- ضیاء الدین حمید۔ گواہ شد :- حکیم
نظام الدین والد موصی۔ گواہ شد :- محمد نذیر قریشی دارالرحمت *

ليظهره على الدين كله

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳ ماہ صفر سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۴۴ء نمبر ۲

فہرست مضامین!

دلائل صداقت حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ السلام

ازروئے قرآن کریم

(۱)

(از جناب مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی معلم المجاہدین)

خدا تعالےٰ نے اپنے پاک کلام قرآن شریف میں ہر مدعی نبوت و رسالت کی شناخت کیلئے اصولی طور پر تین طریق سے غور کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے:-

۱۔ قبل از دعویٰ (مامور من اللہ) اس کی زندگی کیسی تھی؟

۲۔ بعد از دعویٰ اُس کے حالات کیسے ہوئے؟

۳۔ بعد از وفات اُس کے سلسلہ کا کیا حال ہوا؟

قبل از دعویٰ زندگی کے معیار

(معیار اوّل) یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ انعام۔ رکوع۔ یعنی وہ لوگ پہچان جائینگے (یا پہچان سکتے ہیں) ہمارے اس رسول کو (نبی کو) جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔

مطلب واضح ہے، کہ جس طرح اُن کے بیٹے پیدائش پر اپنے ساتھ کوئی نوشتہ لیکر پیدا نہیں ہوتے۔ نہ اُن کی عورتیں بوقت پیدائش (اپنی کسی اولاد کے) اپنے مُنہ سے کہتی ہیں، کہ اے خاوند! یہ تیرا بیٹا ہے۔ بلکہ صرف اپنی بیوی کی گذشتہ زندگی (جو کم از کم ۹ ماہ اور زیادہ خواہ کتنی ہو) پر جو اس خاوند کے گھر میں رہتے ہوئے گذرتی ہے امتیاز کرتے ہوئے اس عظیم الشان تغیر (یعنی پیدائش ولد) کو صحیح مان کر اپنا آرام، مال، اپنی عزت قربان کردیتے ہیں۔ بلکہ بعض تو بامر بادشاہ کی طرح جان بھی اُس بیٹے کو دیدیتے ہیں۔ ویسے ہی ان مخالفوں کو چاہئے، کہ ہمارے نبی کی پہلی زندگی کو (جو ان میں سے ہی سینکڑوں، ہزاروں میں گذری ہے، اور یہ مشاہدہ کرتے رہے ہیں) اس نبی کے نئے تغیر اور دعوےٰ پر زبردست دلیل سمجھیں، اور ابوبکر صدیقؓ کی طرح خود اپنا مال، عزت قربان کردیں۔

گویا جس طرح بیوی کی ماعِفّت وحیادار و باوفا زندگی اُس بچے کی صحتِ نسب کی دلیل ہے، ویسے ہی ہر نبی کی پہلی پاکیزہ، اعلیٰ اخلاق و راستبازانہ زندگی اُس کے دعویٰ کی صحت کی زبردست دلیل ہے۔

عقل بھی یہی کہتی ہے، کہ (۱) ہر عقلمند مظروف کے مطابق ظرف تلاش کرتا ہے، اگر کوئی خدا ہے، اور یقیناً ہے تو پھر وہ اپنے پاکیزہ کلام اور روحانیتِ عظمیٰ کیلئے بہتر ظرف ہی تلاش کریگا۔ ناممکن ہے، کہ فاسق، فاجر اور بدکردار کو اصلاحِ خلق جیسی عظیم الشان ڈیوٹی سپرد ہو۔

(۲) انبیاءؑ کا کام قلوب کو فتح کرنا ہے، اور قلبِ انسانی اُسی ہستی سے انتہائی خلوص رکھیگا، جس کی نیکی، تقوےٰ، تقدس کا قائل ہو۔ جسے عام موٹی موٹی رذائل، اخلاقی کمزوریوں سے مبرّہ ومنزّہ جانتا ہو۔

پس خلاصہ یہ ہوا، کہ اے انسانو! جس مُدّعی کی پہلی زندگی اخلاقی کمزوریوں اور رذائلِ نفسانیہ جھوٹ، فسق و فجور سے بے لوث ہے، اُس کی تکذیب نہ کرو۔ بلکہ یقین کرو، کہ وہ مُدّعی سچا ہے، اور واقعی خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔

ہرقل بادشاہ نے جو نصرانیت میں بہتر عالم تھا، پیشگوئیوں کی بناء پر تغیّراتِ آسمانی پر (ینظر فی النُّجوم) نظر رکھتا تھا۔ اِس عقلی معیار کی بناء پر ابوسفیان سے (جبکہ وہ مخالفانہ زندگی میں شام گئے ہوئے تھے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا، اُکنتم تتھمونہٗ بالکذب قبل ان یقول ما قال (بخاری شروع مصری ص۲)، تو جب ابوسفیان نے جواب میں لا کہا، کہ ہم اس مُدّعیِ نبوّت کو اس کی پہلی زندگی میں جھوٹا نہیں خیال کرتے تھے، تو پھر ہرقل بادشاہ نے کہا۔ وسألتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال. فذكرت ان لا. فقد اعرف انه لم يكن ليذر الكذب على الناس ويكذب على الله۔ یعنی مَیں نے جو تم سے یہ پوچھا تھا، کہ کیا تم اُس پر جھوٹ کا الزام لگاتے تھے اُس کے اِس دعویٰ سے قبل۔ تو تم نے جواب دیا، کہ نہیں۔ سو میں یقیناً سمجھ گیا، کہ اِس مدّعی نے جب کسی انسان پر افتراء نہیں کیا، تو ناممکن ہے، کہ اتنی عمر کے بعد وہ خدا پر افتراء کرنے لگ جائے۔ (بخاری حوالہ مذکورہ)

معیار دوم ”قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ“ (ہود ۶) یعنی انہوں نے کہا، کہ اے صالحؑ تم تو ہماری اُمیدوں کا مرجع تھے، اِس دعوےٰ سے قبل۔

اِس معیار کا مطلب بھی واضح ہے۔ کہ مدّعیٔ نبوّت اپنی پہلی زندگی میں مرجع خلائق ہوتا ہے۔ اُس کی زندگی جن لوگوں میں گذرتی ہے، اُن کی ہی نظر میں وہ ایسی شان رکھتا ہے، کہ اُس کی نیکی، تقوے، اخلاقی معیار، علمی قابلیت وغیرہ کے لحاظ سے اُس کے متعلق کئی قسم کی اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں عقل انسانی اِس معیار کی بھی تائید کرتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ اس اصل کی بنا پر قریباً ہر زبان میں ایسے محاورات زبان زد خلائق ہیں۔ مثلاً:-

اُردو میں۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ کہ جس شخص نے آئندہ کسی رنگ میں قابل علائق بننا ہے، شروع میں اُس کے حالات اُس کے مستقبل پر دلالت کرنیوالے ہوتے ہیں۔

فارسی میں۔ بالائے سرش ز ہوشمندی سے تافت ستارہ بلندی۔ کہ بچوں اور چھوٹی عمر کے لڑکوں کے ماتھے وجبین سعادت میں آئندہ ترقی کا ستارہ چمکتا ہوتا ہے۔

عربی میں بھی مقولہ ہے۔ النوی اصل الشجرۃ۔ گٹھلی درخت کی اصل ہے یعنی پہلی حالت درخت کے شیریں ثمار کی مخبر ہے۔ ویسے ہی بچپن کے حالات آئندہ ترقی پر دال۔

انگریزی میں کہتے ہیں۔ The Child is the father of the man.

خلاصہ یہ ہوا، کہ ہر مدّعیٔ صادق نہ صرف ابتدائی زندگی ہی مخیرّ اور راستبازانہ رنگ میں گذارتا ہے، بلکہ وہ لوگ جو دعوے کے بعد اس کے مخالف ہوجاتے ہیں، وہ دعویٰ سے قبل اس کی اعلیٰ زندگی کے مقر و معترف بھی ہوتے ہیں۔

سوئم قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (یونس ۲) یعنی اے ہمارے حبیبؐ! اِن مخالفوں کو کہدو، کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا (کہ میرے سوا کوئی اور رسول اور نبی ہو، تو میں یہ قرآن تم پر نہ پڑھتا۔ اور (اگر تمہارے سوا کسی اور قوم میں نبی ہونا ہوتا تو) وہ خدا تعالیٰ تم کو اِس بابرکت چیز کا علم ہی نہ دیتا۔ پس (جب خدا تعالیٰ نے مجھے نبی بنادیا، اور تمہاری طرف بھیج دیا، تو پھر انکار نہ کرو مجھے یقیناً سچا مان لو، کیونکہ) میں تم میں قبل ازیں اپنی عمر کا کافی حصّہ رہ چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

اِس معیار کا مطلب صاف ہے، کہ گویا حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کیطرف سے یہ حکم ہوا، کہ آپؐ مخالفین کو قائل کرنے کے لئے اپنی پہلی زندگی کو بطور تحدّی پیش کریں چنانچہ آپؐ اس حکم کی تعمیل میں ایک دن کوہ صفا پر چڑھے، اور قریش کے تمام قبائل کو بآواز بلند

پکارا اور پھر فرمایا۔ ارئیتکم لو اخبرتکم ان خیلاً بالوادی ترید ان تغیر علیکم اکنتم مصدقی۔ قالوا نعم۔ ما جربنا علیک الا صدقاً۔ قال فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔

بخاری جلد ۳۔ کتاب التفسیر سورہ شعراء مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب الانذار والتحذیر۔ و کتاب الفتن باب المبعث و بدء الوحی۔

یعنی بتاؤ، اگر میں تم کو خبر دوں، کہ اس وادی میں ایک عظیم الشان لشکر تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے (حالانکہ بظاہر ناممکن بات تھی، کہ دوسرے لوگوں مکہ والوں کو جن کے اونٹ کئی کئی میل باہر چرتے تھے ان کو علم نہ ہو، اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی علم ہو) انہوں نے اقرار کیا، کہ ہاں ہم نے ہمیشہ آپ کو راستباز پایا۔ اس پر آپ نے فرمایا (اگر ایسا ہے تو) یاد رکھو میں تم کو عذاب شدید سے ڈراتا ہوں۔

مولانا حالی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے:۔

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر + تمام اہلِ مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور + سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا پر

یہ فرمایا سب سے کہ اے آلِ غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب

کہا سب نے قول آج تک کوئی تیرا + کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا! + تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا؟

کہ فوج گراں پشتِ کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پا کر

کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے + کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں ہے
کہا گر مری بات یہ دلنشیں ہے + تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانیوالا!
ڈرو اُس سے جو وقت ہے آنیوالا!

ماحصل کلام! مدعیٔ صادق اپنی گذشتہ زندگی کو بطور تحدّی اور دلیل صداقت پیش کرتا ہے اور کہ بڑے بڑے مخالف اس کو تسلیم بھی کرتے ہیں، کہ واقعی اس میں جھوٹ جیسی بدی نہ تھی، کہ افترا

علی اللہ کا گمان ہو سکتا، بلکہ اس کی زندگی یقیناً ممتاز تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان تینوں معیاروں کی رُو سے بفضلہ تعالیٰ صادق ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مخالفین کے سامنے علی الاعلان اپنی زندگی کو تحدیانہ رنگ میں پیش فرمایا، اور اُن پر حُجت پوری کی۔ مثلاً فرمایا ہ

۱۔ "تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے، تا تم یہ خیال کرو، کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے، یہ بھی اُس نے جھُوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے، جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے۔ پس یہ خدا کا فضل ہے، کہ جو اُس نے ابتداء سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا۔ اور سوچنے والوں کے لئے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶۲ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

۲۔ "اور اس جگہ مَیں اس شکر کے ادا کرنے سے رہ نہیں سکتا، کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں اپنی وحی کے ذریعہ سے کفار کو ملزم کیا اور فرمایا۔ کہ یہ میرا نبی اس اعلیٰ درجہ کا نیک چال چلن رکھتا ہے، کہ تمہیں طاقت نہیں، کہ اس کی گذشتہ چالیس برس کی زندگی میں کوئی عیب اور نقص نکال سکو۔ باوجود اسکے کہ وہ چالیس برس تک دن رات تمہارے درمیان ہی رہا۔ . . . .

. . . . . . اسی طور سے خدا تعالیٰ نے میرے مخالفین اور مکذبین کو ملزم کیا ہے۔ چنانچہ براہین احمدیہ کے ص۵۱۲ میں میری نسبت یہ الہام ہے۔ جس کے شائع کرنے پر بیس برس گذر گئے ہیں اور وہ یہ ہے۔ وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ یعنی ان مخالفین کو کہدے، کہ مَیں چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں اور اس مدت دراز تک تم مجھے دیکھتے رہے ہو، کہ میرا کام افتراء اور دروغ نہیں ہے، اور خدا نے ناپاکی کی زندگی سے مجھے محفوظ رکھا ہے۔ تو پھر جو شخص اس قدر مدت دراز تک یعنی چالیس برس تک ہر ایک افتراء اور شرارت اور مکر اور خباثت سے محفوظ رہا، اور کبھی اس نے خلقت پر جھُوٹ نہ بولا، تو پھر کیونکر ممکن ہے، کہ برخلاف اپنی عادت قدیم کے اب وہ خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے لگا۔"

(تریاق القلوب ص۶۱ طبع اوّل)

۳۔ "اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے ظالم مخالفین کو ملزم کرنے کے لئے مجھے یہ حجت عطا کی، کہ

اپنے الہام کے ذریعہ سے مجھے یہ سمجھایا کہ اُن سے پُوچھ کہ میری چالیس برس کی زندگی میں جو اس سے پہلے تم میں ہی مَیں نے بسر کی، کونسا نقص یا عیب میرا تم نے پایا۔ اور کونسا افتراء اور جھوٹ میرا ثابت ہوا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۶۹ طبع اوّل)

۴۔ (شیخ محمد حسین بٹالوی کو مخاطب کرکے فرمایا):۔" اگر آپ طالب حق بنکر میری سوانح زندگی پر نظر ڈالیں، تو آپ بر قطعی ثبوتوں سے یہ بات کھُل سکتی ہے، کہ خدا تعالیٰ ہمیشہ کذب کی ناپاکی سے مجھ کو محفوظ رکھتا رہا ہے۔ یہانتک بعض وقت انگریزی عدالتوں میں میری جان اور عزت ایسے خطرہ میں پڑگئی، کہ بجز استعمال کذب اور کوئی صلاح کسی وکیل نے مجھ کو نہ دی۔ لیکن اللہ جلشانہ کی توفیق سے مَیں سچ کیلئے اپنی جان اور عزت سے دستبردار ہوگیا۔ اور بسا اوقات مالی مقدمات میں محض سچ کیلئے مَیں نے بڑے بڑے نقصان اُٹھائے۔ اور بسا اوقات محض خدا تعالیٰ کے خوف سے اپنے والد اور اپنے بھائی کے برخلاف گواہی دی اور سچ کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس گاؤں میں اور نیز بٹالہ میں بھی میری ایک عمر گذر گئی ہے، مگر کون ثابت کرسکتا ہے، کہ کبھی میرے مُنہ سے جھوٹ نکلا ہو۔ پھر جب مَیں نے محض للہ انسانوں پر جھوٹ بولنا ابتداء سے متروک رکھا اور بارہا اپنی جان اور مال کو صدق پر قربان کیا، تو پھر مَیں خدا تعالیٰ پر کیوں جھوٹ بولتا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۹۵ و صفحہ ۲۹۶ طبع اوّل)

۵۔" قریباً ۱۸۸۲ء میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وحی سے مشرف فرمایا۔ کہ وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اور اس میں عالم الغیب خدا تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا تھا، کہ کوئی مخالف کبھی تیری سوانح پر کوئی داغ نہیں لگا سکیگا۔ چنانچہ اس وقت تک جو میری عمر قریباً پینسٹھ سال ہے، کوئی شخص دُور یا نزدیک رہنے والا ہماری گذشتہ سوانح پر کسی قسم کا داغ ثابت نہیں کرسکتا۔ بلکہ گذشتہ زندگی کی پاکیزگی کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود مخالفین سے بھی دلوائی ہے۔ جیسا کہ مولوی محمد حسین صاحب نے نہایت پُرزور الفاظ میں اپنے رسالہ اشاعۃ السنّۃ میں کئی بار ہماری اور ہمارے خاندان کی تعریف کی ہے، اور دعویٰ کیا ہے، کہ اس شخص کی نسبت اور اس کے خاندان کی نسبت مجھ سے زیادہ کوئی واقف نہیں۔ اور

پھر انصاف کی پابندی سے بقدر اپنی واقفیت کے تعریفیں کی ہیں۔ پس ایک ایسا مخالف جو تکفیر کی بنیاد کا بانی ہے، پیشگوئی وَلَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ کا مصدق ہے۔"
(نزول المسیح ص۲۱۲ پیشگوئی ۱۵۴)

مخالفین کی شہادات (۱) مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی جو بعد میں رأس المعاندین ثابت ہوئے لکھتے ہیں:-

(الف) "مؤلف براہین احمدیہ (یعنی حضرت میرزا صاحب علیہ السلام۔ ناقل) کے حالات و خیالات سے جس قدر ہم واقف ہیں، ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں، بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح مُلا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔ اُس زمانہ سے آج تک ہم میں اُن میں خط و کتابت و ملاقات و مراسلت برابر جاری رہی ہے۔" (اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ نمبر ۶ ص۱۷۶)

(ب) "یہی جواب ہم الہامات مؤلف براہین کیطرف سے دے سکتے اور یوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ شیطان اپنے اُن دوستوں کے پاس آتے ہیں اور اُن کو (انگریزی خواہ عربی میں) کچھ پہنچاتے ہیں، جو شیطان کی مثل فاسق و بدکار اور جھوٹے دکاندار ہیں اور مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رُو سے (واللہ حسیبہ) شریعتِ محمدیہ پر قائم و پرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔"
(اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ نمبر ۹ ص۲۸۴)

(ج) "اب ہم اس (براہین احمدیہ۔ ناقل) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اِس زمانہ میں اور موجودہ حالات کی نظر سے ایسی کتاب ہے، جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آیندہ کی خبر نہیں۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۔ اور اِس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی، جانی وقلمی ولسانی وحالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے، جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے، تو ہم کو کم از کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہائے مخالفینِ اسلام خصوصاً فرقہ آریہ و برہمو سماج سے اِس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص کی نشان دہی کرے جنہوں نے اسلام کی

نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرینِ الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جسکو وجودِ الہام کا شک ہو، وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کر لے۔ اور اس تجربہ و مشاہدہ کا اقوامِ غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰)

دوسرا معاند شاہد مولوی ثناء اللہ امرتسری :-

(الف) "مرزا صاحبؑ کی زندگی دو حصوں پر منقسم ہے۔ ایک قبل دعویٰ مسیحیت، دوسرا بعد دعویٰ مسیحیت۔ ان دونوں میں بڑا اختلاف ہے، پہلے حصے میں مرزا صاحبؑ ایک باکمال مصنف کی صورت میں پیش ہوتے ہیں، دوسرے حصے میں اس کمال کو کمال تک پہنچا کر مسیح موعود مہدی معہود کرشن گوپال، نبی اور رسول ہونے کا بھی ادعا کرتے ہیں۔ پہلے حصے میں جمہور علماءِ اسلام اُن کی تائید پر ہیں، دوسرے حصے میں جمہور بلکہ کل علماءِ اسلام اُن کے مخالف نظر آتے ہیں"۔
(تاریخ مرزا صفحہ ۳)

(ب) "ثابت نہیں، کہ کسی مشہور درسگاہ میں آپؑ نے تحصیلِ علم کی ہو" (تاریخ مرزا صفحہ ۴)

(ج) "اس زمانے میں سب سے بڑے مانوس مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ تھے، جنہوں نے اس کتاب پر بڑا بسیط ریویو لکھا اور مخالفین کو جوابات دیئے" (تاریخ مرزا صفحہ ۹)

(د) "چونکہ مرزا صاحبؑ ملک میں بحیثیت ایک نامور مصنف، مناظر، بلکہ باکمال عارف باللہ صوفی، ملہم کی صورت میں پیش ہوئے تھے" (تاریخ مرزا صفحہ ۹)

(ھ) "جس طرح مرزا صاحبؑ کی زندگی کے دو حصے ہیں (براہین احمدیہ تک، اور اس سے بعد) اسیطرح مرزا صاحبؑ سے میرے تعلق کے بھی دو حصے ہیں، براہین احمدیہ تک، اور براہین سے بعد براہین تک مَیں مرزا صاحب سے حسن ظن تھا۔ چنانچہ ایکدفعہ جب میری عمر کوئی ۱۷، ۱۸ سال کی تھی، مَیں بشوقِ زیارت بٹالہ سے پاپیادہ تنہا قادیان گیا۔ (تاریخ مرزا صفحہ ۵۳)

تیسرا مخالف مولوی نذیر حسین دہلوی شیخ اہلحدیث ہے۔ جنہوں نے براہین احمدیہ پیش ہونے پر چند گواہوں کی موجودگی میں کہا :-

"جب سے اسلام میں سلسلۂ تالیف و تصنیف شروع ہوا ہے، براہین کی مانند

افاضہ اور فضل اور خوبی میں کوئی ایسی تالیف نہیں ہوئی۔" (بحوالہ اربعین ۲ صٰ)

معیار چہارم | مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ (شوریٰ ۵) یعنی اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نہیں جانتے تھے، کہ وہ کتاب اور علم الہیٰ (جو آپکو دیا گیا) یا وہ تفاصیل ایمانیہ (جنکی طرف اب آپ لوگوں کو دعوت دیتے ہیں) کیا ہوتی ہیں۔ ایک اور جگہ پر قرآنی علمی معجزہ کیوجہ سے فرمایا وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِہٖ مِنْ کِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّہٗ بِیَمِیْنِکَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ (عنکبوت ۵) یعنی اسے ہمارے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ قبل ازیں کسی کتاب کو پڑھا نہ کرتے تھے، اور نہ ہی کسی کتاب اور علم کے پُورے ماہر تھے۔ ورنہ باطل پرست لوگ خواہ مخواہ شک کرنے لگ جاتے کہ پہلے ہی علوم سماویہ اور کتب متداولہ میں ماہر تھا، تبھی تو ایسی کتاب ازخود بنالی ہے۔

احادیث میں آیا ہے (۱) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب موافقۃ اھل الکتاب فیمالم یؤمر فیہ۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ باب الترجل) یعنی حضور علیہ السلام مستقل اور شارع نبی ہونے کے باوجود پھر بھی اُن باتوں میں اہل کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، جن امور میں آپؐ کو صریح حکم نہ ہوتا تھا۔ مثلاً صوم یوم عاشورا، توجہ بیت المقدس، تسدیل شعر راُس یا مدینہ میں پہنچکر بھی اپنی کلی فضیلت کا اظہار نہ فرمانا، جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے واضح ارشادات نہ آتے رہے۔

اِن سب آیات وحدیث کا نتیجہ یہ نکلا، کہ نبی اپنی پہلی زندگی میں بوجہ اپنی بے نفسی اور طہارتِ قلبی خود ہی بعض اُن باتوں کا عامل رہتا ہے، جن کی تردید بعد میں کرتا ہے، اور کلام الہیٰ کے آجانے پر اُن کو غلط قرار دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے، کہ معمولی تدبر سے معلوم ہوجائے کہ اس مدعیٔ نبوت کا دعوےٰ ازخود ساختہ نہیں، اور نہ منصوبہ بازی سے، بلکہ جیسا جیسا اور جب جب خدا تعالیٰ کی طرف سے علم ہوتا جاتا ہے، نبی ظاہر کرتا جاتا ہے۔

اس سے بھی بڑھکر قابلِ غور امر یہ ہے، کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حراء میں فرشتے نے تین بار اقرء اقرء کہکر اور اپنے سینے سے بھینچکر احکام الہیٰ کی تبلیغ کی فرضیت اور ذمہ داری بتائی، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے گھبرا کر کہا۔ ولقد خشیت علیٰ نفسی (بخاری شروع و مشکوٰۃ باب المبعث و بدء الوحی)، یعنی مجھے اپنے نفس کے متعلق ڈر پیدا ہوگیا ہے۔ تو حضرت خدیجہؓ نے جو محرم راز تھیں مسلسل پندرہ سال تک شب و روز آپؐ کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرچکی تھیں آپؐ کی بعض بے نظیر خوبیوں کا ذکر کرکے آپؐ کی اس گھبراہٹ

کو دُور کرنا چاہا۔

اِس سے بھی پتہ لگتا ہے، کہ انبیاء صادقین دعوے کے متعلق بھی بڑی احتیاط کرتے ہیں۔ بعض اوقات نادان اور کم فہم لوگوں کے نزدیک وہ احتیاط قابلِ اعتراض ہوجاتی ہے، مگر نبی کو ان اعتراضوں سے کیا ڈر۔

بالکل اسی معیار پر جو اِن آیات و احادیث سے واضح ہو رہا ہے، حضرت میرزا صاحب علیہ السلام کو پرکھا جائے، تو آپ پر ایسا ہی حال وارد ہوا، کہ آپ نے پہلی تصنیف میں باوجود اپنے مسیح وقت ہونے کا الہام پانے کے پھر بھی عام مسلمانوں کا عقیدہ نزولِ مسیحؑ کا لکھ دیا۔ اور جب تک بارش کی طرح وحی نہ ہوئی، تب تک آپؑ نے اپنی فضیلت حضرت مسیحؑ پر ظاہر نہ فرمائی۔ اور جب تک آپؑ کو پوری طرح علم نہ دیا گیا، کہ آپؑ جو اپنی نبوت کی تعریف کرتے ہیں، کہ کثرت مکالمہ مخاطبہ الہٰیہ، یہی اصل نبوت کی حقیقت ہے۔ اور محدثیت کی یہ تعریف نہیں ہے تب تک آپؑ کثرت مکالمہ مخاطبہ والے کو محدث ہی فرماتے رہے۔ جسے آجکل بعض نادان مخالف اعتراض کا ذریعہ بیان کرتے ہیں۔

(تفصیل۔ از ازالہ اوہام طبع اوّل ص۱۹۷، ۱۹۸۔ اعجاز احمدی ص۶، ۷ و حقیقۃ الوحی ص۱۴۹، ۱۵۰)

(باقی)

سیاستِ احمدیت

(قسطِ دوم)

(از جناب مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر۔ مولوی فاضل)

دوسرا اصل

یہ سوال، کہ طریقۂ حکومت کیا ہونا چاہیئے، آیا خود مختارانہ یا لوگوں کی رائے اور مشورہ کے ساتھ۔ اس بارہ میں اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (شوریٰ رکوع ۴) یعنی امورِ سیاست کو باہمی مشورہ کے ساتھ سرانجام دینا چاہیئے۔ گویا اسلام کسی حاکم کے لئے یہ جائز قرار نہیں دیتا، کہ وہ رائے عامہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اور مشورہ کے طریق کو چھوڑ کر حکومت میں ایسا رویہ اختیار کرے، جو استبدادانہ ہو۔ سوائے اس کے کہ استثنائی حالات میں صدرِ حکومت کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے، کہ جب وہ دیکھے، کہ رائے عامہ جماعتی اور ملی مفاد کے خلاف ہے، تو وہ کثرت رائے کے خلاف فیصلہ کر دے۔ جیسا کہ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ سے ظاہر ہے۔ مگر باوجود اس حق کے اسے ایسے اہم امور میں جن کا تعلق جمہور کے ساتھ ہو مشورہ کا پابند قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو اسلامی سیاسیات کے بہت بڑے ماہر تھے، انہوں نے ایک دفعہ فرمایا لا خلافة الا بالمشورة۔ کہ مشورہ کے بغیر نیابتی حکومت قائم ہی نہیں رہ سکتی، اور اس کا وجود کالعدم ہو جاتا ہے۔

یہ سوال، کہ امیر یا صدرِ حکومت کے انتخاب کے متعلق کس طریق پر مشورہ ہو مجلس شوریٰ کی تقویم کن اصول پر مبنی ہو۔ شوریٰ میں کس قسم کے امور پیش ہوں۔ نظامِ حکومت کی تقسیم کس طرح ہو۔ یہ تفصیلی باتیں ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانہ کے حالات پر چھوڑ دی گئی ہیں۔ اور عام راہنمائی کے لئے اصولی ہدایات دیدی ہیں۔ تاکہ اصولی ہدایات کے نتیجہ میں فتن کا سدِ باب ہو جائے، اور تفصیلی ہدایات نہ رہنے کے نتیجہ میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے، اور اس طرح انسانی دماغ ہر حالت اور ہر زمانہ میں ترقی کرتا رہے۔

تیسرا اصل

اِس اصل کے ماتحت کہ لوگوں کا اپنے حکّام کے متعلق کیا رویہ ہو۔ آیا انتہائی حد تک اُن سے تعاون کریں، یا جب بھی اپنے حقوق خطرہ میں دیکھیں یا حاکم کا کوئی فعل قابلِ اعتراض سمجھیں اسکے خلاف بغاوت کردیں۔ اور یہ کہ اگر حکّام کا رویہ واقعہ میں ظالمانہ ہو، تو پھر اُس کے متعلق کیا طریق اختیار کیا جائے، اسلام نے ایک نہایت ہی جامع ہدایت دی ہے۔ وہ فرماتا ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۔ (نساء رکوع ۸) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے، کہ تم خدا اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔ اور اگر تمہارا اولو الامر سے اختلاف ہو جائے تو اِس صورت میں فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ۔ اس اختلاف کو خدا اور اس کے رسول کی مقرر کردہ ہدایات کے ماتحت دُور کرنے کی کوشش کرو۔ اس آیت سے بعض لوگ یہ استدلال کیا کرتے ہیں، کہ اولو الامر کی اطاعت واجب نہیں، کیونکہ اختلاف کی صورت میں خدا تعالیٰ نے ہمیں خود یہ دیکھنے کا حکم دیا ہے، کہ خدا اور رسول کا کیا حکم ہے۔ مگر یہ استدلال درست نہیں۔ کیونکہ اگر یہ معنے کئے جائیں، تو اطاعت کبھی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ کونسا امر ایسا نکلے گا جسے تمام لوگ متفقہ طور پر خدا اور رسول کا حکم سمجھیں گے۔

پس اِس آیت کے یہ معنے نہیں، بلکہ اس فقرہ کے معنے کچھ اور ہیں۔ وہ معنے کیا ہیں؟ اُن کو بیان کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے، کہ یہ آیت عام ہے، اس میں خالص دُنیوی حکّام بھی شامل ہیں، اور خلفاء راشدین بھی شامل ہیں۔ اور ان دونوں کے بارہ میں قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام الگ الگ ہیں۔ پس رُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ کے یہ معنے نہیں کہ اختلاف کی صورت میں تم یہ دیکھو کہ تم خدا اور رسول کا حکم کیا سمجھتے ہو، بلکہ یہ معنے ہیں، کہ اس عام حکم میں چونکہ خلفاء راشدین بھی شامل ہیں اور دُنیوی حکّام بھی، اس لئے اختلاف کی صورت میں تم یہ دیکھو کہ وہ حکّام کس قسم کے ہیں۔ اگر تو خلفاء راشدین ہیں، تو اُن کے متعلق وہ عمل اختیار کرو جو اللہ نے خلفاء راشدین کے بارہ میں بیان فرمایا ہے۔ اور اگر وہ دُنیوی حکّام ہیں، تو اُن کے بارہ میں اُن احکام پر عمل کرو، جو اللہ اور رسول نے اُن کے متعلق بیان کئے ہیں۔

اب ہم دیکھتے ہیں، کہ اِن دونوں قسم کے اولو الامر کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے

الگ الگ احکام بیان کئے ہیں یا نہیں۔ اور اگر کئے ہیں، تو وہ کیا ہیں۔ سو ہم دیکھتے ہیں، کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قسم کے اولوالامر کی نسبت دو مختلف احکام بیان کئے ہیں جو یہ ہیں:۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بایعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی منشطنا ومکرھنا وعسرنا ویسرنا واثرۃ علینا وعلی الا تنازع الامر اھلہ الا ان تروا کفرًا بواحًا عندکم من اللہ فیہ برھان (بخاری کتاب الفتن۔ مسلم کتاب الامارۃ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ عہد لیا، کہ ہم ہر حالت میں اپنے حکام کی اطاعت کرینگے پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی حالت میں، عسر اور یسر میں، خواہ ہمارے حقوق ہمیں ملیں یا ہم سے چھینے جائیں۔ اور یہ کہ ہم کسی حالت میں بھی اپنے امیروں کے ساتھ اُن کی امارت کے معاملہ میں تنازع نہیں کریں گے۔ ہاں آپؐ نے فرمایا، کہ اگر تم اپنے حاکم سے کفر بواح سرزد ہوتا دیکھو، جس کے بارہ میں تمہارے پاس قطعی دلیل ہو، تو پھر تمہیں اُس کے ساتھ تنازع کرنے کا حق حاصل ہے۔

دوسری طرف ایک اور حدیث میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین۔ تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔ کہ تم میری سُنت اور میرے خلفاء راشدین کی سُنت پر چلو۔ اور اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔

ان دونوں قسم کے حوالوں سے ثابت ہوتا ہے، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قسم کے اولوالامر تسلیم کئے ہیں۔ ایک دُنیوی اور ایک دینی۔ دُنیوی اُمراء کے متعلق اطاعت کا حکم ہے مگر ساتھ ہی کفر بواح کا جواز بھی رکھا ہے۔ اور اس صورت میں بشرطیکہ برہان ہو، قیاس نہ ہو ان کفریہ امور میں ان کی اطاعت سے باہر جانیکی نہ صرف اجازت دی ہے، بلکہ حکم دیا ہے۔ مگر اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض دینی اولوالامر بھی بتائے ہیں جنکے بارہ میں ہمیں حَکَم نہیں بنایا، بلکہ انہیں اُمت پر حَکَم بنایا ہے۔ اور فرمایا ہے، کہ جو کچھ وہ کریں وہ تم پر حجت ہے اور ان کے طریق کی اتباع اسی طرح ضروری ہے، جس طرح میرے حکم کی۔ پس خدا اور رسول کا وہ حکم جس کی طرف بات کو لوٹانے کا ارشاد ہے، یہی احکام ہیں۔ یعنی اگر دنیوی حکام ہوں تو حتی الوسع اطاعت کرو، سوائے اس کے کہ نص صریح کے خلاف عمل کرنے کا حکم دیں۔ اور اگر دینی اور اسلامی امراء ہوں، تو سمجھ لو، کہ وہ جو کچھ کریں گے میرے منشاء کے مطابق ہوگا اور اللہ تعالےٰ انہیں

اسی راہ پر چلائیگا، جو میری راہ ہوگی۔ پس ان پر حکم بننے کی بجائے ان کو اپنے اوپر حکم بناؤ۔ اور اُن سے اختلاف کر کے مجھ سے اختلاف کرنیوالے نہ بنو۔

دُنیوی اُمراء کے بارہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دی ہیں، انہیں کفر بواح سے مُراد قانونِ شریعت یا قانونِ سیاست کے کسی اصل کو توڑنا مُراد ہے۔ مگر بہرحال یہ ضروری ہوگا، کہ کفر بالکل صریح اور کھلا ہو۔ اور کسی اجتہادی غلطی اور مشتبہ حالات کا نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ امیر کی بریت کے لئے امکانی طور پر بھی کوئی دروازہ کھُلا نہ رہے۔ اور اُس کی امارت ملک کے امن کے لئے خطرناک صورت اختیار کرلے۔ اِس انتہائی حالت میں بھی اسلام یہ اجازت نہیں دیتا، کہ امیر کی مملکت میں رہتے ہوئے اس کے خلاف بغاوت کیجائے۔ کیونکہ اس صورت میں ملک کے اندر خانہ جنگی کی صورت پیدا ہوسکتی ہے، جسے اسلام پسند نہیں کرتا۔ اسلام ایسے حالات میں جائز قانونی طریق پر حکام کو توجہ دلانا ضروری قرار دیتا ہے۔ اور اگر حکام پھر بھی اصلاح نہ کریں، تو لوگوں کو اجازت ہوگی، کہ وہ اُن کی حدودِ امارت سے باہر نکل جائیں۔ اور پھر اُن کے خلاف کوشاں ہوں۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور بنی اسرائیل کی فرعون کے ملک سے ہجرت اسی اصل کے باعث وقوع میں آئی تھی۔ اگر کوئی امیر لوگوں کو باہر نکلنے سے جبرًا روکے، جیسا کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو روکنے کے لئے اُن کا تعاقب کیا تھا۔ تو امیر کا یہ فعل بغاوت اور ظلم کے مترادف ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَجَاوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهُ بَغْيًا وَّعَدْوًا۔ ایسی صورت میں امیر کی حدودِ امارت میں رہتے ہوئے اس کے خلاف سرگرم عمل ہونا جائز ہوگا۔ اور اس کی ذمہ واری اس ظالم حاکم پر ہوگی، جو اس بدامنی اور فساد کا محرک ہوا۔ گویا دُنیوی حکام سے اختلاف کیصورتیں یہ ہیں:

اَ۔ امیر کا رویہ اگر ظالمانہ ہو، تو اسلام یہ نصیحت کرتا ہے، کہ اسے نیک مشورہ دیا جائے اور اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ افضل الجهاد من قال كلمة عند سلطان جائر۔

ب:۔ اگر اس پر بھی امیر کی اصلاح نہ ہو، اور وہ اپنی ناواجب کارروائیوں پر مُصر رہے، تو رعایا کو یہ حق دیا گیا ہے، کہ وہ جائز باتوں میں تو بدستور امیر کی اطاعت کرتی رہے، مگر ناجائز حصہ میں اس کی اطاعت سے انکار کردے۔ فرمایا۔ السمع والطاعة على المرء المسلم

فیما احب وکرہ مالم یؤمر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ۔

ج ۔ اگر باوجود اس نیک مشورہ اور جزوی عدم اطاعت کے امیر کے ناجائز احکام کا سلسلہ ترقی کرتا چلا جائے، تو اس قسم کے انتہائی حالات میں اسلام اجازت دیتا ہے کہ لوگ اس کی اطاعت کا جُوا پھینک کر اس کے حدود سے باہر چلے جائیں، اور اس کے مقابل پر کھڑے ہو جائیں۔

چوتھا اصل

حکومت کے رعایا کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں، اُن کے ضمن میں اسلام یہ ہدایت دیتا ہے، کہ وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ، یعنی جب تمہارے سپرد نظامِ حکومت ہو، تو تمہیں ہر امر میں عدل کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ گویا اسلام کے نزدیک حکومت عدل و انصاف پر مبنی ہونی چاہیئے۔ اور حکام کا یہ فرض ہونا چاہیئے، کہ وہ بلا امتیازِ قومیت وجنس تمام افرادِ رعیت کو ایک نظر سے دیکھیں۔ پھر اسلام نے حکومت کو امانت قرار دیکر حاکم کا بیت المال پر مالکانہ تصرف کالعدم کر دیا ہے۔ اور جس طرح ایک امین سے توقع کی جاتی ہے، کہ وہ امانت کی پوری پوری حفاظت کرے، اسی طرح ایک حاکم کا فرض ہے، کہ وہ افراد کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کرے۔

گویا اسلام نے حکومت کا خزانہ حاکم کا قرار نہیں دیا۔ بلکہ جمہور کا قرار دیا ہے۔ اور اس میں اس کا وہی حق ہے، جو عام افراد کا۔ اور جیسا کہ افراد بیت المال سے خود بخود نہیں لے سکتے اسی طرح وہ اپنا گذارہ بھی خود مقرر نہیں کر سکتا۔ بلکہ یہ اختیار مجلس شوریٰ کو حاصل ہے۔ اسلام اس ضمن میں حکومت کو رعایا کی ضروریاتِ زندگی کا ذمہ دار قرار دیتا ہے، اور حاکم کو ایک گڈریہ کی مانند سمجھتا ہے۔ جس کے سپرد مالک ریوڑ کر دیتا ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، الامام راع و مسئول عن رعیتہ۔ پھر شریعتِ اسلامیہ نے گو حاکم کو سیاستاً اور انتظاماً ایک فوقیت دی ہے، مگر بحیثیت انسانی حقوق کے اس کو کوئی امتیاز نہیں دیا۔ بلکہ ذاتی معاملات میں اگر خلیفہ اور کسی اور شخص کا جھگڑا ہو جائے، تو وہ عدالت کے سامنے برابر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ایک مختصر سا نقشہ ہے اُن سیاسی اصول کا جو اسلام نے بنی نوع انسان کے سامنے

پیش کئے۔ اور جن پر قائم رہتے ہوئے اوّل تو حاکم و محکوم کے تعلقات بگڑ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کبھی بگڑیں، تو اس کے خطرناک اور ضرر رساں نتائج سے مُلک محفوظ رہتا ہے۔ جماعت احمدیہ یہ اعتقاد رکھتی ہے، کہ سیاسی معاملات میں بھی دُنیا اسلام کی تعلیم کی محتاج ہے۔ اور اسی وقت جھگڑے اور فسادات دُور ہو سکتے اور امن قائم ہو سکتا ہے، جب اسلامی اصول کو ملحوظ رکھا جائے۔ اور تمام جھگڑوں اور مناقشات کو اسلام اور قرآن کی پیشکردہ تعلیم کی روشنی میں حل کیا جائے۔

یہ تو سیاست کا وہ پہلو ہے، جو نظامِ حکومت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور جس کی تعلیم اسلامی احکام کی روشنی میں احمدیت دُنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔ لیکن اس کے علاوہ اس حقیقت کا اظہار بھی نہایت ضروری ہے، کہ ہمارے نزدیک جائز اور پُرامن ذرائع سے دُنیا میں صحیح اسلامی حکومت قائم کرنا جماعت احمدیہ کا فرض ہے۔ اور جن معاملات میں حکومت اجازت دیتی ہے، اُن میں اسلامی تعلیم کا اجراء ہم تعمیرِ اسلام کی تکمیل کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے، کہ اگر قرآن کریم کے احکام پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ اسکے دو حصّے ہیں۔ ایک حصّہ قرآن کریم کے احکام کا وہ ہے، جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور ایک حصّہ قرآن کریم کے احکام کا وہ ہے، جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جو حصّہ افراد کیساتھ تعلق رکھتا ہے، اس پر ہر جگہ انسان عمل کر سکتا ہے۔ خواہ وہ آبادی میں ہو یا ویرانہ میں۔ مثلاً نماز کا حکم ہے، یا روزہ کا حکم ہے، یا صدقہ و خیرات دینے کا حکم ہے۔ اِن احکام پر جہاں جہاں کوئی مسلمان ہوگا، عمل کرے گا۔ اور اسے ان احکام کی بجاآوری میں کوئی دقت پیش نہیں آسکتی۔ لیکن وہ قرآنی احکام جو نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، وہ نظام کے ذریعہ ہی پورے ہو سکتے ہیں، اس کے بغیر نہیں۔ مثلاً زکوٰۃ ہے۔ اگر دُنیا میں کوئی اسلامی حکومت نہیں، یا حکومت اسلامی کی عدم موجودگی کیصورت میں مسلمانوں میں کوئی نظام بھی موجود نہیں، تو زکوٰۃ کا فریضہ صحیح معنوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ زکوٰۃ کے متعلق اسلامی تعلیم یہ ہے، کہ وہ ایک جگہ جمع ہو اور پھر اُسے مناسب مواقع پر خرچ کیا جائے۔ یا مثلاً جہاد ہے، اگر جہاد کی کسی وقت ضرورت پیش آجائے، تو یہ حکم بھی بغیر نظام کے پورا نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلموں سے تلوار کے ساتھ مقابلہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب مسلمانوں کے پاس ایک جتھہ ہو، اور اُن میں نظام پایا جاتا ہو۔ ورنہ انفرادی طور پر اگر ایک مسلمان دشمن کے مقابلہ کے لئے جائے گا، تو مارا جائے گا، اور اسلام کو کوئی فائدہ

نہیں ہوگا۔ پس جہاد بھی ان احکام میں سے ہے، جن میں ایک جتھہ اور نظام کی ضرورت ہوتی ہے۔ تا مسلمان یکجائی طور پر ظالم حکومت یا ظالم افراد کا مقابلہ کر سکیں، افراد اس حکم کو کما حقہٗ بجا نہیں لا سکتے۔

پھر وہ احکام جو حکومت اور نظام سے تعلق رکھتے ہیں، وہ آگے پھر دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو کلی طور پر حکومت کے اپنے اختیار میں ہوتے ہیں، اور ایک وہ جو مرضی پر منحصر ہوتے ہیں خواہ حکومت انہیں اپنے قبضہ میں رکھے، اور خواہ اقوام کو آزاد چھوڑ دے۔ کلی طور پر حکومت کے قبضہ میں رہنے والے اختیارات کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے قاتل کو قتل کی سزا دینا۔ یہ کلی طور پر حکومت کے قبضہ میں ہے، اور کوئی شخص کسی کو اسلئے قتل نہیں کر سکتا، کہ اس کے علم میں وہ یقینی طور پر قاتل ہے۔ یا مثلاً چوری کی سزا موجودہ قانون میں قید ہے، یہ سزا بھی حکومت نے اپنے قبضہ میں رکھی ہوئی ہے۔ اور کسی دوسرے کو یہ حق نہیں، کہ وہ خود بخود کسی چور کو چوری کی سزا دے۔ مگر اور بعض باتیں ایسی ہیں جو باوجود اسکے کہ نظام سے تعلق رکھتی ہیں حکومت نے ان سے اپنا ہاتھ کھینچ رکھا ہے، اور لوگوں کو اجازت دی ہوئی ہے، کہ وہ جس رنگ میں چاہیں، ان امور کا آپس میں فیصلہ کریں۔ مثلاً مقدمات کا ایک حصہ ایسا ہے، جسکے متعلق حکومت کہتی ہے، کہ اسے ضرور ہمارے پاس لاؤ۔ لیکن ایک حصہ ایسا بھی ہے جس میں وہ کہتی ہے، کہ اس کا ہمارے پاس لانا یا نہ لانا تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ چاہو توان مقدمات کو ہمارے پاس لے آؤ نہ چاہو تو نہ لاؤ۔ ایسے تمام معاملات اور اختیارات جن میں حکومت دخل نہیں دیتی، ان کے متعلق جماعت احمدیہ یہ فرض سمجھتی ہے، کہ ان امور کا اسلامی تعلیم کے مطابق فیصلہ کرے۔ کیونکہ جب حکومت نے ان امور میں دخل اندازی پسند نہیں کی اور ہمیں ہماری مرضی پر چھوڑ دیا ہے، تو ہمارا فرض ہے، کہ ان کا فیصلہ اسلامی تعلیم کے مطابق کریں۔ مثلاً زکوٰۃ انگریزی حکومت نہیں لیتی اور نہ کسی کو زکوٰۃ دینے پر مجبور کرتی ہے۔ اور چونکہ انگریزی حکومت اس میں دخل نہیں دیتی، اس لئے کوئی وجہ نہیں، کہ اگر مسلمانوں میں نظام موجود ہو، تو وہ زکوٰۃ لیکر اسے اسلامی تعلیم کے مطابق تقسیم نہ کریں۔

غرض اسلامی تعلیم کو دنیا میں قائم کرنا، شریعت کے مطابق لوگوں کے جھگڑوں کا تصفیہ کرنا، اور ناقابل دست اندازی پولیس معاملات میں اسلامی قانونِ تعزیر کے مطابق لوگوں کو سزا دینا سیاست احمدیت کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔ ہاں وہ حصہ جو حکومت نے اپنے اختیار میں رکھا ہوا ہے، اس میں جماعت احمدیہ دخل نہیں دیتی، ورنہ دے سکتی ہے۔ اگر دشمن اس کوشش

اور جدوجہد کا نام پیرالل گورنمنٹ قائم کرنا رکھتا ہے، تو بیشک رکھے، ہمیں اس کی پرواہ نہیں۔ ہم نے جو بات کبھی کسی سے نہیں چھپائی، وہ یہ ہے، کہ ہم دُنیا میں اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں جماعت احمدیہ اور دوسرے لوگوں کے ذرائع حصول میں فرق ہے۔ احمدیت تبلیغی اور پُرامن ذرائع اختیار کرتی ہے، اور دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں، کہ اس کے حاصل کرنے کا طریق جبر و تشدد ہے۔ بہرحال احمدیت کے نزدیک جن باتوں میں حکومت ہمیں اختیار دیتی ہے اُن میں اسلامی حکومت کی طرز پر احکام جاری کرنا ہمارا فرض ہے۔ بیشک اسلام یہ اجازت نہیں دیتا۔ کہ ہم عادی چور کا ہاتھ کاٹ دیں، بلکہ وہ اسے اسلامی حکومت کا کام قرار دیتا ہے۔ مگر اسلام یہ اجازت تو دیتا ہے، کہ چور پر تمدنی دباؤ ڈال کر اسے چوری سے باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ پس اگر کوئی چوری کریگا، تو جماعت احمدیہ کی طرف سے اس پر تمدنی دباؤ ڈالا جائیگا۔ تاکہ اس کی اصلاح ہو۔ اسی طرح بیشک اسلام ہمکو یہ اجازت نہیں دیتا، کہ اگر کوئی علی الاعلان بدکاری کرے تو اسے سنگسار کر دیں، بلکہ وہ اسے اسلامی حکومت کا فرض قرار دیتا ہے۔ لیکن جو تمدنی دباؤ ہے اس کے ذریعہ ہم اس کے اخلاق کی درستی کر سکتے ہیں، اور جماعت احمدیہ ہمیشہ ایسا کرتی ہے۔ اور اخلاقی جرائم کے مرتکب لوگوں پر تمدنی دباؤ ڈال کر اُن کے افعال سے تنفر کا اظہار کرتی ہے۔ تاکہ وہ ان افعال کا دوبارہ ارتکاب نہ کریں۔

پس ایک جگہ اسلام اگر ہمارے ہاتھ روکتا ہے، تو دوسری جگہ ہمیں اختیار بھی دیتا ہے۔ اور اگر ہم اسلامی تعلیم کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہوں، تو ہمارا فرض ہو جاتا ہے، کہ ان اُمور میں ہم اسلامی حکومت کا نقشہ دُنیا کے سامنے پیش کریں۔ غرض احمدیت کی سیاست کا نقطۂ مرکزی دُنیا میں صحیح اسلامی حکومت قائم کرنا ہے، جس کا طریق یہ ہے، کہ جن امور میں حکومت مداخلت نہیں کرتی اُن امور میں ہم جماعت کے افراد کو اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنیکی ہدایت کرتے اور اُن سے جرائم سرزد ہونے پر تمدنی دباؤ یا ایسے ہی اور ذرائع سے اُن کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اخراج از جماعت یا مقاطعہ کی سزائیں جو نظام جماعت کی طرف سے بعض افراد کو ملتی ہیں، یا قضاء میں ناقابلِ دست اندازی پولیس مقدمات کی جو سماعت ہوتی ہے، یا خدام الاحمدیہ کی طرف سے نوجوانوں کی تربیت کے لئے جو ذرائع اصلاح تجویز کئے جاتے ہیں، وہ سیاستِ احمدیت کے اس پہلو کی واضح ترین مثالیں ہیں۔ اور ان کا بنیادی نقطہ یہی ہے، کہ جن امور میں حکومت مداخلت نہیں کرتی اُن میں جماعت احمدیہ اسلامی تعلیم کا احیاء چاہتی ہے۔ پھر جوں جوں احمدیت

لہ متواتر

وسیع ہوگی اور حکومت احمدیت کے قبضہ میں ہوگی، اُس وقت صرف انہی امور میں نہیں، بلکہ ہر امر میں جماعت احمدیہ اسلامی تعلیم کا احیاء کریگی۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ بھی ہے، کہ یحیی الدّین ویقیم الشریعۃ۔ آپؑ کے ذریعہ دین کو زندہ کیا جائیگا، اور شریعت کو قائم کیا جائیگا۔

"انقلاب حقیقی" میں حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو نہایت فصاحت سے بیان فرمایا ہے۔ مختصراً حضور کے یہ الفاظ اپنے سامنے رکھنے چاہئیں۔ کہ:۔

"اس بات کی ضرورت ہے۔ کہ شریعت کے اجراء میں جائز جبر جسے سیاست کہتے ہیں، اس سے کام لیا جائے۔ اور اس امر کا کوئی خیال نہ کیا جائے، کہ کسی کو ٹھوکر لگتی ہے، یا ابتلاء آتا ہے۔ سیاست کے معنے درحقیقت یہی ہیں، کہ اجرائے شریعت کے باب میں جہاں ضرورت ہو اور جس حد تک اجازت ہو جبر سے کام لیا جائے۔ علماء اسلام نے اس پر کتابیں لکھی ہیں، اور انہوں نے ثابت کیا ہے، کہ جبر کر کے ماننے والوں کو اسلامی احکام پر چلانے کا نام ہی سیاست ہے۔ اور ہمارے لئے بھی ضروری ہے، کہ ہم اس جبر سے کام لیں۔ جب ایک شخص ہمارے پاس آتا ہماری بیعت کرتا اور اپنے آپ کو ہمارے سپرد کر دیتا ہے۔ تو لازماً ہمارا حق ہے، کہ اگر وہ کسی حکم پر چلنے میں سستی اور غفلت سے کام لے تو اسپر جبر کریں۔ اور اُسے اس بات پر مجبور کریں، کہ وہ اسلامی طریق عمل کو اختیار کرے۔ کیونکہ وہ ہمارا ایک حصہ بنا ہوا ہے، اور اس کی بدنامی سے ہماری بدنامی ہے اور اس کی کمزوری سے ہمارے اندر کمزوری پیدا ہوتی ہے، ایسا جبر کرنا ہرگز ناجائز نہیں۔ کیونکہ اس شخص نے اپنی مرضی سے ہم میں شامل ہو کر ہمیں اس جبر کا حق دیا ہے۔ جس طرح کہ بورڈنگ میں داخل ہو کر ایک طالب علم اساتذہ کو خود اپنے پر جبر کا حق دیتا ہے اور کوئی اسپر اعتراض نہیں کرتا۔ ہاں جو اسے ناپسند کرتا ہو وہ پورا آزاد ہے، کہ اپنے آپ کو جماعت سے الگ کر لے۔" (صفحہ ۱)

اس کے بعد حضور نے شریعت کے احکام کی ان دو اقسام کا ذکر کیا ہے، کہ اس کے بعض حصے حکومت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور بعض حصے نظام کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور پھر اس بارہ میں جماعت احمدیہ کے طریق عمل کی وضاحت کی ہے، جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔

آخر میں اس مضمون کی مناسبت سے اس امر کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اِسوقت ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں کام کر رہی ہیں اور طبعی طور پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے، کہ ہمارا کس جماعت کے ساتھ تعلق ہے؟ اس سوال کے جواب کے طور پر یہ سمجھ لینا نہایت ضروری ہے کہ ہم ایک مذہبی جماعت ہیں، اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے ہماری کسی خاص جماعت سے وابستگی نہیں ہوسکتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی جماعت ایسی ہو جسکے مفاد اور اغراض و مقاصد ہماری جماعت کے مفاد اور اغراض و مقاصد کے خلاف نہ ہوں۔ ایسی حالت میں ہم بیشک ایسی جماعت سے وابستہ ہوسکتے ہیں۔ مگر پھر بھی من حیث الجماعت نہیں، بلکہ بعض افرادِ جماعت کو یہ اجازت ہوسکتی ہے۔ کہ وہ اگر چاہیں تو فلاں سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں۔ ورنہ ہماری جماعت ایک مذہبی جماعت ہے، اور یہ قطعی طور پر ناممکن ہے، کہ ہم بحیثیت جماعت کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہو جائیں۔ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے، پنجاب مسلم لیگ کی پارلیمنٹری کمیٹی یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ کوئی احمدی مسلم لیگ کی طرف سے ممبر نہیں بن سکتا۔ علاوہ ازیں اسکی طرف سے ہر ممبر سے یہ اقرار لیا جاتا رہا ہے، کہ وہ اسمبلی میں جاکر یہ تحریک کریگا، کہ احمدی لوگ مسلمان نہیں ہیں اور انہیں مسلمانوں سے الگ فرقہ سمجھا جائے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اس قانون کی موجودگی میں کوئی احمدی مسلم لیگ میں شامل نہیں ہوسکتا۔

دوسری طرف جہانتک کانگرس کا تعلق ہے۔ گو وہ اب خلافِ قانون جماعت قرار دی جاچکی ہے مگر اس بارہ میں جماعت احمدیہ اپنے طریقِ عمل کی دیر سے وضاحت کر چکی ہے۔ چنانچہ ہماری جماعت کی طرف سے یہ سوال کیا گیا تھا، کہ آیا کانگرسی حکومت میں مذہب کی تبدیلی کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ مگر تین سال کی لمبی خط و کتابت کے باوجود کانگرس یہ کہنے کیلئے تیار نہ ہوئی، کہ کانگرسی حکومت میں مذہب تبدیل کرنیکی اجازت ہوگی۔ یہ دونوں امور ایسے کھلے ہیں، کہ انکی موجودگی میں نہ کوئی احمدی کانگرس میں شامل ہوسکتا تھا، نہ مسلم لیگ میں شامل ہوسکتا ہے۔ پس کسی سیاسی پارٹی کے ساتھ تعلق رکھنے کا ہمارے لئے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ مسلم لیگ بھی اپنے اندر نقائص رکھتی ہے، اور کانگرس بھی نقائص کا مجموعہ ہے۔ ہاں جماعت احمدیہ چونکہ ایک امام کے تابع ہے، اسلئے وہ اس کی راہنمائی میں فتنہ و فساد کے مواقع پر ہمیشہ ملک میں امن پیدا کرنیکی کوشش کرتی ہے اور کرتی رہیگی انشاء اللہ تعالےٰ ٭ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

قرآن مجید اور علوم سائنس!

(قسط سوم)

(از جناب شیخ عبدالقادر صاحب اکونٹنٹ لائلپور)

ایک عظیم الشان قرآنی انکشاف ۔۔۔ اشیائے عالم میں نر و مادہ کا وجود۔

دنیا میں کوئی چیز جوڑے کے بغیر نہیں۔ اس انکشاف میں ہمیں قرآن کریم منفرد نظر آتا ہے۔ جوں جوں حقائق اشیا کھلتے چلے جاتے ہیں، اس نظریۂ قرآنی کی تائید ہو رہی ہے۔ قرآن کریم کا یہ دعوے ہے، کہ اللہ تعالے نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا بنایا ہے۔ ہر ایک پھل اور میوے کو بھی جوڑا پیدا کیا ہے۔ یعنی نر و مادہ مل کر مکمل ہوتے ہیں۔ ہر چیز بغیر جوڑے کے ناقص ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ساری قوتوں کے اظہار کے لئے جوڑے کی محتاج ہے۔ ذیل میں متعلقہ آیات قرآنی دیجاتی ہیں۔

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پ۲۳) بے عیب ہے وہ ذات جس نے سب چیزوں سے جوڑے پیدا کئے، اُن چیزوں سے جو زمین اُگاتی ہے، یعنی نباتات ارضی سے، اور اُنکی اپنی جانوں سے۔ اور اُن چیزوں سے جو وہ نہیں جانتے، یعنی ایسے جوڑے بھی ہیں، جن کا دُنیا کو علم نہیں۔

۲۔ زمین و آسمان کے باہمی جوڑ اور تعلق کے ذکر کے بعد فرمایا۔ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ (پ۲۷) اور ہم نے ہر چیز سے جوڑے پیدا کئے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

۳۔ پھر ایک جگہ آسمان اور زمین، سورج اور چاند، پہاڑوں اور دریاؤں کے زبردست جوڑ اور رشتہ کی طرف توجہ دلانیکے بعد فرمایا۔ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ۱۳)

اور اُس نے ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو زوج بنائے۔ (یعنی زمین میں تمام اقسام کے پھلوں سے نر و مادہ بنائے گئے) وہ دن پر رات کا پردہ ڈالتا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشان ہیں، جو فکر و تدبر سے کام لیتے ہیں۔ یہاں فرمایا کہ تمام قسم کے پھلوں میں بھی جوڑے پیدا کئے گئے۔ اور رات اور دن میں بھی ایک زوجیت کا تعلق ہے۔ جو پھلوں کے نشوونما اور اُن کے پکنے میں مدد دیتا ہے۔ مگر ان چیزوں کا علم فکر و تدبر کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔

۴۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ (طٰہٰ رکوع ۲) یعنی ہمنے پانی سے مختلف نباتات کے جوڑے نکالے۔

ان آیات سے ظاہر ہے، کہ نباتات، جمادات اور ہر قسم کی ذی رُوح مخلوق میں جوڑے پیدا کئے گئے ہیں۔ پھر ایسے بھی جوڑے ہیں جن کا ذکر مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ میں کیا گیا۔ گویا جن چیزوں کے جوڑے بعد کی تحقیقاتوں نے ثابت کرنے تھے۔ مثلاً ایسے باریک در باریک جوڑے جنکا علم خوردبینوں کے ذریعہ بعد میں ہونا تھا، جیسے "خورد بینی نباتات" یا "خورد بینی حیوانات" ہیں۔ یعنی اس قسم کے پودے یا جاندار اجسام جو صرف خورد بین ہی سے نظر آسکتے ہیں۔ اور اسی طرح "خورد بینی جمادات" یعنی وہ باریک در باریک ذرات جو صرف خوردبین کی مدد سے دیکھے جا سکتے ہیں۔

یا پھر مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ میں وہ چھوٹے چھوٹے جاندار اجسام شامل ہیں جنکے تفصیلی حالات سے انسان واقف ہی نہیں ہو سکتا۔ جو کہ "فوق خورد بینی اجسام" کہلاتے ہیں یعنی ایسے جاندار جو کہ خورد بین کی دسترس سے بھی باہر ہوں۔ پہلے علماء حیاتیات کا خیال تھا، کہ ہم بہت بڑی طاقت کی خورد بین کی مدد سے تمام چھوٹے سے چھوٹے جاندار اجسام کو بھی دیکھ سکیں گے لیکن یہ قیاس غلط ثابت ہوا۔ بہت سے جاندار اتنے چھوٹے ہیں، کہ سائنسدان اُن کو اچھے سے اچھے آلے یا خورد بین سے بھی نہیں دیکھ سکے۔ اس لئے وہ اُن کی شکل اور ساخت کے متعلق کچھ نہیں جانتے، کہ وہ کس قسم کی ہے۔ ہاں "فوق خورد بینی فوٹوگرافی" کی مدد سے ان جاندار اجسام کو اجمالی طور پر دیکھا اور معلوم کیا گیا ہے۔ پر انسان خواہ اپنی نظر کو کتنا ہی تیز اور باریک کرلے، پھر بھی ایسے بے شمار اور انگنت زندہ اجسام ایسے رہ جائیں گے، جو وہ نہ دیکھ سکیگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ انسانی نفوس، نباتاتِ ارضی اور باقی سب چیزوں میں جوڑے پیدا کئے گئے جن کا علم انسان کو حاصل ہوگا۔ لیکن مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ لاکر بتایا، کہ بعض ایسی مخلوق بھی ہے، جو کہ نر و مادہ کی شکل میں موجود ہے، پر اُس کا علم انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

مقامِ غور ہے، کہ یہ کتنی زبردست سچائی ہے، جس کا انکشاف قرآن کریم نے کیا۔ جس وقت یہ سچائی نازل ہوئی، دُنیا اس کی حقیقت سمجھنے سے قاصر تھی، کہ ہر ذی رُوح اور غیر ذی رُوح چیز میں جوڑا ہے۔ مگر اب سائنس ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ رہی ہے کہ تمام اشیاء کے جوڑے ہیں۔

نباتات میں نر و مادہ کا وجود!

نباتات کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا، کہ اِن کی تمام اقسام میں نر و مادہ کا وجود ملتا ہے۔ چنانچہ جدید فلسفہ و سائنس کی تحقیقات سے روز بروز یہ حقیقت منکشف ہو رہی ہے۔ کہ نباتات کے تمام انواع میں نر و مادہ کے تواصل و توالد کا سلسلہ جاری ہے۔ خواہ نر و مادہ کے الگ الگ پودے ہوں، یا ایک ہی پودے یا پھول میں دونوں چیزیں نر و مادہ جمع ہوں۔

نباتات میں تواصل و توالد کی کہانی بڑی دلچسپ ہے:۔

"نباتات میں نر پھولوں کے اندر ایک سفوف سا مادہ (زرِ گل) پایا جاتا ہے۔ جسکو سائنس کی زبان میں "زیرہ" کہتے ہیں۔ یہ زیرہ ایک قسم کے پیالے نما حصّوں کے اندر موجود رہتا ہے۔ جو "زیرہ دان" کہلاتے ہیں۔ اور باریک باریک ریشوں کے سروں سے جُڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ زیرے میں وہی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو حیوانات کے "معنوی حوین" میں ہوتی ہیں۔ چنانچہ یہ زیرہ یا تو ہوا سے اُڑ کر مادہ پھولوں پر گرتا ہے، یا کیڑے، پتنگوں، اور پرندوں وغیرہ کے جسم، پَر اور پَیروں سے چمٹ جاتا ہے اور جب وہ مادہ پھولوں پر بیٹھتے ہیں، تو یہ زیرہ پھولوں کی کلغی تک پہنچتا ہے کلغی مادہ پھول کے سب سے اُوپر کے سرے یعنی چوٹی کو کہتے ہیں۔ کلغی کے نچلے حصّہ کو سائنس کی زبان میں "نے" کہتے ہیں۔ یہ نے ایک پتلی سی نلی نما ساخت کی ہوتی ہے۔ اور مادہ پھول کے "بیض خانے" سے جا ملتی ہے۔ بیض خانہ مادہ پھول کا سب سے نچلا پھولا ہوا حصّہ ہوتا ہے۔ جس کے اندر ایک یا کئی انڈے ہوتے ہیں۔ وہ زیرہ نے کے اندر سے گذر کر بیض خانے میں پہنچتا ہے۔ اور انڈوں کو اسی طرح بارور کرتا ہے، جس طرح کہ معنوی حوین۔" ("حیات کیا ہے" صفحہ ۸۲، ۸۳)

مختصر یہ کہ جب تک نر کا غبار اُڑ کر یا دوسرے ذرائع سے مادہ تک نہ پہنچے اُسے پھل نہیں لگتا۔

جمادات میں نر و مادہ کا وجود

اسی طرح جمادات کے باریک در باریک ذرات میں جوڑے ثابت ہو رہے ہیں۔

"اور اب حال کی تحقیقات نے تو کمال کر دیا ہے۔ پہلے بتایا، کہ دھات میں بھی نر و مادہ قسم کے ذرات ہوتے ہیں۔ بعد میں پتہ لگا، کہ دھات پر ہی کیا موقوف ہے، مادہ کے ہر ایک ذرہ میں نر و مادہ قسم کے ذرات ہوتے ہیں پھر پتہ لگا، کہ مادہ کے ذرات سے قبل جو اُن کی حالت بجلی کے مُفردات یعنی الکٹرون کی ہوتی ہے، اُس میں بھی نر و مادہ مُثبت و منفی کی شکل میں موجود ہوتے ہیں۔ اسکے بعد تحقیقات نے بتایا، کہ بجلی کے مُفردات سے قبل "نیبولا" (Nelolaa) میں بھی نر و مادہ موجود ہوتے ہیں۔ بلکہ اس سے قبل "ازجی" یعنی قوتِ خالقیت میں سے جو ایتھر کی شعاعیں نکلتی ہیں، اور جو اس مادی ہستی کی پہلی بنیاد ہیں وہ بھی نر و مادہ کی شکل میں نکلتی ہیں۔ غرضیکہ ابتدائے تخلیق سے موجودہ حالتِ ارتقاء کے ماتحت اس عالمِ مادی نے جو بھی ترقی کی ہے، وہ سب نر و مادہ کے جوڑے کی وجہ سے کی ہے۔ اگر یہ جوڑا نہ ہوتا، تو زندگی کی بقاء اور کائنات کے ارتقاء کا وجود بھی نہ ہوتا۔ (انوار القرآن صـ۳۳)

ایک ہی جسم میں نر و مادہ کا اجتماع

"نباتات اور حیوانات میں بعض ایسی اقسام بھی ہیں، کہ ایک ہی جسم کے اندر دونوں چیزیں نر و مادہ موجود ہوتی ہیں۔ علم حیات کی رُو سے ثابت ہے، کہ بعض حیوانات اور نباتات مثلاً کیچوا، جونک، مٹر کا پودہ، مکئی کا پودہ وغیرہ میں ایسے جنسی خلئے یعنی نر اور مادہ خلئے پائے جاتے ہیں، جو ایک ہی جاندار میں نر اور مادہ دونوں قسم کے تولیدی اعضاء پیدا کرتے ہیں۔" (حیات کیا ہے؟ صـ۱۸)

اسی طرح ثابت کیا گیا ہے، کہ بعض عورتوں میں بھی فاعلی اور انفعالی دونوں قسم کی قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ یعنی اُن میں نر و مادہ قوتیں جمع ہوتی ہیں، جسکے باعث اُن کے خود بخود بارور ہونیکا امکان ہوتا ہے۔ ایسی امثلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کے

ثبوت میں پیش کیں۔ ملاحظہ ہو۔ سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۴ تا ۲۶، تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۱۴،۱۱۵)

عالمگیر قانونِ زوجی

"ومن کل شیء خلقنا زوجین (الذاریٰت ۴۹) اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ اس آیت میں قانونِ زوجی (Law of sex) کی ہمہ گیری کیطرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کارگاہِ عالم کا انجینئر خود اپنی انجینئری کا یہ راز کھول رہا ہے، کہ اُس نے کائنات کی یہ ساری مشین قاعدۂ زوجیت پر بنائی ہے۔ یعنی اس مشین کے تمام کل پُرزے جوڑوں کی شکل میں بنائے گئے ہیں۔ اور اِس جہانِ خلق میں جتنی کاریگری تم دیکھتے ہو، وہ سب انہی جوڑوں کی تزویج کا کرشمہ ہے۔

اب اِس پر غور کرو، کہ زوجیت کیا شئے ہے۔ زوجیت میں اصل یہ ہے، کہ ایک شئے میں فعل ہو، اور دوسری شے میں قبول و انفعال۔ ایک شے میں تاثیر ہو، اور دوسری شے میں تاثر۔ ایک شے میں عاقدیت ہو اور دوسری شے میں منعقدیت۔ یہی عقد و انعقاد، اور فعل و انفعال اور تاثیر و تاثر اور فاعلیت و قابلیت کے تعلق دو چیزوں کے درمیان زوجیت کا تعلق ہے۔ اسی تعلق سے تمام ترکیبات واقع ہوتی ہیں، اور انہی ترکیبات سے عالمِ خلق کا سارا کارخانہ چلتا ہے۔

کائنات میں جتنی چیزیں ہیں، وہ سب اپنے اپنے طبقہ میں زوج زوج اور جوڑ جوڑ پیدا ہوئی ہیں۔ اور ہر دو زوجین کے درمیان اصلی و اساسی حیثیت سے زوجیت کا یہی تعلق پایا ہے۔ کہ ایک فاعل ہے اور دوسرا قابل و منفعل۔ اگرچہ مخلوقات کے ہر طبقے میں اِس تعلق کی کیفیت مختلف ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک تزویج وہ ہے، جو بسائط اور عناصر میں ہوتی ہے۔ ایک وہ جو مرکبات غیر نامیہ میں ہوتی ہے، ایک وہ جو اجسامِ نامیہ میں ہوتی ہے۔ ایک وہ جو انواعِ حیوانی میں ہوتی ہے۔ یہ سب تزویجیں اپنی نوعیت اور کیفیت اور فطری مقاصد کے لحاظ سے مختلف ہیں، لیکن اصلِ زوجیت ان سب میں وہی ایک ہے۔ . . . . . . کہ زوجین میں سے ایک میں قوتِ فعل ہے، اور دوسرے میں قوتِ انفعال"

(اقتباس از کتاب پردہ صفحہ ۱۵۳،۲۵۲)

یہی عالمگیر قانونِ زوجی وہ فارمولا ہے، جس پر تمام کائنات کی تخلیق کی گئی ہے۔ اور جس طریقے کو اس کارخانۂ عالم کے چلنے کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

اب آپ غور کریں، کہ آج سے ۱۳۵۰ سال قبل سائنس کا یہ دقیق مسئلہ قرآن کریم نے کس صفائی سے بیان کر دیا ہے، کہ ہر چیز میں جوڑا ہے۔ ہمارا یقین ہے، کہ جوں جوں علوم ترقی کرتے جائیں گے، باریک درباریک چیزوں میں بھی جوڑے ثابت ہوتے جائیں گے۔ اور مِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ سے پردہ ایک حد تک اُٹھ جائیگا۔

مطالعۂ سائنس کا ایک زریں اصول

موجوداتِ عالم میں کوئی چیز بے فائدہ نہیں!

قرآن مجید نے سب سے پہلے دُنیا کے سامنے یہ انکشاف ایک زریں اصول کے طور پر پیش کیا، کہ اس موجوداتِ عالم میں کوئی چیز بے فائدہ نہیں۔ بظاہر جو چیزیں مضرت رساں اور تکلیف دہ نظر آتی ہیں، بباطن ان میں ہزاروں منفعت کے سامان رکھ دیئے گئے ہیں۔ اُن کی پیدائش کی غرض نیک اور انسانی افادہ پر مبنی ہے۔ اگر ہمکو اُن چیزوں سے کوئی ضرر پہنچتا ہے، تو اس کی وجہ اُن کا غیر صحیح مقام اور غلط استعمال ہے۔ ورنہ اُن کا صحیح استعمال سراسر نفع رساں اور صحیح مقام بالکل بے ضرر ہے۔ اس قرآنی انکشاف نے مطالعۂ سائنس کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ اور انسانی نظر کو حقائق اشیاء کی طرف لگا دیا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ دُنیا پر عدیم المثال احسان کیا۔ کہ انسان کی توجہ مفردی اشیاء کے متعلق تحقیقات کی طرف پھیر دی۔ اور اُن کو بطور علاج استعمال کرنیکی ترغیب دی۔

مقام غور ہے، کہ جب ہر چیز میں انسانی افادہ کا کوئی نہ کوئی پہلو موجود ہے، تو انسان کیوں نہ تحقیقات سے کام لیکر وہ چھپے ہوئے فوائد حاصل کرے، اور اُن کو نسلِ انسانی کی بہتری اور بہبودی کے لئے لگا دے۔ الغرض یہ اصولی انکشاف، کہ ہر چیز میں فائدہ ہے، کوئی چیز بیکار اور لغو پیدا نہیں کی گئی، اپنے اندر علومِ سائنس کے لئے تحریص و ترغیب کے بیش بہا سامان لئے ہوئے ہے۔ اور مطالعۂ سائنس کے لئے ایک زریں اصول ہے۔ اب اس اصول کا ثبوت قرآن کریم سے پیش کیا جاتا ہے:۔

(۱)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (آل عمران رکوع ۲۰)

ان آیات میں بتایا، کہ زمین وآسمان کی پیدائش اور دن رات کے اختلاف میں عقلمندوں کے لئے گوناگوں نشان ہیں۔ . . . . . . نیز ان دونوں کی پیدائش میں غور وفکر کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ خدا تعالےٰ نے کوئی چیز فضول اور بے فائدہ پیدا نہیں کی۔

(۲)

اسی طرح فرمایا۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (دخان رکوع ۲) ہم نے آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، کوئی کھیل نہیں بنایا ہمنے انہیں حق وحکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس اصول سے غافل ہیں۔

(۳)

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ (الجاثیہ رکوع ۲) اللہ تعالیٰ وہ ہے، جس نے سمندر کو تمہاری خدمت پر لگادیا۔ اس لئے کہ اس کے حکم سے اس میں جہاز چلا کریں۔ اور اس لئے، کہ تم اس کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو تمہاری خدمت اور فائدہ کے لئے کام میں لگا رکھا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

(۴)

اَلَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ (سجدہ۔ رکوع ۱) اللہ تعالیٰ وہ ہے، جس نے ہر چیز کو جو اس نے پیدا کیا اچھا بنایا۔ یعنی ہر چیز میں ایک حُسن ہے، اور ہر چیز کی پیدائش

کی غرض نیک ہے۔

(۵)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا (ص۔ رکوع ۳) اور
ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔

(۶)

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا (کہف۔ رکوع ۱) جو کچھ روئے زمین پر موجود ہے، اُسے یقیناً ہم نے اُس کی زینت کا موجب بنایا ہے۔ تاکہ ہم اُن کا امتحان لیں، کہ اُن میں سے سب سے اچھے کام کرنیوالا کون ہے۔ اور جو کچھ اس زمین پر موجود ہے اُسے ہم یقیناً ایک دن مٹا کر ویران سطح بنا دیں گے۔

اس آیت میں بتایا گیا، کہ جو کچھ دُنیا میں پیدا کیا گیا، وہ اُس کی زینت کا موجب ہے، ہر چیز میں ایک حُسن اور خوبی ہے، اور بے بہا فوائد ہیں جن کی تہ تک پہنچنا اور جنکو بے نقاب کرنا انسان کا کام ہے۔ اس آیت میں تحقیق و ایجاد کی طرف بھی توجہ دلائی گئی، اور بتایا گیا، کہ تحقیق کر کے دیکھ لو۔ دُنیا کی ہر شے میں فوائد ہیں، جو چیز بھی ہے، دُنیا کا حُسن بڑھانیوالی ہے۔ آگے آتا ہے، کہ دُنیا کی اشیاء اس لئے پیدا کی گئی ہیں، تاکہ ہم امتحان لیویں، کہ کون بنی نوع انسان کی ان سامانوں سے فوائد اخذ کرتے ہوئے خدمت کرتا ہے، اور کون ان سامانوں کے مُضر پہلوؤں کو تلاش کرتے ہوئے نسلِ انسانی کو دُکھ پہنچاتا ہے۔ گویا جہاں اس آیت میں علوم سائنس کے حصول کی طرف اشارۃً ترغیب و ترہیب دلائی گئی، وہاں ساتھ ہی ایک بندش بھی لگا دی، کہ ان علوم کو اس حد تک استعمال کرو، جس حد تک وہ انسانیت کے لئے مفید ہوں، ورنہ یاد رکھو، سائنس کے غلط استعمال کا نتیجہ نہایت خوفناک ہوگا۔ چنانچہ آگے ہی فرمایا، کہ جب لوگ خدا تعالےٰ کے پیدا کئے ہوئے سامانوں کی جستجو تو کرینگے لیکن اُن کو حُسنِ عمل کا ذریعہ نہ بنائینگے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ دُنیا کھنڈرات میں تبدیل ہو جائیگی۔ اور انسان کی متمدن زندگی برباد ہو جائے گی۔

چونکہ سورہ کہف میں مخاطب عیسائی قومیں ہیں، اس لئے بتایا، کہ یہ قومیں سائنس کا غلط استعمال کر کے ایک عظیم الشان تباہی اور بربادی کا موجب بن جائیں گی۔ ان کے علوم اور ترقیات

انسانیت کے بقا، احترام اور خدمت کیلئے استعمال ہونیکی بجائے جوہر انسانیت کو توڑنے کے لئے استعمال ہوں گے۔ یہ ہوشربا نظارہ آج ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں

(۷)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ٥ (انعام۔ رکوع ۱) کہ سب تعریف اللہ تعالےٰ کیلئے ہے۔ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو، اور بنایا اندھیروں اور نور کو۔ گویا خدا ظلمات کا بھی خالق ہے ظلمات سے مُراد مصائب، تکالیف، آفات اور اُن کے موجبات ہیں۔ اور نُور سے مُراد آرام و آسائش، سُکھ اور روشنی وغیرہ ہیں۔ فرمایا، ان سب پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی حمد ہی ثابت ہوتی ہے........ کیسا عجیب نظریہ ہے، جو اسلام نے پیش کیا، کہ موذی اشیاء کے متعلق بھی غور کرو، تو انہیں بھی آپکو فوائد ہی نظر آئینگے۔ اور انسان الحمد للہ کہنے پر مجبور ہوگا۔ گویا قرآن کریم نے موذی اشیاء کے فوائد اور حکمتوں پر غور کرنیکی تعلیم دی ہے۔ اور بتایا، کہ انکو موذی اور بیفائدہ سمجھ کر تحقیق کرنے سے بے پرواہی نہ کرنا، بلکہ تجارب کرتے جانا، آخر اس نتیجہ پر پہنچو گے، کہ یہ بیفائدہ اور باطل نہیں ہیں۔ اور جب تم ان چیزوں کے بھی بیش بہا فوائد دیکھو گے، تو تمہارا دل پکار اُٹھیگا، کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔

(مذہب اور سائنس لیکچر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

یہ وہ آیات ہیں جن میں ایک زرّیں اصول کے ذریعہ مطالعۂ سائنس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ اور وہ اصول یہ ہے، کہ ہر چیز میں فوائد ہیں۔ وہ چیزیں جو بظاہر لغو اور بے فائدہ نظر آتی ہیں اُن میں بھی فوائد مُضمر ہیں، اور اُن سے بھی خدا کی حمد نکلتی ہے، وہ بھی ایک حُسن اور خوبی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ الغرض یہ بتایا، کہ کوئی چیز نہیں، جو دُنیا کا حُسن بڑھانیوالی نہ ہو۔

افسوس! کہ اس اصول سے مسلمانوں نے فائدہ اُٹھانا چھوڑ دیا، اور یورپ والوں نے باوجود قرآن کریم کو نہ ماننے کے اس حکم پر عمل کیا، اور علوم میں اِسقدر ترقی کی، کہ ساری دُنیا پر غالب آگئے۔ (باقی)

تصحیح جنوری کے رسالہ میں مضمون بالا کی جو قسط شائع ہوئی اس میں کتابت کی بعض غلطیاں چھپ گئیں جن کا افسوس ہے۔ مثلاً صفحہ پر ایک فقرہ یوں چھپ گیا ہے کہ "آسمان اس چادر کا نام ہے" درست فقرہ یوں ہے "آسمان اس چادر کا نام نہیں ہے" دوسرے لفظ فلک دو مرتبہ غلط لکھا گیا یعنی لک کی بجائے ق لکھدیا گیا۔ احباب تصحیح فرمالیں۔

اخلاقِ قبیحہ اور اُن کی مضرّتیں

(از جناب مولوی محمد صدیق صاحب واقفِ زندگی۔ دار المجاہدین قادیان)

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۝ (نساء۔ رکوع ۵)

انسان کی پیدائش کا مقصد خدا تعالےٰ کو پانا اور اس کا عبد بننا ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے انسانی پیدائش کی غرض کو بیان فرما دیا ہے۔ فرمایا وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝ (ذٰریٰت رکوع ۳) کہ انسانی پیدائش کی غرض اور منتہائے مقصود محض یہ ہے، کہ وہ میرے عبد بنجائیں۔

عبد عربی زبان کا لفظ ہے، اور عبودیت کے معنی عربی زبان میں تذلّل کے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے، کہ اس میں ایسی قابلیت پائی جائے، کہ وہ دوسری چیز کا نقش قبول کر لے، اور اسکی حکومت کو قبول کرلے۔ گویا کہ خدا تعالےٰ نے انسان کو صرف اِس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، کہ وہ اس کے نقش کو قبول کرلے۔ پس انسان اِس غرض کو تب ہی حاصل کر سکتا ہے، جبکہ وہ اپنے دل کی تختی کو اِس قدر صاف اور شفاف بنالے، کہ تمام نقوش اس میں منعکس ہوجائیں، اور خدا تعالیٰ کی تمام صفات کو وہ اپنے اندر جذب کرلے۔

خدا تعالےٰ انبیاء کو بھی اسی غرض کے لئے بھیجتا ہے، کہ وہ لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کریں۔ اور انہیں اعلیٰ اخلاق سکھائیں، تاکہ وہ خدا تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرکے باخدا انسان بنجائیں۔ اور کامل عبودیت کے مظہر ہوجائیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی ذریّت کے متعلق جو دُعا بارگاہِ ایزدی میں کرتے ہیں، وہ یہی ہے، کہ اے اللہ! اِن میں رسول بھیج جو ان کے نفوس کا تزکیہ کرے، انہیں اخلاق سکھائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں یہ دُعا اِن الفاظ میں مذکور ہے۔ فرمایا۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (بقرہ۔ رکوع ۱۵)

اِس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انبیاء کی غرض یہ ہوتی ہے، کہ سب سے پہلے وہ ایمان باللہ

کو مضبوط کریں۔ لوگوں کو شرک سے روکیں، پھر ان کے علم کو مضبوط کریں، انہیں شریعت کے احکام سکھائیں اور پھر حکمت سکھائیں، یعنی علم کے بعد عمل سکھائیں۔ گویا کہ انہیں ایسا بنا دیں، کہ وہ خالق اور مخلوق دونوں کے حقوق کو کما حقہٗ ادا کرنے والے ہوں۔ اور وہ تقدس کے ایسے اعلیٰ اور بلند پایہ مرتبہ کو پہنچ جاویں، کہ وہ خدا تعالےٰ کی مجلس میں باریاب ہونیکے اہل ہو جاویں۔

پس انسان کے کامل بننے کے لئے دو باتوں کا اس میں پایا جانا ضروری ہے۔ اوّل انسان کا تعلق خدا تعالےٰ کے ساتھ درست ہو، دوئم اس کا تعلق مخلوق سے درست ہو۔ اور یہی وہ باتیں ہیں، جو ہمارے اس زمانہ کے مامور و مرسلؑ نے بھی پیش فرمائی ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جماعت کو تزکیہ نفس کی نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"تزکیہ نفس اسے کہتے ہیں، کہ خالق و مخلوق دونوں طرف کے حقوق کی رعایت کرنیوالا ہو۔ خدا تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ جیسا زبان سے وحدہٗ لاشریک اسے مانا جائے ایسا ہی عملی طور سے اسے مانیں، اور مخلوق کیساتھ برابر نہ کیا جائے۔ اور مخلوق کا حق یہ ہے، کہ کسی سے ذاتی طور پر بغض نہ ہو۔ تعصب نہ ہو۔ شرارت انگیزی نہ ہو۔ ریشہ دوانی نہ ہو۔" (بدر ۱۹۰۸ء نمبر ۱۲)

پھر انسان سے اپنے تعلقات کا استوار رکھنا بھی دو قسم کا ہے۔ اوّل اپنے نفس سے جیسے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ونفسك عليك حق۔ کہ تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے۔ دوئم دوسری مخلوق سے اس کا تعلق درست ہو۔ نفس سے متعلقہ تعلیم کے آگے پھر دو حصے ہیں۔ اوّل انسان اُن امور سے مجتنب رہے جو اسکے دل کو خراب کرتے ہیں۔ دوئم ایسے امور پر عمل کرے جو دل کو پاک کرتے ہیں۔ دوسرے حصہ کی بھی آگے تین فرعیں ہیں۔ اوّل بنی نوع انسان سے بحیثیت افراد انسان کا تعلق درست ہو۔ دوئم بنی نوع انسان سے بحیثیت جماعت اسکے تعلقات درست ہوں۔ یعنی قانونِ ملکی کے لحاظ سے دوسرے سے تعاون کرے۔ سوئم۔ انسان کے علاوہ دوسری مخلوق سے بھی اسکے تعلقات درست ہوں۔ پھر آگے ان کی دو قسمیں ہیں، اوّل ان امور سے مجتنب رہے۔ جو بنی نوع انسان یا دوسری مخلوق کے ساتھ اسکے تعلق کو خراب کرتے ہوں، دوئم۔ ان امور پر عمل پیرا ہو جن سے بنی نوع انسان یا دوسری مخلوق سے اس کا تعلق احسان پر مبنی ہو۔ پھر خدا تعالےٰ سے تعلق درست رکھنے کے بھی دو حصے ہیں۔ اوّل ان افعال سے اجتناب کرے، جو اس تعلق کو توڑتے ہیں۔ دوئم۔ ان افعال پر کاربند ہو، جو خدا تعالیٰ کیساتھ تعلق کو بڑھاتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کا دارو مدار دین پر ہے۔ اور دین دو حصوں میں منقسم ہے۔ اوّل۔ اخلاق۔ دوئم۔ روحانیت صرف اخلاق کو دین سمجھ لینا غلطی ہے۔ بعض لوگ صرف اخلاق کو ہی دیکھکر کہدیتے ہیں، کہ فلاں آدمی دیندار ہے

حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اخلاق تو دین کا ایک حصہ ہیں۔

اخلاق کی تعریف

انسان کے اعمال کا وہ حصہ جو بنی نوع انسان سے تعلق رکھتا ہے، وہ اخلاق کہلاتا ہے۔ اخلاق کے مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر یہ معلوم کر لینا ضروری ہے، کہ خُلق چیز کیا ہے۔ پس جاننا چاہیئے، کہ اسلام کے سوا سب مذاہب اور سب فلاسفروں نے اس بارے میں لغزش کھائی ہے۔ اور مختلف تعریفیں اس کی کی ہیں۔ مگر در اصل خُلق اس حالت کا نام ہے، جبکہ طبعی تقاضے قوتِ فکریہ کیساتھ ملا دیئے جائیں، اور ان تقاضوں سے کام لینے والی ہستی اس بات کی طاقت اور قدرت رکھتی ہو کہ چاہے تو ان سے کام لے اور چاہے تو کام نہ لے۔

پس اخلاق وہ افعال ہیں، جو ایسے لوگوں سے صادر ہوں، جن میں سوچنے اور غور و تدبر کی طاقت ہو۔ اور کام کرنے یا نہ کرنے کی قابلیت موجود ہو۔ اور وہ افعال اگر شریعت اور عقل کے ماتحت ارادہ سے کئے جائیں تو وہ اخلاقِ حسنہ کہلاتے ہیں۔ اور اگر ان کا ظہور شریعت اور عقل کے ماتحت نہ ہو اور خدا تعالیٰ کی صفات کے مطابق نہ ہو، بلکہ مخالف ہو، تو وہ اخلاقِ قبیحہ کہلائیں گے۔

اخلاق کی تعریف کے بعد ان کے منبع کو معلوم کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے، کہ مختلف لوگ اس کے مختلف سرچشمے بیان کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک ان کا منبع عقل، غضب اور شہوت ہے۔ بعض کے نزدیک عقل جب خوشی کی خواہش کے ساتھ ملتی ہے، تو اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ قرآنی تعلیم کی رو سے صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر تو صرف انسان میں مذکورہ بالا افعال (جن پر اخلاق کی بنا رکھی ہے) پائے جاتے تو یہ تعریف صحیح ہو سکتی ہے لیکن یہ افعال تو حیوانات، جمادات اور نباتات میں بھی پائے جاتے ہیں۔ پس اصل منبع ان کا یہ نہیں، بلکہ اصل منبع ان کا مادہ کی ابتدائی حالت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے جس طرح مادہ میں ظاہری شش جہات پائی جاتی ہیں، اسی طرح اس میں باطنی شش جہات بھی پائی جاتی ہیں۔ مادہ کی پہلی باطنی جہت جذب ہے، یعنی کھینچنے کی طاقت اور اسکے ساتھ میل یعنی جُھکنے کی طاقت۔ دوسری جہت دفع کی ہے اور اس کے ساتھ اعراض کی طاقت۔ تیسری افناء کی، یعنی ہر چیز جو اپنا وجود قائم کرنا چاہتی ہے وہ دوسری کو فنا کرتی ہے۔ اس کیساتھ فنا کی بھی طاقت ہوتی ہے یعنی وہ خود بھی فنا ہو جاتی ہے۔ چوتھی خصوصیت ابقاء کی ہے، یعنی باقی رکھنے کی، اور اس کے مقابل پر بقاء یعنی باقی رہنے کی طاقت۔ پانچویں خصوصیت اظہار، یعنی ظاہر کرنے کی ہے۔ اور اس کے مقابلہ پر ظہور یعنی ظاہر ہونے کی۔ چھٹی خصوصیت اخفاء یعنی مخفی کر دینے کی ہے۔ اور اس کے مقابل میں خفاء یعنی چھُپنے کی طاقت ہے۔ تمام اخلاق کی بنیاد مادہ کی انہی طاقتوں پر ہے۔ جب یہ خواص جمادات میں کام کرتے ہیں۔ تو انہیں طاقتیں کہتے ہیں۔ اور

جب نباتات میں ان کا ظہور ہوتا ہے، تو انہیں حستیں کہتے ہیں۔ اور جب حیوانات میں ان کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں شہوات یا طبعی تقاضے کہتے ہیں۔ اور جب انسان میں ان کا ظہور ہوتا ہے، تو اگر وہ ظہور بغیر فکر وارادہ کے ہو، تو طبعی تقاضے اور اگر فکر وارادہ کے ساتھ ان کا ظہور ہو، تو وہ خُلق کہلاتا ہے۔

سب اخلاق کا باعث یہی خواص ہیں، جو اپنی ذات میں تو بُرے نہیں، بلکہ ہم انہیں تبھی بُرا کہہ سکتے ہیں، جب یہ بے موقعہ اور بے محل استعمال ہوں۔ مثلاً بزدلی اعراض کے قدرتی جذبہ کے اظہار کا نام ہے۔ اور حرص وطمع جذب کے اظہار کا نام ہے۔ اور قتل وغارت اور کینہ افناء کے خواص کا ظہور ہے۔ کبر، خودپسندی ظہور کی خاصیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ غفلت خفاء کے مادہ سے ترقی کرکے پیدا ہوتی ہے استہزاء اور جھوٹ اخفاء کی کیفیت کا ظہور ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسانی اخلاق درحقیقت مادہ کے خواص کی ایک ترقی یافتہ صورت میں غیر مادی صورت اختیار کر گئے ہیں۔

اخلاق کا منبع معلوم ہونیکے بعد یہ جان لینا ضروری ہے۔ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض اپنی عبودیت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اسی طرح اس نے ان تمام افعال کے ارتکاب سے اسے منع کیا ہے، جو اس تک پہنچنے میں روک ہوں۔ اور اس کی عبودیت کا مظہر بننے میں مانع ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے تمام افعال کو فحشاء، منکر، فاحشہ، سوء، اثم، عُدوان، خطاء، سیئۃ اور بغی وغیرہ الفاظ سے موسوم کرکے ان سے منع فرمایا ہے۔

ان تمام افعال قبیحہ اور اخلاق شنیعہ کی ترتیب دو نظریوں کے مطابق ہو سکتی ہے۔ اوّل، یہ کہ کسی بُرائی کے اثر کا دائرہ کس حد تک وسیع ہے؟ دوئم، کہ اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی اور عدمِ رضاء سے کس کو کتنا تعلق ہے؟ اس ترتیب کے لحاظ سے تمام افعالِ قبیحہ تین قسموں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ اوّل، وہ بدیاں جن کا اثر انسان کے اپنے نفس پر پڑتا ہے۔ جیسے تکبر، جلد بازی، بدظنی، کینہ، بزدلی، حسد، ناشکری، تحقیر۔ یہ سب بُرائیاں فحشاء میں داخل ہیں۔ دوئم، وہ بُرائیاں جو دوسروں سے تعلق رکھتی ہیں، جن کا اثر جماعت کی معاشرتی زندگی پر پڑتا ہے۔ جیسے عبوست، ظلم، فساد، جبر، بے جا فخر، غیبت کرنا، تحقیر کرنا اور استہزاء۔ یہ سب منکر کے تحت میں آتی ہیں۔ سوئم، وہ بُرائیاں جن کا اثر قوم وملت پر پڑتا ہے۔ مثلاً بغاوت، مایوسی وغیرہ۔ یہ سب بغی کے تحت میں شامل ہیں۔

دوسرے نظریہ کے مطابق فحشاء وہ بُرائیاں ہیں، جن کے ارتکاب سے خدا تعالیٰ کی رحمت چھن جاتی ہے۔ اور منکر وہ بُرائیاں ہیں، جن کے ظہور سے خدا تعالیٰ کی محبت سے محرومیت انسان کے حصہ میں آتی ہے۔ اور بغی وہ افعالِ قبیحہ ہیں جنکے ارتکاب سے رضائے الٰہی کے حصول سے ہاتھ

دھونے پڑتے ہیں۔

اس مختصر سی ترتیب کے بعد ذیل میں بعض افعالِ قبیحہ کا ذکر کرکے ان کی مضرتیں بیان کی جاتی ہیں۔ اور ساتھ ہی قرآن کریم اور احادیثِ نبویہؐ سے اختصار کے ساتھ اُن سے بچنے کے متعلق احکام کا ذکر بھی ہوگا۔

شرک جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، عبودیت کے اظہار کے لئے دو باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ اوّل، حقوق اللہ کی ادائیگی۔ دوئم، حقوق العباد کی ادائیگی۔ اور یہی دین ہے، اور یہی جنت میں داخلہ کی کنجی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے، کہ اس کی ذات اور صفات میں کسی کو اس کا شریک وہمنوا نہ ٹھہرایا جائے۔ اور جس طرح زبان سے اُسے وحدہٗ لاشریک مانا جائے، اسی طرح عملی طور پر بھی اسے وحید، منفرد اور یگانہ خیال کیا جائے۔ اور مخلوق کو اس کے ساتھ برابر کیا جائے چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے شرک سے بچنے کے متعلق بار بار مختلف پیرایوں میں احکام بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا۔ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا (نساء۔ رکوع ۶) کہ صرف خدا کو ہی معبود بناؤ، اس کے سوا، عبادت میں اس کا کوئی شریک نہ ٹھہراؤ۔ پھر شرک کی قباحت ان الفاظ میں بیان فرما کر اپنے بندوں کو آگاہ کر دیا، کہ اس سے بچیں۔ فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (نساء۔ رکوع ۷) کہ سوائے شرک کے تمام گناہ اللہ تعالیٰ بخش دیگا، صرف شرک ہی ایسی نجاست ہے، کہ مشرک کو اس کی وجہ سے آگ سے نجات نہیں ملیگی۔ شرک کے ہوتے ہوئے انسان اپنے حقیقی مولےٰ سے نہیں مل سکتا۔ بلکہ وہ اس سے دُور ہی دُور ہوتا جائیگا۔ وہ کامل عبد نہیں بن سکیگا۔ اس کی روحانیت مِٹ جائیگی۔ مشرک کی کوئی دُعا قبول نہیں ہوگی۔ بلکہ اُسکی سب کی سب دُعائیں اور آرزوئیں باطل ہو جائیں گی۔ چنانچہ مشرک کی تمثیل اللہ تعالیٰ اس طرح پر بیان فرماتا ہے۔ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ (رعد۔ رکوع ۲) فرمایا۔ کہ دُعا کے لائق وہی سچا خدا ہے، جو ہر ایک بات پر قادر ہے۔ اور جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں، وہ معبودانِ باطلہ اُن کو کچھ بھی جواب نہیں دے سکتے۔ اُن کی مثال ایسی ہے، کہ جیسا کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ اے پانی! تو میرے مُنہ میں آجا، تو کیا وہ اس کے مُنہ میں آجائیگا، ہرگز نہیں۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کیساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، اُن کی تمام دُعائیں باطل ہیں۔

کفرانِ نعمت اخلاقِ قبیحہ میں سے ایک ذمیم خُلق، اللہ تعالیٰ کے انعاموں اور نعمتوں کی ناشکری اور ناقدری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (ابراہیم۔ رکوع ۲) کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکریہ ادا کروگے، اور میرے احسانوں کی قدر کروگے، تو میں اُس کے بدلے میں تمہیں بہت زیادہ انعام اور فضل دونگا۔ لیکن اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا، اور ناقدری کے مرتکب ہوئے، تو یاد رکھو میرا عذاب بہت سخت ہے۔ پس اخلاق تو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اور رضائے الٰہی سے یہ مُراد نہیں کہ ہم خدا تعالیٰ سے کچھ بدلہ لیں، اور کوئی انعام مانگیں، بلکہ یہ مُراد ہے، کہ ہم اُس کی دی ہوئی نعمتوں اور اور اُس کے عطا کردہ فضلوں کو یاد کرکے اس کا شکریہ ادا کریں، تاکہ اخلاقی طور پر اُس کے حضور سرخرو ٹھہریں۔

ناشکری اور کفرانِ نعمت اُن بدیوں میں سے ہے، جو انسان کے اپنے نفس سے تعلق رکھتی ہے پس سے اپنے محسن، اپنے آقا کے احسان کی قدر کا جذبہ جاتا رہتا ہے۔ اور ناشکری کرنے والے کی روحانیت آہستہ آہستہ مُردہ ہوکر وہ ہدایت سے محروم ہوجاتا ہے، اور عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ (زمر۔ رکوع ۱) کہ جھوٹا اور ناشکرا انسان ہدایت کے حصول سے محروم رہ جاتا ہے۔

جھوٹ انسان کے تمام اعمال کی بُنیاد اِس بات پر ہے، کہ وہ واقعہ کے مطابق ہوں مگر جھوٹ اُس کی ضد کا نام ہے۔ انسان کے تمام اخلاقِ قبیحہ میں سے سب سے بُری اور مذموم جھوٹ کی عادت ہے۔ اور یہ اِس قدر قبیح فعل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اسے شرک کے برابر قرار دیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ (حج۔ رکوع ۴) کہ بتوں کے گند اور جھوٹی بات سے بچتے رہو۔ دل کی بات تو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جان سکتا۔ دوسرا شخص اگر کسی کے متعلق کچھ واقفیت رکھ سکتا ہے، تو وہ صرف اسی طرح کہ وہ شخص خود اپنی زبان سے یا عمل سے اپنا سچا ہونا ثابت کردے۔ لیکن اگر وہ اپنی اندرونی بات کو صحیح اور واقعہ کے مطابق نہیں بتاتا، بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتا ہے، تو وہ ساری دُنیا کو فریب دیتا ہے۔ اور وہ اُس آئینہ کو توڑ لیتا ہے، جس میں حقیقت کا چہرہ نظر آتا ہے۔ اخلاقِ قبیحہ کی اِس قسم سے لوگوں کی عزت وآبرو اور حقوق کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور معاشرتی نظام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ جو شخص جھوٹا ہو اُسکے دل سے خدا کی روشنی بجھ جاتی ہے یعنی ہدایت کے حصول سے وہ محروم رہ جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:۔ إِنَّ

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ مَنْ ھُوَ مُسْرِفٌ کَذَّابٌ ہ (مومن ۔ رکوع ۴)

حدیث شریف میں ہے، کہ جھوٹ بولنے والا دوزخ میں جائے گا۔ کیونکہ جھوٹ بولنا گناہ کا کام ہے اور جو گناہ کا کام کرے گا، وہ کفر کریگا اور دوزخ میں جائیگا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ا) گویا کہ جھوٹ کا دائرہ اس قدر وسیع ہوگیا ہے، کہ وہ کفر کو جا پہنچتا ہے جس سے زیادہ بری اور کوئی چیز نہیں۔ اور جس کے لئے نجات کا دروازہ ہی بند ہے۔ پھر جھوٹ بولنا منافق کی نشانی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، کہ منافق کی نشانی یہی ہے، کہ وہ جب بات کریگا، تو جھوٹ بولے گا۔ اور منافق دوزخ میں سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۔ (نساء ۔ رکوع ۲۱) پھر لعنت کا لفظ اسلام میں سخت ترین الفاظ میں سے ہے۔ جسکا مستحق صرف شیطان کو قرار دیا ہے۔ اس کے بعد یہود اور کافرین و منافقین کے لئے وعید سنایا ہے۔ لیکن کسی مومن کو کذب کے سوائے کسی فعل کی بناء پر لعنت سے یاد نہیں کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا۔ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ہ (آل عمران ۔ رکوع ۶)

جھوٹ ایک برائی نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ سے بیسیوں قسم کی دوسری برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جھوٹ کی عادت کی وجہ سے وہ کسی قسم کی برائی کرنے سے نہیں جھجکتا۔ چنانچہ فرمایا اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ۔ (شعراء ۔ رکوع ۱۱) کہ جھوٹ بولنے والا گنہگار ہے۔ پھر فرمایا مُسْرِفٌ کَذَّابٌ۔ (مومن ۔ رکوع ۴) بیباک جھوٹا۔ یہ ایسا قبیح خلق ہے، کہ جو شخص جھوٹا ہوگا، وہ اپنے کسی محسن کا احسان بھی نہیں جانیگا۔ کیونکہ وہ جو کاذب ہے، وہ دوسروں کو بھی کاذب سمجھے گا۔

غیبت، طنز، تشنیع تحقیر اور بدظنی۔

شریعت کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے، کہ لوگوں کی عزت و آبرو محفوظ رہے۔ اور اُن کے باہمی تعلقات خوشگوار رہیں۔ اس بناء پر جن بداخلاقیوں کی وجہ سے عزت و آبرو کو نقصان و صدمہ پہنچتا تھا اور اُن کے تعلقات میں ناگواری پیدا ہوتی تھی۔ شریعت نے اُن کی مخالفت کر دی۔ اللہ تعالیٰ مجموعی طور پر انکو ایک ہی جگہ بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ بیان فرماتا ہے:۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ہ یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ

اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (حجرات - رکوع ۲) اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ تمسخر کرے کوئی قوم تم میں سے کسی قوم سے۔ قریب ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اُن سے بہتر ہوں۔ اور نہ عیب لگاؤ آپس میں اور مت پکارو بُرے لقبوں سے۔ بُرا ہے نام بدکاری کا بعد ایمان کے۔ اور جس نے توبہ نہ کی وہی ظالم ہیں۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، بچو بہت گمانوں سے یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔ اور مت جاسوسی کرو اور نہ غیبت کریں تمہارے بعض بعض کی۔ کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے کہ کھاوے اپنے مُردہ بھائی کا گوشت۔ پس تم ناپسند کروگے اسکو۔ اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ توبہ قبول کرنیوالا اور مہربان ہے۔

ان احکام سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ مسلمانوں کو اپنے قول و فعل سے مسلمانوں کے عیوب کی پردہ دری نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ان طریقوں میں سے سب سے زیادہ جس سے لوگوں کے عیوب کی پردہ دری ہوتی ہے۔ وہ غیبت اور بدگوئی ہے۔ لغت کی رُو سے غیبت کسی شخص کی غیر موجودگی میں اُسکی بُرائی بیان کرنیکو کہتے ہیں۔ مگر مذہبی تعلیم میں کسی شخص کی غیر موجودگی غیبت کیلئے ضروری نہیں۔ غیبت کو مُردہ گوشت سے تشبیہ دیکر یہ بتایا، کہ اوّل۔ انسان کا گوشت بوجہ اُسکی عزت و حرمت کے حرام ہے۔ لہٰذا جو چیز اُسکی عزت و حرمت کو نقصان پہنچائے وہ بھی حرام ہے۔ دوئم۔ لوگ شدتِ محبت کیوجہ سے مُردہ بھائی کی لاش بھی دیکھنا گوارہ نہیں کرتے۔ مگر جو گوشت نوچتا ہے، تو یہ اُسکی سخت قساوت، سنگدلی اور بغض و عداوت کا اظہار ہے۔ اور یہ اُس محبت کے منافی ہے، جو اسلام بنی نوع انسان میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اسی طرح طعن و تشنیع اور تحقیر و تذلیل سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا۔ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ (قلم رکوع ۱) کہ لوگوں پر آوازے کسا کرتا ہے اور ادھر اُدھر کی چغلیاں لگاتا پھرتا ہے۔ پھر فرمایا۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (همزہ) ہر شخص جو لوگوں کی عیب چینی کرتا اور ان پر آوازے کستا ہو، اُس کیلئے بھی ہلاکت و تباہی ہے۔ ان آیات میں غیبت و پردہ دری اور طعن و تشنیع کی توضیح بجائے ترجمہ کے اہلِ لغت کی تصریح سے اچھی طرح ہو سکیگی جو حسب ذیل ہے:۔

همز۔ سامنے اور لمز پیٹھ کے پیچھے بُرائی کرنا۔ همز خاص طور پر لوگوں کے نسب کی بُرائی کرنا۔ همز ہاتھ کے اشارے سے اور لمز زبان سے غیبت کرنا۔ همز زبان سے اور لمز آنکھ کے اشارہ سے غیبت کرنا همز بُرے الفاظ سے ہمنشینوں کی دلآزاری کرنا۔ اور لمز آنکھ ہاتھ سر اور ابرو کے اشارہ سے ہمنشینوں کی بُرائی اور تحقیر کرنا

اسی طرح بدظنی ہے۔ یہ ایک قسم کا جھوٹا وہم ہے جسکے نتیجہ میں ایسے شخص کو ہر ایک کام میں بدنیتی ہی بدنیتی معلوم ہوتی ہے۔ اور کسی کے کام میں بھی اُسے حُسنِ نیت نظر نہیں آتا۔ دوسرے کی طرف انہونی باتیں منسوب کرنے لگتا ہے۔ دوسرے کو بھی اُسکا خیال ہوتا ہے تو وہ بھی اُس سے کترانے لگتا ہے۔ اِس فعلِ شنیع کی بدولت آپسمیں نفرت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اس سے باز رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (حجرات۔ رکوع ۲) آنحضرت صلعم نے بھی بدظنی سے بچنے کیلئے تعلیم دی ہے۔ فرمایا بدظنی سے بچو۔ یہ جھوٹی بات ہے۔ تم دوسروں کی ٹوہ میں نہ لگے رہا کرو۔ آپسمیں بھائی بھائی بنجاؤ۔ (بخاری و مسلم باب تحریم الظن)

عبوست اخلاقِ قبیحہ میں سے ایک عبوست بھی ہے یعنی دوسرے لوگوں سے بات کرتے وقت خوش کلامی سے پیش نہ آنا۔ بلکہ بے رُخی سے پیش آنا۔ یہ بھی تکبر اور فخر و غرور کی ایک شق ہے۔ قرآن کریم میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحت مذکور ہے۔ فرمایا۔ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ (لقمان۔ رکوع ۲) کہ لوگوں سے کلام کرنیمیں بے رُخی نہ کرنی چاہیئے۔ تاکہ تم خدا تعالیٰ کی صفتِ رحم اور مہر و کرم کے مظہر بن سکو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔ وہ ہر ایک پر اپنے لطف و کرم کی نظر رکھتا ہے۔ لہٰذا اسکے بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ آپسمیں ایکدوسرے کو ملتے وقت بے رُخی نہ کریں۔ چنانچہ اپنے بندوں کی صفت اللہ تعالیٰ یہی بیان فرماتا ہے کہ وہ ملنسار ہوتے ہیں۔ فرمایا وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (فرقان۔ رکوع ۶) کہ رحمت والے خدا کے بندوں کی صفت یہی ہے کہ وہ زمین پر عاجزی اور فروتنی سے چلتے ہیں۔ اِس آیت میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ خدا جب رحمت اور مہر و کرم والا ہے تو اُس کے بندوں میں بھی یہ صفت ظاہر ہونی چاہیئے اور خلقِ خدا کیساتھ بے رُخی سے پیش نہیں آنا چاہیئے۔ بلکہ بشاشت اور خوش کلامی سے پیش آنا چاہیئے تاکہ معاشرتی تعلقات خراب نہ ہو جائیں۔ اور ایک دوسرے سے محبت اور مروت بڑھے۔ پس اگر کوئی آپ سے بات کرنا چاہے یا آپکو مخاطب کرنا چاہے۔ تو اس سے بے اعتنائی اور بے التفاتی نہیں ہونی چاہیئے۔

ظلم و تعدی اخلاقِ قبیحہ میں سے ظلم و تعدی بھی ہیں۔ ظلم کا لفظ قرآن کریم میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً کفر، شرک اور عصیان وغیرہ۔ مگر یہاں ظلم سے مُراد وہ ظلم ہے جو بندے بندوں پر کرتے ہیں۔ اس کیلئے ظلم کے علاوہ بغی (سرکشی) اور عُدوان یعنی تعدی کا لفظ بھی مستعمل ہے۔ یہ ظلم اسلامی شریعت میں حرام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ (اعراف۔ رکوع ۴) کہ اللہ تعالیٰ نے بےحیائی کے تمام کاموں سے خواہ وہ کھلے طور پر ہوں یا مخفی انکو حرام قرار دیا ہے اور بغیر حق کے سرکشی کو بھی حرام ٹھہرایا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ رکوع ۱)

کہ گناہ اور تعدی پر ایکدوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔ پھر حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! میں نے اپنے نفس پر اور تمہارے لئے آپس میں ظلم کو حرام کیا ہے تم ایکدوسرے پر ظلم نہ کیا کرو (صحیح مسلم باب تحریم الظلم) اسی طرح بخاری شریف میں ایک حدیث مذکور ہے کہ قیامت کے روز جب اہل ایمان دوزخ سے پاک ہو جائینگے تو جنت و دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائینگے وہاں جو مظالم انہوں نے ایک دوسرے پر ڈھائے ہونگے انکا بدلہ ایکدوسرے کو دلایا جائیگا جب اس سے بھی پاک ہو جائینگے تب انکو جنت میں لیجایا جائیگا۔ (بخاری باب المظالم) پس ظلم و تعدی اور حد سے بڑھ کر کسی کے حقوق پر دست درازی کرنا حرام ہے اس سے قوم اور ملک کا امن و امان برباد ہو جاتا ہے۔

جبر | اخلاق قبیحہ میں سے ایک جبر بھی ہے جبر کے معنی ہیں زبردستی کسی کو اسکے خلاف مرضی کام پر مجبور کرنا۔ یہ بھی ظلم کا ایک حصہ ہے کیونکہ طاقتور کمزور پر اپنے رعب و دبدبہ سے تسلط جمانے کی کوشش کرتا ہے اور اسے مجبور کرتا ہے کہ اپنی مرضی کیخلاف اسکے احکام کی پیروی کرے اس سے جہاں قوم و ملک کا امن برباد ہوتا ہے وہاں کمزوروں اور غریبوں کی عزت و آبرو کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ وہ بھی سلامت نہیں رہتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیوی امور تو کجا دین کے بارے میں بھی جو دل سے تعلق رکھتا ہے جبر و اکراہ سے کام نہ لو چنانچہ فرمایا لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (بقرہ رکوع ۳۴) پس جبر ہر حالی میں منع ہے خواہ وہ برائیوں پر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اگر کسی کو جبراً کسی برائی سے منع کیا بھی جائے تو گو وہ رک تو جائیگا لیکن دل میں اس برائی کیطرف سے کراہت اور نفرت کا کوئی روحانی کیف و جذبہ پیدا نہ ہوگا جو کہ انسانیت کی روح رواں ہے

نفرت | اخلاق ذمیمہ میں سے ایک نفرت بھی ہے یعنی دوسرے لوگوں کو بری نگاہ سے دیکھنا اور ان سے کراہت اختیار کرنا یہ قبیح خلق بھی کبر اور بدظنی کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے کیونکہ متکبر لوگ اپنے سوا دوسروں کو ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں اور انہیں کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بسا اوقات نفرت بدظنی سے پیدا ہوتی ہے مثلاً ایک شخص اپنے ملاقاتی کو اپنے دشمن سے بات چیت کرتے دیکھتا ہے اور اسی وقت یہ قیاس کر لیتا ہے کہ ضرور یہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہا ہے۔ اس بدظنی اور قیاس سے ایک گہرے دوست سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ رشتہ محبت کٹ جاتا ہے۔ درپردہ بدظنی اور نفرت آخر آپس میں دشمنی کا موجب ہو جاتی ہے پس مومن کو ہر حالت میں بدظنی سے بچنا لازمی ہے تاکہ اسکے نتیجہ میں نفرت پیدا نہ ہو سکے۔ اور باہمی مروت و محبت نہ جاتی رہے۔

منافرت پھیلانا اور فساد پیدا کرنا۔ | رذائل میں سے منافرت پھیلانا بھی ہے جسکے نتیجہ میں باہمی فساد کا پیدا ہونا قطعی اور یقینی اور حتمی ہے۔ منافرت کے معنی ہیں کہ دو فریقوں یا دو شخصوں کے درمیان ایکدوسرے کے متعلق نفرت اور کراہت پیدا کرنا مثلاً طرف جاکر ایسی باتیں کرنا اور ایسی باتیں ایکدوسرے کیطرف منسوب کرنا کہ وہ دونوں کو بری معلوم ہوں۔ قرآن کریم نے اسکو فتنہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قتل و خونریزی سے بھی سخت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ رکوع ۲۴) ایسا فتنہ برپا کرنیوالے کو اللہ تعالیٰ نے فاسق کے نام سے موسوم فرمایا ہے۔ فرمایا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (حجرات رکوع ۱) کہ جب کوئی فاسق ایسی خبر لاوے۔ جو منافرت پھیلانیوالی ہو تو تمہارا فرض یہ ہے کہ تم پہلے اسکی تحقیقات کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اسکے کہنے پر کسی قوم

چڑھائی کردہ اور بعد میں تمکو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ پس منافرت ایک شنیع فعل ہے۔ اس سے دو بھائیوں کے درمیان نفرت اور حقارت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اسکے نتیجہ میں فساد پیدا ہو کر قوموں اور ملکوں کا امن اس سے برباد ہوتا ہے۔

بُزدلی اور کمینگی | بزدلی مادہ کی قوتِ اعراض کے اظہار کا نام ہے جبکہ کسی چیز سے مقتضائے حال اور موقع و محل کے خلاف اعراض کیا جائے تو وہ بُزدلی کہلاتا ہے جس انسان میں یہ خلقِ قبیحہ پایا جاتا ہے وہ ظلم و ستم کی روک تھام نہیں کر سکتا اور باطل قوتوں کا بہادرانہ مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسلامی تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکتا ہے جس قوم کے افراد میں یہ خلق پایا جاتا ہو وہ اپنے دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور دشمن کے مظالم سے رہائی نہیں پا سکتی، وہ اپنے مذہب کے اصولوں کو دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکتی۔ قرآن کریم نے بزدل کو خدا تعالیٰ کے غضب کا مستحق ٹھہرایا ہے۔ فرمایا۔ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (انفال۔ رکوع ۲) کہ جو شخص لڑائی کے دن بُزدلی سے پیٹھ پھیر لیتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے غضب کا موجب ہوتا ہے۔ اور اس کا ملجا و ماویٰ جہنم ہوتا ہے۔ پھر بزدلی نفاق پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ منافقوں کا خاصہ قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے۔ سورہ احزاب میں منافقوں کی دلی کمزوری اور بُزدلی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ فرمایا۔ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ (احزاب رکوع ۲) کہ ڈر کے وقت انکی آنکھیں اس طرح گردش کھاتی ہیں جیسے کہ کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر بزدلی انسان کے دل میں دنادت، الم، تہمتی، کمینگی اور سفلہ پن پیدا کر دیتی ہے۔ چونکہ اس کا دل کمزور ہوتا ہے وہ دوسرے طاقتوروں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ ظلم و ستم کے روک تھام کی طاقت نہیں رکھتا اسلئے وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنے آپکو ادنیٰ خیال کرتا ہے۔ اسکے خیالات پست ہو جاتے ہیں، وہ ترقی کیطرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ وہ قوم کی ترقی کی بجائے تنزل کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور اس کمینگی اور دنادت کیوجہ سے وہ اعلیٰ ترقی حاصل نہیں کر سکتا۔ اور یہ کمینگی اور بُزدلی اسکی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔

جلد بازی | یعنی کسی کام کو بے سوچے سمجھے جلدی میں اختیار کر لینا۔ یہ اُن بدیوں میں سے ہے جو انسان کے اپنے نفس سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اس کا نقصان اسکے اختیار کرنیوالے کو پہنچتا ہے کسی چیز کے انجام اور نتیجہ کو سوچے بغیر ہی اسکو جلدی میں کر دینے والا آخر میں سوائے ندامت اور پشیمانگی کے اور کچھ حاصل نہیں کر سکتا۔ ایسا شخص اپنے دشمن کے مقابل پر بھی نہیں اتر سکے گا۔ اس کا مذہبی عقیدہ بھی محکم نہیں ہوگا، بلکہ متزلزل ہوگا۔

فساد | اخلاقِ قبیحہ میں سے ایک فساد بھی ہے۔ یہ عام طور پر باہمی نفرت اور منافرت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سے آپس کی محبت جاتی رہتی ہے قوموں اور ملکوں کا امن برباد ہوتا ہے۔ جو شخص فساد کا عادی ہوگا اس کا دل کبھی اصلاح نہیں کر سکتا ہر وقت اُسے فتنہ ہی سوجھتا رہیگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بار بار فساد سے منع فرمایا ہے چنانچہ فرمایا لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (اعراف رکوع ۷) کہ انتظام ملکی کی درستی کے بعد اسمیں فساد مت پھیلاؤ۔ پھر فرمایا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (ہود رکوع ۸)، پھر فرمایا اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (بقرہ رکوع ۲۴) کہ فساد کا برپا ہونا قتل سے بھی بڑھکر ہے۔ ترمذی اور ابو داؤد میں حضرت ابن عباسؓ

سے مروی ہے کہ رسول کریم صلعم نے دو جانوروں کو آپس میں لڑانے سے منع فرمایا ہے۔ پس جب دو جانوروں کا لڑانا موجب عذاب ہے تو پھر بھائیوں بھائیوں کو لڑانا اور ان میں فساد کروانا اور قوموں اور ملکوں کا آپس میں فساد کرنا خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہے۔

بغاوت | رذائل میں سے ایک بغاوت ہے۔ یہ اُن برائیوں میں سے ہے جو قوم کیساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ اس کا اثر قوم پر پڑتا ہے۔ بغاوت بغی سے مشتق ہے جسکے معنی کسی پر زیادتی یا دست درازی کرنا ہے جیسے فرمایا خَصْمَانِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ (ص رکوع ۲) بعض نے بعض پر زیادتی کی۔ باغی سرکشی کرنیوالے کو کہتے ہیں جو قوم یا ملک کے قانون سے اپنے آپکو نکال لے اور پھر لوگوں میں اسکے خلاف منافرت پھیلائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۰ (شوریٰ رکوع ۴) کہ الزام صرف ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پیدا کرتے پھرتے ہیں۔ پس یہ ایک شنیع فعل ہے اس سے ملک اور قوم کا امن تباہ ہوتا ہے اور افراد کے باہمی حقوق سے امان اُٹھ جاتا ہے اور کسی کی جان و مال اور عزت و آبرو سلامت نہیں رہتی۔

نا امیدی | بُرے اخلاق میں نا امیدی بھی شامل ہے یعنی یہ عقیدہ رکھ لینا، کہ دُنیا تمام تر تاریک اور خار زار ہے، اس میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہی آخری منزل ہے۔ اس زندگی میں ہی موت کی صورت بنا لینی چاہئے۔ یہ عقیدہ انسان کے تمام قویٰ کو سرد کر دیتا ہے اور وہ دُنیا میں کسی کام کے سرانجام دینے کا اہل نہیں رہتا۔ نا امیدی و مایوسی ایک کفر ہے اس سے انسان خدا تعالیٰ سے دُور جا پڑتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَيْاَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَيْاَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۰ (یوسف رکوع ۱۰) کہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا امید مت ہو جاؤ کیونکہ یہ نا امیدی تو کفار کا شیوہ ہے پس نا امیدی سے بچنا ضروری ہے۔ نا امیدی انسان کو مایوس، غمزدہ اور شکستہ خاطر بنا دیتی ہے اور مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے نا امید ہو۔ اسی لئے مومنوں اور کافروں میں امتیاز کرتے ہوئے فرمایا وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ (نساء رکوع ۱۵) کہ اے مومنو! تم خدا تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو جو کفار کو نہیں۔

حسد | اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کوئی احسان کرے۔ مثلاً علم و فضل، مال و دولت یا عزت و شہرت وغیرہ کی نعمت اسکو دے تو اسے دیکھکر دوسرا ان چیزوں کو اس کیلئے پسند نہ کرے اور اسکی یہ خواہش ہو کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں اس سے چھن جائیں۔ یہ حسد کہلاتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (مائدہ رکوع ۸) کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو خاص احسان کیا ہے یعنی قرآن مجید عطا فرمایا اسکے حاسد یہود انکو دیکھکر جلتے ہیں۔ حسد نفاق پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں منافقین کی خاصیت بیان فرمائی ہے۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً (نساء رکوع ۱۲) کہ منافقوں کی خواہش ہے، کہ مسلمان بھی انکی طرح کافر ہو جائیں۔ حسد بغض و عداوت کو پیدا کرتا ہے حسد تکبر، جاہ پرستی اور ریاست طلبی کا داعی ہے حسد خبث نفس اور بدطینتی پر دال ہے۔ حسد نیکیوں کو مٹاتا ہے حضرت نبی کریم صلعم نے بیان فرمایا ہے۔ اِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ يَاْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَاْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (ابو داؤد) پس حسد اخلاقی، دینی و معاشرتی لحاظ سے بہت بُرا فعل ہے اسلئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اسکی شر سے پناہ کیلئے ہدایت فرماتا ہے۔ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (فلق)

حسرت، | افعال قبیحہ میں سے ایک حسرت بھی ہے یعنی اگر انسان کسی کام میں کامیاب نہ ہو سکے تو منہ سے کہدیا۔ کاش! اگر یہ کام یوں ہو جاتا، یا فلاں بات اس طرح ہو جاتی۔ حسرت انسان کے حوصلہ کو پست کر دیتا ہے جو کہ ایک ناپسندیدہ امر ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلعم نے

فرمایا کہ مومن کو عالی حوصلہ ہونا چاہئے اور دون ہمتی سے بچنا چاہئے چنانچہ مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے المؤمن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کل خیر احرص علی ما ینفعک واستعن باللہ ولا تعجز وان اصابک شیٔ فلا تقل لو انی فعلت کان کذا وکذا ولکن قل قدر اللہ وما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشیطان۔ کہ کمزور مسلمان سے قوی مسلمان زیادہ بہتر ہے اور خدا تعالیٰ کے نزدیک زیادہ پیارا ہے۔ اور ہر ایک میں بھلائی ہے۔ ہر وہ چیز جو تجھے نفع دے، اسکی پوری خواہش کر اور خدا سے مدد چاہ اور اسمیں کمزوری نہ دکھا۔ اور اگر اسمیں تجھے کچھ تکلیف پہنچے تو یہ نہ کہہ کہ "اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا" بلکہ یہ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دیا تھا اور جو اس نے چاہا کیا۔ کیونکہ یہ اگر شیطان کا کارہ بادکھولتا ہے۔ پس مومنوں کو حسرت کی مرض سے بچنا چاہئے ایسا نہ ہو، کہ وہ اس میں مبتلا ہو کر شیطان کے مددگار ثابت ہوں۔

تباغض | دل میں کسی کی دشمنی اور عداوت کا دیرپا جذبہ رکھنا بُغض اور کینہ کہلاتا ہے۔ یہ ایسا قبیح خُلق ہے کہ اسکے ہوتے ہوئے انسان جنّت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ دین کا مدار دو باتوں پر ہے۔ ادائیگی حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ خدا تعالیٰ کا حق اسی وقت ادا ہوگا جبکہ اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اور بندے کے حقوق کی ادائیگی کی صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ آپس میں ایکدوسرے کے متعلق بغض و کینہ نہ ہو۔ کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے ان حقوق کی ادائیگی مشکل ہے۔ نیز بغض و کینہ کے ہوتے ہوئے گناہ نہیں بخشے جاتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ پیر اور جمعرات کے روز لوگوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں، جس کے دل میں بغض و کینہ ہو اس کے گناہ نہیں بخشے جاتے۔

تکبر | جب انسان میں کوئی وصف یا کمال پایا جاتا ہے، تو قدرتی طور پر اسکے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اس حد تک تو یہ کوئی اخلاقی عیب نہیں لیکن جب یہ خیال ترقی کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے کہ وہ شخص اُن آدمیوں کو حقیر سمجھنے لگجائے جنمیں وہ وصف نہیں پایا جاتا۔ تو یہ کبر کہلاتا ہے اور اسکا اظہار تکبر ہے۔ شنیع اخلاق میں سے ہے۔ یہ بداخلاقی شیطانی خصلت کا ظہور ہے۔ سب سے پہلے شیطان نے ہی آدمؑ کے مقابلہ میں اپنی بڑائی کا اظہار کیا اور ابدالآباد کیلئے لعنت کا مستحق ہوگیا۔

تکبر انسان کو انبیائے الٰہی کے ماننے سے اور خدا تعالیٰ کی ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔ متکبر اللہ تعالیٰ کی محبت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ ۝ (نحل رکوع ۳) متکبر جنّت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ فرمایا۔ اَلَیْسَ فِیْ جَہَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ ۝ (زمر رکوع ۶) کہ جہنم مغروروں کا ٹھکانا ہے۔ پھر رسول کریم صلعم فرماتے ہیں کہ "جس دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔" (ابوداؤد کتاب اللباس) غرض کبر و غرور ایسے اخلاق قبیحہ میں سے ہے کہ جنکے بُرے اثرات ہر طبقہ کے لوگوں پر پڑتے ہیں۔

خود پسندی | خود پسندی و خود رائی اپنے نفس سے غیر معمولی محبت کا نتیجہ ہے۔ اسمیں اور کبر میں یہ فرق ہے کہ کبر ایک اضافی چیز ہے یعنی متکبر آدمی اپنے آپکو دوسروں سے بڑا سمجھتا ہے لیکن خود بینی و خود پسندی کیلئے انسان کی اپنی ذات ہی کافی ہے۔

انسان کو اپنے اندر جو کمالات اور خوبیاں نظر آتی ہیں، وہ کبھی اُن پر ایسا فریفتہ ہو جاتا ہے، کہ دوسروں کی ہر چیز اُسکو پست اور حقیر معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ تمام خوبیاں اور کمالات اُسکو ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ اُسکی اختیاری ہیں، اُسکی اپنی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اسی کا نام عُجب اور خود بینی ہے۔ اسی سے نفس میں خود نمائی اور غرور اکی پیدا ہو جاتی ہے، اور اکثر حالتوں میں وہ کبر و غرور کا سبب بن جاتی ہے۔ جب آدمی میں خود پسندی پیدا ہو جاتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا فرض اور بندوں کا حق بُھلا دیتی ہے۔ ہر شخص اپنی دولت کے گھمنڈ میں رہتا ہے۔ اور یہی بات اُسکی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ جیسے کہ قریش مکہ کا حال بدر کے موقع پر ہوا۔

جس قدر اخلاقِ قبیحہ کا ذکر اوپر بیان ہو چکا ہے ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی غلطیاں ہیں جن کا ارتکاب بد اخلاقی میں شامل ہے لیکن اصولاً وہ انہی کے ماتحت آجاتی ہیں۔

جیسا کہ شروع میں بیان کیا جا چکا ہو۔ کہ تمام رذائل و افعالِ قبیحہ فحشاء، منکر اور بغی میں آجاتے ہیں۔ یہ سب ایسے حد درجہ کے بے حیائی کے کام ہیں، کہ جنہیں ہر فرد فطرتاً ناپسند کرتا ہے۔ اور اُن کے جائز قرار دینے سے سوائے اسکے کوئی نتیجہ نہیں ہو سکتا، کہ دوسروں کے حقوق پر تعدی لازم آئے۔ یہ سب اخلاق انسان کو ناپسند ہونیکے علاوہ خدا تعالیٰ کو بھی ناپسند ہیں، اُس نے اپنے بندوں کو اُن سے بچنے کے لئے بار بار تاکید فرمائی ہے اور اُن کے مرتکب کو گنہگار اور سزا کے لائق قرار دیا ہے۔

انہی اخلاقِ قبیحہ کی بدولت افراد اور جماعتوں کو روحانی اور مادی نقصانات پہنچتے ہیں اور انکی معاشرت تباہ ہو جاتی ہے۔ یہ جس قوم اور ملک میں عام ہو جائیں اس کی تباہی و بربادی لازم ہے۔ اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ ان کا مرتکب اپنی پیدائش کے اصل مقصد یعنی عبودیت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ دینی و دنیوی ترقیات کی راہیں اس پر مسدود ہو جاتی ہیں اور سعادت اور اقبال کا دروازہ اُس پر بند ہو جاتا ہے۔

یہ سب بُرائیاں اور بدیاں ہوائے نفس کا نتیجہ ہیں۔ جو کوئی اپنے نفس کی خواہشات سے اپنے دامن کو پاک رکھیگا، وہ اپنے اصل مقصدِ عبودیت کو حاصل کر کے جنت میں دائمی آرام حاصل کرے گا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى

(نازعات)،

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

خوش نوٹ:۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری مقبرہ بہشتی)

نمبر ۷۰۹۷:۔ منکہ نواب الدین ولد لبھو قوم گوجر۔ پیشہ زمینداری عمر ۴۲ سال۔ تاریخ بیعت نومبر ۱۹۳۶ء ساکن چک وصیدو ڈاکخانہ اولیاءپور ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۶/۹/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ ساڑھے بارہ بیگھہ اراضی زرعی قسم چاہی۔ واقع موضع چک وصیدو تحصیل شاہدرہ۔ قیمتی مطابق نرخ موجودہ ۱۰۰۷ روپے نقد تین سو روپیہ۔ مکان رہائشی قیمتی اندازاً مبلغ دو صد روپیہ۔ جائیداد نمبر ا میری جدی جائیداد ہے۔ مذکورہ بالا ہر سہ قسم کی جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر اس کے بعد کوئی جائیداد اور پیدا کروں۔ تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ لہٰذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا نواب دین موصی۔ گواہ شد:۔ فیض احمد انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ چوہدری محمد شریف چک وصیدو۔ گواہ شد:۔ مستری اللہ دتہ بقلم خود۔

نمبر ۷۰۹۸:۔ منکہ نصر اللہ خاں ولد حیات محمد قوم کھوکھر راجپوت۔ پیشہ ملازمت۔ عمر ۵۳ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۲۳ء ساکن داتا زید کا ڈاکخانہ گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴/۹/۳۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائداد ہے۔ زمین موروثی مزروعی ۲ بیگھہ جس کی بوجہ موروث ہونے کے موجودہ قیمت مبلغ ساڑھے چار صد روپیہ اندازاً ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میں اس وقت مبلغ -/ روپے ماہوار پر ملازم ہوں۔ اس کے بھی دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ [illegible] کرتا ہوں کہ اس جائیداد یا آمد [illegible] میں کمی بیشی ہوئی تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ [illegible] اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اگر میں کوئی روپیہ یا جائیداد کی قیمت [illegible] صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت [illegible] تو اس قدر روپیہ کی قیمت

جائیگا۔ نیز میری وفات کے بعد اگر کوئی میری جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی دسویں حصہ کی
مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد :۔ نصر اللہ خاں موصی دا تا زیدکا۔ گواہ شد۔ معتمد
جماعت احمدیہ دا تا زیدکا۔ گواہ شد :۔ محمد خورشید بقلم خود

نمبر ۱۰۱۷ :۔ مسکاۃ امینہ بیگم زوجہ محمد عزیز الدین صاحب قوم راجپوت عمر ۴۰ سال تاریخ بیعت
۱۹۰۵ء۔ ساکن دار الرحمت قادیان۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ حسب ذیل
وصیت کرتی ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد غیر منقولہ نہیں۔ جائیداد منقولہ حسب ذیل ہے۔ مہر مبلغ
۲۰۰/۔ روپے جو میں اپنے خاوند سے وصول کر چکی ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی میری جائیداد منقولہ و
غیر منقولہ نہیں ہے۔ میں اس جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔
اگر میرے مرنے کے بعد میری کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک
صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ :۔ نشان انگوٹھا امینہ موصیہ۔ گواہ شد۔ محمد صدیق واقف زندگی
دار المجاہدین قادیان۔ گواہ شد :۔ محمد عزیز الدین ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر خاوند موصیہ

نمبر ۱۰۱۷۲ :۔ مسکاۃ امۃ السلام بنت چوہدری بشیر احمد صاحب زوجہ چوہدری ناصر احمد صاحب
قوم جٹ عمر ۱۹ سال۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن بہلول پور ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش
حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ ماہ تبوک ۱۳۲۲ ہش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ حق مہر ۲۰۰/۔
بذمہ خاوند۔ زیور طلائی اندازاً ۳۰۰/۔ بقیمت حال۔ مبلغ گیارہ صد روپیہ نقد۔ اراضی رقبہ دو کنال بلاک
محلہ دار الوداد قیمت اندازاً ڈیڑھ ہزار روپیہ۔ میں اپنی مذکورہ بالا جائیداد کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ
قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور میری جائیداد ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر
انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ :۔ امۃ السلام موصیہ۔ گواہ شد۔ ناصر احمد خاوند موصیہ۔
گواہ شد۔ بشیر احمد۔ پی سی۔ ایس نمبر ا ایجکرک لین نیو دہلی

نمبر ۱۰۱۷۳ :۔ مسکاۃ امۃ العزیز بنت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب قوم سید۔ عمر ۱۹ سال،
تاریخ بیعت پیدائشی احمدی۔ ساکن قادیان۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ ۱۱/۴۳
حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ بالیاں طلائی ایک جوڑی ۶ ماشہ اور نقد
۸۰/۔ روپے ہیں۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اگر کوئی آمد ہوئی۔ تو اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ ادا
کرتی رہونگی۔ آمد اور جائیداد کی کمی بیشی کی اطلاع دیتی رہوں گی۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔
نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ :۔ امۃ العزیز

گواہ شد۔ سید غلام غوث والد موصیہ۔ گواہ شد۔ سید محمد اسمٰعیل چچا موصیہ ◆

نمبر ۱۰۴ ۔ منکہ امۃ القادر بنت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب قوم سید عمر [illegible] سال۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن قادیان۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ بالیاں طلائی ۹ ماشہ وزنی اور نقد پچاس اور اٹھارہ روپے قرض لینا ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ جو آمد ہوگی۔ اس کا ۱/۱۰ حصہ بھی ماہوار داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی رہوں گی۔ آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دیتی رہوں گی۔ اور جائیداد کی کمی بیشی کی بھی۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد۔ امۃ القادر۔ گواہ شد۔ سید غلام غوث والد موصیہ۔ گواہ شد۔ سید محمد اسمٰعیل چچا موصیہ ◆

نمبر ۱۰۵ ۔ منکہ امۃ الرشید بنت ڈاکٹر سید غلام غوث صاحب قوم سید عمر [illegible] سال۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن قادیان۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] ۲۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ بالیاں طلائی ۶ ماشہ اور نقد -/۹۰ روپے ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اگر کوئی آمد ہوئی۔ تو اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ کرتی رہوں گی۔ آمد اور جائیداد کی کمی بیشی کی اطلاع مقبرہ بہشتی مقبرہ کو دیتی رہوں گی۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد۔ امۃ الرشید۔ گواہ شد۔ سید غلام غوث والد موصیہ۔ گواہ شد۔ سید محمد اسمٰعیل چچا موصیہ ◆

نمبر ۱۰۶ ۔ منکہ خیر الدین ولد چوہدری کرم الدین صاحب قوم [illegible] [illegible] بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت بارہ کنال زمین ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میری دکانداری کی آمد بھی ہے۔ اس کی آمد پر ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی اور منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ خیر الدین موصی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ محمد بخش امام الصلوٰۃ بیری بقلم خود۔ گواہ شد۔ محمد سردار خاں مولوی فاضل ◆

نمبر ۱۰۷ ۔ منکہ [illegible] احمدی ولد برکت علی صاحب مرحوم قوم احمدی پیشہ فوٹو گرافی عمر [illegible] سال۔ تاریخ بیعت [illegible] ساکن [illegible] ڈاکخانہ [illegible] ضلع [illegible]۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ

آج بتاریخ ۱۰/۱۲/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں ہے۔ میں آجکل فوٹوگرافی کا کام کرتا ہوں۔ جسکی کوئی معین آمدن نہیں ہے۔ اندازاً ساٹھ روپیہ ماہوار آمد ہو جاتی ہے۔ بہرحال جو آمد ہوا کریگی تازیست انشاء اللہ اس کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور اگر کوئی جائیداد اسکے بعد پیدا کروں۔ تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی نیز میرے مرنے کے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ کاتب الحروف احقر محمد شجاعت علی عفی اللہ عنہ انسپکٹر بیت المال۔ العبد:۔ دلبر حسن بقلم خود فوٹوگرافر میٹسن روڈ کانپور۔ گواہ شد:۔ سراج دین بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد ابراہیم بقلم خود پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کانپور +

نمبر ۱۰۸۱۷:۔ منکہ سردار بیگم زوجہ احمد دین صاحب قوم ساگر راجپوت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن گجرات۔ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴/۱۲/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اسوقت کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسوقت میرا کوئی زیور وغیرہ ہے۔ صرف حق مہر -/۲۵۰ روپے بذمہ خاوند ہیں۔ اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اسکے علاوہ اگر میرے مرنیکے بعد کوئی جائیداد ثابت ہو تو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامتہ:۔ سردار بیگم موصیہ بقلم خود۔ گواہ شد:۔ الہ دین ولد امام دین صاحب خسر موصیہ محلہ کامل پورہ گجرات۔ گواہ شد:۔ احمد دین موصی بقلم خود خاوند موصیہ +

نمبر ۱۰۹۱۷:۔ منکہ سکینہ بی بی زوجہ عطاء اللہ صاحب قوم جٹ چیمہ عمر ۴۴ سال پیدائشی احمدی۔ ساکن چک ۳۵ جنوبی ڈاکخانہ چک ۳۲ جنوبی۔ ضلع سرگودھا۔ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸/۹/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ میرا مہر دو صد پچاس روپے بذمہ خاوند ہے میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی رہوں گی۔ اگر کوئی جائیداد اسکے بعد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامتہ:۔ سکینہ بی بی موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ عطاء اللہ دیہاتی مبلغ خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ علی محمد صحابی موصی +

نمبر ۱۱۰۱۷:۔ منکہ سلیمہ بیگم زوجہ چوہدری دلبر حسن صاحب قوم [illegible] عمر ۴۰ سال پیدائشی احمدی ساکن کانپور۔ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰/۱۲/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اسوقت میری

غیر منقولہ جائیداد کوئی نہیں ہے۔ بعض زیورات اور مہر جو خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے۔ مندرجہ ذیل ہے کانٹے وکڑے ایک ایک جوڑی وزنی ساڑھے تین تولہ در -/۷۰ روپے قیمتی اندازاً -/۲۴۵ روپے۔ چنن ہار ایک عدد۔ پازیب ایک جوڑی وزنی ایک سو تولہ نقرئی در ایک روپیہ قیمتی -/۱۰۰ روپیہ اور مبلغ -/۱۰۰۰ روپے مہر جو بذمہ خاوند ہے۔ مجموعی رقم -/۱۵۴۸ روپے۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت میں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر اسکے بعد کوئی جائیداد اور پیدا کروں۔ تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی اور اس جائیداد پر بھی یہ وصیت حاوی ہو گی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کروں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دیجائیگی۔ نیز میرے مرنیکے بعد جس قدر میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ کاتب المروف محمد شجاعت علی انسپکٹر بیت المال۔ الامتہ:۔ سکینہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ دلبر حسن خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ محمد ابراہیم پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کانپور ٭

نمبر ۱۱۱ کے :۔ مسکہ سردار بی بی بیوہ نبی بخش قوم جٹ چیمہ۔ عمر ۵۰ سال۔ تاریخ بیعت جلسہ سالانہ ۳۲ء ساکن چک ۳۵ جنوبی۔ ڈاکخانہ چک ۳۲ جنوبی ضلع سرگودھا۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۹/۱/۳۳ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ میرا مہر دو صد روپیہ تھا جو میرے پاس ہے۔ میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی رہوں گی۔ اگر کوئی جائیداد اسکے بعد پیدا کروں۔ تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہونگی۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہو گی۔ نیز میرے مرنیکے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ الامتہ:۔ سردار بی بی موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ علی محمد موصی مجلی گواہ شد:۔ موصیہ والدہ چوہدری عطاء اللہ دیہاتی مبلغ قادیان بقلم خود ٭

نمبر ۱۱۲ کے :۔ مسکہ سکینہ بیگم زوجہ بابو جلال الدین صاحب فیروزپوری قوم شیخ۔ عمر اندازاً ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دار العلوم۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۳/۱/۳۳ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد صرف کانٹے طلائی وزنی ایک تولہ جسکی قیمت مبلغ ستر روپے ہے۔ اس کے علاوہ میرا مہر ایکہزار روپیہ ہے۔ جس میں سے مبلغ -/۵۰۰ روپیہ میرے خاوند کے ذمہ ہے۔ میں اپنی اس جائیداد کانٹے وحق مہر کل مبلغ ایکہزار ستر روپے کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز اقرار کرتی ہوں۔ کہ میرے مرنیکے وقت اسکے علاوہ جو جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ نیز اگر میں کوئی روپیہ یا جائیداد داخل یا حوالہ صدر انجمن احمدیہ کر دوں تو وہ

نقد یا جائیداد میری وصیت کے حساب سے منہا کر دیجائیگی۔ الامتہ: سکینہ بیگم نشان انگوٹھا۔ گواہ شد مختار احمد ہاشمی کارکن بیت المال۔ گواہ شد: منظور الحق کارکن بیت المال ●

نمبر ۱۱۱۳۷ :۔ منکہ طالع بی بی بیوہ چوہدری غلام علی صاحب مرحوم قوم جٹ پیشہ زراعت عمر ۹۰ سال بتاریخ بیعت ۱۹۳۶ء ساکن دیوانی وال ڈاکخانہ بٹالہ ضلع گورداسپور۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۵ ... حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد اس وقت حسب ذیل ہے۔ (۱) زمین چاہی و بارانی بعد تقسیم فرزندان ازروئے شریعت ۲½ کنال۔ جس کی اس وقت بازاری قیمت تقریباً -/۳۰۰ ہے۔ میں اپنی اس جائیداد کے ⅒ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور اس حصہ کی قیمت -/۳۰ روپیہ کو جلد از جلد اپنے ذریعہ خود داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کر کے رسید حاصل کر لونگی۔ اور میری کوئی جائیداد نہیں۔ اپنے پوتوں کے پاس رہائش رکھتی ہوں۔ اگر کوئی اور جائیداد میری ثابت ہو۔ تو انجمن اسکے بھی ⅒ حصہ کی وارث ہوگی۔ الامتہ:۔ طالع بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ محمد ملک بقلم خود فرزند موصیہ۔ گواہ شد:۔ منیر احمد بقلم خود فرزند موصیہ ●

نمبر ۱۱۱۴۷ :۔ منکہ عبدالرحیم ولد محمد دلدار خان قوم افغان زئی۔ پیشہ ملازمت عمر ۳۴ سال تاریخ بیعت ماہ رمضان ۱۳۴۵ھ ساکن ملتان شہر۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ ماہ فتح ۱۳۲۲ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری کوئی جائیداد نہیں ہے۔ صرف تنخواہ پر گذارہ ہے جو اس وقت مبلغ -/۴۳ ماہوار ہے۔ اس کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور وہ ماہ بماہ حسب ہدایت و قواعد مرکز ادا کرتا رہونگا میری وفات کے بعد اگر کوئی جائیداد ہو۔ تو اسکے دسویں حصے کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر اس جائیداد میں کچھ رقم ادا کردوں تو مجرا ہوگی۔ العبد:۔ عبدالرحیم خان چٹھی رساں کمروڑ پکا ضلع ملتان۔ گواہ شد:۔ قاضی حبیب اللہ ساکن شاہدرہ۔ گواہ شد:۔ حسن محمد قریشی احمدی کمروڑ پکا ●

نمبر ۱۱۱۵۷ :۔ منکہ عبدالقادر ولد منشی عبدالخالق صاحب قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر ۴۱ سال۔ پیدائشی احمدی، ساکن قادیان حال دہلی۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں ہے۔ اسوقت ماہوار آمد -/۴۴ روپے ہے۔ میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ⅒ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور اگر کوئی جائیداد اس کے بعد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو۔ اس کے بھی ⅒ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عبدالقادر موصی۔ گواہ شد:۔ مرزا محمد اکرم موصی۔ گواہ شد:۔ محمد اسمٰعیل بھاگلپوری موصی ●

نمبر ۱۱۶۷ :۔ منکہ عظمت اللہ ولد ڈاکٹر برکت اللہ صاحب قوم مغل پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی۔ ساکن گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴/۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے۔ کیونکہ میرے والد صاحب بفضل خدا زندہ ہیں۔ اس وقت میرا گذارہ میری ملازمت پر ہے۔ اور میری ماہوار آمد -/۱۴۱ روپے ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میں ماہ بماہ ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ آمد کی کمی بیشی کی صورت میں اسی نسبت سے حصہ آمد ادا کرتا رہونگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی اور جائیداد پیدا کروں۔ تو اس کی آمد بھی اسی نسبت سے دونگا۔ اگر میرے مرنے پر کوئی جائیداد ثابت ہو تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کروں۔ تو اسی قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:۔ عظمت اللہ۔ واحد منزل بیکن گنج مکان نمبر ۹۹/۱۵ کانپور۔ یو۔ پی ٭ گواہ شد:۔ عبد القادر احمدی موصی نمبر ۹۹۵۵۔ گواہ شد:۔ محمد شجاعت علی انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ محمد ابراہیم پریذیڈنٹ کانپور٭

نمبر ۱۱۶۷ :۔ منکہ غلام قادر ولد چوہدری نبی بخش صاحب قوم جٹ کاہلوں عمر ۲۶ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن چک ۱۱۷ جھور ڈاکخانہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶/۱۲ ۱۳۲۲ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ ساڑھے چار گھماؤں اراضی زرعی قسم نہری رقبہ واقع چک ۱۱۷ جھور خود پیدا کردہ ملکیت ہے۔ (۲) چار گھماؤں اراضی زرعی قسم نہری رقبہ واقع موضع چک ۱۱۷ میرے پاس بالعوض مبلغ دو ہزار روپیہ رہن باقبضہ ہے۔ (۳) ایک کنال قطعہ زمین واقع نئی آبادی قادیان متصل خادم حضرت میاں بشیر احمد صاحب جانب شمال بالعوض مبلغ -/۵۰۰ روپیہ خرید کردہ ہے۔ (۴) مبلغ دس ہزار روپیہ نقد موجود ہے۔ (۵) میرے والد صاحب بفضل تعالیٰ زندہ ہیں۔ اس لئے میرے پاس کوئی جدی جائیداد نہیں۔ میں اس جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس جائیداد کے علاوہ میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے۔ جو اس وقت بصورت ملازمت و پریکٹس مبلغ دو صد روپیہ ماہوار ہے۔ میں اس کا ۱/۱۰ حصہ باقاعدہ ماہوار ادا کرتا رہوں گا۔ میری وفات پر مذکورہ صدر جائیداد کے علاوہ جسقدر جائیداد ثابت ہو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا جائیداد بمد وصیت داخل خزانہ یا حوالہ صدر انجمن احمدیہ یا خذ رسید کروں تو رقم یا جائیداد حصہ وصیت میں ادا شدہ متصور ہوگا۔ لہٰذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کر دی ہے کہ سند رہے۔ العبد:۔ ڈاکٹر غلام قادر چک ۱۱۷ جھور ڈاکخانہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ۔ گواہ شد:۔ فیض احمد

انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ چوہدری بشیر احمد بی۔ ایس سی۔ ایگریکلچر ریسرچ اسسٹنٹ سانگلہ ہل ✦

نمبر ۱۱۸ *:۔ منکہ محمد یعقوب ولد مولوی محمد اسحاق قوم راجپوت بھٹی پیشہ ملازمت عمر ۲۶ سال پیدائشی احمدی ساکن موضع کھر سپڑ ڈاکخانہ قصور ضلع لاہور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۱۱/۴۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں ہے۔ میری اسوقت ماہوار تنخواہ ۶۵/- روپے ہے۔ میں تازیست اپنی تنخواہ کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں یا ورثہ میں ملے یا تنخواہ کی زیادتی ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور کمی زیادتی کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ نیز میرے مرنیکے بعد جس قدر متروکہ ثابت ہو جس کا وصیت میں پہلے ذکر نہ ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور جس جائیداد کا حصہ وصیت ادا کر دیا ہو۔ وہ منہا کر کے باقی سب متروکہ کا حصہ وصیت میرے ورثاء ادا کر دینگے۔ یا خدا نے چاہا۔ تو میں خود ہی ادا کر دونگا۔ اور دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر نیکی کرنیکی توفیق دے۔ لہٰذا یہ وصیت نامہ لکھدیا ہے۔ کہ سند رہے۔ اور وقت حاجت کام آوے۔ العبد:۔ لیس نائک محمد یعقوب موصی۔ گواہ شد:۔ محمد شفیع پٹواری نہر موصی نمبر ۲۳۵ *۔ گواہ شد:۔ محمد اسحٰق والد موصی ✦

نمبر ۱۱۹ *:۔ منکہ محمد الدین ولد سعد اللہ صاحب قوم گوجر پیشہ زمینداری۔ عمر ۶۴ سال۔ تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۳۲ء ساکن کھاریاں ضلع گجرات۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵/۱۱/۴۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے:۔

دو مکان پختہ جن کی موجودہ قیمت بازاری اندازاً چار ہزار تین صد روپیہ اور گیارہ کنال اراضی موروثیت جس کی قیمت تخمیناً سات صد روپیہ یعنی کل جائیداد کی قیمت ۵۰۰۰/- روپیہ ہوتی ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر اسکے بعد کوئی جائیداد پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنیکے وقت جسقدر میری جائیداد ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی نیز اسوقت مذکورہ بالا دو مکان پختہ میں سے کچھ حصہ کرایہ پر ہے جسکی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ بھی ادا کرتا رہوں گا۔ اور اسکی کمی بیشی کی اطلاع سیکرٹری مال کو دیتا رہونگا۔

العبد:۔ بقلم خود محمد الدین موصی۔ گواہ شد:۔ عبد اللہ سیکرٹری انجمن احمدیہ کھاریاں۔ گواہ شد:۔ فضل الٰہی امیر جماعت احمدیہ کھاریاں ✦

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ

(ماہنامہ اردو)

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۱۳ | ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۴۳ء | عدد ۳

فہرست مضامین

ظہورِ اسلام کے متعلق مخالفوں کے نئے نظریئے!

{تقریر جلسہ سالانہ ۲۷ دسمبر ۱۹۴۲ء از پروفیسر محمد اسلم صاحب ایم - اے گورنمنٹ کالج لاہور ۔}

(۱)

موجودہ زمانے میں مذہب پر جو سب سے خطرناک حملہ ہوا ہے ، اور جس سے تعلیمیافتہ طبقہ سب سے زیادہ متأثر ہوا ہے ۔ وہ ان علوم کی طرف سے ہوا ہے جو ہر چیز کی ابتداء معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ سائنس کا عام حملہ تو مذہب پر پہلے سے ہو رہا تھا ، لیکن اِن نئے علوم نے اِس حملہ کی شدت کو تیز کر دیا ہے ۔ اور اُن لوگوں کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں ، جو سمجھتے ہیں ، کہ سائنس کے مقابلے میں مذہب ٹھہر نہیں سکتا ۔ یہ نئے علوم نفسیات اور اجتماعیات کے نام سے مشہور ہیں ۔ عِلمِ نفسیات ہر مذہبی پیشوا کی شخصی زندگی کے حالات پر نظر ڈالتا ہے ۔ اور اُنہیں طبعی اسباب کے ماتحت سمجھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور عِلم اجتماعیات ہر مذہبی تحریک کو اس کے ماحول کے اجتماعی حالات کے ماتحت لانے کی کوشش کرتا ہے ۔ اور دونو کی یہ کوشش ہے ، کہ کسی طرح مذہب کو طبعی حالات کے ماتحت بیان کر کے اُسکے مغز اور اس کی حقیقت اور اس کی اصل غرض کو ملیا میٹ کر دیا جائے ۔ مذہب کی حقیقت ہمارے نزدیک تو یہی ہے ، کہ مذہب ابتدائے نسلِ انسانی سے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اور اسے ترقی کی منازل طے کروانے کے لئے خدا نے انسان کو سکھا دیا تھا ۔ اور بعد میں جیسے جیسے انسانی ضروریات ترقی کرتی چلی گئیں ، خدا بھی اس ہدایت کو زیادہ سے زیادہ کامل کرتا چلا گیا ۔ یہاں تک کہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تعلیم اللہ تعالےٰ نے نازل فرمائی ، وہ ہر طرح سے کامل اور تمام انسانوں کی ضروریات کو ہمیشہ کے لئے پورا کرنیوالی تھی ۔ مختصر یہ کہ مذہب انسان کو

خدا نے خود سکھایا ہے۔ اور انسان کو پیدا کرتے ہوئے جو غرض خدا کی تھی، اُسے پُورا کرنے کے لئے سکھایا ہے۔ اور ساری مذہبی تاریخ گویا خدا کے اس لگاؤ کا اظہار ہے، جو اُسے اپنے بندوں سے ہے۔

اب اگر کوئی یہ کہے، کہ مذہبی تحریکیں اور مذہبی پیشوا سب کے سب بعض طبعی حالات کا نتیجہ تھے، تو وہ مذہب پر ایک ایسا حملہ کرتا ہے، کہ جس سے مذہب کا امتیاز بالکل مِٹ جاتا ہے۔ اور مذہب بھی طبعی علوم کی ایک شاخ بنکر رہ جاتا ہے۔

ہم طبعی علوم کے مخالف نہیں۔ بلکہ انسان کے طبعی حالات معلوم کرنے کے لئے انہیں ضروری اور مفید سمجھتے ہیں۔ اور قرآن شریف اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ان علوم پر ضروری روشنی ڈالی ہے۔ لیکن یہ سمجھنا کہ قوموں کے حالات ہمیشہ طبعی اسباب کے ماتحت رہتے ہیں، اور کبھی بھی خدا تعالےٰ اُن میں خاص تبدیلیاں اپنے خاص بندوں کے ذریعہ پیدا نہیں کرتا جو اُن کی اصلاح کا موجب بھی ہوں اور اسکی ہستی کا نشان بھی ہوں ایک نادانی کا خیال ہے۔ ہر تغیر کو طبعی حالات کا نتیجہ کہنے والے ان علوم کے شیدا غرور سے یہ کہتے ہیں، کہ سائنس کا پہلا حملہ جو مذہب پر ہوا تھا کمزور تھا۔ اس کا ماحصل صرف یہ تھا، کہ مذہب کا یہ اصول کہ خدا ہے اور وہ اپنے بندوں کی ہدایت کی فکر رکھتا ہے غلط ہے۔ اور سائنس کا یہ اصول کہ خدا نہیں ہے اور بندوں کو اپنی اصلاح کی فکر خود کرنی چاہیئے صحیح ہے۔ لیکن اب نیا حملہ جو سائنس ان نئے علوم یعنی علمِ نفسیات ور علم اجتماعیات کے ذریعہ کر رہی ہے، زیادہ خطرناک اور زیادہ سخت ہے، کیونکہ ب سائنس صرف یہی نہیں کہتی، کہ مذہب کا عقیدہ غلط ہے، بلکہ یہ بتانے کی بھی مدعی ہے، کہ مذہب کا یہ غلط عقیدہ پیدا کیونکر ہوا، اور پھر اس عقیدے کی دنیا میں بار بار شاعت کیونکر ہوتی رہی۔ چنانچہ اب صورت یہ ہے، کہ عام طور پر نئے علوم سے شوق کھنے والے ان باتوں سے متاثر ہیں۔ اور مذہب کے دلائل سے ناواقف ہونے کی جہ سے ان خیالات اور ان وسوسوں سے بہت بُری طرح دب رہے ہیں اور سمجھنے لے ہیں، کہ اب واقعی مذہب کے آخری دن آگئے ہیں۔ لیکن ایسے ہی وقتوں میں ا کی طرف سے تازہ نشان اُترا کرتے ہیں۔ چنانچہ محض خدا کے فضل سے ہماری جماعت ے لوگ ان باتوں سے نہیں دبتے۔ وجہ اس کی یہ ہے، کہ ہماری جماعت نے خدا کے

تازہ نشانوں کا مشاہدہ کیا، اور مذہب اور مذہب کے معجزات اور مذہب کے دلائل کو از سرِ نو سیکھ لیا ہے۔ ہم خوب سمجھتے ہیں، کہ پہلے بھی جب کبھی کوئی تحریک الٰہی منشاء کے ماتحت دُنیا میں آئی، اور کسی مذہبی پیشوا نے خدا سے الہام پاکر لوگوں کو کسی خیال اور کسی تعلیم پر جمع کرنا شروع کیا تو وہ ایسے ہی ہُوا ہوگا جیسے ہمارے زمانے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے، اور انہوں نے خدا سے الہام پاکر ایک نئے ایمان اور ایک نئی جماعت کی بنیاد ڈالی۔ لیکن جو باقی لوگ ہیں جو کسی نہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں اور جو خدا کی تازہ گواہی اور اسکے تازہ نشانوں سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنے اپنے مذہب پر گذشتہ روایات کی بناء پر قائم ہیں ایسے لوگ اِن وسوسوں سے بُری طرح متأثر ہیں۔ اور اس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں۔

ان علوم کے اثر اور رعب کے ازالے کا اصل طریق تو یہ ہے۔ کہ مذہب کے دلائل کو سمجھا اور سیکھا جائے۔ چنانچہ قرآن شریف کا اسلوب بھی یہی ہے۔ قرآن شریف میں بھی دہریت کا ردّ یا کم سے کم اس طرح کا ردّ، کہ دہریے یہ دلائل دیتے ہیں اور اُن کا جواب یہ ہے۔ اس رنگ میں دہریت کا ردّ نہیں، لیکن اس سے بڑھکر قرآن شریف میں یہ بات ہے کہ سارے کا سارا قرآن اِن دلائل سے بھرا پڑا ہے۔ کہ یہ قرآن خدا کا کلام ہے۔ اور جس پر یہ نازل ہوا ہے، وہ خدا کا رسولؐ ہے۔ اگر خالی دہریت کا ردّ کیا جاتا، تو یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا، کہ آیا یہ قرآن خدا کا کلام ہے یا نہیں۔ اور یہ رسولؐ اس کا رسولؐ ہے یا نہیں۔ اِس لئے قرآن شریف نے ایسا طرز اختیار کیا جس سے دونو باتیں بیک وقت حل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح ان عِلمی وسوسوں کا بھی صحیح علاج یہی ہے، کہ بجائے ان وسوسوں پر زیادہ بحث کرنے کے ہم مذہب کے اپنے دلائل کو اچھی طرح سمجھیں۔ جب یہ دلائل ہم سمجھ لینگے تو پھر ان وسوسوں کا ازالہ خود بخود ہو جائے گا۔ ہمارا مذہب اسلام ہے۔ پس ہمیں اسلام کے دعوے، اور اِس دعوے کے دلائل سے واقفیت ہونی چاہئے۔ پھر کوئی وسوسے ہمارے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ اور اصل باعث اس امر کا کہ لوگ ان وسوسوں سے بُری طرح متأثر ہوتے ہیں، یہی ہے، کہ وہ مذہب کے دلائل سے ناواقف ہوتے ہیں۔ یا ان کے پاس دلائل ہوتے ہی نہیں۔ دلائل سے مُراد یہ ہے

کہ مثلاً ہمارا دعوےٰ ہے، کہ اسلام سچا ہے۔ پس اگر ہمارا یہ دعوےٰ سچا ہے۔ تو ہمیں بتانا چاہیئے، کہ اسلام جب دُنیا میں آیا تھا، تو اُس وقت اُس کی صداقت کے کیا دلائل تھے۔ پھر آج جبکہ اسلام کے نہ ماننے والے اور ماننے والے دونو اِس کے متعلق کئی قسم کے اعتراضات اور شکوک کا اظہار کر رہے ہیں تو آج اسلام کے کیا دلائل ہیں؟ پھر کیا اسلام کے ظہور سے پہلے بھی لوگوں کو کچھ علم دیا گیا تھا۔ کہ ایسی شان کا نبیؐ اور اس کے ذریعہ ایسی شان کا دین آنیوالا ہے؟

اب امر واقعہ یہ ہے، کہ خدا تعالےٰ نے اسلام کو یہ تینوں قسم کے دلائل دیئے ہیں۔ جیساکہ فرمایا۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً (سورہ ہود ع) [۱]

یعنی اوّل تو اس رسولؐ کے پاس اپنے رب کے دیئے ہوئے بہت نشانات ہیں جو اسی کے اپنے زمانے میں اس کی مطہر زندگی اور اسکے دوسرے کارناموں اور اسکی بیشمار علمی، اخلاقی اور روحانی تاثیروں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ دوسرے جب آئندہ زمانے میں اس کی صداقت کے متعلق دوست و دشمن شکوک کا اظہار کرنے لگیں گے تو ایک زبردست آسمانی گواہ اُس کی تائید میں کھڑا کیا جائیگا۔ چنانچہ عین وقت پر وہ آسمانی گواہ بھی بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی شکل میں آیا۔ تیسرے موسیٰؑ کے زمانے سے لوگ اس رسول کی انتظار میں رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کو اس کی بشارت دیدی گئی تھی۔ بلکہ تاریخ میں لکھا ہے، کہ یہودیوں کو ایسا یقین ان پیشگوئیوں پر تھا، اور وہ بیان کردہ علامتوں کو ایسی اچھی طرح سمجھتے تھے، کہ کئی یہودیوں نے مدینہ میں جاکر اسی امید میں اپنے مکان بنوالئے تھے۔ اور وہاں رہائش اختیار کرلی تھی۔

گویا تینوں زمانوں کے لئے دلائل اس رسولؐ کو دیئے گئے ہیں۔ اس قسم کے دلائل ہوتے ہوئے پھر کسی علمی یا نیم علمی وسوسے کی مجال نہیں کہ ہمارے سامنے ٹھہر سکے۔ لیکن پھر بھی اِس بات کی ضرورت رہ جاتی ہے، کہ اسلام کی آمد اور اسلام کی اشاعت کی جو طبعی توجیہات کی جاتی ہیں، اُن کا رد کیا جائے۔ کیونکہ عموماً لوگ ان وسوسوں

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۵ و ۱۶۷۔

میں ایسے پھنسے ہوتے ہیں، کہ وہ کہتے ہیں، ہماری بات کو پہلے حل کرو۔ پس اگر ان لوگوں کی اصلاح کرنی ہے جو ان علمی یا نیم علمی وساوس سے متأثر ہوئے ہیں۔ تو پھر ہمیں اپنا بیان انہی وساوس سے شروع کرنا ہوگا۔ بہرحال دوسرے مذاہب اور ان کے پیشواؤں کی تاریخ محفوظ نہیں ہے۔ اور تازہ نشانوں کا سلسلہ بھی ان کے ساتھ نہیں رہا۔ اور جو نشان آتے رہے ان کا وہ انکار کرتے رہے۔ اس لئے اب مدت سے وہ بغیر نشانوں اور بغیر یقین کے ہوتے ہوئے اور بغیر تاریخی شواہد اپنے پاس رکھتے ہوئے ان وسوسوں کا مدلل جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن چونکہ اسلام کیساتھ ہمیشہ تازہ نشان موجود رہے ہیں اور اس زمانے میں ایک بارش ایسے نشانوں کی ہوئی ہے اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ بھی محفوظ اور مع اپنی بیشمار تفاصیل کے محفوظ ہے۔ اسلئے جہاں دشمن کے لئے آسانی ہے، کہ وہ کئی قسم کے اعتراض اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کر سکتا ہے، وہاں خود اسلام کے لئے یہ آسانی ہے، کہ وہ ہر وسوسے کا جواب اور مدلل جواب اپنی محفوظ تاریخ سے دے سکتا ہے۔ چنانچہ جب ان علمی توجیہات کا امتحان ہم اسلام کی ابتدائی تاریخ کی روشنی میں کرتے ہیں، تو وہی توجیہات جن سے دوسرے اہلِ مذاہب لرزاں نظر آتے ہیں اسلام کے مقابلے میں ان کے لئے عاجزی اور ناکامی کے اقرار کے سوا کوئی چارہ ہی نظر نہیں آتا۔

(۲)

چونکہ اختصار لازم ہے، اس لئے میں نفسیاتی توجیہات کو چھوڑتا ہوں۔ کہ وہ ایک مستقل بیان چاہتی ہیں۔ اور ان کے بیان کرنے کے پہلے بھی موقعے ملتے رہے ہیں۔ ہاں یہ عرض کرتا ہوں۔ کہ اجتماعی توجیہات[۲] بالعموم تین قسم کی ہیں اور لُطف یہ ہے، کہ اُن توجیہات کی تائید میں دہریہ اور دوسرے اہل مذہب جنکو اسلام سے تعصب ہے ایک دوسرے کے ہمنوا ہیں۔ اور یہ متعصب دشمن جن میں عیسائی مصنفین اور عیسائی نقاد پیش پیش ہیں۔ یہ بھول رہے ہیں، کہ سائنس کا یہ حملہ تو سب

[۲] رسالہ مسلم ورلڈ جلد ۱۶ اسلامی ۱۹۲۶ء مضمون "دی کویسٹ آف دی ہسٹاریکل محمدؐ"

اہل مذہب پر یکساں ہے لیکن انکو مذہب کے مفاد مدنظر نہیں۔ صرف اسلام کی دشمنی مدنظر ہے۔ بہرحال اجتماعی توجیہات تین قسم کی ہیں۔ ایک اقتصادی، دوسرے جغرافیائی اور تیسرے خالص اجتماعی۔ اسلام کے مقابلے میں یہ تینوں قسم کی توجیہات استعمال ہوئی ہیں۔

ہر توجیہہ کی کئی مثالیں ہیں۔ اور یہ اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے۔ کہ مذہب کی ابتدا معلوم کرنیکا جو دعوےٰ بعض علوم کو ہے، اس کی بنیاد کسی ٹھوس علم پر نہیں، بلکہ محض قیاسات اور ایک قسم کی دشمنی پر ہے۔ جب عدالت میں ایک ہی فریق کے حق میں پیش ہونے والے گواہ آپس میں بعض اہم تفاصیل میں سخت اختلاف رکھتے ہوں، تو ایسے گواہ ثقاہت اور اعتبار کے معیار سے گر جاتے ہیں۔ اور جس فریق کے حق میں وہ پیش ہوتے ہیں، اُسکے کیس کو خراب کر دیتے ہیں۔ لیکن ہم اس اختلاف کو ان توجیہات کے رد میں پیش نہیں کرتے، بلکہ خدا کے فضل سے ہر توجیہہ کو الگ الگ دلائل سے رد کر سکتے ہیں۔ ہاں اقتصادی توجیہہ کی آگے دو قسمیں ہیں، جو ایک دوسری سے ایسی متضاد ہیں، کہ ان طبعی توجیہات کا آپس کا اختلاف بھی ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ اقتصادی توجیہات مذہب اسلام کی ابتدا اس کی تعلیم، اس کی شریعت اور اس کی بعد کی تاریخ کو اقتصادی رنگ میں بیان کرتی ہیں۔ ایک توجیہہ کے لحاظ سے اسلام کو غربار کی تحریک کہنا چاہیئے۔ جو اپنے زمانے کے ظالم امرار کے مقابلے کے لیئے پیدا ہوئی۔ اور جو غربار کی نجات کا باعث ہوئی۔ اور اسی وجہ سے کامیاب بھی ہوئی۔ دوسری توجیہہ کے لحاظ سے اسلام کو عرب امرار کی تحریک کہنا چاہیئے، جو اپنی تجارت اور حکومت کو اتنا وسیع کرنا چاہتے تھے جتنا کہ ان کی امنگیں وسیع تھیں۔ یہ دونوں توجیہات اقتصادی ہیں اور دونو ملحدانہ۔ ان میں سے ایک بھی مذہب کے مغز کو نہیں سمجھتی۔ لیکن دونو ایک دوسری کے متضاد اور گویا ایک دوسری کو رد کرنیوالی ہیں۔ ہم اس تضاد سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتے۔ اس لئے دونو پر بحث کرتے ہیں۔

وہ توجیہہ جو اسلام کو غربار کی تحریک بتاتی ہے، اس میں اسلام کے لئے ایک طرح کی ہمدردی پائی جاتی ہے۔ اس توجیہہ کا موجد ہالینڈ کا ایک مستشرق ہے

ممیے سے ہے۔ اور اس کی نقل میں اور بھی کئی لوگوں نے اسے پیش کیا ہے لیکن جیسے دیکھا ہے، کہ عیسائی نقاد اس توجیہہ کا ذکر کرتے ہوئے بھی اپنے تعصب کو چھپا نہیں سکتے۔ اور اسلام اور پروفیسر گریمے دونوں کو سنانا شروع کر دیتے ہیں۔ صرف اسلئے کہ اس میں اسلام کو غرباء کا حامی بتایا گیا ہے۔ ہم بھی اسے حقیقت پر پورے طور پر حاوی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اسلام کو اگر خالی اقتصادی نظر سے ہی دیکھا جائے، پھر بھی وہ محض غرباء کی تحریک ثابت نہیں ہوتا، بلکہ شروع سے غرباء امراء دونوں اسمیں شامل نظر آتے ہیں۔ اور امراء کے لئے یعنی متقی امراء کے لئے اس میں ایسا ہی اعزاز اور احترام کا مقام نظر آتا ہے، جیسا کہ توجہ اور ترحم کا مقام غرباء کے لئے۔ بہرحال گریمے[2] کا بیان ہے کہ:-

"وہ حالات جو تاریخ میں عموماً اشتراکی تحریکوں کے پھیلانے کا موجب ہوا کرتے ہیں۔ بعینہٖ وہ حالات محمد (صلعم) کے زمانے میں عرب میں پیدا ہو چکے تھے۔ یعنی امراء ایک طرف تھے۔ جن کے پاس سب مال، دولت اور حکومت تھی۔ اور غرباء دوسری طرف تھے۔ جو سود خور اور ظالم امراء کے دباؤ کے نیچے اپنا عرصۂ حیات پورا کر رہے تھے۔ ایسے زمانے میں قرآن آیا اور اس نے مال جمع کرنے، تجارت میں دھوکہ اور بد دیانتی سے کام لینے کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور ساتھ ہی مسکینوں اور یتیموں کی خبر گیری کی زبردست تلقین کی . . . . . . ایسے حالات میں قرآن اور محمد (صلعم) کی تعلیم اور تحریک کامیاب نہ ہوتی تو اور کیا ہوتا؟"

- گریمے کا یہ خیال درست ہے، کہ اسلام نے غریبوں کی حمایت کی اور موثر حمایت کے اہم فریضہ کو اسلام جیسا کامل مذہب کیسے فراموش کر سکتا تھا؟ لیکن اگر گریمے کا یہ خیال ہے، کہ اسلام غرباء کی تائید میں ایک زبردست تحریک تھی، اور اس سے زیادہ کچھ نہ تھا، تو یہ خیال اس کا محض غلط خیال ہے۔ اگر کوئی تحریک خالصتاً غرباء کی تائید میں ہو، تو اس کے لئے لازم ہے، کہ وہ امراء کے متعلق نفرت کا جذبہ پھیلائے۔ اور اپنے آپ کو ایک اقتصادی طبقہ سے محدود کر لے۔ اور جماعتی ذہنیت اور جماعتی احساس

---

[2] بحوالہ مسیحی رسالہ مسلم ورلڈ جلد ۱۶ ۱۹۲۶ء۔

پر اس کی بنیاد ہو۔ لیکن اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے غرباء کو وقار اور خود اعتمادی کی تعلیم دی ہے۔ اور امراء کو سادگی اور قربانی کی تلقین کی ہے۔ اور سینکڑوں طریقوں سے امراء اور غرباء کو ایک دوسرے کے قریب کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے اسلام نے حکومت کے ساتھ فرد کی ملکیت کے حق کو تسلیم کر کے امراء کے وجود کو مانا، اور انہیں باقی سوسائٹی کے لئے مفید اور ضروری قرار دیا ہے۔ بیشک اسلام نے ایسے قانون بنائے ہیں جن سے امراء کے اموال اپنی جائز حدود کے اندر رہ سکیں۔ لیکن یہ قانون قرآن شریف کے مدنی دور میں جا کر بیان ہوئے۔ حالانکہ اسلامی تحریک اور اسلامی سوسائٹی کی تشکیل مکہ میں ہو چکی تھی۔ اور اس میں غرباء اور امراء دونوں قسم کے لوگ شامل، ایک دوسرے سے محبت رکھتے اور ایک دوسرے پر اعتماد کرتے تھے۔

(۳)

پروفیسر گریمے کے بیان کے بالکل برعکس وہ بیان ہے، جو اشتراکی خیال کے لوگ بالعموم سارے مذاہب کا پیش کیا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے نزدیک غریبی امیری کا امتیاز ایک مستقل امتیاز اور ہمیشہ سے باعثِ نزاع رہا ہے۔ مذہبی تحریکیں کچھ اشک شوئی غرباء کی کرتی رہی ہیں۔ لیکن اس اشک شوئی کی اصل غرض بھی امراء کے استقلال اور غلبے کو قائم کرنا تھا۔ چنانچہ اشتراکی اثر کے ماتحت بعض مسلمان کہلانے والے علماء نے عربی میں ایسی کتابیں لکھی ہیں، جن میں مسلمان پڑھنے والوں کو اس خیال کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ امیری غریبی کے مسئلہ کو اسلام نے نعوذ باللہ حل نہیں کیا، اور اس مسئلے کے حل کا زمانہ وہ زمانہ ہے جو اب آیا ہے۔ اور اس زمانے میں اس کا حل اشتراکی تحریک کے پاس ہے نہ کہ اسلام کے پاس۔ اسی خیال کے لوگ اسلام کو امراء کی تحریک بتاتے ہیں اور اس کی غریب پروری کو ایک پردہ، جس سے اصل غرض امراء کی حفاظت تھی۔

قطع نظر اس بات کے کہ اسلام نے غریبی امیری کے سوال کا حل کیا ہے یا نہیں اور اگر کیا ہے، تو کیا۔ میں سردست یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ابتدائی اسلامی سوسائٹی کی

لہ تاریخ الحرکات الفکریہ فی الاسلام۔ بحوالہ ماہنامہ کتاب "لاہور" ستمبر ۳۲ء۔

جامعیت۔ وہ کسی ایک طبقے پر مشتمل نہ تھا اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ اسلامی تحریک ایک طبقاتی تحریک نہ تھی۔ بلکہ صحیح معنی میں انسانی تحریک تھی جس میں انسانوں کے سب طبقوں کے لئے امن اور راحت، نیز ان سب طبقوں کی اخروی نجات کے سامان تھے۔ شروع میں ہی سب قسم کے لوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ مل گئے۔ آپ کی چھوٹی سی مگر روز بروز بڑھنے والی جماعت میں ابوبکرؓ اور عثمانؓ جیسے دولتمند قریشی امراء، بلالؓ اور زیدؓ جیسے غلام اور عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ جیسے سخت نادار اور غریب لوگ تھے۔

اس جامعیت کی شہادت اس کافر سردار نے دی تھی۔ جس نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو طنز کے طور پر یہ کہا تھا۔ کہ تم نے بن بن کی لکڑیاں جمع کر لی ہیں، یہ تمہارے کسی کام نہ آئیں گی۔ اس طنز کا مطلب یہی تھا کہ اگر تم سے لڑائی مول لینی تھی تو کسی ایک طبقے کو ساتھ ملا لیتے۔ یہ کیا کیا کہ تھوڑے تھوڑے آدمی ہر طبقے کے لے لئے۔ اس طرح تم کامیابی کی امید ہرگز نہیں رکھ سکتے۔

ابتدائی اسلامی سوسائٹی کی یہ جامعیت بتاتی ہے، کہ اسلامی تحریک کسی طبقے کی تحریک نہ تھی۔ نہ غرباء کی، نہ امراء، نہ کسی اور طبقے کی، بلکہ ایک ایسی تحریک تھی، جس کی بنیاد انسانیت کے وسیع ترین مفاد پر تھی۔ ایسے مختلف طبقات کے افراد کا ایک جماعت میں جمع ہو جانا بتاتا ہے، کہ ان کو جمع کرنیوالی ایک ہی چیز اور وہ خدا اور دین کی محبت تھی۔ اگر کوئی زر غرض ہوتی، تو واقعی ابتدائی اسلامی جماعت کی تشکیل ایک طبقے کی طرف زیادہ مائل ہوتی۔

اس وقت ایک اشتراکی بیان[۲] میرے سامنے ہے اس میں لکھا ہے۔ کہ:۔

"اسلامی تحریک کے قائد اور اس میں نمایاں حصہ لینے والے عموماً تاجر تھے۔ یہ تاجر ترقی کی امنگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ اور بحیرہ قلزم میں یمنی لوگوں کے تجارتی جہازوں سے انکا مقابلہ رہتا تھا۔ اس تاجر طبقے نے ایک تجارتی

---

[۱] تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۹۲ و ۴۴۳۔

[۲] مسٹر ونفرڈ سمتھ کی ایک براڈکاسٹ تقریر

صنعت کی طرف لگے۔ [illegible] سے اُن کی
[illegible] مشرق کی تجارت [illegible] وہ ہوشیار رہی
سے اُن پر حکومت کرنے لگے۔"

تحقیق کہاں سے کہاں پہنچتا ہے۔ ایک غلط قیاس کو ثابت کرنے کے لئے کئی اور غلط قیاس پیش کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ایک قیاس بحیرہ قلزم میں عربی اور حبشی تجارتی جہازوں کے مقابلے سے متعلق ہے۔ کسی تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ کہیں کوئی ہلکا سا اشارہ ہو تو ہو۔ عربوں کی ساری تجارت خشکی کے راستوں پر ہوتی تھی۔ کوئی جہاز عربوں کے پاس نہ تھا۔ معمولی سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں ہوتی تھیں۔ اور وہ بھی غالباً غیروں کے قبضے میں۔ جن کے ذریعہ وہ کبھی بحیرہ قلزم پار کرکے عرب کے ساحل سے حبش کے ساحل پر جا پہنچتے تھے۔ پھر جب عرب میں کوئی خاص پیداوار ہی نہ تھی تو جہازوں کی تعمیر کے لئے جو اعلیٰ قسم کی لکڑی کی ضرورت ہے وہ کہاں سے آتی تھی؟

تاریخی واقعہ ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ابھی جوان تھے۔ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا لیکن ساری قوم کے پاس اپنے مرکزی معبد کی چھت کے لئے لکڑی موجود نہ تھی۔ اتفاق سے کوئی غیر جہاز ٹوٹ کر ساحل پر آ لگا۔ اور اس کی لکڑی کو قومی چندے سے بمشکل خرید لیا گیا۔ اور اس لکڑی سے کعبہ کی چھت ڈالی گئی۔ جو پھر بھی کم رہی یہاں تک کہ تاریخ میں آتا ہے کہ لکڑی کی کمی کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو چھوٹا کر دیا گیا۔ جس قوم کے سامانوں کا یہ حال ہو۔ اور روم جیسی عظیم الشان سلطنت سے تجارتی یا کسی قسم کے مقابلے کا خیال ہی اپنے دل میں کیسے لا سکتی تھی؟ پھر یہ بھی سوال ہے کہ اگر ان کے پاس جہاز بنانے کے سب سامان موجود بھی تھے۔ تو وہ جہاز بنا کے کہاں تک لے جاتے بحیرہ قلزم تک یا کسی اور سمندر میں لے کیسے جاتے تھے۔ قلزم کے دونوں طرف روم [illegible] ساحل پر حبشہ تھا جو بھی ایک ایجنٹ کی حیثیت رکھتا تھا جو رومی آقا کی تجارت سے ایک ادنیٰ حصہ پاتا تھا۔

ہ سیرت خاتم النبیین حصہ اول مصنفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔

پس جو کوئی بھی دیانتداری سے اس سوال پر غور کریگا، کہ اسلام کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ اُس کو معلوم ہوگا، کہ اسلام کی کامیابی کا ہر مرحلہ ایک اعجازی رنگ رکھتا تھا۔ اور ایک مرحلے کے بعد کوئی نہیں کہہ سکتا تھا، کہ اگلا مرحلہ کیا ہوگا۔ یہاں تک کہ فتح مکہ جس سے اسلام کی کامیابی پر گویا مُہر ثبت ہوگئی۔ وہ خود ایسے اعجازی حالات کے ماتحت ہوئی، کہ کوئی شخص نہ تھا، نہ دوستوں میں نہ دشمنوں میں جو ایک روز پہلے بھی یہ بتا سکتا کہ مکہ فتح ہونیوالا ہے[۵]۔ اور اصل بات تو یہ ہے۔ کہ فتح مکہ کے باوجود دشمن مسلمانوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ کیونکہ جب ایران پر پہلا حملہ مسلمانوں نے کیا ہے۔ تو ایرانی جرنیل نے اُن سے لڑنا اپنی ہتک خیال کیا تھا۔ اور بیس بیس روپیہ فی کس مسلمانوں کو دے کر رخصت کرنا چاہا تھا۔ ایسے لوگوں کو رومیوں سے مقابلے کا خیال اور ان کو فتح کرنیکا خیال کیسے آسکتا تھا؟

اصل بات یہ ہے، کہ جو لوگ ایسی قسم کے قیاسات دوڑاتے ہیں، وہ بعض ضمنی علامتوں کو زیادہ اہم بنا لیتے ہیں یا اپنا خیال ثابت کرنے کے لئے اُن علامتوں کو آڑ بنا لیتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں غلاموں کو آزاد کیا گیا۔ آنحضرت صلعم نے خود اور آپؐ کے بعد آپؐ کے خلفاء نے باوجود بادشاہ ہونے کے غریبوں کی سی زندگی بسر کی۔ ہاں بعد میں چند ہوشیار لوگ اپنے سابقہ رسوخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض عہدوں پر پہنچ گئے۔ اس سے اسلامی تحریک تجارتی اور سیاسی تحریک نہیں بن سکتی۔ ان لوگوں کو کسی تحریک کی اصل علامتوں اور اس کی ضمنی علامتوں میں امتیاز کرنیکی اہلیت نہیں۔ میں نے ایسے ہی ایک شخص کے سامنے یہ بات رکھی، کہ ہمارے زمانے میں یورپین لوگوں نے دُنیا بھر میں اپنے پَیر پھیلائے ہیں۔ کوئی شخص ان کے پھیلاؤ کو تجارتی یا سیاسی اغراض کے علاوہ کسی اور غرض کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ حالانکہ ایسی علامتیں بھی موجود ہیں جن سے یہ پایا جاتا ہے، کہ گویا یہ پھیلاؤ مذہبی اغراض کے ماتحت اور کسی مذہب کی اشاعت کے لئے ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں یورپین قومیں، یورپین فاتح یا یورپین تاجر جاکر آباد ہوئے ہیں، وہاں یورپین پادری بھی جا پہنچے ہیں۔ بعض بڑے بڑے سیاسی

---

۵ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۵۳ و ۶۷۰۔

عہدیدار پادریوں یا پادریوں کے بیٹے رہے ہیں۔ اور انہوں نے عیسائیت کی مذہبی تبلیغ کو فروغ دینے کے لئے اور دوسرے مذاہب کے مقابلے کے لئے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور جو مشہور سوانح عمری آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مصنف ہے۔ یو۔پی کا گورنر تھا۔ مدراس میں ایک عیسائی مشنری کالج کا پرنسپل لارڈ مسٹن کا بھائی تھا۔ پنجاب کے گورنر سر ایڈورڈ میکلیگن پادری خاندان سے تھے۔ اور بھی کئی ایسی مثالیں ہیں کئی عہدیدار پادریوں کے قریبی رشتہ دار نہیں تو پادریوں کے گہرے دوست ہو گذرے ہیں۔ باوجود اسکے کوئی نہیں جو یہ کہے کہ یورپین تحریک کوئی مذہبی تحریک ہے کیونکہ ان کے تمام کاموں میں بڑی غرض تجارت اور سیاست ہوتی ہے۔ اسی طرح ابتدائے اسلام کی ترقی ایک دینی ترقی تھی۔ اس تحریک کے اہم نتائج بھی دینی تھے بیشک اسلام کو اللہ تعالےٰ نے حکومت اور سیاست بھی دی۔ اور بہت جلدی دی لیکن اس حکومت اور سیاست سے اسلام کی روحانی اغراض اور اسلام کا روحانی مغز اور اس کے روحانی نتائج کبھی نظر سے اوجھل نہیں ہوسکتے۔ اور اس کا ثبوت اسلام کی وہ روحانی فتوحات ہیں جو اسلام کی سیاست اور حکومت کے ختم ہونے کے باوجود اب تک قائم ہیں۔ اسلام چین میں پھیلا اور وہاں کوئی اسلامی سلطنت نہ تھی۔ افریقہ کے شمالی حصے کو چھوڑ کر باقی علاقوں میں پھیلا اور وہاں ابھی کوئی سلطنت نہ تھی۔ مشرق بعید کے بے شمار جزائر میں پھیلا اور وہاں بھی اسلامی سلطنت قائم نہیں ہوئی۔ وہاں عرب تاجر بے شک گئے، وہ تجارتیں آخر مٹ گئیں، لیکن مسلمان نہ مٹے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کوئی تجارتی یا سیاسی تحریک نہ تھی، بلکہ ایک روحانی تحریک تھی جس کے روحانی اثرات آج تک قائم رہے[۵]۔

اصل جواب ہر ایسے خیال کا جو ابتدائے اسلام کو تاجروں یا امراء کی تحریک بتاتا ہے۔ یہ ہے، کہ اسلام نے جو تعلیم دی ہے اس میں امیری غریبی کے فرق کو اور ہر قسم کی عدم مساوات کو کچل دیا گیا ہے۔ اگر یہ تحریک امراء کی تحریک تھی، تو اس میں امراء کو جو نفع اور جو فائدہ غرباء کے مقابلے میں حاصل ہوتا اور ہوسکتا تھا اس کی حفاظت کیوں نہیں کی گئی؟ اور اسکے بجائے

[۵] کتاب پریچنگ آف اسلام مصنفہ سر تھامس آرنلڈ۔

امراء پر تقسیم قسم کی پابندیاں کیوں لگا دی گئی تھیں؟

ہمارے امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے [illegible] میں اپنی کتاب [illegible] میں سب سے پہلی مرتبہ اسلام کی یہ امتیازی تعلیم پیش کی ہے کہ اس میں [illegible] سود کی ممانعت سے اور وراثت کے قانون سے دولت کی وسیع تقسیم سرمایہ کو مناسب حدود کے اندر رکھنے۔ امراء کو ظلم سے روکنے اور محنت سے روپیہ کمانے پر مجبور کرنے کے سامان کئے گئے ہیں۔ اس وقت سے اشتراکی خیال کے لوگ جن کا یہ دعویٰ ہے کہ غربی کا حل کسی مذہب کے پاس نہیں۔ نہ اسلام کے پاس نہ کسی اور مذہب کے پاس۔ اور عیسائی نقاد جو یہ کہتے ہیں کہ شریعت لعنت ہے بلکہ جو مذہب کسی قسم کی پابندی عائد کرتا ہے، وہ بھی روحانیت میں روک بنتا ہے۔ وہی عیسائی اس نئے دور میں یہ محسوس کرتے ہوئے کہ پابندیوں کے بغیر ظلم کی روک تھام نہیں ہو سکتی، اسلامی تعلیم کی جامعیت پر انگشت بدنداں ہیں۔ اور اس کے مقابلے کے لئے نئے حیلوں[1] کی تلاش میں ہیں۔ چنانچہ وہ یہ کہتے ہیں، کہ سود کی ممانعت اور زکوٰۃ کا حکم ابتدائی عیسائیوں میں بھی رائج تھا۔ لیکن اس قسم کے قانون موجودہ صنعتی دور میں نہیں چل سکتے۔ بیشک اس صنعتی دور کی کچھ زائد ضروریات ہیں۔ اور ان زائد ضروریات کو بھی اسلام میں پورا کیا گیا ہے لیکن کوئی یہ کہہ کر کہ سود کی ممانعت ابتدائی عیسائیوں میں رائج تھی اسلام کی تعلیم کی عظمت کو کم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ابتدائی عیسائیوں میں سود کی ممانعت جو کچھ بھی تھی، وہ تورات کے اس حکم کے ماتحت تھی کہ تو اپنے بھائی سے یعنی کسی اسرائیلی سے سود نہ لے۔ لیکن اسلامی تعلیم کی بنیاد انسانیت پر ہے۔ اور اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے، کہ اسلام شروع سے ایک عالمگیر انسانی نظام تھا کیونکہ جس اقتصاد کا اثر اخلاق پر پڑنے والا تھا، اس میں اسلام نے مسلمان اور غیر مسلمان کے امتیاز کو نہیں مانا۔ اور جہاں تک موجودہ صنعتی دور کی مخصوص ضروریات کا تعلق ہے، ہمارے امام ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وصیت کی تحریک کو دنیا کے آئندہ نظام کا حصہ قرار دیکر موجودہ زمانے کی تاریخ میں ایک زبردست [illegible] کر دیا ہے۔ اسلام پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے، کہ اس میں نسل انسانی کی ضروریات کے مطابق ایک [illegible]

---

[1] کتاب "ماڈرن اسلام اِن انڈیا" مصنفہ ولفرڈ سمتھ [illegible]

پس ہم [illegible] دیکھتے ہیں کہ جماعت احمدیہ کے ذریعہ اسلامی تعلیم کے ماتحت اقتصادی [illegible] کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مومنوں کے لئے نئی اقتصادی ذمہ داریوں کا باب کھول گیا ہے۔ اور اب جو اقتصادی ذمہ داریاں مومنوں کے لئے کچھ طوعی اور کچھ جبری مقرر ہو چکی ہیں۔ وہ ایک ایسا خوبصورت اور ایک ایسا کامل اقتصادی نظام پیش کرتی ہیں، کہ دنیا کا اور کوئی نظام اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اصل بات یہ ہے کہ دنیا کے باقی نظام سب اپنی بنیاد جبر پر رکھتے ہیں۔ مگر اسلامی نظام ایک حد تک جبر کرتا ہے۔ لیکن اس سے آگے جبر کے بغیر فرد کی روح کو ابھار کر اس کی بشاشت کو قائم رکھتے ہوئے اس سے سوسائٹی کی خاطر قربانی کرواتا ہے۔ ایسی ہی قربانی اپنے اقتصادی، اخلاقی اور روحانی نتائج کے لحاظ سے ہزار درجے اس جبری قربانی سے بہتر ہے جو اشتراکی لوگ افراد سے کروانا چاہتے ہیں۔ غرض اسلامی تعلیم شروع سے لیکر اب تک عدم مساوات کو کچلنے والی رہی ہے اور جماعت احمدیہ نے جو نئی اقتصادی ذمہ داریاں مومنوں کے لئے تجویز کی ہیں، اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اسلامی تعلیم میں وہ لچک اور پھیلاؤ بھی موجود ہے، جس کے نہ ہونے کی وجہ سے مذہبی تعلیموں کو عموماً قابلِ اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ ایسی تعلیم جس کا اثر ابتداء سے لے کر اب تک عدم مساوات کے لئے مہلک ثابت ہوا ہو کیسے ایک ذی اثر اقتصادی طبقے کی تحریک کہلا سکتی ہے؟ پس یہ کہنا غلط ہے، کہ اسلام امراء کی تحریک تھی۔

(۴)

لیکن اسلام کے مخالفوں کے کچھ اور قیاس بھی ہیں۔ جن کو اِس زمانے میں بہت شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اور جن سے ان مخالفوں کا مقصد یہ ہے، کہ اگر ایک قیاس کچا ثابت ہو تو دوسرا نکالا جائے۔ اور اگر وہ بھی کچا ثابت ہو تو تیسرا۔ سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا جاتا۔ اس غرض سے نہیں، کہ اگر اس میں کوئی بات ہمارے فائدے کی ہوگی تو ہم اس سے لے لیں گے۔ بلکہ اس غرض سے کہ جس طرح بھی ہو اسلام کو [illegible] حالات کا [illegible] ثابت کیا جائے۔ ان دوسرے قیاسات میں سب سے زیادہ پیش پیش مشہور [illegible] کا قیاس ہے۔ جسے ایک عرصہ تک اسلام کے ہر یہ مخالف [illegible]

سے بعض تو یہاں تک کہتے رہے ہیں، کہ تاریخ دُنیا میں آج تک سب سے بڑا انکشاف جو
ہوا ہے، پرنس کیتانی کا وہ قیاس ہے جو اس نے ظہور اسلام کے متعلق پیش کیا ہے
یہ قیاس جغرافیائی حالات کے ماتحت اسلام کی آمد اور اس کی بعد کی اشاعت کو بیان کرتا
ہے۔ کیتانی کے نزدیک :-

"عرب پر خشکی کے کئی دَور پہلے آچکے ہیں۔ ایک زمانہ تھا، کہ عرب سرسبز ملک
تھا۔ لیکن پر خشکی کے دَور کے بعد عرب باہر نکلنے اور دوسرے زرخیز ملکوں پر قبضہ
کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ظہور اسلام بھی دراصل ایک ایسا ہی دَور تھا۔ اور محمد (صلعم)
نعوذ باللہ کوئی خدا کے رسول نہ تھے، بلکہ عرب قوم کے لیڈر تھے، جو موقعہ کو تاڑ کر
اپنی لیاقت کیوجہ سے آگے نکل آئے تھے۔"

یہ مخصوص یورپین قیاس ہے۔ اور اس پر بے اختیار یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ

فکرِ ہر کس بقدر ہمتِ اوست

یورپین قومیں زمین کی بھوک سے لاچار، ہر قوم کو اپنے جیسا سمجھ رہی ہیں۔ اور
چونکہ ان کی اپنی ذہنیت ملکی اور نسلی حدود سے بالا نہیں ہوتی، اس لئے کسی اور
قوم کو بھی وہ اس قابل نہیں سمجھ سکتیں، کہ وہ کبھی ایسے خیال کو لے کر اُٹھے جس سے
ملکی اور نسلی حدود کا قلع قمع ہو۔ اور جس کا مرکزی نقطہ کسی ایک نسل کی بہبودی نہ ہو،
بلکہ ساری نسلِ انسانی کی بہتری اور بہبودی ہو۔ اس یورپین ذہنیت کے مطابق اسلام
بھی ایک عرب تحریک تھی۔ اسلام کو عرب تحریک بتانے والے کئی یورپین مصنف ہیں۔
بلکہ یورپین مصنفین میں یہ بات بطور فیشن کے مانی اور بیان کی جاتی ہے۔ کہ اسلام
عربوں کی قومی تحریک تھی۔ بدقسمتی سے اسی فیشن کی اتباع کئی ناواقف مسلمان بھی کرتے
ہیں۔ اور اسلام کا اصل امتیاز بھول گئے کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے خدا کی کامل ترین تعلیم
تھی، اور آنحضرت صلعم اس تعلیم کے حامل اور اس کے سکھانے والے تھے۔ اسلام کا یہ
امتیاز بھول کر وہ بھی متعصب یورپین مصنفین کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ یورپین
مصنفین اسلامی تحریک کو عرب تحریک اسلامی تہذیب اور تمدن کو عرب تہذیب اور تمدن

---

[1] کتاب (اطالوی) "تاریخ اسلام" مصنفہ پرنس کیتانی بحوالہ مسیحی رسالہ مسلم ورلڈ جلد ۹ ص ۲۹۔

اسلامی کلچر کو عرب کلچر، اسلامی تاریخ کو عرب تاریخ بتاتے ہیں[1]۔ حالانکہ اسلام میں صرف عرب ہی شامل نہ ہوئے تھے۔ بلکہ اور کئی قومیں اس میں شامل ہوئیں۔ اسلام میں یونانی شامل ہوگئے، اس میں شامی شامل ہوئے، اس میں ایرانی شامل ہوئے، اس میں مصری شامل ہوئے، اس میں بربر شامل ہوئے۔ ان مختلف قوموں نے اسلام کو قبول کیا۔ انہوں نے اسلام کی محبت کی خاطر عربی زبان بھی سیکھی۔ لیکن نہ عرب خانہ بدوشوں، نہ عرب شہریوں کی کوئی عادتیں اخذ کیں۔ بعد میں افریقہ کی کئی قومیں اسلام میں شامل ہوئیں۔ پھر ترک بھی اسلام میں شامل ہوئے۔ یورپ کے جنوب اور وسط میں بسنے والی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں۔ سپین کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہندوستان، چین اور مشرق بعید کی قومیں اسلام میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے حسب توفیق عربی زبان کو بھی اپنایا۔ لیکن مخصوص عرب عادات کو اخذ نہ کیا۔ ان دور افتادہ اور بالکل مختلف قوموں میں کیا اشتراک تھا؟ صرف یہی کہ وہ ایک مذہب اور اس مذہب کے سکھلائے ہوئے تمدن کے پابند تھے۔ پس اسلام کوئی عربوں کی نسلی یا ملکی تحریک نہ تھی۔ باقی یہ افسانہ[2] جو کیتانی نے گھڑا ہے، کہ عرب اپنے ملک کی خشکی سے اور بھوک سے تنگ آکر اس زمانے میں نکل پڑے تھے۔ ممکن ہے، کہ ایسے دَور پہلے بھی عرب پر آئے ہوں۔ اور ظہور اسلام کے وقت میں بھی ایسا کوئی دَور آیا ہو۔ اگر یہ درست ہے، تو ماننا پڑتا ہے، کہ بھوک اور خشکی کے پہلے دَوروں میں عربوں نے کسی مذہب اور کسی تہذیب کی بُنیاد نہیں رکھی۔ لیکن ظہور اسلام کے وقت ایک عالمگیر مذہب اور عالمگیر کلچر کی بُنیاد رکھی۔ یہ کیوں ہوا؟ اگر یہ فرق محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی وجہ سے نہ تھا، تو اور کس وجہ سے تھا؟ کیا بھوک سے عربوں کا باہر نکلنا، اور ایک عرب سلطنت کی بُنیاد رکھ دینا کافی نہ تھا؟ ساتھ ہی اتنے بڑے اور دوست دشمن کے نزدیک مسلّم طور پر عظیم الشان مذہب کی بُنیاد کیوں رکھی گئی؟ کیا دُنیا کی تاریخ میں اور بھی کوئی ایسی مثال ہے، کہ بھوک اور خشکی سے مرتی ہوئی قوم نے کسی عالمگیر مذہب کی بُنیاد رکھی ہو؟ پھر اگر اسلام کی ابتدائی جنگیں اسی بھوک سے

---

[1] آکسفورڈ یونیورسٹی کا تازہ پمفلٹ عربوں کے متعلق۔ مصنفہ پروفیسر گب۔
[2] پروفیسر حتی نے اپنی کتاب "تاریخ عرب" میں کیتانی کا مفصل رد لکھا ہے۔

بھوک کے ماتحت تھیں تو کوئی اشارہ صاف یا ضمنی طور پر اس بات کی طرف اُن جگہوں کی تاریخ میں ہونا چاہیئے۔ لیکن ایسا کوئی اشارہ تاریخ میں موجود نہیں۔ پھر دُنیا میں اور بھی خشک ملک ہیں، اور جگہ بھی بھوک اور پیاس ہے۔ کیا وہاں کے باشندے بھی اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور آس پاس کے ملکوں کو فتح کر لیتے اور انہیں ایک نئے مذہب اور ایک نئے تمدن کا ہدیہ بھی دیتے ہیں؟

تجربہ تو یہ بتاتا ہے، کہ مذہب اور تمدن تو کجا ایسے ملکوں کے باشندے ایسے مریل اور مایوس اور پست اور کمزور ہو جاتے ہیں، کہ وہ جھٹ کسی کی غلامی میں آجاتے اور اسی ذلت میں اپنی خیر سمجھتے ہیں۔ پھر اس وقت عرب میں ایک اچھی خاصی تعداد حبشیوں کی بھی پائی جاتی تھی۔ اور سوال یہ ہے، کہ جب عرب میں اس وقت بھوک اور فاقوں کے سوا اور کچھ تھا ہی نہیں، تو یہ غیر ملک کے لوگ عرب میں کیا لینے گئے تھے؟

لیکن اصل اور بڑا سوال یہ ہے، کہ اسلام محض ایک موومنٹ نہ تھی، جو ترقی کرتی گئی، بلکہ ایک مدعیٔ نبوت کا ظہور تھا، جس کی بعثت سے پہلے پُرانی کتابوں میں پیشگوئیاں موجود تھیں اور جس نے خود ایسی پیشگوئیاں کیں، جو اسلام کی ترقی کے ساتھ ساتھ پوری ہوتی گئیں۔ کیا جغرافیائی اور نسلی اور ملکی تحریکوں میں پیشگوئیوں کے سلسلے بھی ہُوا کرتے ہیں؟ پھر کیا یہ یاد نہیں، کہ ملکی اور نسلی تحریکوں میں ساری قوم اور اُن کے سارے قائد بلکہ نسلی اور ملکی جذبات کو اُبھارا کرتے ہیں۔ ایسی اپیلوں کے بغیر کوئی نسلی یا ملکی تحریک معمولی ترقی بھی نہیں کر سکتی۔ کجا یہ کہ وہ ایک عالمگیر سلطنت کی مالک بن جائے۔ اور دُنیا کے ایک بڑے حصے کو اپنی غلامی میں لے لے۔ لیکن جب اسلام کا پیغام عرب قوم کو سُنایا گیا، تو اس کا پہلا اثر کیا ہُوا؟ یہی کہ ایک زبردست افتراق اور فساد پڑ گیا۔ ایک ایک کنبہ اور ایک ایک قبیلہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ مومن اور کافر کا امتیاز قائم ہو گیا۔ اور ایک زبردست خانہ جنگی کی بنیاد پڑ گئی۔ اور کیا یہی وہ وقت نہ تھا جبکہ قریش کے لیڈروں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعے[۱۵] ایک وفد کی صورت میں درخواست کی تھی، کہ قومی اتحاد کی خاطر وہ اپنی تعلیم کو ذرا نرم کر دیں اور

---

۱۵ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۴۴۔

بلکہ عرب کے آبائی عقائید کو بھی لحاظ کریں ۔ دور کیا اس ادنیٰ سی رعایت کے بدلے میں انہوں نے عرب کی سرداری کا وعدہ نہ کیا تھا ؟ اگر محمد الرسول اللہ صلعم محض عرب قوم کے لیڈر تھے ۔ اور انکو بھوک اور پیاس سے نجات دلوا کر عربوں کو ہمسایہ زرخیز ملکوں کے مالک بنانا چاہتے تھے ، تو انہوں نے عرب اتحاد پر کیوں اُٹھتے ہی تبر رکھ دیا ۔ اور اگر وہ کچھ اپنی باتیں منوانا ہی چاہتے تھے ، تو قریش لیڈروں کی یہ پیشکش کیوں قبول نہ کی ؟ کیا عرب نفوذ اور عرب ترقی کے لئے عرب اتحاد ہر چیز پر مقدم نہ تھا ؟ آج جرمنی کے قومی اتحاد کی خاطر جرمن لیڈر عیسائیت کو چھوڑ کر جرمنی کا کوئی قدیم ملکی مذہب[1] دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں ۔ لیکن محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک عجیب عرب لیڈر تھے جنہوں نے اچھا خاصا عرب مذہب چھوڑ کر ایک ایسے نئے مذہب کی بُنیاد ڈالی جس سے ملک میں تفرقہ ہی تفرقہ پڑ گیا ۔ اس میں کوئی شک نہیں ، کہ ابتدائی مسلمانوں کا آپس میں والہانہ اتحاد تھا ، لیکن اس اتحاد کی بُنیاد کسی نسلی یا ملکی جذبے پر نہ تھی ، بلکہ ایک اعتقاد اور ایک تعلیم پر تھی ۔ اس میں عرب اور غیر عرب کے امتیاز کو مٹا دیا گیا تھا ۔ دُنیا کی تاریخ میں کوئی اور مثال کسی لیڈر کی ایسی نہیں ، سوائے اس کے کہ وہ کسی سچے مدعی نبوت کی ہو ، کہ اس کے آنے سے اس کی قوم میں اندرونی اور بیرونی جنگ چھڑ گئی ہو ۔ اور جس نے اپنی قومی جمعیت کو اپنی تائید میں نہیں بلکہ اپنے مخالف اکسایا ہو ۔ اور جس نے اپنی قوم کے قومی جذبے کو اُبھارنے کے بجائے کچل ڈالا ہو ۔ اور وہ پھر کامیاب ہو گیا ہو ۔ جب عرب اسلامی جنگوں میں شامل ہوتے ، تو ان میں سے ایک بھی یہ نہ سمجھتا ، کہ وہ عرب کے لئے جنگ کر رہا ہے ۔ وہ یہی سمجھتا کہ وہ اسلام کے لئے ، یعنی ایک خیال کے لئے ، ایک تعلیم کے لئے ، ایک عالمگیر انسانی نظام کے لئے مدافعانہ جنگ کر رہا ہے ۔ اور پھر یہ بھی دیکھئے ، کہ قرآن شریف کی ایک آیت بھی تو ایسی نہیں ، جس میں عربوں کو مخاطب کیا گیا ہو ۔ بار بار انسانوں ، مومنوں ، کافروں ، منافقوں یا پہلی قوموں کو مخاطب کیا گیا ہے ۔ سو یہ جغرافیائی قیاس جو کیتانی نے پیش کیا ہے یہ بھی ایسا ہی بے بُنیاد ہے جیسا کہ اشتراکیوں کا اقتصادی قیاس ہے ۔

(۵)

صرف ایک [illegible] گیا ہے [illegible] کیفیت سے [illegible]

---

[1] تفرقہ [illegible]

قیاس ہے ، اور وہ یہ ہے ، کہ تاریخ بڑے آدمیوں کی بنتی ہے ۔ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے آدمی تھے ۔ اس لئے انہوں نے ایک بڑی تحریک کی بنیاد ڈالی ۔ یہاں پھر سوال ہے ، کہ کیا بڑے آدمیوں کے آگے اور پیچھے پیشگوئیاں بھی ہوا کرتی ہیں ؟ اور کیا وہ اپنے مخصوص دعاوی کو دُنیا سے منوا بھی لیا کرتے ہیں ؟ محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی یہ نہیں کہ آپؐ کا ساتھ دینے والوں نے ایک سلطنت بنالی بلکہ آپؐ کی کامیابی یہ ہے ، کہ دُنیا آپؐ پر ہنسی کرتی رہی ، آپؐ کا مقابلہ کرتی رہی ، آپؐ کو حقیر جانتی رہی لیکن آپؐ نے پہلے سے اپنی کامیابی ، یعنی اپنی تعلیم ، اپنے مقاصد کی کامیابی کی پیشگوئی کر رکھی تھی ۔ اور پھر دُنیا نے آپؐ کی اسی پیشگوئی کے مطابق آپؐ کے مخصوص دعاوی کو مانا اور آپؐ کی اطاعت اختیار کی ۔

پھر دُنیا کے کس قانون کے مطابق یہ ضروری ہے ، کہ اگر محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم آکر اپنے زمانے میں کامیاب ہو جائیں ، تو بعد میں ایک عرصہ تک کامیاب لیڈروں اور جانشینوں کا سلسلہ بھی جاری رہے ، یہاں تک کہ مُدتوں پہلے کی ہوئی پیشگوئیاں پوری ہو جائیں ۔ الٰہی تحریکوں میں تو ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی بھی چین کا وقت نہیں آتا ۔ کبھی بیرونی فتنہ سر نکالتا ہے تو کبھی اندرونی[1] ۔ ہر وقت بیم و رجا کی سی حالت رہتی ہے ۔ اور دشمن آخیر تک یہی سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں ، کہ تحریک کامیاب نہ ہوگی لیکن ابتلاؤں کا ایک لمبا سلسلہ آخر کامیابی میں مترتب ہوتا ہے ۔ اور دشمنوں کی ساری امیدیں خاک میں ملجاتی ہیں ۔ پھر کیا ایسے بڑے آدمی بھی دُنیا میں کبھی ہوتے ہیں ، جو کامیابی تو ساری اپنی لیاقت ، اپنی قوت اور صحت فیصلہ کی وجہ سے یا اپنے سامانوں یا ماننے والوں کی قربانی کیوجہ سے حاصل کرتے ہوں ۔ لیکن منسوب کسی اور طرف کرتے ہوں ۔ موجودہ جنگ میں ہی دیکھ لو ، جدھر بھی کامیابی ہوتی ہے ، اس کو سامانوں کی طرف ، لیڈروں کی لیاقت کی طرف کسی اہم فیصلہ کی صحت اور اس کے بروقت صادر ہو جانے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجیب بڑے آدمی ہیں ، کہ اپنے اندر بڑائی کی ساری علامتیں پاکر بھی اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے ، اپنے تمام کام خدا کے فضل کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں ۔ اور باوجود کامیابی

---

[1] تقریر "اسلام میں اختلافات کا آغاز"۔

پر کامیابی حاصل کرنے کے ایسا ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ یہ امر نفسیاتی طور پر محال ہے کہ ایک شخص کو کامیابیاں تو اپنی وجہ سے ہوتی ہوں، لیکن وہ منسوب کسی اور کی طرف کرتا رہے۔ اور پھر جب وہ پے درپے کامیاب ہو رہے تھے، اگر سامان دشمن کے مقابلے میں حقیر اور نہایت حقیر ہوتے تھے، لیکن متواتر کامیابیوں سے انکو اپنی طاقتوں پر پورا اعتماد حاصل ہونا چاہئے تھا، پھر بھی وہ اپنے آپ کو خدا کا ہتھیار ہی سمجھتے رہے اور اس سے زیادہ کبھی کچھ نہ سمجھا؟ شلہ پھر انکو کیا ضرورت تھی، کہ وہ رسالت کا دعویٰ کرتے۔ جبکہ وہ ایسی طاقتیں رکھتے تھے جو خود ہی اپنی قوم کو اوج ترقی پر لیجا سکتے تھے۔ کیا انہوں نے رسالت کا دعوےٰ کرکے ایک خواہ مخواہ کی ذمہ واری اور ایک خواہ مخواہ کا بوجھ اپنے سر نہ لے لیا تھا؟ اور اپنے آپ کو اور اپنی ساری تحریک کو خطرے میں نہ ڈالا تھا؟ کیونکہ اس میں کیا شک ہے، کہ اگر وہ بغیر رسالت کا دعوےٰ کئے اپنی قوم کی قیادت شروع کرکے ناکام ہو جاتے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاتا، کہ وہ ایک ناکام لیڈر تھے۔ لیکن رسالت کا دعوےٰ کرکے اگر وہ ناکام ہو جاتے تو پھر وہ ناکام لیڈر ہی ثابت نہ ہوتے بلکہ ساتھ ہی نعوذ باللہ جھوٹے بھی ثابت ہو جاتے۔ ایک ہوشیار اور ذکی انسان نے جیسا کہ عموماً محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ان کو سمجھتے ہیں، اس زائد خطرے میں اپنے آپ کو کیوں ڈالا؟ کیا ان بیہودہ قیاسات سے صاف ثابت نہیں ہوتا، کہ دشمن کے سب قیاسات جھوٹے ہیں اور محمد الرسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اور اسلام کی ساری تاریخ نہ صرف آپؐ کی لائی ہوئی تعلیم کی صداقت کا ثبوت ہے، بلکہ خود اُس تعلیم اور اُس تعلیم کے بھیجنے والے یعنی خدا تعالےٰ کی خدائی کا بھی ثبوت ہے؟

شلہ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۹۔

سرسیّد کے تفہیمات اور اُنکے ہمنوا

کل اور آج

(از جناب محمود احمد صاحب حیدرآباد دکن)

یہ ایک مسلّمہ اصول ہے، کہ جب کسی قوم کی زندگی ختم ہوجاتی ہے، اور وہ زندہ بحالتِ مُردہ ہوتی ہے، تب دُنیا کی قوموں کو ترقی کرتے دیکھتی اور اپنے آپ کُڑھتی ہے۔ اب اگر اس قوم میں زندہ ہونے کی صلاحیت باقی ہو، تو وہ پھر ایک بار اُس آدمی کی طرح جو سوتا ہے، دن نکلنے پر جاگ اُٹھتی ہے، اور سرما کی خُفتہ کلی کی مانند موسم کے ہٹتے ہی شگفتہ ہوجاتی ہے اسناتی حالت کو چھوڑ کر نمو جاری کرلیتی، اپنی کمزوریوں کو چھوڑتے ہوئے دوبارہ آئین اور اصول پر گامزن ہوکر زندگی کا ایک اور سانس لیتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی زندگی کے سارے منازل طے کرچکی ہو تو اپنے وجود سے سطحِ زمین کو پاک کرتی اور حرفِ غلط کی طرح مِٹ جاتی ہے۔

گری ہوئی قوموں کے لئے ترقی کے دو ہی اصول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے قدیم قانون اور قومی تعلیم پر عمل پیرا ہوں۔ یا دوسرے یہ کہ ان کو ناقص تصوّر کرتے ہوئے "خیرباد" کہہ کر ہمعصر ترقی یافتہ اقوام کی رِیس کریں اور اپنے طریقِ ماسبق کو چھوڑ کر ان کا راستہ اختیار کریں اور اپنی خوف کی حالت کو امن سے تبدیل کرلیں۔

اِنہی اصولوں پر اقوام و ملل کاربند ہوتی ہیں۔ اور ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے بامِ اوج پر پہنچ جاتی ہیں۔ لیکن یہ ایک عجیب بات ہے، کہ پسماندہ اقوام جب کبھی بھی دوسرے اصول کو اختیار کرتی ہیں، تو اپنی شرمندگی کو چھپانے، اپنے قومی مراسم اور تعلیمات کو ہم عصر ترقی یافتہ اقوام کے رنگ میں رنگین کرلیتی ہیں۔ اس طرح وہ ہر بات میں انکی نقال تو ہوتی ہیں، مگر اپنی "میراث" کو بھی برائے نام باقی رکھتی ہیں۔ تا غیر اقوام کو ان پر ہنسی اور استہزاء کا موقعہ نہ ملے۔ دراصل ان اقوام کی مثال اُس بندر کی سی ہوتی ہے جو دکان پر بیٹھے کسی کو اصلاح بناتے دیکھکر اور نائی کے اُجرت حاصل کرنے کو جانے پر اُسترا جھیلے تو اپنی ناک، مُنہ اور کان کاٹ لے اور حجّام کو آتے پاکر اُسترا جو بندر کے ہاتھ میں ہے تو

انگلیاں بھی کٹ جائیں۔

افسوس! کہ بد قسمتی سے یہی حال مسلمانوں کا ہوا۔ اُن کے قومی انحطاط اور ادبار نے اُن کو مختلف طور پہ متاثر کیا۔ کبھی انہوں نے خیال کیا، کہ اب ہماری قوم مُردہ ہو چکی ہے، تو کبھی انہوں نے خیال کیا، کہ صالح عمل اور پاک تعلیم اب اُس کی ترقی کا ذریعہ نہیں۔ کیونکہ اس کی موجودگی کے باوجود وہ بجائے زندگی کے موت کی طرف رُخ کر رہی ہے۔ غرض مختلف دماغ مختلف خیالات کا شکار ہوئے، تو مختلف طبائع مختلف طور پر متاثر ہوئیں۔ آہ! انہی خیالات نے بہت سے مسلمانوں کو عیسائیت کا شکار بنایا تو بہتوں کو آریت اور دہریت کا غلام۔ اور وہ جو کبھی اس گھر کا چراغ تھے، وہ غیروں کا شمع بنے۔ انہی خیالات میں قید ایک طبقہ ان مسلمانوں کا تھا، جو گھر کو نہ چھوڑنا چاہتا تھا، اور خود گمراہ ہوتے ہوئے بھی دوسروں کو راہ بتانے کی ناقابلِ امکان کوشش کر رہا تھا۔ مگر کن اصولوں سے؟ اُن سے جو اُن کے خود ساختہ یا پھر غیروں کے مستعار۔ یہ اسلامی مکتبِ خیال سے کوسوں دُور، مغرب زدہ خیالات کے بندے، ہر طرف جھانکنے والے، کونے تلاش کرنیوالے، غیروں میں "اسلام" کی آن قائم کرنیوالے، مگر بباطن بے عزتی کا سامان بہم پہنچانے والے تھے۔ سر سید احمد خانصاحب بانی مبانی علی گڈھ کالج انہی چند لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے حالاتِ زمانہ کو دیکھکر اسلامی تعلیم اور اس کے بُنیادی عقائد کی، اپنے خیالات کے ماتحت توجیہ کی۔ اور بظاہر مضبوطی بخشی، لیکن بباطن اسلام کی بیخ پر کلہاڑی چلادی۔ نہ صرف اپنے کو بد کیا، بلکہ اسلام کو بُرا کیا اور نہ اپنی آخرت خراب کی، بلکہ بہتوں کو تباہ کیا، اور سب سے بڑھکر اسلام کی تباہی چاہی۔ سیّد صاحب نے چند ایک مغربی تعلیمیافتہ اشخاص کو دیکھکر، اُن کے خیالات کے پلٹنے کو دیکھکر، زمانہ کا اثر قبول کیا، اور عقائدِ اسلامی کو مغربیت کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا۔ اور اسلامی تعلیمات کی بُنیادوں کی اپنے غلط در غلط خیالات سے تاویل کی۔ اور خدا کی پناہ اتنا بھُس بھُسا کر دیا، کہ تعلیم اسلامی ان کے ہاں ایک کھلونا بنکر رہ گئی۔ جس طرح مغرب کی مادی اقوام خدا کو درحقیقت نہیں مانتیں، اور اس کے وجود کی انکاری ہیں، اور باوجود اس کے کہ پھر بھی "خدا" "خدا" ضرور کہتی ہیں۔ خود ان اقوام کے وہ اشخاص جنکے ہاتھوں میں حکومت ہے، ان کا کہنا ہے کہ درحقیقت وجودِ باری نہیں، لیکن "خدا" "خدا" کہنا۔ رعیت کو خدا کے فرضی نام پر ذہنی غلامی کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ اس طرح حکومت کرنے میں خدا

کا فرضی عقیدہ ایک ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو عوام کو جرائم سے روک کر حکومت کے لئے سہولت کا باعث بنتا اور لوگوں کے لئے ایک بندش ہوتا ہے۔ گویا کہ خدا کا عقیدہ ایک سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح سرسید نے اسلام کا حال کر دیا۔ خدا کی پاک وحی کو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ذہنی خیالات اور خود ساختہ عبارات قرار دیا۔ اور یہی حال دعا، تقدیر، قدرت الٰہی اور ملائک کا کر دیا۔ اور خیال کرنے لگ گئے، کہ مغربی تعلیمیافتہ نوجوانوں کے لئے انکی تاویلات کارگر ہونگی، اور معترضین اسلام کے لئے بھی ایک بہتر جواب ثابت ہوں گی۔

سچ ہے، کہ جب گھر کچھ خراب ہوا تو اُس کو ٹھیک نہ کر لیا گیا۔ بلکہ ہمسائے کو دھوکہ دینے اور اپنی آن قائم رکھنے کے لئے مقابل کی عالیشان کوٹھی کے دربان سے چُونا لیا اور "کالی مسجد" پر چُونا چڑھایا، تا اپنی پُرانی عمارت بھی زیب و زینت میں کم نہ رہے۔ اس طرح سید موصوف نے غیروں کو تو کیا خود کو دھوکا دیا۔ اور جو تھوڑے بہت عقائد درست تھے، وہ بھی ذل سے دھو دیئے۔ اپنی زندگی تباہ کی اور دوسروں کی آخرت برباد۔ وہ مسلمانوں کی راہنمائی اور رہبری کرنا چاہتے تھے۔ گرتی قوم میں احساس بیداری پیدا کرنا چاہتے تھے۔ گو وہ دُنیوی ارادوں میں ایک حد تک کامیاب رہے، لیکن مسلمانوں کی اصلاح کا عظیم الشان کام کسی اور کے لئے مقدر تھا۔ سید موصوف اس طرف خیال نہ کرتے تو بہتر تھا۔ کیونکہ خدا نے مسلمانوں کی حالت پر ترس کھا کر رحم فرمایا۔ اسلام کی حفاظت کے لئے ایک شخص کو کھڑا کیا۔ مسیح کو بھیجا تا وہ مُردوں کو زندہ کرے۔ آسمان سے نور نازل کیا، تا دلوں کی تاریکی دُور ہو، اور مائدہ کا انزال کیا، تا وہ اُن کے لئے کفیل ہو۔ اور اسلام کے لئے آبِ حیات برسایا، تا اُس کی حیات ابدی ہو جائے۔ پر بدقسمت قوم نے اس طرف رُخ نہ کیا، اور خود اُس "سید" نے اس طرف آنکھ نہ اُٹھائی، کہ اپنے کو زندہ رکھتا۔ جو دوسروں کو زندہ کرنیکی ناممکن سعی کر رہا تھا۔ بھلا مُردہ کہیں مُردے کو زندہ کر سکتا ہے؟

گو سید صاحب کے غلط تعلیمات کی اُن کے حامیوں نے بڑی تائید کی، مگر سچ ہے کہ اُن کی تعلیمات فضولیات سے بڑھکر نہ تھیں۔ اور آج جبکہ پچاس سال کا عرصہ بھی گذرنے نہیں پایا، کہ اُن کے ہمنوا مسلمان اور ہاں میں ہاں بھرنے والے جو اُنہی کے کالج کی پیداوار ہیں، اُن کے خلاف خیالات ظاہر کر رہے ہیں۔ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ کا عبرتناک ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں رسالہ "معارف" اعظم گڑھ

نے حسب ذیل عبارت ماہ اکتوبر کے شذرات میں شائع کی ہے:۔

"درحقیقت مذہب کو موسمی ہواؤں یعنی زمانہ کے تغیر پذیر خیالات کا پابند بنانا بڑی اصولی غلطی ہے۔ اس لئے یہ ہوائیں تو برابر بدلتی رہتی ہیں۔ اور ہر پچیس، تیس سال کے بعد خیالات اور نقطہ نظر بدل جاتے ہیں۔ مذہب کہانتک ان کے ساتھ قالب بدلتا رہے گا۔ ادھر چند ہی برسوں کے اندر اندر خیالات میں کتنے مدوجزر ہو چکے ہیں۔ ایک زمانہ میں مذہب کو مغربی خیالات اور جدید علوم و فنون کے مطابق ڈھالنا بڑی فخر کی بات اور ترقی پسندی کی معراج سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آج اس کی حیثیت ایک مضحکہ انگیز کوشش سے زیادہ نہیں ہے۔ اس دور کے ایک قریب العہد بزرگ جو علی گڈھ کالج کے پُرانے "ممتاز تعلیمیافتہ اور صوبہ کے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہیں، اپنے عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں علامہ اور سر سید احمد خان وغیرہ سے خفا ہوں، کہ انہوں نے جزمِ ایمان میں تذبذب پیدا کر دیا۔ بلا سے تھوڑے سے مسلمان بددین ہو جاتے اسلام تو بد نہ ہوتا۔ اس لٹریچر نے سخت نقصان پہنچایا۔ اب پچاس برس کے بعد مغرب جو کچھ بول رہا ہے۔ وہ عین اسلام ہے۔ مگر اس وقت کی مغربی ذہنیت پر اسلام کو منطبق کرنے کی فکر میں نہ معلوم کہاں سے کہاں اسلام کو پہنچا دیا، اور ان کے اعقاب اب اور خطرۂ ایمان بن گئے ہیں۔ والحمد ﷲ نحن برائٌ من ذٰلک"

دیکھیئے! کہ ایک تہائی صدی کے اندر نقطۂ نظر اور خیالات میں کتنا عظیم فرق ہو گیا۔" (معارف صفحہ ۲۴۴ سنہ ۴۳ء اکتوبر)

ناظرین غور فرمائیں۔ کہ سیّد موصوف کے متعلق اور اُن کی تعلیمات کے متعلق اُن کے ہی گھر کے ایک آدمی کا خیال کیا ہے۔ زمانہ کا اصول ہی یہی ہے۔ کہ ابن الوقت کی قدر ہو۔ لیکن وقت گذرنے پر اُس کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ اِس کے ساتھ ہی ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ "ان ممتاز تعلیمیافتہ" "اعلیٰ عہدہ پر ممتاز" بزرگ نے یہ تو ٹھیک فرمایا ہے کہ سیّد صاحب نے اسلام کو بَد کیا۔ مگر یہ کہاں صحیح ہے کہ "اب پچاس برس کے بعد مغرب جو کچھ بول رہا ہے وہ عین اسلام ہے" افسوس! کہ خود اپنے اسی

وقت میں سید صاحب کو ڈھتے ہوئے اپنے کو بھی بدل لیا۔ اگر سید صاحب نے اس وقت کی مغربی ذہنیت ۔ اسلام کو منطبق کرنے کی فکر میں نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیا" تو آپ نے بھی اس وقت کے مغرب کے "جو کچھ بول" کو "عین اسلام ہے" کہہ کر اپنے کو سید صاحب سے حائل کر دیا۔ اور جس طرح سید صاحب کے "اس وقت کی مغربی ذہنیت پر اسلام کو منطبق کرنے" کے "اعقاب" "آپ اور خطرۂ ایمان بن گئے ہیں" کیا تھوڑے عرصہ کے بعد آپ کے اس قول "اب پچاس برس بعد مغرب جو کچھ بول رہا ہے وہ عین اسلام ہے" کے اعقاب" اور خطرۂ ایمان" نہ ہو جائیں گے؟ بریت کا اظہار فرمانے والے کس طرح "نحن براء من ذٰلك" فرما سکتے ہیں؟

نوٹ:۔ آئندہ اشاعت میں "سرسید کے شکوک اور حضرت مسیح موعودؑ" میں ہم ان وساوس کا ازالہ پیش کریں گے +

سُرخ نِشان!

جن خریداروں کی چٹوں پر سُرخ سیاہی کے نشان ہوں، وہ سمجھ لیں، کہ اُنکا چندہ ختم ہو چکا ہوا ہے۔ اور اُن کو اگلا پرچہ بذریعہ وی۔پی بھیجا جائے گا۔ وی۔پی سے قبل بقایا صاف کرنے کی صورت میں وی۔پی روک لیا جائے گا۔ ورنہ وی۔پی کا وصول کرنا تمام خریداروں کا اخلاقی اور قومی فرض ہوگا۔

منیجر

یہودیت

(از حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب)

حسب فرمائش کارکنانِ تحریکِ جدید

فہرست مضامین

مختصر تاریخ یہود

یہود کی تاریخ کی ابتدا در اصل حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہے حضرت ابراہیمؑ ہی کی دعائیں تھیں، جس نے بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کو اس قدر روحانی اور جسمانی ترقیاں عطا فرمائیں۔ اسرائیلیوں کو سب سے بڑا فخر یہی رہا ہے اور اب تک ہے کہ ہم اُن وعدوں کے مصداق ہیں جو خدا تعالےٰ نے برکت اور رحمت کے وعدے حضرت

ابراہیمؑ سے کئے۔

۱۹۰۵ء میں جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دہلی سے واپس آرہے تھے، اور لدھیانہ کے دوستوں کی درخواست پر دو تین روز کے واسطے وہاں قیام ہوا، تو میں اپنے چند احباب کے ساتھ وہاں کے ایک انگریز پادری سے ملنے کے واسطے مشن کمپاؤنڈ میں گیا۔ پادری صاحب بہت اخلاق سے ملے اور ان کی اجازت سے میں نے ان پر یہ سوال کیا، کہ بائیبل سے معلوم ہوتا ہے، کہ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ وعدہ دیا تھا کہ اسمٰعیلؑ کی اولاد میں سے انبیاء اور بادشاہ ہوں گے۔ اور ایسا ہی اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہوں گے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں، کہ حضرت اسحاقؑ کے متعلق جو وعدہ تھا، وہ پورا ہوا۔ انکی اولاد میں انبیاء اور بادشاہ ہوئے، اور بڑی برکتیں پائیں لیکن اب آپ فرمائیے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کے متعلق جو وعدہ تھا، وہ کب اور کس طرح پورا ہوا؟ یہ سوال سُنکر پادری صاحب گھبراہٹ میں کھڑے ہوگئے، اور کہنے لگے، بیشک یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ اسمٰعیلؑ کے متعلق جو وعدہ تھا، وہ محمدؐ صاحب میں پورا ہوا۔ لیکن مجھے اس وقت ایک ضروری کام کے واسطے گرجا جانا ہے، اسلئے معافی چاہتا ہوں۔ یہ کہکر وہ چلے گئے۔

غرض حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں اور برکتوں سے یہود قوم نے بھی بہت فائدہ حاصل کیا۔ اس لئے یہ سمجھنا چاہیئے، کہ یہودیوں کی ابتداء دراصل حضرت ابراہیمؑ ہی سے ہے۔ لیکن یہود کا لفظ یعقوبؑ نبی کے بیٹے یہودا سے لیا گیا ہے۔ یہودا عبرانی لفظ ہے، اور اس کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ یہودیوں کو عبرانی بھی کہتے ہیں۔

یہ نام دراصل حضرت ابراہیمؑ کو دیا گیا تھا۔ جبکہ وہ اپنے باپ دادا کے ملک کو چھوڑ کر کے کنعان کو چلے گئے۔ اس سبب سے وہ عبرانی کہلاتے تھے۔ اور اُن کی اولاد اور اُن کی زبان کو آج تک عبرانی کہا جاتا ہے۔

یہود کا ایک نام بنی اسرائیل بھی ہے۔ کیونکہ وہ سب اسرائیل کے بیٹے ہیں۔ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا الہامی نام ہے۔ اور اس کے معنے ہیں خدا کا پہلوان۔ عبرانی زبان میں اللہ کے واسطے ایل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی عبادت گاہ کو بیت ایل کہتے ہیں جسکے لفظی معنی ہیں بیت اللہ۔ یورپین زبانوں میں یہودیوں کو جیو Jew کہا جاتا

ہے۔ اس لفظ جُو کا استعمال کشمیر میں بھی بعض قبیلوں کے ناموں میں پایا جاتا ہے۔ اور عموماً بڑے اور معزز لوگوں کے ناموں کے ساتھ جو کا لفظ بطور عزت کے بڑھایا جاتا ہے۔

بارہ قبیلے

حضرت یعقوبؑ نبی کے بارہ بیٹے تھے، جو کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرح ملک کنعان میں آباد تھے۔ اُن میں سے چوتھے کا نام یہودا تھا۔ چونکہ یہودا کی اولاد کو ظاہری سلطنت اور شوکت بہت حاصل ہوئی۔ اس لئے تمام بنی اسرائیل کو لوگ یہودی کہنے لگے اور آجتک ایسا ہی مشہور چلا آتا ہے۔ بائیبل میں ابتداءً سب جگہ ان کو بنی اسرائیل کہا گیا ہے۔ مگر آخر میں وہ یہودی بھی کہلانے لگے۔ جیسا کہ کتاب استر باب دو میں ان کو یہود کہا گیا ہے۔

حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف جب مصر میں فرعون کے پاس بڑے معزز عہدوں پر حاکم ہوگئے۔ اور قحط کے سبب یعقوب نبی اور اس کے سب بیٹوں کو کنعان چھوڑ کر مصر میں جاکر بود و باش اختیار کرنی پڑی۔ تو کئی سو سال تک یہودی لوگ اُس ملک میں ایک کافر بادشاہ کی ماتحتی میں رہے۔ جو اُن کو بطور غلام کے رکھتا۔ اور اُن سے مزدوری کا کام لیتا۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے اُنہی یہودیوں میں سے ایک شخص موسیٰ نام کو مبعوث کیا۔ جو اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے چھڑا کر واپس ابراہیمؑ کے ملک میں لے آئے۔ جہاں غیر قوموں سے جنگ کے بعد یہودیوں نے فتح پائی اور ان کی سلطنت قائم ہوئی۔ اور کئی صدیوں تک یہودیوں میں نئے انبیاء اور بادشاہ پیدا ہوتے رہے۔ لیکن بالآخر اُن کی بداعمالیوں کے سبب وہ سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی۔ حضرت مسیح ناصریؑ کی پیدائش کے وقت یہود کی قوم اور اُن کا ملک کنعان اور فلسطین سب رومی سلطنت کے ماتحت تھے۔ اُس وقت تورات کی پیشگوئیوں کے مطابق یہود منتظر تھے، کہ اُن میں ایک مسیح پیدا ہوگا، جو اُن کو پھر غیروں کی غلامی سے چھڑا کر یہودیوں کی سلطنت قائم کردیگا۔ یہ وعدہ روحانی رنگ میں حضرت مسیح ناصریؑ کے ظہور سے پورا ہوا۔ اور روحانی و جسمانی دونوں رنگوں میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پورا ہوا۔ لیکن ان وعدوں کے وارث وہ لوگ ہوئے جنہوں نے اپنے وقت کے نبی کو قبول کیا۔ اور ان میں کثرت سے یہودی بھی شامل تھے۔ لیکن جو یہودی پہلے حضرت مسیح ناصریؑ کے منکر ہوئے اور بعد میں حضرت

خاتم النبینؐ کے منکر ہوئے وہ سب ہمیشہ ذلت و ادبار میں پڑے رہے۔ اور اب تک پڑے ہوئے ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں جہاں انسانی مساوات کے بڑے قوانین پاس ہوئے ہیں، اور بظاہر یہی کہا جاتا ہے، کہ ہمارے ملک کے عیسائی اور یہودی برابر حقوق رکھتے ہیں، وہاں بھی عملی رنگ میں یہودیوں کو ہر قسم کی ذلت پہنچتی رہتی ہے۔ اس کا تازہ نمونہ ہٹلر نے دکھایا ہے۔ جس نے تمام یہودیوں کو ناحق اپنے ملک سے نکال دیا اور اُن کی جائیدادیں اور مال چھین لئے۔ اس وقت دُنیا بھر میں یہودیوں کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے، اور وہ سب عموماً ہر جگہ ایک ذلت کی حالت میں رہتے ہیں اور اسی طرح گذارہ کرتے ہیں۔

تاریخِ یہود کے بعض اہم واقعات

سنہ ۵۸۶ قبل مسیح۔ بابل کے بادشاہ نے یہود کو بابل میں نظر بند کر دیا۔
سنہ ۵۳۸ " یہود کی بابل کی نظر بندی سے آزادی اور یروشلم میں واپسی۔
سنہ ۵۳۸ " تا سنہ ۳۳۲ قبل مسیح یہود ایرانی سلطنت کے ماتحت۔
سنہ ۳۳۲ " یہود پر سکندر اعظم کی حکومت۔
سنہ ۳۲۰ " یہود پر مصری بادشاہ کی حکومت
سنہ ۶۳ " یہود پر رومی حکومت کا آغاز
سنہ ۷۰ عیسوی۔ ٹائی ٹس نے یروشلم کو تباہ کر دیا۔ اور یہود کو اُن کے وطن سے خارج کر دیا

مشہور مؤرخ یہودیوں کا سب سے بڑا مؤرخ جوزی فس گذرا ہے، جو مسیح ناصریؑ کے زمانہ کے قریب گذرا ہے۔ اُس کی تصنیف کردہ تاریخی کتاب کو بہت معتبر سمجھا جاتا ہے۔

شریعت یہود یہودیوں کی شریعت کی بُنیاد وہ دس احکام ہیں، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طُور پر اللہ تعالےٰ نے عطا فرمائے تھے۔ یہ دس احکام یہودی لوگ اپنے معبد کے دروازوں پر بھی لکھتے ہیں۔ اور گھروں پر بھی لکھکر لٹکائے رکھتے ہیں۔ یہ دس احکام درج ذیل ہیں:۔

۱۔ سوائے خدا کے تو کسی کی عبادت نہ کر۔

۲۔ تُو اپنے لئے کوئی مُورت یا کسی چیز کی صُورت نہ بنا۔ تُو اپنے تئیں اُنکے آگے نہ جھکا۔ اور نہ اُن کی عبادت کر۔

۳۔ تُو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ مت لے۔

۴۔ تُو سبت کے دن کو پاک رکھ۔ چھ دن تو محنت کر کے اپنا کام کاج کر لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے، اسمیں کچھ کام نہ کر۔

۵۔ تُو اپنے ماں باپ کی عزت کر تاکہ تیری عمر دراز ہو۔

۶۔ تُو خون نہ کر۔

۷۔ تُو زنا مت کر۔

۸۔ تُو چوری مت کر۔

۹۔ تُو اپنے پڑوسی پر جھُوٹی گواہی مت دے۔

۱۰۔ تُو اپنے پڑوسی کی جورو اور اُس کے غلام اور اُس کی لونڈی اور اُس کے بَیل اور اُس کے گدھے اور اُس کی کسی چیز کا لالچ مت کر۔

یہ دس احکام ہیں ۔ ان کے علاوہ شریعت کے دیگر احکام موسیٰ کی پانچ کتابوں اور صُحفِ انبیاء میں تفصیلاً درج ہیں۔

لفظ یہوواہ یہود میں اللہ تعالیٰ کا ایک اسم اعظم جس کو زبان پر لانا جائز نہیں سمجھتے۔ جب تک کہ خاص غسل اور روزہ اور عبادتوں سے وہ اپنے آپ کو پاک نہ کرلیں۔ وہ نام یہوواہ ہے ۔ مگر اس میں بھی اختلاف ہے ۔ گو اس لفظ کا تلفظ یہوواہ ہے یا یاوِیہ ہے۔ اگرچہ بائیبل میں ہر جگہ یہوواہ لکھا ہوتا ہے، مگر پڑھنے میں آدوناۓ پڑھتے ہیں۔ جسکے معنے ہیں میرا خداوند۔ ایک اور عام نام الوہیم بصیغۂ جمع ہے جس کے معنے ہیں معبود۔ تعظیم کے طور پر جمع کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ورنہ یہود عموماً عقیدۃً پکے موحد ہیں۔

زبانیں یہودیوں کی مقدس زبان عبرانی ہے ۔ اور اُن کی مقدس کتابیں سب اسی زبان میں ہیں ۔ اب تک یورپ، امریکہ، ہندوستان، چین، جہاں کہیں بھی تھوڑے یا زیادہ یہودی آباد ہیں۔ عبرانی زبان میں ہی نمازیں ادا کرتے ہیں اور اسی زبان میں اُن کی مقدس کتابیں لکھی اور پڑھی جاتی ہیں۔

مرورِ زمانہ سے ہر زبان میں کچھ نہ کچھ تغیر لب ولہجہ میں اور الفاظ کے معانی اور الفاظ کی بناوٹ میں ہوتا رہتا ہے۔ جیسا کہ آج سے تین سو سال پہلے کی پنجابی سے اب موجودہ پنجابی اس قدر فرق رکھتی ہے۔ کہ ہم اس کو اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے۔ آج سے تین سو سال پہلے کی انگریزی کو آج کے انگریز سمجھ نہیں سکتے۔ بغداد اور مصر اور مکہ کی موجودہ عربی ایسی بن گئی ہے۔ کہ ایک مولوی فاضل جس نے عربی صرف کتابوں سے پڑھی ہو اور موجودہ اہل زبان سے ملنے کا اسے اتفاق نہ ہوا ہو۔ اُن کی زبان کو سمجھ نہیں سکتا۔ ایسا ہی عبرانی زبان میں بھی اِس قدر تغیرات ہوتے رہے۔ کہ چند صدیوں کے بعد گویا ایک نئی زبان بن گئی جنکو آرامی اور کالدانی اور سریانی کہتے ہیں۔ یہ زبانیں عبرانی سے نکلیں اور یہودی اِن کو استعمال کرتے رہے۔ لیکن ان کی مقدس زبان عبرانی ہی رہی۔ یورپ اور امریکہ میں جو یہودی کئی صدیوں سے آباد ہیں انہوں نے اپنے خانگی استعمال کے واسطے ایک نئی زبان ایجاد کرلی ہے۔ جس کو یدش کہتے ہیں۔ یدش زبان عبرانی حروف میں لکھی جاتی ہے۔ اِس میں کچھ الفاظ یورپین زبانوں کے اور کچھ عبرانی زبان کے ہوتے ہیں۔ پھر ہر ایک مُلک کی یدش جُدا ہے۔ انگلستان اور امریکہ کی یدش میں انگریزی کے الفاظ کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اور رُوس کی یدش میں رُوسی الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں۔

عبرانی زبان میں صرف ۲۲ حروف ہیں۔ جو بترتیب حروف ابجد عربی کی طرح دائیں سے بائیں طرف لکھے جاتے ہیں۔ اور ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت پر مشتمل ہیں۔ ثخذ، ضظغ کے حروف عبرانی میں نہیں آتے ہیں۔ اعداد بھی انہی حروف کے ذریعہ سے ظاہر کئے جاتے ہیں۔ ا سے مراد ایک۔ اور ب سے مراد دو۔ وقس علیٰ ہذا۔ آخری حرف ت کے عدد چار سو ہوتے ہیں۔

مذہبی تیوہار

یہودیوں کے بڑے بڑے مذہبی تیوہار یہ ہیں:۔

۱۔ سبت (روز شنبہ) یہ دن صرف عبادت کے واسطے ہے۔ اس دن تجارت یا کوئی کاروبار کرنا، یا گھر میں آگ جلانا اور کھانا پکانا بھی منع ہے۔

۲- عید فسح- اپریل میں جسکو عیسائی لوگ اب ایسٹر کہتے ہیں۔ مصر کی غلامی سے نکلنے کی یادگار میں یہ عید منائی جاتی ہے۔

۳- نئے پھل کے پکنے کی عید۔

۴- عید کفارہ- اس عبادت سے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (ماہ ستمبر میں)

۵- دوسرے فصل کی عید- ماہ اکتوبر میں۔

۶- عید پوریم- اخیر فروری میں۔

قرآن شریف میں یہود کا ذکر

چونکہ قرآن شریف ابتداءً عربوں پر نازل ہوا، اور عربوں کے ذریعہ سے تمام دُنیا پر پہنچا، اس واسطے طبعاً انبیاء سابق میں سے بنی اسرائیل کا بہت ذکر قرآن شریف میں درج ہے۔ کیونکہ عرب بنو اسمٰعیل تھے، جو بنی اسرائیل کے بھائی تھے۔ جب میں لنڈن میں تھا، تو مجھے ایک دفعہ راستہ میں ایک فلسطینی یہودی عالم ملا۔ اس نے میرا ایشیائی لباس دیکھکر خیال کیا کہ میں اس کا ہم قوم و ہم مذہب ہوں۔ اور دُور سے ہی مجھے عبرانی میں کہا۔ ھتو یہوداہ (کیا تو یہودی ہے)۔ میں نے جواب دیا۔ آنی یشموعیل (میں اسمٰعیلی ہوں)، پھر اس نے کہا۔ بنو عمنا۔ ہمارے چچا کا بیٹا ہے۔ اس قریب کے رشتہ کے سبب یہود کے حالات قرآن شریف میں بہت درج ہیں۔ اور وہ سب بطور مثال اور عبرت کے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں پر بھی ایسے ہی واقعات آنیوالے تھے۔ جیساکہ یہود پر آئے۔ اور حضرت خاتم النبیین رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسےٰؑ کے مثیل تھے۔ اور جیسا کہ یہود میں ایک مسیح پیدا ہوا، اور انہوں نے اس کا انکار کیا، اور اس انکار کے سبب دُنیا میں ذلیل ہوگئے۔ ایسا ہی معاملہ مسلمانوں کو بھی پیش آنا تھا۔ کہ اُن کے درمیان اُن میں سے ایک مسیح پیدا ہونیوالا تھا جس کا انکار اُن کے لئے قومی ذلت و ادبار کا موجب ہونیوالا تھا۔ اس واسطے یہود کے واقعات کثرت سے قرآن شریف میں درج ہیں۔ مثلاً بنی اسرائیل نے انبیاء کا انکار کیا، اور اُن کے قتل کے درپے رہے۔ موسےٰؑ کی بات نہ مانی۔ مسیح کو صلیب پر چڑھوانے کے منصوبے کئے۔ مشرکین کے بتوں کی پوجا کرنے لگے۔ سبت کے معاملہ میں نافرمانی کی۔ بی بی مریمؑ پر ناحق کے الزام لگاتے۔ انکی سودخوار

دوسروں کے حقوق کا تلف کرنا، خدا تعالےٰ سے عہد باندھکر اُسے توڑ دینا، یہود کے دلوں کی سختی، اُن میں بادشاہوں اور نبیوں کا پیدا ہونا، فرعون کے ہاتھوں سے یہودیوں کا بچنا، پھر ناشکری کرنا، اُن کی منافقت اور کفر۔ غرض قوم یہود کے مفصل حالات قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اور وہ مسلمانوں کے واسطے راہنمائی اور عبرت کا موجب ہیں +

یہودیت اور اسلام

چونکہ یہ ہر دو مذہب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو ابتداءً عطا کئے گئے اور انکی پیدائش کے مقامات یعنی عرب اور فلسطین ایک دوسرے کے ساتھ ملحق ہیں۔ اس واسطے اُن کی آپس میں بہت سی مشابہت ہے۔ شریعت کے قوانین بہت سی باتوں میں ایک سے ہیں۔ عقائد بھی بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے، کہ یہود کی کتب مقدسہ میں بہت سی ایسی پیشگوئیاں ہیں جن سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے بعض خلفاء کا بھی ذکر اُن کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

لطیفہ:۔ بمبئی میں ایک یہودی تھے، جو عبرانی زبان کے بہت ماہر تھے، اور یونیورسٹی کے امتحانوں میں زبان عبرانی کے ممتحن ہوا کرتے تھے۔ جب میں نے بی۔ اے کے امتحان میں عبرانی زبان لی، تو میرے پرچے دیکھنے کے واسطے اُن کو ہی بھیجے گئے تھے۔ تب سے میری اُن سے واقفیت اور خط وکتابت کا تعلق اُن کی وفات تک رہا۔ میں جب کبھی بمبئی جاتا اُن کے ساتھ ضرور ملاقات رہتی۔ ایک دفعہ میں نے اُن کو تبلیغ کی، کہ وہ دین اسلام کو قبول کریں۔ میری گفتگو انہوں نے خندہ پیشانی سے سُنا اور ہنس کر کہنے لگے، کہ آپ ہمیں یہودی ہی رہنے دیں، کیونکہ اس میں بھی دین اسلام کا ایک فائدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہم اُن کتب مقدسہ کے حامل ہیں جن سے اسلام کی سچائی کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہم انبیائے سابقین کی پیشگوئیوں کو اُن کی اصل زبان میں محفوظ رکھتے ہوئے پُشت در پُشت چلے آتے ہیں۔ اگر یہ کتابیں ہمارے پاس نہ ہوں اور مسلمان انکو چھاپیں اور شائع کریں تو پھر ان پیشگوئیوں کی وہ وقعت نہ رہے گی جو اب ہے۔ اس لئے ضروری ہے، کہ یہودی قوم کے علماء بھی دُنیا میں موجود رہیں، اور اسی

اپنے رنگ میں اسلام کی خدمت بجالاتے رہیں۔

اسلام اللہ کا دین ہے اور وہ اپنے اجراء اور قیام کے واسطے کسی یہودی عالم کا محتاج نہیں۔ لیکن اِس میں بھی شک نہیں، کہ اِن مقدس کتابوں کا ایک غیر قوم کے پاس محفوظ ہونا اور اُن میں پیشگوئیوں کا ذکر ہونا ہمارے مبلغین کو بہت کچھ امداد پہنچاتا ہے۔

بڑا فرق

یہودیت اور اسلام میں بڑا فرق یہ ہے، کہ یہودیت ایک قومی مذہب تھا۔ اور اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ اگرچہ دوسری قوموں کو یہودیوں نے اِس رنگ میں اپنے اندر جذب کیا، کہ جو غریب اور کمزور لوگ اُن کے ملک میں رہ گئے، وہ رفتہ رفتہ نامعلوم طریقے سے یہودیوں میں جذب ہو گئے۔ لیکن جیساکہ آجکل کے عیسائی اور مسلمان اپنے مبلغین کو غیر ملکوں اور قوموں میں بھیجکر اُنہیں اپنے مذہب میں شامل کرنیکی کوشش کرتے ہیں، اِس طرح یہود نے کبھی نہیں کیا۔ اور اُن کی سلطنتوں کے ضائع ہونے اور یروشلم کی تباہی کے بعد جبکہ وہ غیر ملکوں میں تتر بتر ہو گئے، تب سے تو وہ یہی غنیمت سمجھتے ہیں، کہ اُن کی ہستی کسی طرح دُنیا میں قائم رہے۔

یہودیوں کی مقدس زبان عبرانی بھی ایک مُردہ زبان ہو چکی ہے۔ جو اب کہیں بولی نہیں جاتی۔ ایک نئی تحریک کے بعد جو صیہونی تحریک کہلاتی ہے، یہ کوشش کی جارہی ہے کہ فلسطین میں جو یہودیوں کی نئی بستیاں اب بنائی گئی ہیں وہاں عبرانی زبان بولی جایا کرے۔

یہود کی کُتبِ مقدسہ میں پیشگوئیاں

یہودیوں کی کُتبِ مقدسہ میں حضرت رسول کریم محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے بعض خلفاء کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں صاف اور واضح الفاظ میں درج ہیں۔ حضرت خاتم النبیین کا نام "محمد" پرانے عہد نامے" کی کتاب غزل الغزلیات کے باب ۵ آیت ۱۶ میں موجود ہے۔ اِس اور دیگر پیشگوئیوں کے واسطے مفصلہ ذیل حوالہ جات کا مطالعہ کرنا طالبِ حق کے واسطے بہت مفید ہوگا۔

۱۔ دعائے ابراہیم جو اسمٰعیل کے حق میں تھی۔ (کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰) (کتاب پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۱) اور (کتاب پیدائش باب ۱۵ آیت ۱۸)

اس آخری حوالے میں مصر اور فرات کے درمیان ملک عرب کا ذکر ہے اور پیدائش باب ۱۷ آیت ۸) میں یہ ذکر ہے، کہ زمین کنعان برگزیدوں کے قبضہ میں رہے گی۔ چنانچہ چودہ سو سال تک مسلمان وہاں کے بادشاہ رہے۔

۲۔ کتاب استثناء باب ۱۸ آیت ۱۷ تا ۲۲۔ مثیل موسےٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشگوئی ہے۔

۳۔ استثناء باب ۳۳۔ اس میں خدا تعالےٰ کا فاران کے پہاڑ میں تجلی کرنا لکھا ہے۔ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے ہُوا۔

۴۔ عرب کی بابت الہامی کلام یسعیاہ باب ۲۱ آیت ۱۳۔

۵۔ یسعیاہ باب ۴۲ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق چودہ نشانیاں دی گئی ہیں۔

۶۔ کتاب غزل الغزلیات باب ۵ آیت ۹ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام محمدیم۔ عبرانی زبان میں "یم" جمع کی علامت ہے۔ جو اظہار ادب کے لئے لفظ محمدؐ کے ساتھ لگا دی گئی ہے۔

۷۔ دانیال نبی کی کتاب میں بنوکد نضر بادشاہ کی خواب میں اسلامی سلطنت کے قیام کی پیشگوئی ہے۔

۸۔ زبور باب ۱۱۸۔ آیت ۲۲ میں حجر اسود کا ذکر ہے۔

۹۔ حیقوق باب ۳۔ آیت ۳ میں آنحضرت صلعم کا نام احمدؐ بتایا گیا ہے۔

۱۰۔ حجّی نبی کی کتاب میں باب ۲۔ آیت ۶ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا ذکر ہے۔

۱۱۔ یسعیاہ باب ۴۱ میں لکھا ہے، کہ "اور کس نے صادق کو مشرق سے مبعوث کیا" یہ پیشگوئی حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ہے۔

۱۲۔ دانیال نبی نے باب ۱۲۔ آیت ۱۵ میں ایک ایسی پیشگوئی کی ہے۔ جو حضرت خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعودؑ اور خلیفۃ المسیح الثانی ہر سہ کے

متعلق ہے۔

طالمود میں پیشگوئی

یہودیوں کی حدیث کی کتاب طالمود ہے۔ جس میں اہلِ اسلام کی کتب حدیث کی طرح صرف وہی اقوال نہیں لکھے گئے، جو حضرت موسےٰؑ نے فرمائے، بلکہ موسےٰؑ کے بعد کے انبیاء اور دیگر بزرگوں کے اقوال اور احوال بھی اس میں درج ہیں۔ یہودیوں کی حدیث کی کتابیں ایک حد تک اہلِ تشیع کی کتبِ احادیث کی طرز پر ہیں۔ ان میں اس قسم کی احتیاط نہیں کی گئی جیسا کہ اہلِ سُنّت والجماعت کی کتب احادیث میں صرف رسولِ پاک حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں کو درج کیا گیا ہے۔

طالمود میں بعض پیشگوئیاں بھی ہیں۔ جن میں بالخصوص حضرت مسیحؑ کی آمد اوّل اور آمد ثانی کے نشانات درج ہیں۔ طالمود کی حدیثوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت مسیحؑ اپنی آمد اوّل میں چنداں کامیاب نہیں ہوں گے۔ اور شادی نہیں کرینگے۔ اور اُن کی تبلیغ زیادہ تر اپنے ملک اور قوم میں محدود رہے گی۔

لیکن آمد ثانی میں مسیح موعودؑ کو بہت کامیابیاں ہوں گی۔ اور اُن کی تبلیغ سب ملکوں اور قوموں میں پھیلے گی۔ وہ شادی کریں گے اور صاحبِ اولاد ہوں گے۔ اور ان کا بیٹا اُن کے بعد جانشین ہو گا۔ (ملاحظہ ہو طالمود بزبان انگریزی مرتبہ پادری جوزف بارکلے مطبوعہ لنڈن ۱۸۳۸ء Rev. Joseph Barclay)

خالی تراجم کے نقصانات

یہ قرآن شریف کا ایک معجزہ ہے، کہ اس کا اصل اب تک ایسا ہی محفوظ ہے جیسا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اور جن مسلمانوں نے اس کا ترجمہ کیا، اصل کو ساتھ ہی محفوظ رکھا۔ کیونکہ ترجمہ تو ترجمہ کرنیوالے کا خیال ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ درست ہو۔ اور ممکن ہے، کہ غلط ہو۔ توریت کی صورت میں اصل عبرانی تھا اور قرآن شریف کی صورت میں اصل عربی ہے۔ انجیل کا اصل کہیں محفوظ نہیں ہے یہی بات ثابت نہیں ہو سکتا، کہ اصل کس زبان میں تھا کیونکہ

کہ عبرانی میں تھا۔ اور کوئی کہتا ہے، کہ یونانی میں تھا۔ اس واسطے اب کچھ کہہ نہیں سکتے کہ تراجم درست ہیں یا غلط ہیں۔ دُنیا میں جس قدر اشاعت انجیلوں کی ہو رہی ہے وہ کلامِ الہٰی کی اشاعت نہیں ہو رہی۔ بلکہ مترجموں کے خیالات کی اشاعت ہو رہی ہے۔ ہاں قرآن شریف کے ذریعہ سے خالص کلامِ الہٰی کی اشاعت ہو رہی ہے۔ جو عربی زبان میں جیسا نازل ہُوا تھا، ویسا ہی موجود ہے۔

توریت کے متعلق بھی یہود میں یہ روایت مشہور ہے۔ کہ ایک دفعہ تمام توریت گم ہو گئی تھی، پھر کسی نبی نے اُس کو اپنی یاد داشت سے الہاماً لکھا۔ اگر اصل توریت کو دیکھا جائے، تو اب بھی اس میں محمّد کا لفظ موجود ہے۔

لطیفہ امریکہ میں ایک صاحب جو کبھی کبھی میرے لیکچروں میں شامل ہوتے تھے اور حسنِ ظن رکھتے تھے اور عبرانی زبان کے خوب ماہر تھے۔ وہ ایک دفعہ آئے اور کہنے لگے، کہ مَیں نے عبرانی توریت میں آج پڑھا ہے۔ کہ کس نے صادق کو مشرق سے مبعوث کیا۔ یہ ایک پیشگوئی ہے۔ جس میں لکھا ہے۔ کہ صادق مشرق سے مغرب کو اسلام پھیلانے آئے گا۔

مَیں نے اُسے سمجھایا۔ کہ اِس پیشگوئی میں صادق سے مُراد مسیح موعودؑ ہے۔ اور مَیں نے خود یہ پیشگوئی جب یسعیاہ نبی کی کتاب میں پڑھی تھی، تو مَیں نے اُسے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اور حضرت صاحبؑ نے اِسے اپنی ایک کتاب میں درج کیا تھا۔ لیکن یہ ایک عجیب اتفاق ہے۔ کہ اُس صادق مسیح موعودؑ کی طرف سے جو شخص تبلیغ کے واسطے امریکہ سب سے پہلے بھیجا گیا، اس کا نام بھی صادق ہے۔

غرض یہی امر اُس کے واسطے قبولِ اسلام کا موجب ہو گیا۔ لیکن اگر وہ اصل عبرانی کو نہ پڑھتا اور صرف ترجموں کو دیکھتا، تو اُسے کبھی یہ شرف حاصل نہ ہوتا۔

یہود زمانہ حال میں!

فی زمانہ یہودیوں کی آبادی ساری دُنیا پر ۱/۲ ا کروڑ کے قریب ہے جسکی اکثریت یورپ اور امریکہ میں ہے۔ دُنیا میں کسی جگہ یہودیوں کی کوئی سلطنت نہیں ۱۹۱۴-۱۸ء کے جنگِ عظیم کے بعد انگریزوں نے انگلستان کے یہودیوں کی جنگی خدمات کے عوض میں

حسبِ وعدہ فلسطین میں بہت سی نئی بستیاں یہودیوں کو آباد ہونے کے واسطے عطا کیں۔ لیکن وہ حکومتِ انگریزی کے ایسے ہی ماتحت وہاں ہیں، جیسے کہ فلسطین کے دوسرے شہروں کے مسلمان اور عیسائی۔ لیکن اگرچہ یہود کی کوئی سیاسی سلطنت دُنیا بھر میں نہیں، تاہم اُن ملکوں کے یہود اپنی کفایت شعاری، محنت اور ذہانت کے سبب ہر مُلک پر ایک قسم کا مالی اقتدار رکھتے ہیں۔ جس کے سبب تمام دوسری قوموں کو اُن کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ اور اُن کی بات ماننی پڑتی ہے۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں انگلستان میں راتھ چائلڈ، ڈزرائیل، سلیسون وغیرہ اور یورپ میں ڈاکٹر ہرز، ہاس، سپی نوزا، اولڈن برگ، برگسن، آئین سٹائن بہت با اثر یہود گذرے ہیں۔ جن کا سیاسی امور پر بہت غلبہ رہا۔ لیکن ان کی طاقت کی بُنیاد اُن کا مالی اقتدار تھا۔

یورپ، امریکہ میں یہود کی مثال ایک حد تک ہندوستان کے بنیوں اور ساہوکاروں سے ملتی ہے۔ جو اپنے روپیہ کی کثرت کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو اپنا محتاج بنا کر اُن سے جبراً سیاسی امور میں اپنی مرضی منواتے ہیں۔ مثلاً دیکھا گیا ہے، کہ بعض جگہ کونسلوں اور دسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹی کی ممبری کے انتخاب کے وقت ساہوکار لوگ جو ممبر بننا چاہتے ہیں، انتخابی دفتر کے سامنے اپنی بہی کھاتوں کے ساتھ نمائش کرتے ہیں۔ تاکہ اُن کے قرضدار مسلمان ہوں یا ہندو ہوں بہرحال ان کے حق میں ووٹ دیں۔ یہی حال یورپ، امریکہ کے یہود کا ہے۔ لیکن یہود کی اجتماعی کوششیں اسی تک محدود نہیں رہتیں، بلکہ اپنی خفیہ سوسائٹیوں کے ذریعہ سے وہ ملکی سیاسیات میں بہت بڑا حصہ لیتے ہیں۔ اور نامعلوم طور پر اُن کا مالی اقتدار اُن کی قوم کو ہر قسم کے فوائد پہنچاتا رہتا ہے۔ عموماً یورپ، امریکہ کے مدبّرین یہود کے مالی اقتدار اور اُن کی خفیہ سازشوں سے خائف رہتے ہیں، اور ان میں سے بعض کا خیال ہے، کہ یورپ میں جس قدر جنگ اور انقلاب ہوتے ہیں اُن کی تہ میں یہودیوں کا ہاتھ کام کرنیوالا ہوتا ہے۔ اور کہ یہ یہود کی خفیہ حکومت ساری دُنیا پر غالب اور پھیلی ہوئی ہے۔

مذہباً موجودہ یہودی زیادہ تر دہریّت کی طرف مائل ہیں۔ جس کا سبب یہ ہے، کہ جس مسیح کے بادشاہ ہونے اور یہودیوں کی سلطنت دُنیا میں قائم کرنے کی اُمید اُنہیں اپنی کتب مقدسہ کے وعدوں کے مطابق تھی وہ اُمید پُوری نہیں ہوئی جس سے

طبعاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے، کہ وہ کتب قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا
وہ سب جھوٹ نکلا۔ اور اب خطرہ ہے، کہ یہی دہریت مسلمانوں میں بھی پھیلے گی کیونکہ
جس مسیح اور مہدی نے آنا تھا، وہ تو آچکا۔ اور جس کا انتظار وہ کر رہے ہیں اس نے
کبھی ظاہر نہیں ہونا۔ تو یہ مسلمان بھی یہود کی طرح یہ خیال کرنے لگیں گے، کہ کتب
مقدسہ کے سب وعدے جھوٹے ہوگئے۔ اِس واسطے نہ یہ کتابیں مقدس ہیں اور نہ
اِن کا الہام کرنیوالا خدا ہے ✦

هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

ریویو آف ریلیجنز

(ماہنامہ اردو)

مصلح موعود نمبر

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر تبصرہ اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۱۳ | ماہِ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ماہِ اپریل ۱۹۴۴ء | عدد ۴

فہرست مضامین

میں ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق ہوں!

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

حضور نے ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء کو ایک عظیم الشان خطبہ جمعہ میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"آج میں ایک ایسی بات کہنا چاہتا ہوں، جس کا بیان کرنا میری طبیعت کے لحاظ سے مجھ پر گراں گذرتا ہے. لیکن چونکہ

بعض نبوتیں اور الٰہی تقدیریں

اس بات کے بیان کرنے کے ساتھ وابستہ ہیں، اس لئے میں اس کے بیان کرنے سے باوجود اپنی طبیعت کے انقباض کے رُک بھی نہیں سکتا

جنوری کے پہلے ہفتہ میں

غالباً بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات کو (میں نے "غالباً" کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے، کہ میں اندازہ سے یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ وہ بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات تھی۔) میں نے ایک عجیب رؤیا دیکھا۔ میں نے جیساکہ بارہا بیان کیا ہے، غیر ماموریں کو اپنے کسی رؤیا کو بیان کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اور میں خود تو سوائے پچھلے ایام کے جبکہ اس جنگ کے متعلق اللہ تعالےٰ نے بعض اہم خبریں مجھے دیں، بہت کم ہی اپنی رؤیا بتایا کرتا ہوں۔ بلکہ (اللہ بہتر جانتا ہے یہ طریق درست ہے یا نہیں) میں

اپنے رؤیا و کشوف اور الہامات

لکھتا بھی نہیں۔ اور اس طرح وہ خود بھی کچھ عرصہ کے بعد میری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں چنانچہ ابھی لاہور میں مجھے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب نے ایک امر کے سلسلہ میں میرا

ایک بیس پچیس سال کا پرانا رؤیا

یاد کرایا۔ پہلے تو وہ میرے ذہن میں ہی نہ آیا، مگر بعد میں جب انہوں نے اس کی بعض تفصیلات بیان

کیں تو اُس وقت مجھے یاد آگیا، تو میری یہ عادت نہیں ہے، کہ مَیں رؤیا و کشوف بیان کروں لیکن چونکہ اِس رؤیا کا تعلق

بعض اہم امور

سے ہے، نہ صرف ایسے امور سے جو کہ میری ذات سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ ایسے امور سے بھی جو بعض سابق انبیاءؑ کی ذات اور ان کی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف وہ بعض سابق انبیاءؑ کی ذات اور اُن کی پیشگوئیوں سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ آئندہ رونما ہونیوالے دُنیا کے اہم حالات سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے مَیں مجبور ہوں کہ اُس رؤیا کا اعلان کروں۔ اور مَیں نے اس کے اعلان سے پہلے خدا تعالیٰ سے اس بارہ میں دُعا بھی کی ہے اور استخارہ بھی کیا ہے، تاکہ اس معاملہ میں مجھ سے کوئی بات خدا تعالیٰ کے منشاء اور اس کی رضاء کے خلاف نہ ہو۔

وہ رؤیا

یہ تھا، کہ مَیں نے دیکھا، مَیں ایک مقام پر ہوں، جہاں جنگ ہو رہی ہے۔ وہاں کچھ عمارتیں ہیں نہ معلوم وہ گڑھیاں ہیں یا ٹرنچز ہیں، بہرحال وہ جنگ کیساتھ تعلق رکھنے والی کچھ عمارتیں ہیں وہاں کچھ لوگ ہیں جن کے متعلق مَیں نہیں جانتا کہ آیا وہ ہماری جماعت کے لوگ ہیں یا یونہی مجھ اُن سے تعلق ہے، مَیں اُن کے پاس ہوں۔ اتنے میں مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے جرمن فوج نے جو اس فوج سے کہ جس کے پاس مَیں ہوں برسرِ پیکار ہے، یہ معلوم کر لیا ہے کہ مَیں وہاں ہوں اور اس نے اس مقام پر حملہ کر دیا ہے۔ اور وہ حملہ اتنا شدید ہے، کہ اس جگہ کی فوج نے پسپا ہونا شروع کر دیا۔ یہ کہ وہ انگریزی فوج تھی یا امریکن فوج یا کوئی اور فوج تھی اس کا مجھے اس وقت کوئی خیال نہیں آیا۔ بہرحال وہاں جو فوج تھی اس کو جرمنوں سے دبنا پڑا اور اس مقام کو چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ جب وہ فوج پیچھے ہٹی تو جرمن اس عمارت میں داخل ہو گئے جس میں مَیں تھا۔ تب مَیں خواب میں کہتا ہوں دشمن کی جگہ پر رہنا درست نہیں، اور یہ مناسب نہیں کہ اب اس جگہ ٹھہرا جائے یہاں سے ہمیں بھاگ چلنا چاہئے۔ اس وقت مَیں رؤیا میں صرف یہی نہیں کہ تیزی سے چلتا ہوں بلکہ دَوڑتا ہوں میرے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں اور وہ بھی میرے ساتھ ہی دَوڑتے ہیں۔ اور جب مَیں نے دَوڑنا شروع کیا تو رؤیا میں مجھے یوں معلوم ہوا جیسے مَیں

انسانی مقدرت سے زیادہ

تیزی کیساتھ دَوڑ رہا ہوں، اور کوئی ایسی زبردست طاقت مجھے تیزی سے لیجا رہی ہے کہ میلوں میلوں

ایک آن میں میں طے کرتا جا رہا ہوں۔ اس وقت میرے ساتھیوں کو بھی دوڑنے کی ایسی ہی طاقت دی گئی۔ مگر پھر بھی وہ مجھ سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں اور میرے پیچھے ہی

جرمن فوج کے سپاہی

میری گرفتاری کے لئے دوڑتے آ رہے ہیں۔ مگر شاید ایک منٹ بھی نہیں گزرا ہوگا کہ مجھے رؤیا میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ زمین میرے پیروں کے نیچے سمٹتی چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ میں ایک ایسے علاقہ میں پہنچا جو

دامنِ کوہ

کہلا سکتا ہے۔ ہاں جس وقت جرمن فوج نے حملہ کیا ہے، رؤیا میں مجھے یاد آتا ہے کہ کسی سابق نبی کی کوئی پیشگوئی ہے یا خود میری کوئی پیشگوئی ہے اس میں اس واقعہ کی خبر پہلے سے دی گئی تھی۔ اور تمام نقشہ بھی بتایا گیا تھا، کہ جب وہ موعود اس مقام سے دوڑیگا تو اس اِس طرح دوڑیگا اور پھر فلاں جگہ جائیگا۔ چنانچہ رؤیا میں جہاں میں پہنچا ہوں وہ مقام اس پہلی پیشگوئی کے عین مطابق ہے اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ پیشگوئی میں اس امر کا بھی ذکر ہے "کہ ایک خاص رستہ ہے جسے میں اختیار کروں گا" اور اس رستہ کے اختیار کرنیکی وجہ سے

دُنیا میں بہت اہم تغیرات

ہونگے، اور دشمن مجھے گرفتار کرنیمیں ناکام رہیگا۔ چنانچہ جب میں یہ خیال کرتا ہوں تو اس مقام پر مجھے کئی پگڈنڈیاں نظر آتی ہیں۔ جن میں سے کوئی کسی طرف جاتی ہے اور کوئی کسی طرف۔ میں اُن پگڈنڈیوں کے بالمقابل دوڑتا چلا گیا ہوں تا معلوم کروں کہ پیشگوئی کے مطابق مجھے کس کس راستہ سے جانا ہے، اور میرا کس راستہ سے جانا خدائی پیشگوئی کے مطابق ہے۔ ایسا نہ ہو میں غلطی سے کوئی ایسا راستہ اختیار کر لوں جس کا پیشگوئی میں ذکر نہیں۔ اُس وقت میں اُس سڑک کیطرف جا رہا ہوں جو سب کے آخر میں بائیں طرف ہے۔ اس وقت میں دیکھتا ہوں کہ مجھ سے کچھ فاصلہ پر میرا ایک اور ساتھی ہے اور وہ مجھے آواز دیکر کہتا ہے کہ اس سڑک پر نہیں دوسری سڑک پر جائیں۔ اور میں ... نے کہنے پر اس سڑک کی طرف جو بہت دور ہٹ کر ہے واپس لوٹتا ہوں۔ وہ جس سڑک کی طرف مجھے آوازیں دے رہا ہے۔ انتہائی دائیں طرف ہے اور جس سڑک کو میں نے اختیار کیا تھا وہ انتہائی بائیں طرف تھی۔ پس چونکہ میں انتہائی بائیں طرف تھا اور جس طرف وہ مجھے بلا رہا تھا وہ انتہائی دائیں طرف تھی اس لئے میں لوٹ کر اس سڑک کی طرف چلا۔ مگر جس وقت میں پیچھے کی طرف

واپس تھا۔ ایسا معلوم ہوا کہ میں

کسی زبردست طاقت کے قبضہ میں

ہوں، اور اس زبردست طاقت نے مجھے پکڑ کر درمیان میں سے گزرنے والی ایک پگڈنڈی پر چلا دیا۔ میرا ساتھی مجھے آوازیں دیتا چلا جاتا ہے کہ اُس طرف نہیں اِس طرف۔ اُس طرف نہیں اِس طرف۔ مگر میں اپنے آپکو بالکل بے بس پاتا ہوں؛ اور درمیانی پگڈنڈی پر بھاگتا چلا جاتا ہوں۔ (اُس جگہ کی شکل رؤیا کے مطابق اس طرح بنتی ہے)



جب میں تھوڑی دُور چلا تو مجھے وہ نشانات نظر آنے لگے جو پیشگوئیوں میں بیان کئے گئے تھے۔ اور میں کہتا ہوں کہ میں اُسی راستہ پر آگیا جو خدا تعالیٰ نے پیشگوئیوں میں بیان فرمایا تھا۔ اس وقت رؤیا میں میں اس کی کچھ توجیہہ بھی کرتا ہوں کہ میں درمیانی پگڈنڈی پر جو چلا ہوں تو اس کا کیا مطلب ہے۔ چنانچہ جس وقت میری آنکھ کھلی معاً مجھے خیال آیا کہ دایاں اور بایاں راستہ جو رؤیا میں دکھایا گیا ہے اس میں

بائیں رستہ سے مراد

خالص دُنیوی کوششیں اور تدبیریں ہیں۔ اور

دائیں رستہ سے مراد

خالص دینی طریق دُعا اور عبادتیں وغیرہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ

ہماری جماعت کی ترقی

درمیانی راستے پر چلنے سے ہوگی۔ یعنی کچھ تدبیریں اور کوششیں ہوں گی اور کچھ دعائیں اور تقدیریں ہوں گی۔ اور پھر یہ بھی میرے ذہن میں آیا کہ دیکھو قرآن شریف نے اُمتِ محمدیہ کو اُمۃً وسطاً

قرار دیا ہے۔ اس وسطی راستہ پر چلنے کے یہی معنے ہیں کہ یہ اُمت اسلام کا کامل نمونہ ہوگی۔ اور چھوٹی پگڈنڈی کی یہ تعبیر ہے کہ راستہ گو درست راستہ ہے مگر اس میں مشکلات بھی ہوتی ہیں۔ غرض میں اُس راستہ پر چلنا شروع ہوا اور مجھے یوں معلوم ہوا کہ دشمن بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اتنی دُور کہ نہ اُس کے قدموں کی آہٹ سُنائی دیتی ہے اور نہ اسکے آنیکا کوئی امکان پایا جاتا ہے مگر ساتھ ہی میرے ساتھیوں کے پیروں کی آہٹیں بھی کمزور ہوتی چلی جاتی ہیں اور وہ بھی بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ مگر میں دوڑتا چلا جاتا ہوں اور زمین میرے پیروں کے نیچے سمٹتی چلی جارہی ہے۔ اُس وقت میں کہتا ہوں کہ اس واقعہ کے متعلق جو پیشگوئی تھی اس میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس رستہ کے بعد پانی آئیگا اور اُس پانی کو عبور کرنا بہت مشکل ہوگا۔ اُس وقت میں رستے پر چلتا تو چلا جاتا ہوں، مگر ساتھ ہی کہتا ہوں

وہ پانی کہاں ہے؟

جب میں نے یہ کہا، "پانی کہاں ہے"، تو یکدم میں نے دیکھا کہ میں ایک بہت بڑی جھیل کے کنارے پر کھڑا ہوں، اور میں سمجھتا ہوں کہ اس جھیل کے پار ہوجانا پیشگوئی کے مطابق ضروری ہے۔ میں نے اُس وقت دیکھا کہ جھیل پر کچھ چیزیں تیر رہی ہیں، وہ ایسی لمبی ہیں جیسے سانپ ہوتے ہیں۔ اور ایسی باریک اور ہلکی چیزوں سے بنی ہوئی ہیں جیسے بئے وغیرہ کے گھونسلے نہایت باریک تنکوں کے ہوتے ہیں۔ وہ اُوپر سے گول ہیں جیسے اژدھا کی پیٹھ ہوتی ہے؛ اور رنگ ایسا ہے جیسے بئے کے گھونسلے سے سفیدی زردی اور خاکی رنگ ملا ہوا۔ وہ پانی پر تیر رہی ہیں اور اُن کے اُوپر کچھ لوگ سوار ہیں، جو اُن کو چلا رہے ہیں۔ خواب میں میں یہ سمجھتا ہوں، یہ

بُت پرست قوم

ہے اور یہ چیزیں جن پر یہ لوگ سوار ہیں اُن کے بُت ہیں۔ اور یہ سال میں ایک دفعہ اپنے بُتوں کو نہلاتے ہیں اور اب بھی یہ لوگ اپنے بُتوں کو نہلانے کی غرض سے مقررہ گھاٹ کی طرف لیجا رہے ہیں۔ جب مجھے اور کوئی چیز پار لیجانے کے لئے نظر نہ آئی تو میں نے زور سے چھلانگ لگائی اور ایک بُت پر سوار ہوگیا۔ تب میں نے سُنا کہ بُتوں کے پجاری زور زور سے

مشرکانہ عقاید کا اظہار

منتروں اور گیتوں کے ذریعہ سے کرنے لگے۔ اِس پر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت خاموش رہنا غیرت کے خلاف ہے۔ اور بڑے زور زور سے میں نے توحید کی دعوت اُن لوگوں کو دینی شروع کی

اور شرک کی برائیاں بیان کرنے لگا۔ تقریر کرتے ہوئے مجھے یوں معلوم ہوا کہ میری زبان

اُردو نہیں بلکہ عربی

ہے۔ چنانچہ میں عربی بول رہا ہوں۔ اور بڑے زور سے تقریر کر رہا ہوں۔ رؤیا میں ہی مجھے خیال آتا ہے کہ اِن لوگوں کی زبان تو عربی نہیں، یہ میری باتیں کس طرح سمجھیں گے۔ مگر میں محسوس کرتا ہوں کہ گو اِن کی زبان کوئی اور ہے مگر یہ میری باتوں کو خوب سمجھتے ہیں۔ چنانچہ میں اسی طرح اُن کے سامنے

عربی میں تقریر

کر رہا ہوں۔ اور تقریر کرتے کرتے بڑے زور سے انکو کہتا ہوں کہ تمہارے یہ بُت اِس پانی میں غرق کئے جائیں گے۔ اور خدائے واحد کی حکومت دُنیا میں قائم کی جائیگی۔ ابھی میں یہ تقریر کر ہی رہا تھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اسی کشتی نما بُت والا جس پر میں سوار ہوں یا اس کے ساتھ کے بُت والا بُت پرستی کو چھوڑ کر

میری باتوں پر ایمان

لے آیا ہے۔ اور موحد ہو گیا ہے۔ اس کے بعد اثر بڑھنا شروع ہوا اور ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور تیسرے کے بعد چوتھا اور چوتھے کے بعد پانچواں شخص میری باتوں پر ایمان لاتا مشرکانہ باتوں کو ترک کرتا اور مسلمان ہوتا چلا جاتا ہے۔ اتنے میں ہم جھیل پار کر کے دوسری طرف پہنچ گئے، تو میں اُن کو حکم دیتا ہوں کہ اِن بتوں کو جیسا کہ پیشگوئی میں بیان کیا گیا تھا پانی میں غرق کر دیا جائے۔ اِس پر جو لوگ موحد ہو چکے ہیں وہ بھی اور جو ابھی موحد تو نہیں ہوئے مگر ڈھیلے پڑ گئے ہیں، میرے سامنے جاتے ہیں اور میرے حکم کی تعمیل میں اپنے

بُتوں کو جھیل میں غرق

کر دیتے ہیں اور میں خواب میں حیران ہوں کہ یہ تو کسی تیرنے والے مادے کے بنے ہوئے تھے یہ اِس آسانی سے جھیل کی تہ میں کس طرح چلے گئے۔ صرف پجاری پکڑ کر انہیں پانی میں غوطہ دیتے ہیں اور وہ پانی کی گہرائی میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اس کے بعد میں کھڑا ہو گیا اور پھر انہیں تبلیغ کرنے لگ گیا۔ کچھ لوگ تو ایمان لا چکے تھے مگر باقی قوم جو ساحل پر تھی ابھی ایمان نہیں لائی تھی۔ اسلئے میں نے انکو تبلیغ کرنی شروع کر دی۔ یہ تبلیغ میں انکو عربی زبان میں ہی کرتا ہوں۔ جب میں انہیں تبلیغ کر رہا ہوں تا کہ باقی لوگ بھی اسلام لے آئیں تو یکدم میری حالت میں تغیر پیدا ہوتا ہے اور مجھے یوں معلوم

ہوتا ہے کہ اب میں نہیں بول رہا بلکہ

خدا تعالیٰ کی طرف سے الہامی طور پر

میری زبان پر باتیں جاری کی جا رہی ہیں، جیسے خطبۂ الہامیہ تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوا۔ غرض میرا کلام اس وقت بند ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ میری زبان سے بولنا شروع ہو جاتا ہے۔ بولتے بولتے میں بڑے زور سے ایک شخص کو جو غالباً سب سے پہلے ایمان لایا تھا۔ غالباً کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ مجھے یقین نہیں کہ وہی شخص پہلے ایمان لایا ہو ہاں غالب گمان یہی ہے کہ وہی شخص پہلے ایمان لانیوالا یا پہلے ایمان لانیوالوں میں سے با اثر اور مفید وجود تھا۔ بہرحال میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانیوالوں میں سے ہے۔ اور میں نے اس کا اسلامی نام

عبدالشکور

رکھا ہے۔ میں اس کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ پیشگوئیوں میں بیان کیا گیا ہے میں اب آگے جاؤں گا۔ اس لئے اے عبدالشکور تجھ کو میں اس قوم میں اپنا نائب مقرر کرتا ہوں۔ تیرا فرض ہوگا کہ میری واپسی تک اپنی قوم میں توحید کو قائم کرے اور شرک کو مٹا دے اور تیرا فرض ہوگا کہ اپنی قوم کو

اسلام کی تعلیم

پر عامل بنائے۔ میں واپس آکر تجھ سے حساب لونگا اور دیکھوں گا کہ تجھے میں نے جن فرائض کی سرانجام دہی کے لئے مقرر کیا ہے انکو تو نے کہاں تک ادا کیا ہے۔ اس کے بعد وہی الہامی حالت جاری رہتی ہے اور میں

اسلام کی تعلیم کے اہم امور

کی طرف اُسے توجہ دلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ تیرا فرض ہوگا کہ اِن لوگوں کو سکھائے کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اس کے بندہ اور اس کے رسولؐ ہیں۔ اور کلمہ پڑھتا ہوں اور اس کے سکھانے کا اُسے حکم دیتا ہوں۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کی اور آپ کی تعلیم پر عمل کرنے کی اور سب لوگوں کو اس ایمان کیطرف بلانے کی تلقین کرتا ہوں۔ جس وقت میں یہ تقریر کر رہا ہوں (جو خود الہامی ہے) یوں معلوم ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کے وقت اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میری زبان سے بولنے کی توفیق دی ہے اور آپ

فرماتے ہیں اَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پر بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور آپ فرماتے ہیں اَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ۔ اس کے بعد میں انکو اپنی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ چنانچہ اس وقت میری زبان پر جو فقرہ جاری ہؤا وہ یہ ہے۔ وَاَنَا الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ مَثِیْلُہٗ وَخَلِیْفَتُہٗ۔ اور میں بھی مسیح موعود ہوں یعنی اس کا مثیل اور اس کا خلیفہ ہوں۔ تب خواب میں ہی مجھ پر ایک رعشہ کی سی حالت طاری ہوجاتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میری زبان پہ کیا جاری ہؤا اور اس کا کیا مطلب ہے کہ

مَیں مسیح موعودؑ ہوں۔

اس وقت معاً میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس کے آگے جو الفاظ ہیں کہ مَثِیْلُہٗ میں اسکا نظیر ہوں۔ وَخَلِیْفَتُہٗ اور اس کا خلیفہ ہوں۔ یہ الفاظ اس سوال کو حل کر دیتے ہیں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کہ وہ حسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا اس کے مطابق اور اسے پورا کرنے کے لئے یہ فقرہ میری زبان پر جاری ہؤا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کا مثیل ہونے اور اسکا خلیفہ ہونے کے لحاظ سے ایک رنگ میں مَیں بھی مسیح موعودؑ ہی ہوں۔ کیونکہ جو کسی کا نظیر ہوگا اور اسکے اخلاق کو اپنے اندر لے لیگا وہ ایک رنگ میں اس کا نام پانے کا مستحق بھی ہوگا۔ پھر میں تقریر کرتے ہوئے کہتا ہوں

مَیں وہ ہوں

جس کے ظہور کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں منتظر بیٹھی تھیں۔ اور جب میں کہتا ہوں "مَیں وہ ہوں جس کے لئے انیس سو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں" تو مَیں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان عورتیں اور جو سات یا نو ہیں، جن کے لباس صاف ستھرے ہیں دوڑتی ہوئی میری طرف آتی ہیں۔ مجھے السلام علیکم کہتی اور اُن میں سے بعض برکت حاصل کرنے کے لئے میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیرتی جاتی ہیں، اور کہتی ہیں "ہاں ہاں ہم تصدیق کرتی ہیں کہ ہم انیس سو سال سے آپکا انتظار کر رہی تھیں"۔ اس کے بعد مَیں بڑے زور سے کہتا ہوں کہ مَیں وہ ہوں جسے علوم اسلام اور علوم عربی اور اس زبان کا فلسفہ ماں کی گود میں اس کی دونوں چھاتیوں سے دودھ کے ساتھ پلائے گئے تھے

رؤیا میں جو

ایک سابق پیشگوئی

کی طرف مجھے توجہ دلائی گئی تھی اس میں یہ بھی خبر تھی، کہ جب وہ موعود بھاگے گا تو ایک ایسے علاقہ میں پہنچیگا جہاں ایک جھیل ہوگی اور جب وہ اس جھیل کو پار کرکے دوسری طرف جائیگا تو وہاں ایک

قوم ہوگی جس کو وہ تبلیغ کریگا اور وہ اُس کی تبلیغ سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جائیگی۔ تب وہ دشمن جس سے وہ موعود بھاگیگا اس قوم سے مطالبہ کریگا کہ اس شخص کو ہمارے حوالے کیا جائے۔ مگر وہ قوم انکار کردیگی اور کہے گی ہم لڑکر مر جائیں گے مگر اسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔ چنانچہ خواب میں ایسا ہی ہوتا ہے جرمن قوم کی طرف سے مطالبہ ہوتا ہے کہ تم ان کو ہمارے حوالے کر دو۔ اُس وقت میں خواب میں کہتا ہوں یہ تو بہت تھوڑے ہیں اور دشمن بہت زیادہ ہے۔ مگر وہ قوم باوجود اس کے کہ ابھی ایک حصہ اس کا ایمان نہیں لایا بڑے زور سے اعلان کرتی ہے کہ ہم ہرگز ان کو تمہارے حوالے کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم لڑکر فنا ہو جائیں گے مگر تمہارے اِس مطالبہ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ تب میں کہتا ہوں دیکھو

وہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔

اسکے بعد میں پھر ان کو ہدایتیں دیتا اور بار بار توحید قبول کرنے پر زور دیتا اور اسلامی تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کرکے آگے

کسی اور مقام کی طرف

روانہ ہوگیا ہوں۔ اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ اس قوم میں سے اور لوگ بھی جلدی جلدی ایمان لانیوالے ہیں۔ چنانچہ اسی لئے میں اُس شخص سے جسے میں نے اُس قوم میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے کہتا ہوں، جب میں واپس آؤں گا تو اے عبدالشکور میں دیکھوں گا کہ تیری قوم شرک چھوڑ چکی ہے، موحد ہو چکی ہے اور اسلام کے تمام احکام پر کاربند ہو چکی ہے۔ یہ وہ رؤیا ہے جو میں نے جنوری ۱۹۴۴ء مطابق صلح ۱۳۲۳ہش دیکھی اور جو غالباً پانچ اور چھ کی درمیانی شب بدھ اور جمعرات کی درمیانی رات میں ظاہر کی گئی۔

جب میری آنکھ کھلی

تو میری نیند بالکل اُڑ گئی اور مجھے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ کیونکہ آنکھ کھلنے پر مجھے یوں محسوس ہوتا تھا گویا میں اردو بالکل بھول چکا ہوں اور صرف عربی ہی جانتا ہوں۔ چنانچہ کوئی گھنٹہ بھر تک میں اس رؤیا پر غور کرتا اور سوچتا رہا۔ مگر میں نے دیکھا کہ میں عربی میں ہی غور کرتا تھا۔ اور اسی میں سوال و جواب میرے دل میں آتے تھے۔

اس رؤیا میں

تین پیشگوئیوں کی طرف اشارہ

کیا گیا ہے۔ ایک پیشگوئی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے ہی کی ہے یا کسی سابق غیر معروف نبی نے

اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کس نبی کی پیشگوئی ہے اور آیا دُنیا کے سامنے اس رنگ میں یہ پیشگوئی پیش بھی ہو چکی ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے علاوہ دو اور پیشگوئیوں کی طرف بھی اس میں اشارہ کیا گیا ہے پہلی پیشگوئی جس میں یہ ذکر ہے کہ

اُنیس سو سال سے کنواریاں

میرا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ درحقیقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی ایک پیشگوئی ہے جس کا انجیل میں ذکر آتا ہے حضرت مسیح فرماتے ہیں جب مَیں دوبارہ دُنیا میں آؤں گا تو بعض قومیں مجھے مان لیں گی اور بعض قومیں انکار کر دیں گی۔ آپ ان

اقوام کا تمثیلی رنگ میں ذکر

کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے کچھ کنواریاں اپنی اپنی مشعلیں لے کر دُولہا کے استقبال کو نکلیں۔ وہ دُولہا کے انتظار میں بیٹھی رہیں، بیٹھی رہیں اور بیٹھی رہیں۔ مگر دُولہا نے آنے میں بہت دیر لگائی، جو عقلمند تھیں انہوں نے تو اپنے مشعلوں کے ساتھ تیل بھی لے لیا تھا، مگر جو بیوقوف تھیں انہوں نے مشعلیں تو لے لیں مگر تیل اپنے ساتھ نہ لیا۔ جب دُولہا نے بہت دیر لگائی تو سب اونگھنے لگیں۔ تب وہ جو بے احتیاط عورتیں تھیں انہوں نے معلوم کیا کہ اُن کا تیل ختم ہو رہا ہے۔ اور انہوں نے دوسری عورتوں سے کہا، اپنے تیل میں سے کچھ ہمیں بھی دیدو۔ کیونکہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے کہا ہم تمہیں تیل نہیں دے سکتیں۔ اگر دیدیں تو شاید ہمارا تیل بھی ختم ہو جائے۔ تم بازار میں جاؤ شاید تمہیں وہاں سے تیل مل جائے۔ جب وہ مول لینے کے لئے بازار گئیں تو پیچھے سے دُولہا آ پہنچا۔ اور وہ جو تیار تھیں اس کو ساتھ لیکر قلعہ میں چلی گئیں اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ بے احتیاط عورتیں بھی آئیں اور دروازے کو کھٹکھٹا کر کہنے لگیں، ہمارے لئے بھی دروازہ کھولا جائے ہم اندر آنا چاہتی ہیں۔ مگر دُولہا نے جواب دیا۔ تم نے میرا انتظار نہ کیا۔ تم نے پوری طرح احتیاط نہ برتی۔ اس لئے اب صرف انہی کو حصہ ملیگا جو چوکس تھیں، تمہارے لئے دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔ یہ درحقیقت حضرت مسیح ناصریؑ کی اپنی بعثتِ ثانیہ کے متعلق ایک پیشگوئی تھی جو انجیل میں پائی جاتی ہے۔ پس رؤیا میں میں نے جو یہ کہا کہ :-

"مَیں وہ ہوں جس کے لئے ۱۹ سو سال سے کنواریاں اس سمندر کے کنارے پر انتظار کر رہی تھیں"

اس سے مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ خدا تعالےٰ

میرے زمانہ میں

یا میری تبلیغ سے یا اُن علوم کے ذریعہ سے جو اللہ تعالیٰ نے میری زبان اور قلم سے ظاہر فرمائے ہیں اُن قوموں کو جن کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا مقدر ہے اور جو حضرت مسیح ناصری کی زبان میں کنواریاں قرار دی گئی ہیں ہدایت عطا فرمائیگا۔ اور اس طرح خدا تعالیٰ کے فضل سے وہ میرے ہی ذریعہ ایمان لانیوالی سمجھی جائیں گی۔ اور یہ جو فرمایا کہ مثیلہٗ و خلیفتہٗ اس خدائی الہام نے وہ بات جو ہمیشہ میرے سامنے پیش کی جاتی تھی اور جس کا جواب دینے سے ہمیشہ میری طبیعت انقباض محسوس کیا کرتی تھی آج میرے لئے بالکل حل کر دی ہے۔ یعنی اس الہام الٰہی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیشگوئی جو مصلح موعود کے متعلق تھی خدا تعالیٰ نے میری ہی ذات کیلئے مقدر کی ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا اور بار بار کہا کہ آپ کی ان پیشگوئیوں کے بارے میں کیا رائے ہے مگر میری یہ حالت تھی کہ میں نے کبھی سنجیدگی سے ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ اس خیال سے کہ میرا نفس مجھے کوئی دھوکا نہ دے۔ اور میں اپنے متعلق کوئی ایسا خیال نہ کرلوں جو واقعہ کے خلاف ہو۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ مجھے ایک خط دیا اور فرمایا۔ میاں یہ خط ہے، جو تمہاری پیدائش کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے لکھا۔ اس خط کو تشحیذ الاذہان میں چھاپ دو۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے۔ میں نے اُس وقت ان کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہ خط لے لیا اور ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسے تشحیذ میں شائع کرادیا۔ مگر اللہ بہتر جانتا ہے! میں نے اُس وقت بھی اس خط کو غور سے نہیں پڑھا۔ صرف سرسری طور پر پڑھا؛ اور اشاعت کے لئے دیدیا۔ لوگوں نے اُس وقت بھی کئی قسم کی باتیں کیں۔ مگر

میں خاموش رہا

اس کے بعد بھی بار بار یہ سوال میرے سامنے لایا گیا۔ مگر ہمیشہ میں نے یہی جواب دیا کہ اس بات کی کوئی ضرورت نہیں کہ جس شخص کے متعلق یہ خبریں ہیں اسے بتایا بھی جائے کہ یہ تمہارے متعلق خبریں ہیں یا ہر گز یہ ضروری نہیں کہ جس شخص کے متعلق یہ پیشگوئیاں ہیں وہ دعویٰ بھی کرے کہ میں ان پیشگوئیوں کا مصداق ہوں۔ بلکہ مثال کے طور پر میں نے بعض دفعہ بیان کیا ہے کہ ریل کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ ماننے والے مانتے ہیں کہ پیشگوئی پوری ہوگئی کیونکہ وہ واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ ریل خود دعویٰ بھی کرے کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فلاں پیشگوئی کی مصداق ہوں۔ ہماری جماعت کے دوستوں نے میرا اور اسی قسم

کی دوسری پیشگوئیاں بارہا میرے سامنے رکھیں اور اصرار کیا کہ میں اُن کا اپنے آپ کو مصداق ظاہر کروں۔ مگر میں نے انہیں ہمیشہ یہی کہا کہ پیشگوئی اپنے مصداق کو آپ ظاہر کیا کرتی ہے۔ اگر یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں تو زمانہ خودبخود گواہی دے دیگا کہ ان پیشگوئیوں کا میں مصداق ہوں۔ اور اگر میرے متعلق نہیں تو زمانہ کی گواہی میرے خلاف ہوگی۔

دونوں صورتوں میں

مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ پیشگوئیاں میرے متعلق نہیں تو میں یہ کہکر کیوں گنہگار بنوں۔ کہ یہ پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں۔ اور اگر میرے ہی متعلق ہیں تو مجھے جلدبازی کی کیا ضرورت ہے۔ وقت خود بخود حقیقت ظاہر کردیگا۔ غرض جیسے الہام الٰہی میں کہا گیا تھا

"انہوں نے کہا کہ آنیوالا یہی ہے یا ہم دوسرے کی راہ تکیں" (تذکرہ صـ۱۳۶)

دُنیا نے یہ سوال اتنی دفعہ کیا، اتنی دفعہ کیا کہ اس پر ایک لمبا عرصہ گذر گیا۔ اس لمبے عرصہ کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے الہامات میں خبر موجود ہے۔ مثلاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے یہ کہا تھا کہ تو اسی طرح یوسفؑ کی باتیں کرتا رہیگا یہاں تک کہ قریب المرگ ہو جائیگا یا ہلاک ہو جائیگا۔ اور یہی الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہوا (تذکرہ صـ۶۵۱) اسی طرح یہ الہام ہونا کہ یوسفؑ کی خوشبو مجھے آرہی ہے (تذکرہ صـ۸۵۴) بتاتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت یہ چیز ایک لمبے عرصہ کے بعد ظاہر ہوگی۔

میں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ اگر ان پیشگوئیوں کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موت کے قریب وقت تک یہ علم نہ دیا جاتا کہ یہ میرے متعلق ہیں بلکہ موت تک مجھے علم نہ دیا جاتا اور واقعات خودبخود ظاہر کر دیتے کہ چونکہ یہ پیشگوئیاں میرے زمانہ میں اور میرے ہاتھ سے پوری ہوئی ہیں۔ اسلئے میں ہی ان کا مصداق ہوں تو ہمیں کوئی حرج نہ تھا۔ کسی کشف یا الہام کا تائیدی طور پر ہونا ایک زائد امر ہوتا ہے۔ لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی مشیت کے ماتحت آخر اس امر کو ظاہر کر دیا اور مجھے اپنی طرف سے علم بھی دیدیا۔ کہ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں۔ چنانچہ آج میں نے

پہلی دفعہ

وہ تمام پیشگوئیاں منگوا کر اس نیت کے ساتھ دیکھیں کہ میں ان پیشگوئیوں کی حقیقت سمجھوں اور دیکھوں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں کیا کچھ بیان فرمایا ہے۔ ہماری جماعت کے دوست چونکہ میری

طرف ان پیشگوئیوں کو منسوب کیا کرتے تھے، اس لئے میں ہمیشہ ان پیشگوئیوں کو غور سے پڑھنے سے بچتا تھا۔ اور ڈرتا تھا کہ کوئی غلط خیال قائم نہ ہو جائے۔ مگر آج پہلی دفعہ میں نے وہ تمام پیشگوئیاں پڑھیں اور اب ان پیشگوئیوں کو پڑھنے کے بعد میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے ہی پوری کی ہے۔

میں اس کے متعلق اس وقت تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر یہ جو آتا ہے کہ

"وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا"

اس کے متعلق ہمیشہ سوال کیا جاتا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ اسی طرح "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کے متعلق سوال کیا جاتا ہے۔ سو یہ جو الہام ہے کہ وہ "تین کو چار کرنے والا ہوگا" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذہن اس طرف گیا ہے کہ وہ تین بیٹوں کو چار کرنے والا ہوگا۔ یعنی وہ چوتھا بیٹا ہوگا۔ اگر یہ مفہوم لے لیا جائے تو چوتھے بیٹے کے لحاظ سے بھی بات بالکل صاف ہے۔ مجھ سے پہلے مرزا سلطان احمد صاحب، مرزا فضل احمد صاحب اور مرزا بشیر احمد (اول) پیدا ہوئے اور چوتھا میں ہوا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مجھ سے پہلے ہماری والدہ سے تین بچے ہوئے۔ اس طرح بھی میں تین کو چار کرنے والا تھا۔ اسی طرح میرے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تین بیٹے ہوئے۔ اس لحاظ سے بھی میں تین کو چار کرنے والا ہوا۔ پھر میری خلافت کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے مرزا سلطان احمد صاحب کو احمدیت میں داخل ہونے کی توفیق دی۔ اس طرح بھی میں تین کو چار کرنے والا ہوا۔ گویا تین کو چار کرنے والا میں چار طرح ہوں۔ اول و دوم اس طرح

مرزا سلطان احمد - مرزا فضل احمد - بشیر اول - مرزا محمود احمد - مرزا بشیر احمد - مرزا شریف احمد - مرزا مبارک احمد

پس میرے نزدیک یہ اسکی

پیدائش کی تاریخ

بتائی گئی ہے۔ یہ پیشگوئی ابتدا ۱۸۸۶ء میں کی گئی تھی۔ پس ۱۸۸۶ - ۱۸۸۷ - ۱۸۸۸ تین

سال ہوئے۔ اِن تین سالوں کو چار کونسا سال کرتا ہے ۱۸۸۹ء کرتا ہے۔ اور یہی میری پیدائش کا سال ہے۔ پس تین کو چار کرنیوالی پیشگوئی میں یہ خبر دی گئی تھی، کہ اس کی پیدائش چوتھے سال میں ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہ جو آتا ہے

"دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ"

اس کے اور معنے بھی ہوسکتے ہیں۔ مگر میرے نزدیک اس کی ایک واضح تشریح یہ ہے کہ دوشنبہ ہفتے کا تیسرا دن ہوتا ہے۔ شنبہ پہلا، یکشنبہ دوسرا اور دوشنبہ تیسرا۔ دوسری طرف روحانی سلسلوں میں انبیاء اور ان کے خلفاء کا الگ الگ دَور ہوتا ہے۔ اور جس طرح نبی کا زمانہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح خلیفہ کا زمانہ اپنی ذات میں ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے غور کرکے دیکھو پہلا دَور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ دوسرا دَور حضرت خلیفۂ اوّل رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اور تیسرا دَور میرا ہے۔ ادہر اللہ تعالیٰ کا ایک اور الہام اس تشریح کی تصدیق کر رہا ہے۔ اور وہ الہام ہے "فضل عمر" (تذکرہ حاشیہ ص۱۴۱) حضرت عمرؓ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے تیسرے مقام پر ہی خلیفہ تھے۔ پس "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" سے یہ مُراد نہیں، کہ کوئی خاص دن خاص برکات کا موجب ہوگا، بلکہ مُراد یہ ہے، کہ اس موعود کے زمانہ کی مثال احمدیت کے دَور میں ایسی ہی ہوگی جیسے دوشنبہ کی ہوتی ہے۔ یعنی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدمتِ دین کے لئے جو آدمی کھڑے کئے جائیں گے ان میں وہ تیسرے نمبر پر ہوگا "فضل عمر" کے الہامی نام میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ گویا کلام اللہ یفسّر بعضہ بعضاً کے مطابق "فضل عمر" کے لفظ نے "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" کی تفسیر کردی۔

مگر اس الہام میں ایک اور خبر بھی ہے۔ اور خدا تعالیٰ مبارک دوشنبہ اب ایک ایسے ذریعہ سے بھی لانے والا ہے جو میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اور کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اپنے ارادہ سے اور جان بوجھ کر اس کا اجراء کیا

میں نے

۱۹۳۴ء میں تحریک جدید

کو ایسے حالات میں جاری کیا، جو ہرگز میرے اختیار میں نہیں تھے۔ گورنمنٹ کے ایک فعل اور احرار کی فتنہ انگیزی کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے میرے دل میں اس تحریک کا القاء فرمایا اور

اس تحریک کے پہلے دَور کی تکمیل کے لئے مَیں نے دس سال میعاد مقرر کی۔ ہر انسان جب کوئی قربانی کرتا ہے تو اس قربانی کے بعد اس پر ایک عید کا دن آتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو رمضان کے مہینہ میں لوگ روزے رکھتے اور تکلیف برداشت کرتے ہیں مگر جب رمضان گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ مومنوں کیلئے ایک عید کا دن لاتا ہے۔ اسی طرح ہماری

دس سالہ تحریک جدید

جب ختم ہوگی تو اس سے اگلا سال ہمارے لئے عید کا سال ہوگا۔ دوست جانتے ہیں تحریک جدید کا پہلا دس سالہ دَور اسی سال یعنی ۱۹۴۴ء میں ختم ہوتا ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۴۴ء جو ہمارے لئے عید کا سال ہے پیر کے دن سے شروع ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں یہ خبر بھی دی تھی، کہ ایک زمانہ میں اسلام کی نہایت کمزور حالت میں اس کی اشاعت کے لئے ایک اہم تبلیغی ادارہ کی بُنیاد رکھی جائیگی اور جب اس کا پہلا کامیابی سے دَور ختم ہوگا، تو یہ جماعت کے لئے ایک مبارک وقت ہوگا۔ اس لئے وہ سال جب مومن اس عہد و قربانی کو پُورا کر چکیں گے جو اپنے ذمہ لیں گے تو ایک مبارک بُنیاد ہوگی اور اس سے اگلے سال سے خدا تعالیٰ ان کے لئے برکت کا بیج بوئے گا، اور خوشی کا دن ان کو دکھائے گا۔ اور جس سال میں یہ وقوع میں آئیگا اس کا پہلا دن پیر یا دوشنبہ ہوگا۔ پس وہ سال بھی مبارک اور وہ دن بھی مبارک۔ پس "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" مگر جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے اس کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ مصلح موعود اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہوگا۔ بعض دفعہ ایک چیز کی کسی اور چیز سے مشابہت دے دی جاتی ہے، مگر ضروری نہیں ہوتا کہ اس سے مُراد وہی ہو۔ پس میرے نزدیک اس کے معنے بالکل واضح ہیں اور "فضل عمر" جو الہامی نام ہے وہ ان معنوں کی تائید کرتا ہے۔

میں اس امر کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہوں، کہ جب رؤیا کے بعد میری آنکھ کھُلی تو مَیں اس مسئلہ پر سوچتا رہا، اور جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے عربی میں ہی سوچتا رہا۔ سوچتے سوچتے میرے دماغ میں جو الفاظ آئے اور مَیں جس نتیجہ پر پہنچا، وہ یہ تھا۔ کہ اب تو خدا نے بالکل فیصلہ کر دیا ہے۔

جاء الحق وزھق الباطل انّ الباطل کان زھوقا

اور عجیب بات یہ ہے۔ کہ آج جب مَیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اشتہار پڑھ رہا تھا، تو اس میں مجھے یہی الفاظ نظر آئے، کہ حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آگیا اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے میرے لئے مَیں یہ نہیں کہتا کہ دوسروں کیلئے بھی

کیونکہ کوئی دوسرا شخص کسی غیر مامور کے کشف یا الہام کو ماننے کا مکلف نہیں لیکن بہرحال میرے لئے خدا تعالیٰ نے حقیقت کو کھول دیا ہے، اور اب میں بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ اور خدا تعالےٰ نے ایک ایسی بنیاد تحریک جدید کے ذریعہ سے رکھدی ہے، جس کے نتیجہ میں حضرت مسیح ناصریؑ کی وہ پیشگوئی کہ کنواریاں دُولہا کے ساتھ قلعہ میں داخل ہوں گی، ایک دن بہت بڑی شان اور عظمت کے ساتھ پُوری ہوگی مثیل مسیحؑ ان کنواریوں کو اللہ تعالےٰ کے حضور لے جائے گا۔ اور وہ قومیں جو اُس سے برکت پائیں گی خوشی سے پکار اٹھیں گی کہ ہوشعنا۔ ہوشعنا۔ اس وقت اُنہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانا نصیب ہوگا۔ اور اسی وقت اُنہیں حقیقی رنگ میں مسیح اوّل پر سچا ایمان نصیب ہوگا۔ اب تو وہ قومیں اُنہیں خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر درحقیقت گالیاں دے رہی ہیں۔ لیکن مقدر یہی ہے، کہ میرے بوئے ہوئے بیج سے ایک دن ایسا درخت پیدا ہوگا کہ یہی عیسائی اقوام مثیل مسیحؑ سے برکت حاصل کرنے کے لئے اس کے نیچے بسیرا کریں گی، اور خدا تعالےٰ کی بادشاہت میں داخل ہوجائیں گی اور جیسے خدا کی بادشاہت آسمان پر ہے ویسے ہی زمین پر آجائے گی ؂

مُصلح موعُود ظاہر ہو گیا!

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا ✤ جو ہو گا ایک دن محبُوب میرا
کروں گا دُور اُس ماہ سے اندھیرا ✤ دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

درثمین کے یہ اشعار جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قلم سے نکلے ہوئے ہیں شروع سے پڑھتے چلے آئے ہیں لیکن سچ یہ ہے، کہ جو مطالب آج ان اشعار کے ظاہر ہو رہے ہیں وہ اس سے پہلے کبھی ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ الفاظ سیدھے سادے ہیں لیکن غضب کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بشارت پا کر حضور فرماتے ہیں، کہ میرا ایک بیٹا ہو گا جو ایک دن خدا تعالیٰ کا محبوب اور مقرب بننے والا ہے۔ دوسرے مصرعہ شعر میں فرماتے ہیں کہ وہ ماہ یعنی چاند ہو گا۔ اور سب جانتے ہیں، کہ چاند کا کام اکتساب نور ہے یعنی وہ سورج سے روشنی حاصل کرتا ہے اور پھر دُنیا پر پھیلاتا ہے۔ اسی طرح وہ بیٹا بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نور حاصل کرنے والا ہو گا۔ یعنی آپؑ کا مثیل اور خلیفہ ہو گا۔ اور آپؑ کے نقش قدم پر گامزن ہو گا۔ ابتداء میں مخالفت اور اعتراضات کی تاریکیاں اس کے منور چہرے کو ڈھانکنا چاہیں گی مگر اللہ تعالیٰ اس قسم کی تمام مخالفتوں کو دُور فرمائے گا، اور ایک عالم کو اس کے قدموں پر لا بٹھائے گا۔ گویا اس کی طرف خلائق کا رجوع ہو گا۔ اور قومیں اس کے مسیحی انفاس سے برکت پائیں گی۔ اور اس کی طرف رجوع کریں گی۔ یہ دراصل ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو پسر موعود یا مصلح موعود کے متعلق حضرت اقدسؑ نے فرمائی تھی۔ گو جماعت کا خیال بلکہ یقین یہی تھا، کہ اس کے مصداق حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ہی ہیں، لیکن جب تک حضور نے خود دعویٰ نہیں فرمایا کہ اس پیشگوئی کا مصداق میں ہی ہوں اتنے عرصہ تک پیشگوئی کے الفاظ اپنی اعلیٰ اور ارفع شان میں پائے نہیں جاتے تھے۔ لیکن اب جبکہ حضور نے دعویٰ مصلح موعود ہونے کا فرما دیا ہے۔ اب ان الفاظ کی شان ہی اور ہو گئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پسر موعود کی پیشگوئی ۱۸۸۶ء کے اوائل میں فرمائی تھی۔ حالانکہ اُس وقت تک نہ آپ کا کوئی دعوےٰ تھا، اور نہ سلسلہ بیعت تھا۔ ہاں آپ اسلام کے محافظ کی حیثیت سے شمالی ہندوستان میں مذہبی حلقوں میں شہرت پا چکے تھے۔ اور براہین احمدیہ کی اشاعت نے آپ کے نام کو ہندوستان میں مشہور کر دیا تھا اور یہی وہ زمانہ تھا، جب آریہ قوم کے بانی پنڈت دیانند صاحب اور اُن کے ہم خیال آریہ اسلام پر حملے کر رہے تھے۔ اور اُدھر پادری صاحبان اسلام کی جڑوں پر الگ تبر چلا رہے تھے؛ اور مسلمانوں کے علماء ان مخالفین کے مقابلے میں اپنے ہتھیاروں کو بالکل کند پاتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا، کہ لاکھوں فرزندانِ توحید جو پہلے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھتے تھے، اب عیسائیت کے آغوش میں جا کر اسلام کے دشمن بن چکے تھے۔ ایسے حالات میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت احمد قادیانی کو الہام اور وحی سے مشرف کیا جاتا ہے۔ اور اسلام کی ادیانِ باطلہ پر فضیلت ثابت کرنے کے لئے نئے نئے علوم قرآن مجید کے سکھلائے جاتے ہیں۔ اور یہ الہامات اور وحی کا سلسلہ آئندہ پوری ہونے والی بے شمار پیشگوئیوں پر مشتمل نظر آتا ہے۔ اسلام کی ترقی، شان اور جلال ظاہر ہونے کی تمنا حضورؑ کے دل میں موجزن ہوتی ہے۔ حضورؑ چاہتے ہیں، کہ کسی جگہ تنہائی میں جا کر خدا تعالےٰ کے حضور خاص الخاص دُعائیں کریں، تا اللہ تعالیٰ اپنا جلال ظاہر کرے؛ اور اسلام کا غلبہ ہو۔ اِس غرض کے لئے اور خدا تعالےٰ کے منشاء کے مطابق حضور ہوشیار پور اور لدھیانہ کی طرف تشریف لے جاتے ہیں، اور آپؑ کے ہمراہ آپؑ کے دلی دوست مولوی عبد اللہ صاحب سنوری رضؓ، حافظ حامد علی صاحبؓ اور محمد خاں صاحبؓ ہمرکاب ہو جاتے ہیں۔ یہ مختصر سا قافلہ دریائے بیاس کو عبور کر کے ہوشیار پور میں جا کر مقیم ہو جاتا ہے۔ حضورؑ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے ایک مکان میں جا کر فروکش ہو جاتے ہیں، اور اپنے لئے اُس مکان کا بالا خانہ پسند فرماتے ہیں اور چالیس دن تک گوشۂ تنہائی اختیار کر کے دن اور رات خدا تعالےٰ کی عبادت اور دُعاؤں اور تضرعات میں گذار دیتے ہیں۔ چالیس دن کے بعد حضورؑ ایک عظیم الشان پیشگوئی اُسی شہر ہوشیار پور میں شائع فرماتے ہیں۔ جو یہ ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا :-

"میں تجھے رحمت کا ایک نشان دیتا ہوں۔ اُسی کے موافق جو تُو نے مجھ سے

مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سُنا اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام! خدا نے یہ کہا تا جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ جائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے؛ اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، ایک کھلی نشانی ملے؛ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔ سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اسکو مقدس رُوح دی گئی ہے۔ اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے۔ جو اس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئے گا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاوّل والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی

رضامندی کے عطر سے مسوح کیا۔ ہم اُس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔ اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔ وکان امرًا مقضیاً" (تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۵۹۔۶۰)

یہ پیشگوئی ایک عظیم الشان فرزند دلبند کی پیدائش کی خبر دیتی ہے۔ جو خدا تعالےٰ کی طرف سے نور بن کر آنے والا تھا۔ اور خدا کی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا جانے والا تھا۔ اور جس میں خدا نے اپنی رُوح ڈالنا تھی۔ اور جس نے بہتوں کی رستگاری کا موجب ہونا تھا۔ اور جس نے زمین کے کناروں تک شہرت پانا تھی۔ وہ پسر موعود ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیشگوئی شائع ہونے کے تین سال کے عرصے میں پیدا ہوا۔ اور اس کا نام بشیر ثانی اور محمود رکھا گیا۔ وہ جلد جلد بڑھا۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا گیا۔ اور اس کی پیدائش کے ساتھ ہی سلسلہ احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا کی طرف سے حکم ہوا۔ کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں وہ سچا ایمان اور سچی پاکیزگی اور محبت مولیٰ کا راہ سیکھنے کے لئے اور .... مجھ سے بیعت کریں .... واذا عزمت فتوکل علی اللہ واصنع الفلک .... فوق ایدیھم۔

پسر موعود کی پیدائش اور سلسلہ احمدیہ کی بنیاد دونوں لازم ملزوم چیزیں ہیں۔ دراصل اس کے یہی معنے تھے، کہ سلسلہ احمدیہ کی ترقی کا دوسرا دور حضرت مصلح موعود کے زمانے سے وابستہ ہے۔ اور اسی کے زمانے میں یہ سلسلہ اپنے عروج کو پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنے رؤیا کی بناء پر ۲۸ر جنوری ۱۹۴۴ء کو یہ دعوٰے کیا کہ میں ہی وہ مصلح موعود ہوں جس کا پیشگوئی میں ذکر ہے۔ اور میں ہی اس کا مصداق ہوں۔ اور یہ دعویٰ میں اپنی عقل یا رائے کی بناء پر نہیں کرتا۔ بلکہ خدا نے مجھے کہا ہے کہ تو ہی اِس پیشگوئی کا مصداق ہے۔ پس میں خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم اور اس کے فرمان سے یہ دعوٰے کرتا ہوں۔ کہ مصلح موعود میں ہوں اور میں ہی ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء والی پیشگوئی کا مصداق ہوں۔ اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر

کہتا ہوں۔ کہ جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے۔ کہ خدا نے مجھے کہا ہے کہ میں ہی مصلح موعود ہوں۔

۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء والی پیشگوئی جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے ہوشیارپور میں شائع کی گئی تھی۔ اس لئے حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مناسب سمجھا کہ حضور اپنے مصلح موعود ہونے کا اعلان بھی ہوشیارپور ہی میں کریں۔ چنانچہ ۲۰ر فروری ۱۹۴۴ء کو ہوشیارپور میں عین اس مکان کے سامنے ایک عظیم الشان جلسے میں جس میں ہندو، مسلمان، عیسائی سب ہی موجود تھے حضور نے اپنے اس پیشگوئی کا مصداق ہونے کا اعلان فرمایا۔ اور پھر ۱۲ر مارچ کو لاہور میں جہاں حضور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رؤیا میں بتلایا گیا تھا۔ کہ تو ہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔ ایک عظیم الشان جلسہ میں جس کی تعداد ۱۲۔۱۳ ہزار تھی اعلان فرمایا۔ اور پھر لدھیانہ میں جو ہوشیارپور کی طرح دوسرا شہر ہے، جس طرف سفر کرنے کو بابرکت قرار دیا گیا ہے۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۴۴ء کو یہی اعلان فرمایا۔ پس جماعت احمدیہ کے لئے یہ عید کا دن ہے۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشگوئی پوری ہوئی، بلکہ مصلح موعود کے آنے سے سلسلہ عالیہ احمدیہ پر روحانیت کا ایک نیا رنگ چڑھ گیا ہے۔ اور ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ جو اپنے اندر بے شمار برکتیں اور خوشخبریاں رکھتا ہے۔ اور آسمان کے دروازے پھر زمین پر کھلنے لگے ہیں۔ اور رؤیا، کشوف اور الہامات کا سلسلہ از سرِ نو روحوں کو تازگی بخشنے لگا ہے۔ اور وحی الٰہی کا سلسلہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں عام تھا، اب پھر اس کی گہری جھلک مثیلِ مسیح اور اس کے خلیفہ میں ظاہر ہونے لگی ہے۔ اور روحانیوں کو مبارک ہو، کہ پھر بہار کے دن آئے اور خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔ اب وہ دن قریب ہیں بلکہ دروازے پر کھڑے ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کی نصرتیں بارش کی طرح برسنے والی ہیں۔ اور اسلام کی ترقی روز روشن کی طرح عیاں ہونے والی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں یہ باتیں عجیب ہوں اور دور از قیاس ہوں لیکن جو خدا کے وعدوں پر نظر رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ باتیں ضرور ہو کر رہیں گی، اور عنقریب ہو کر رہیں گی۔

مصلح موعود کے متعلق بعض باتیں ایسی بیّن ہیں۔ کہ وہ آج بھی روز روشن کی طرح نظر آتی ہیں، اور اُن کے پورا ہو چکنے میں ذرا بھی شبہ نہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ دنیا کے کناروں تک

شہرت پائے گا۔ اب اِس امر میں کس کو شبہ ہے۔ کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کا نام دُنیا کے کناروں تک پھیل چکا ہے۔ کیا افریقہ کے مشرقی اور مغربی کناروں پر جماعت احمدیہ ہزاروں کی تعداد میں نہیں پائی جاتی۔ کیا امریکہ میں سینکڑوں ہزاروں لوگ حلقہ بگوش احمدیت نہیں ہو چکے۔ کیا ملایا، سماٹرا، جاوا، بورنیو اور دیگر جزائر میں احمدی جماعتیں نہیں پائی جاتیں۔ کیا شام کے ابدال احمدیت کے علاقے میں نہیں آچکے۔ کیا مصلح موعود علوم ظاہری و باطنی سے پُر نہیں کیا گیا۔ اور کیا اس پر علوم قرآنیہ معجزانہ رنگ میں نہیں کھولے گئے۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ اس کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی ہے۔ اور اس کے زمانے میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر کے کس قدر وسیع ہو گئی ہے۔

یقیناً کہا جا سکتا ہے۔ کہ قوموں نے اس سے برکت پائی ہے۔ کیونکہ جو لوگ احمدیت میں داخل ہوتے ہیں اور حضور کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں وہ یقیناً برکت پاتے ہیں۔ اور پیشگوئی کی صداقت پر مُہر لگا دیتے ہیں۔ لیکن غلبۂ اسلام اور احمدیت کی ترقی کا ایک دوسرا عظیم الشان پہلو بھی ہے، جو اپنی ظاہری شان و شوکت میں پورا ہونیوالا ہے۔ اور جو موجودہ جنگ کے اختتام پر شروع ہونے والا ہے۔ جب موجودہ تہذیب اپنی شکل بدل کر نئی تہذیب کو جگہ دیگی۔ آج دُنیا خیالات کی جنگ لڑ رہی ہے۔ انگلستان اور امریکہ کو اپنی موجودہ تہذیب پر ناز ہے؛ اور وہ اسی تہذیب کو دوبارہ قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں اور اسی تہذیب کو برقرار رکھنے کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں۔ روس جو آج کل انگریزوں کا حلیف ہے، وہ بالشوکی تہذیب کو یورپ بلکہ ساری دُنیا میں پھیلانے کا متمنی ہے۔ اور ہٹلر نازیت کے غلبے کے لئے جنگ کر رہا ہے۔ لیکن اے دُنیا کے ہوشمندو! یاد رکھو کہ خدا کا منشاء بالکل اور ہے۔ نہ مغربی تہذیب کو غالب ہونے دیگا۔ نہ نازیت کو اور نہ بالشوزم کو، بلکہ وہ اسی تہذیب کو غالب کر کے دکھائے گا جو اسلامی تہذیب کہلاتی ہے۔ خدا نے اِس زمانے میں اپنا نبی بھیجکر یہ ظاہر کر دیا۔ کہ وہ اُسی دین کو دُنیا میں غالب کرنے والا ہے، جس کو اسلام کہتے ہیں۔ اور اُس نے مصلح موعود کو کھڑا کر کے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ اب غلبۂ اسلام کے دن بہت قریب ہیں۔ پس اسلامی تہذیب ہی وہ تہذیب ہے۔ جو اب دُنیا میں غالب ہو کر رہے گی۔

منور احمدیت کی شعاعوں سے جہاں ہوگا ⬥ ہماری ہی زمیں ہوگی ہمارا آسماں ہوگا

ضیائے چہرۂ پُرنور سے روشن جہاں ہوگا ⁂ زمیں پُرنور ہوگی اور منور آسماں ہوگا
خدا کی نصرت و تائید اپنی رہنما ہوگی ⁂ روانہ جس طرف دُنیا میں اپنا کارواں ہوگا
ستائش ہر طرف دُنیا میں ہوگی پھر محمدؐ کی ⁂ جہاں دیکھو وہیں ذکرِ حبیبِ دوجہاں ہوگا
لوائے احمدِ مرسلؐ جہاں میں لہلہائے گا ⁂ ہمارا ہی علم ہوگا ہمارا ہی نشاں ہوگا

غرض ہر چیز پر جوبن نیا آیا ہوا ہوگا
نئی یکسر زمیں ہوگی نیا ہی آسماں ہوگا

ترانۂ تہنیت

(از جناب منشی برکت علی صاحب لائقؔ امیر جماعت احمدیہ لدھیانہ)

صد شکر مر خدا را فصلِ بہار آمد ⁂ در نخلِ آرزویم شاخے ببار آمد
بادے وزید و ما را تازہ نمود جانہا ⁂ وز ہر طرف شمیمِ مشکِ تاتار آمد
در گلستانِ بہجت صبحِ صفا دمیدہ ⁂ انوارِ حق پرستی در انتشار آمد
ناگہ صبا رسید و مژدہ رساند گفتا ⁂ سرو سہی زفضلش در جوئبار آمد
چوں مست ہائے کوباں بلبل بخوشی مستی ⁂ در نغمہ تہنیت را بر شاخسار آمد
"ممسوح" "عطر بیز دار گشتہ" "نشانِ رحمت" ⁂ از کردگار آمد ۔ دل کا مگار آمد
آں مصلحے کہ در دیں موعود بودہ از حق ⁂ یاراں بخود بہ بالید آں نامدار آمد
پاشو بہ جاں سپاری جانبازِ احمدیت ⁂ آں شہسوار آمد ۔ با ذوالفقار آمد
لختِ دلِ مسیحا مثلش بہ حسن و احساں ⁂ مہبط برائے فضلِ پروردگار آمد
محمودِ ما کہ خود حق فضلِ عمر بخواندش ⁂ زُلہ رُبائے خوانش ہر بختیار آمد
خوش خلق و خوش شمائل خوش وقت خوش زمانہ ⁂ یکتا بایں صفتہا در روزگار آمد
آں یوسفؑ اسیرِ زندانِ مصر گشتہ ⁂ ایں یوسفے اسیراں را رستگار آمد
اے شانِ کج کلاہی بر تو ز دلربائی ⁂ طالع نثار آمد بے اختیار آمد
یارب بخواجگاں دہ شانے و احترامے ⁂ آں را کہ در خلافت کوہِ وقار آمد
یَا اَیُّھَا الْاَحِبَّا اُدْعُوْا لِطُوْلِ عُمْرِہٖ ⁂ واجب دُعائے خیرش بر دوستدار آمد

ہر شعر مدح گشتہ ہمدوش با ثریا
آرے بہ نظمِ لائقؔ نثرہ نثار آمد

حضرت مصلح موعودؓ اور مبارک شنبہ

(از جناب عزیز الدین صاحب درزی حلقہ مسجد اقصےٰ قادیان)

حضرت آقاؤ مولا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سبز اشتہار کی تمہیدی عبارت کو اس طرح شروع فرماتے ہیں :۔

"واضح ہو کہ اس عاجز کے لڑکے بشیر احمدؐ کی وفات سے جو ۷ر اگست ۱۸۸۷ء بروز یکشنبہ میں پیدا ہوا تھا اور ۴ر نومبر ۱۸۸۸ء کو اسی روز یکشنبہ میں ہی اپنی عمر کے سولہویں مہینے میں بوقت نماز صبح اپنے معبود حقیقی کیطرف بلایا گیا"

مندرجہ بالا عبارت کو بغور پڑھنے والوں پر واضح ہوتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بشیر اول کی یکشنبہ کی ہی ولادت اور شنبہ کی ہی وفات کو قدرت کا ایک اسرار تصور فرمایا ہے۔ اور اپنے الفاظ میں اپنے مفہوم کی طرف صاف طور پر اشارہ بھی کر دیا ہے۔ آج اسی امر کے مدنظر میں نے خیال کیا کہ بہت ممکن ہے کہ اگر غور کیا جائے تو اسی قسم کی کوئی خصوصیت مصلح موعود کی پیشگوئی کے متعلق بھی معلوم ہو جائے۔ چنانچہ جب میں نے اس بارے میں فکر کیا۔ تو مجھے بالکل اسی قسم کی وحدت یہاں بھی کارفرما نظر آئی۔ جو ہر سعید روح کو سیدنا و امامنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کا مصداق یقین کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ وحدت چند مشہور واقعات میں پائی جاتی ہے۔ جن کا ذیل میں نمبروار ذکر کیا جاتا ہے :۔

۱۔ ناظرین پر واضح ہو۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا تعالیٰ سے الہام پاکر مصلح موعود کے متعلق پیشگوئی کا اعلان مورخہ ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کو شائع فرمایا تھا۔ اور بیس فروری مذکور کا دن شنبہ کا دن تھا۔

۲۔ مصلح موعود کی پیشگوئی کے مصداق ہونے کے مدعی حضرت سیدنا و امامنا

امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ولادت باسعادت ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء
کو ہوئی اور ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کا دن بھی شنبہ کا دن ہی تھا۔

۳۔ مصلح موعود کے لئے جس جماعت کا امام ہونا ضروری تھا اس جماعت کی بنیاد بھی
بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ نے بمقام لدھیانہ مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۸۸۹ء کو رکھی تھی۔ اور ۲۳ر مارچ
کا دن بھی مبارک شنبہ کا دن ہی تھا۔

۴۔ پھر جبکہ ۱۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو سلسلۂ عالیہ کی باگ ڈور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ
تعالیٰ کے ہاتھ میں آئی، اور حضور تختِ خلافت پر متمکن ہو کر جلوہ افروز ہوئے یہ مبارک صد
مبارک دن بھی شنبہ کا ہی دن تھا۔

۵۔ جیسا کہ حضور سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے لاہور کے جلسے میں تقریر فرماتے
ہوئے فرمایا ہے کہ اوائل جنوری ۱۹۴۴ء میں جبکہ حضور کو اللہ تعالیٰ نے اس امر کے متعلق
مطلع فرمایا کہ حضور ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کے مصداق ہیں، تو وہ رات بھی اغلباً شنبہ
کی رات ہی تھی۔ سو مبارک ہے شنبہ جو ہمارے لئے بار بار عید کے دن لاتا ہے۔

ہاں! اب وہ لوگ جو سیدنا و امامنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی
ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو مصلح موعود ماننے میں کسی قسم کے شک و شبہ میں مبتلا ہیں، اگر ایک
دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ بالا عبارت کو پھر پڑھیں اور سوچیں
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بشیر اول کی یکشنبہ کی ولادت اور یکشنبہ ہی
کی وفات کو کس نظر سے دیکھا ہے۔ اور پھر غور کریں کہ مصلح موعود کی پیشگوئی کے متعلق جن
پانچ اہم واقعات کا شنبہ کے دن ظہور پذیر ہونا ہم نے بیان کیا ہے، یہ ہمارے وحدت
پسند مولا کریم کی طرف سے جو بڑا حکیم بھی ہے ایک نشان ہے یا نہیں؟

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ

حضرت مصلح موعودؑ اور مخملی ٹوپی!

از جناب سید غلام حسین صاحب ڈیری آفیسر ریاست بھوپال

ہمارے کرم فرما جناب سید غلام حسین صاحب ریاست بھوپال نے مصلح موعود نمبر کے لئے تحریک مضمون کے سلسلے میں لکھا ہے، کہ ان کا ایک مضمون جو ۳۰ر نومبر ۱۹۳۸ء کو اخبار الفضل میں شائع ہو چکا ہے وہ دراصل اس وقت چھپنے کے لئے زیادہ مناسب تھا اور فرمایا کہ اس مضمون کو دوبارہ مصلح موعود نمبر میں ضرور چھاپ دیا جائے۔ وہ مضمون دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مکرم سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب آف بمبئی کے درمیان خط وکتابت ہے۔ اور جس کی تقریب یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی جب پہلی شادی نومبر ۱۹۰۲ء میں حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کی صاحبزادی بلند اقبال سے ہونی قرار پائی تو سیٹھ صاحب نے ایک ترکی مخملی ٹوپی دولہا کے لئے اور ایک اوڑھنی دلہن کے لئے تحفۃً بھجوائی۔ اور ٹوپی پر سلمہ سے وہ الہام کڑھوایا جو ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء والے اشتہار میں ہے یعنی مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ٹوپی حضرت صاحبزادہ صاحب کو اپنے دست مبارک سے بوقت نکاح پہنائی اور سیٹھ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

مقصود اس خط وکتابت سے یہ ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کے صحابہ کا خیال اس وقت بھی یہی تھا، کہ اس الہام کے مصداق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ہی ہیں۔ دوسری روایت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی کی ہے جو حضور کے مصلح موعود ہونے پر ایک روشن دلیل ہے۔ مخملی ٹوپی والی روایت مکرمی شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج دہلی کے ذریعہ سے احباب تک پہنچی ہے۔ ہم سب راویوں کے جنہوں نے یہ دونو باتیں ہم تک پہنچائیں مشکور ہیں۔ اور وہ خط وکتابت حسب ذیل ہے:-

مخملی ٹوپی اور اوڑھنی

سنہ ۱۹۰۲ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی جب پہلی شادی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم کے ہاں قرار پائی تو حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب آف بمبئی نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نہایت مخلص خادم ہیں، ایک مخملی ٹوپی پر سلمہ ستارہ سے الہام "مظهر الحق والعلاء كان الله نزل من السماء" کڑھوا کر حضور کی خدمت میں ارسال کی۔ اور درخواست کی، کہ شادی کیوقت یہ ٹوپی دُولہا کو پہنائی جائے۔ اسی طرح آپ نے ایک اوڑھنی دُلہن کے لئے بھجوائی۔

خوشنودی کا اظہار

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جب سیٹھ صاحب کی طرف سے یہ ہدیہ پہنچا۔ تو آپ نے اپنی خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے جناب سیٹھ صاحب کو ایک خط لکھا۔ جس میں حضور نے شکریہ ادا کیا اور دُعا فرمائی۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کو دین اور دُنیا میں اس کا اجر بخشے۔

شہادت کی حفاظت

اس واقعہ کا ذکر حضرت سیٹھ صاحب کی زبان سے شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج دہلی نے اپنے قیام بمبئی کے دَوران میں سُنا۔ اور انہوں نے اس روایت کا ذکر دہلی میں ایک تقریر کرتے ہوئے احباب جماعت کے سامنے کیا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد سید غلام حسین صاحب لائیو سٹاک آفیسر ریاست بھوپال نے شیخ صاحب کو لکھا کہ وہ روایت جو آپ نے دہلی میں ایک موقعہ پر بیان کی تھی قلمبند کرکے بھجوا دیں۔ شیخ صاحب نے ازراہ احتیاط حضرت سیٹھ صاحب کو خط لکھا اور درخواست کی۔ کہ اس روایت کے متعلق اپنی شہادت لکھکر ارسال فرمائیں۔ اس کے جواب میں سیٹھ صاحب نے مفصل خط لکھا جو شیخ صاحب نے معہ اپنے خط کے سید غلام حسین صاحب کو بھجوا دیا۔ اور سید صاحب نے معہ اپنے عریضہ کے ہر دو خطوط حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت میں ارسال کر دیئے۔ جو درج ذیل کئے

کئے جاتے ہیں۔

حقانیتِ خلافت پر زبردست شہادت!

اِن خطوط میں سیٹھ صاحب کی جس روایت کا ذکر ہے۔ وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کی حقانیت پر ایک زبردست شہادت ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابۂ مسیح موعودؑ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہدِ حیات میں ہی حضور کو الہام الٰہی مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء کا مصداق یقین کرتے تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اِس الہام کا مصداق آپ کو ہی سمجھتے تھے۔ اور چونکہ یہ الہام مصلح موعود کے متعلق ہے اس لئے اس سے یہ امر بھی ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو ہی مصلح موعود یقین کرتے تھے۔

غیر مبایعین کی ہٹ دھرمی

غیر مبایعین جو سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو مصلح موعود یقین نہیں کرتے اور آپ کی خلافت کے منکر ہیں۔ ہم اُن کے سامنے بھی یہ گواہی پیش کرتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ وہ غور کریں۔ ۱۹۰۲ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک صحابی اِس الہام کو جو مصلح موعود کے متعلق ہے آپ پر چسپاں کرتا اور ایک ٹوپی پر کڑھوا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ناپسند نہیں فرماتے۔ بلکہ خوش ہوتے ہیں اور اسے تحفہ سمجھ کر شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس کی دینی اور دُنیوی ترقی کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ کیا یہ اس بات کا واضح اور کھلا ثبوت نہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یقینی طور پر سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کو ہی مصلح موعود سمجھتے تھے۔ اور حضورؑ کے صحابہؓ بھی ابتداء سے آپ کو ہی اُن الہامات کا مَورد یقین کرتے تھے۔ جو مصلح موعود کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپؑ پر نازل ہوئے۔

غرض یہ نہایت ہی زبردست شہادت ہے۔ اور اس سے علیٰ وجہ البصیرت یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ وہی لوگ راستی پر ہیں جو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ

کو مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء کا مصداق یقین کرتے ہیں۔ نہ وہ تو حضورؑ کے منکر ہیں۔ اور آپ کو نعوذ باللہ غلط راہ پر چلنے والا قرار دیتے ہیں۔

یہ تینوں خطوط جن سے اس روایت پر روشنی پڑتی ہے درج ذیل ہیں :-

جناب سید غلام حسین صاحب کا خط

بحضور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

گذارش ہے۔ کہ سال گذشتہ جب مصریوں کے فتنہ کی بیخ کنی کے واسطے جماعت احمدیہ نے ہر جگہ جلسوں کا انتظام کیا۔ تو دہلی میں بابو نذیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ کے مکان پر بھی جلسہ کیا گیا جس میں مختلف احباب نے خلافت کے موضوع پر تقریریں کیں۔ مکرمی شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج دہلی نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ میں نے بمبئی میں جناب سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب سے سنا تھا۔ کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی پہلی شادی ہونے والی تھی۔ اور میں نے ایک مخملی ٹوپی پر الہام "مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء" سلمہ سے کڑھوا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کی تو حضور نے وہ ٹوپی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سر پر اپنے دست مبارک سے پہنا دی جو کہ اب خلیفۃ المسیح الثانی ہیں۔ مطلب یہ لیا گیا۔ کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ پر الہام مذکور چسپاں نہ کرتے، یا الہام مذکور آپ کے متعلق نہ ہوتا تو حضرتؑ اپنے دست مبارک سے وہ ٹوپی اُن کے سر پر نہ اوڑھاتے۔

عاجز نے اس بات کو سُن کر دل میں رکھا۔ اور ماہ گذشتہ میں ایک عریضہ سب جج صاحب کی خدمت میں بھیجکر استدعا کی کہ وہ اپنے قلم سے روایت مذکور تحریر فرما کر میرے پاس بھیجکر مشکوریہ کا موقعہ دیں۔ مگر انہوں نے اس معاملہ میں ایسی ہی احتیاط کی جیسی کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حدیثوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔ جناب سب جج صاحب کا جو جواب آیا ہے وہ ساتھ منسلک ہے۔

عاجز خادم۔ سید غلام حسین اکاؤنٹس آفیسر ریاست بھوپال۔

جناب شیخ اعجاز احمد صاحب کا خط

مکرمی جناب سید صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

آپ کا گرامی نامہ محررہ ۲۷ ۔۔ ملنے پر میں نے احتیاطاً حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب امیر جماعت بمبئی کی خدمت میں خط تحریر کیا۔ اور درخواست کی کہ وہ اس روایت کے متعلق اپنے قلم سے تفصیلاً مجھے لکھیں۔ چونکہ میں نے ان سے اس روایت کو اپنے زمانہ قیام بمبئی میں سُنا تھا جس کو ۲۱ سال کا عرصہ ہو چلا ہے۔ اور تفصیلات میں کسی غلطی کا بوجہ کمزوری یادداشت احتمال ہو سکتا تھا۔ اس لئے میں نے یہ طریق اختیار کیا۔ تاکہ روایت میں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔

مکرمی سیٹھ صاحب کا جواب مجھے اب ملا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ۱۹۰۲ء میں جب حضرت امیر المومنین کی پہلی شادی حضرت ڈاکٹر رشید الدین صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تو انہوں نے بمبئی سے ایک سُرخ رنگ کی مخملی ٹوپی بنوائی جس پر سلمہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء کڑھوایا۔ یہ ٹوپی معہ ایک ریشمی اوڑھنی کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں انہوں نے ارسال کی بدیں درخواست کہ ٹوپی بوقت نکاح دولہا کو اور اوڑھنی دلہن کو اوڑھا دی جائے۔ پارسل پہنچنے پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بدست خاص سے ایک خط سیٹھ صاحب کو تحریر فرمایا جس میں ٹوپی اور اوڑھنی کے لئے سیٹھ صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

میں حضرت سیٹھ صاحب کا جواب جو مجھے موصول ہوا ہے۔ اور نقل خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو سیٹھ صاحب کو لکھا گیا ارسال خدمت کرتا ہوں۔

اس روایت سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ ۱۹۰۲ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے صحابہؓ حضرت امیر المومنین کو الہام مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء کا مصداق یقین کرتے تھے۔ اگر حضرت سیٹھ صاحب ان کو اس الہام کا مصداق یقین نہ کرتے تو حضور کے لئے جو ٹوپی تیار کرائی۔ اس پر یہ الہام نہ لکھواتے۔ پھر یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حضرت امیر المومنین کو اس کا مصداق یقین فرماتے تھے۔ ورنہ جواب میں حضور سیٹھ صاحب کی اس غلطی کی صحت فرما دیتے۔ والسلام

خاکسار اعجاز احمد سب جج دہلی

حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب آف بمبئی کا مکتوب

اخویم مکرم جناب شیخ اعجاز احمد صاحب سلمہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

نوازش نامہ آں مکرم مرسلہ مورخہ ۱۲ بروقت پہنچا۔ آپ نے ان ایام کی یاد دہانی فرمائی جب آپ بمبئی میں رونق افروز تھے۔ اور میرے مکان پر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی شادی مبارک کا تذکرہ آیا تھا۔ درجواب عرض ہے کہ سنہ ۱۹۰۲ء کے ماہ نومبر میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کی پہلی شادی ہونے والی تھی۔ جو حضرت خلیفہ رشید الدین صاحب ڈاکٹر کی صاحبزادی اور میاں ناصر احمد کی والدہ ہیں۔ مَیں اس وقت بمبئی میں تھا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کا الہامی نام محمود و بشیر رکھا گیا تھا۔ جو آج کل بشیر الدین محمود احمدؐ کے نام سے موسوم ہیں۔ ایک الہام ان کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کا ان الفاظ میں بھی تھا۔ مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء۔ مَیں نے اس تقریب پر ایک سُرخ رنگ کی ترکی ٹوپی عمدہ مخملی بنوائی اور اس پر سلمہ سے مذکورہ بالا الہام لکھوایا۔ اس کی شکل یہ ہے۔



اور حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں عرض کی۔ کہ نکاح کے وقت دُولہا کو یہ ٹوپی پہنا دی جائے۔ علاوہ اس کے ایک ریشمی اوڑھنی جس میں زریں فیتے وغیرہ ٹانکے تھے، دُلہن کے لئے شب نکاح اوڑھانے کے لئے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں ٹوپی کے ساتھ بذریعہ پارسل پوسٹ روانہ کی تھی۔ جس کا جواب حضرت اقدسؑ نے اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا تھا۔ جو وہ آپ نے بمبئی میں میرے مکان پر ملاحظہ فرمایا تھا۔ اس کی ایک فوٹو نقل دس روپیہ خرچ کر کے شیخ یعقوب علی صاحب ایڈیٹر الحکم کی درخواست پر اتار کر دی تھی۔ کیونکہ انہوں نے وہ اصلی خط مانگا تھا۔ اور مَیں وہ اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے دس روپیہ خرچ گوارا کیا۔ مگر خط کو تبرکاً اپنے پاس ہی رہنے دیا۔ جو آج تک موجود ہے۔ اور اس کی ایک نقل اپنے قلم سے لکھ کر اس عریضہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں۔ باقی سب طرح خیریت ہے۔ دُعاؤں میں یاد فرماتے رہیں۔

دُعا کا طالب اسمٰعیل آدم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مکتوب مبارک کی نقل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی ۲۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

محبی عزیزی اخویم سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب سلمہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ کا محبت نامہ اور اخلاص کا تحفہ جو آپ نے برخوردار محمود و رشیدہ کی شادی کی تقریب پر بھیجا ہے یعنی ایک ٹوپی اور ایک اوڑھنی پہنچ گیا ہے۔ میں آپ کے اس محبانہ تحفہ کا شکر کرتا ہوں۔ اور آپ کے حق میں دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ آپ کو دین اور دُنیا میں اس کا اجر بخشے۔ آمین۔ باقی خیریت والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ

(۲) فوٹو کی نقل بدستِ مبارک سے لکھی ہوئی ہے لفافہ کی پشت پر

بمقام خاص بمبئی

بخدمت محبی اخویم سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب تاجر بمبئی۔ راقم خاکسار مرزا غلام احمد از قادیان ضلع گورداسپور۔

ڈاکخانہ بمبئی کی مُہر ڈاکخانہ قادیان کی مُہر

دوسرا ثبوت تذکرۃ المہدی ہے۔ در حصہ اوّل حضرت پیر سراج الحق صاحبؓ جمالی نعمانی مطبوعہ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۵ء سے ملتا ہے۔ چنانچہ حضرت پیر صاحب مرحوم تذکرۃ المہدی کے [illegible] پر تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"پھر چند دنوں کے بعد مولوی عبدالکریم صاحبؓ سے بہت تفصیلی باتیں ہوئیں اور بہت سے واقعات جو آپؑ کے بعد ہونے والے تھے وہ بیان کر رہے تھے جو میں بھی پہنچ گیا اور سلسلۂ کلام جاری رہا۔

فرمایا۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے۔ کہ ہمارے سلسلہ میں بھی سخت تفرقہ پڑیگا۔ اور فتنہ انداز اور ہوا و ہوس کے بندے جُدا ہو جائیں گے۔ پھر خدا تعالےٰ اس تفرقہ کو مٹا دیگا۔ باقی جو کٹنے کے لائق اور راستی سے تعلق نہیں رکھتے اور فتنہ پرداز ہیں کٹ جائیں گے۔ اور دُنیا میں ایک حشر برپا ہوگا وہ اوّل الحشر ہوگا۔ اور

تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے۔ اور ایسا کشت و خون ہوگا کہ زمین خون سے بھر جائیگی اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی۔ ایک عالمگیر تباہی آویگی۔ اور اِن تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا۔ صاحبزادہ صاحب! (خاکسار راقم کو فرمایا) اُس وقت میرا لڑکا موعود ہوگا۔ خدا نے اس کے ساتھ ان حالات کو مقدر کر رکھا ہے۔ ان واقعات کے بعد ہمارے سلسلہ کو ترقی ہوگی، اور سلاطین ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ تم اس موعود کو پہچان لینا۔ یہ ایک بہت بڑا نشان پسر موعود کی شناخت کا ہے۔

مولوی صاحب موصوف مرحوم نے باہر نکل کر حضرت اقدسؑ کی اس بات کو دُہرایا اور مجھے فرمایا۔ پیر صاحب! تم کو مبارک ہو۔ مَیں نے کہا کیسی مبارکباد۔ فرمایا۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان نہیں سُنا۔ کہ خاص تم سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم اس ولد موعود کو پہچان لینا۔ مجھے نہیں فرمایا۔ وہ ہنگامہ محشر تم دیکھو گے اور موعود کو بھی۔ سو الحمد للہ وہ ہنگامۂ محشر اور پسر موعود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور مولود مسعود کو پہچانا۔"

تاریخِ وصال

سیدہ ام طاہر احمد مرحومہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

خوانم سیدہ ولی اللہ

قرۃ العین ساقی تسنیم

انتخابِ لطیف مہدیٔ وقت

پیرِ موعود اش رہا پاک نعیم

سیدہ ام طاہر احمد ۱۳۶۳ھ

گشت پیوند با خدا کریم

۸۵

منشی

احمدیت کے دو چمکدار ستارے غروب ہو گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

احباب کرام نے اخبارات احمدیہ میں پڑھ لیا ہوگا کہ ۵ مارچ کو حضرت ام طاہر احمد صاحبہ نے اور ۱۷ مارچ ۱۹۴۴ء کو حضرت میر محمد اسحاق صاحب نے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کر دیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ کہ ایک طرف اُس نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو مصلح موعود کا خطاب دے کر مومنوں کے دلوں کو سرور سے بھر دیا۔ مگر ساتھ ہی سلسلے کے دو قیمتی وجودوں کو اپنے پاس بُلا لیا۔ اگر ایک طرف ہمارے دل خدا تعالےٰ کے آستانے پر شکر کے سجدے بجا لا رہے ہیں تو دوسری طرف اِن انمول موتیوں کے غائب ہو جانے سے غمگین اور حزیں ہیں۔ اور یہ اس لئے ہے کہ تا انسان اپنی خوشی کے دائرے سے باہر نہ نکل جائے۔ اور اپنی ہستی سے غافل نہ ہو جائے۔ یہی انسان کے عجز کو ثابت کرنے کیلئے کافی دلیل ہے۔ اگر انسان کے بس کی بات ہوتی، تو کبھی وہ خوشی اور راحت کی گھڑیوں میں غم کو اپنے پاس آنے نہ دیتا۔

حضرت ام طاہر احمد صاحبہ طبقۂ نسواں میں اَن تھک کام کرنے والی خاتون تھیں۔ اور حضرت میر محمد اسحاق صاحب فاضل طبقۂ ذکور میں اَن تھک کام کرنے والے بزرگ تھے دونو کا چند دن کے فاصلے سے ہم سے جدا ہو جانا ہمارے دلوں کو سخت حزیں بنانے کا موجب ہوا ہے۔ اور یہ ایک قومی نقصان ہے۔ جس کی تلافی اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے فرما سکتا ہے۔

ام طاہر احمد صاحبہ مرحومہ کی بیماری ایام جلسہ سے ہی فکر کا پہلو اپنے ساتھ لئے ہوئے تھی۔ اور اگرچہ علاج معالجہ میں کسی قسم کا دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ اور سیدہ مرحومہ کیلئے انفرادی اور اجتماعی رنگ میں کثرت سے دعائیں بھی کی گئیں۔ مگر مشیت ایزدی کے سامنے تمام انسانی تدبیریں ہیچ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اور وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں۔ جن کی خوبیاں مرنے کے بعد یاد آتی ہیں۔ اور بعد میں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ مگر سیدہ مرحومہ نے اپنی زندگی میں ہی ثابت کردیا تھا کہ وہ اعلیٰ صفات کی وارث ہیں۔ ان کی زندگی نہ صرف اپنے خاوند محترم کے لئے راحت کا موجب تھی، بلکہ وہ سلسلہ عالیہ احمدیہ پر بھی دل و جان سے فدا تھیں۔ اور طبقہ نسواں کو جو ایک گہرا لگاؤ ان کی ذات والا صفات سے تھا، وہ ان کی طبع زاد ہمدردی پر دال ہے۔ لجنہ اماء اللہ کی تنظیم اور رونق اُن کی ذات سے وابستہ تھی۔ اور جلسہ سالانہ مستورات میں اُن کا وجود مقناطیسی اثر رکھتا تھا۔ مستورات کی تربیت میں وہ اپنے خاوند اور امام کی دستِ راست تھیں۔ ایسے قیمتی وجود کا ہمارے درمیان سے اُٹھ جانا ایک قومی صدمہ اور جماعتی نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، کہ وہ اس کمی کو کس طرح پورا کریگا۔ اور اس فعل میں اس کی کیا حکمت تھی۔

خاکسار راقم کو شادی کا وہ دن بھی یاد ہے۔ جب ۱۹ ... ۱۹ء کو مسجد مبارک میں یہ مبارک تقریب وقوع میں آئی۔ اور مکرم مولوی عبدالرحیم صاحب درد کو تمین سے دعائیہ نظمیں پڑھتے ہے۔ حضرت ام المومنین اید اللہ کو اس نکاح سے خصوصیت سے خوشی تھی۔ کیونکہ وہ خاتون جس کو خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہو ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا، وہ آخر اُسی مقدس خاندان میں آگئی۔

جس دن مرحومہ رخصت ہوکر لاہور۔ ہسپتال میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا اس دن بھی خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے موقعہ دیا کہ مرحومہ کی زندگی کے آخری لمحات میں حاضر رہے۔ سیدہ مرحومہ کی نعش مبارک کو قادیان لیکر رات کے بارہ بجے لایا گیا۔ اور ۶ مارچ کو غروب آفتاب سے پہلے احاطہ خاص مقبرہ بہشتی میں سپردِ خاک کردیا گیا۔ جہاں آپ کی دو بہنیں (میں موت کا لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتا) آرام کی نیند سو رہی ہیں۔ یعنی حضرت سیدہ امۃ الحی صاحبہ اور حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ۔ اللہ تعالیٰ تینوں کی روحوں کو جنت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ دے۔ اور اپنے فضل کی بارشیں برسائے۔ آمین ثم آمین

حدیث میں آتا ہے کہ جس مومن کے جنازے پر چالیس مومن جمع ہوکر نماز پڑھیں وہ بہشتی ہوتا ہے۔ مگر حضرت سیدہ مرحومہ کے جنازے پر اس قدر اجتماع مومنین کا تھا کہ آج تک شاید ہی کسی کے جنازے پر قادیان میں اس قدر اجتماع ہوا ہو۔

حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ فاضل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس خاندان سے نہایت ہی گہرا اور قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے اور اپنے خاندانی اور ذاتی صفات کی بنا پر ایک خاص اور قیمتی وجود تھے۔ اور جیسا کہ معزز الفضل نے لکھا ہے "دینی علوم و معارف کے بحرِ بیکراں تھے۔ جو احمدیہ اخلاق اور تہذیب کا اعلیٰ نمونہ تھے! جو ہر مصیبت زدہ کے مددگار اور ہر محتاج کے دستگیر تھے۔ جو یتیموں کے ملجاء اور بیواؤں کے ماویٰ تھے جنکا دستِ سخا نہایت وسیع تھا۔ جنہوں نے ساری عمر متوکلانہ زندگی بسر کی۔ جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ خدمتِ دین اور خدمتِ خلق اللہ کے لئے وقف تھا۔ جو احمدیت کا ایک درخشندہ اور ضوفشاں ستارہ تھے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ جن کی خوبیوں کا شمار ہم سے ممکن نہیں"

بہت کم لوگ ہوں گے، جن پر حضرت میر صاحبؓ کے ذاتی احسانات نہ ہوں۔ وہ بہترین پڑوسی، بہترین دوست اور بہترین عالمِ باعمل تھے۔ وہ دین کے لئے بے حد غیور تھے۔ اور قرآن و حدیث کے عاشق۔ مسائل کا استنباط اور استدلال اُن پر ختم تھا۔ وہ غضب کے قادر الکلام تھے، اور مشکل سے مشکل اور ادق سے ادق مسائل کو ایسے آسان پیرائے میں بیان فرماتے کہ سُننے والا خواہ معمولی سمجھ کا آدمی بھی کیوں نہ ہو، اسکو سمجھ جاتا۔ خوش خلقی اور مذاقِ سلیم اُن کی شخصیت کو اور بھی چار چاند لگاتے تھے۔ مرحوم اگرچہ اکثر بیمار ہو جاتے تھے، اور ہر دفعہ جب بھی بیماری کا حملہ ہوتا، تو سخت حملہ ہوتا۔ مگر آخری حملہ اس قدر سخت تھا، کہ جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ ۲۴-۲۵ گھنٹے کی مختصر بیماری کے بعد آپؓ اپنے والد ماجد حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحومؓ کے پہلو میں جا سوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؎

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے ہزاروں کے مجمع کے ساتھ نماز جنازہ باغ میں پڑھائی اور مرحوم کو قدوسیوں کے زمرے میں چھوڑ کر ایسی حالت میں مراجعت فرمائی کہ دل حزین تھا اور آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں ؎

شانِ مصلح موعودؓ

از جناب نسیم سیفی صاحب بی۔اے

اے معترضِ مصلحِ موعود اِدھر دیکھ!
اک جلوۂ خوشرنگ بصد شعلہ اثر دیکھ!
تابانیٔ صد مہر در آغوشِ سحر، دیکھ!
آ! احمدِ ہندی کے گلستاں کا ثمر دیکھ!

ظلمت میں یہ گمگشتیٔ راہ کہاں تک
ایمان کے بدلے حشم و جاہ کہاں تک

ہر لمحۂ ہستی ترا مرہونِ فغاں ہے
کیوں دل ترا ناواقفِ ہر سُود وزیاں ہے
کیوں رازِ عیاں تیری نگاہوں سے نہاں ہے
کیوں پرتوِ حُسنِ ازلی تجھ پہ گراں ہے

مفقود ہے کیوں پاسِ حیا تیری نظر سے
کیوں بُغض و عداوت ہے تجھے نفلِ عمرؓ سے

آ! بستیٔ محمود کی پُرکیف فضا دیکھ!
ذروں کے جلو میں بھی ہے جلووں کی ضیا دیکھ!
گر حق سے بیتر ہے تجھے دیدۂ وا دیکھ!
محمود کے پیکر میں ہے اک شانِ خدا دیکھ!

رحمت کی ہے گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی سی
اِک برقِ الم سوز ہے، لہرائی ہوئی سی

وہ جس کی ذہنوں میں ہیں انوارِ حقیقت
وہ جس کے اشاروں میں ہیں اسرارِ حقیقت
وہ جس کے خیالات ہیں گلزارِ حقیقت
وہ جس کی ہر اک بات ہے اخبارِ حقیقت

وہ جس کی جبینِ رشکِ مہ و انجمِ افلاک
وہ جس کی نظر سینۂ فطرت کو کرے چاک

وا حمدِ مُرسَل کا مثیل اور خلیفہ
وہ حُسن میں، احسان میں، ایثار میں یکتا
وہ جس کی ہر اک سانس ہے رشکِ دمِ عیسیٰؑ
دیکھا ہے زمانے نے اثر جس کی دعا کا

وہ جس کی ہر اک بات میں شامل ہے مشیت

وہ جس کو میسر ہے فرشتوں کی اعانت
ہاں ہاں وہی محمود ہے موعودِ زمانہ — اسرار و حقائق کا اُبلتا سا خزانہ
وہ جس کی رضا، فضلِ الٰہی کا بہانہ — باطل کی ہر اک بات بنی جس سے فسانہ
دی جس نے جہاں بھر کے اسیروں کو رہائی
ہاں ہاں وہی محمود ہے "فرزندِ گرامی"
میخانہ اسلام میں چھلکی ہے مئے ناب — چمکا ہے سرِ طُور پھر اِک جلوۂ بے تاب
پرتو سے بنا مہر ہر اک ذرۂ بے آب — ملحوظ رکھ اے عشق ذرا حُسن کے آداب
تُو اور یہ دعویٰ ثناخوانیٔ محمود
تُو اور یہ اندازۂ تابانیٔ محمود

پسرِ موعود اور اشاعتِ اسلام

(از جناب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہر)

یہ کون کہتا ہے دردِ دل میں ہمارے کوئی اثر نہیں ہے
فلک پہ طوفان بن رہے ہیں مگر کسی کو خبر نہیں ہے
گریگی وہ برق انقلابی کہ ذرہ ذرہ چمک اُٹھے گا
یہ آنکھیں اس درجہ خیرہ ہونگی کہ گویا ان میں نظر نہیں ہے
خدائی تقدیر کہہ چکی ہے کہ فتح اسلام ہے یقینی
یہ دولت انکو ملیگی بیشک کہ جنکو مرنیکا ڈر نہیں ہے
لُٹا رہا ہے ہمارا محمودؔ نورِ عرفاں کے اب خزانے
خدا کی قدرت کا بھی ہے مظہر فقط یہ فضلِ عمر نہیں ہے
مٹائے تثلیث و دہریت کے یزیدوں کے مٹائے فتنے
بتاؤ اے منکرانِ حاسد کیا یہی وہ پسر نہیں ہے
اشاعت اسلام کی یہ دنیا میں کس لئے کیسے کر رہا ہے
اگر اولوالعزم یہ نہیں مصلحِ دیں اگر نہیں ہے
ممالک سرد و گرم دنیا کے شہرتوں سے ہیں اسکی مملو
خلافت اسکی ہے کس سے مخفی یہ شہرت اسکی کدھر نہیں ہے
ہزاروں اس سے دعا کرا کر مرادیں پاتے ہیں اپنے دل کی
کسی میں ہمت ہو آکے دیکھے دعا میں ہے یا اثر نہیں ہے

کہا تھا احمدؑ سے جو خدا نے وہ روز و شب ہو رہا ہے پورا
دلوں میں ان منکروں کے گو بر یقینِ ایماں مگر نہیں ہے

مکرم ماسٹر فقیر اللہ صاحب اور خان بہادر میاں محمد صادق صاحب کی بیعت خلافت

احباب جماعت خصوصاً وہ دوست جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے زمانے سے تعلق رکھتے ہیں یہ سنکر خوش ہونگے کہ پچھلے جمعہ (مورخہ ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء) میں مکرم ماسٹر فقیر اللہ صاحب اور خان بہادر میاں محمد صادق صاحب سابق غیر مبایعین نے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے دست مبارک پر بعد نماز جمعہ بیعتِ خلافت کی۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب مکرم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے آدمی ہیں تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان کے پرانے استاد ہیں۔ اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کے استاد ہونیکا بھی فخر رکھتے ہیں بعض اوقات ریویو آف ریلیجنز کی مینیجری کے فرائض بھی ادا کیا کرتے تھے۔ مولوی محمد علی صاحب پریذیڈنٹ انجمن اشاعت اسلام لاہور جب قادیان سے چلے گئے تو ماسٹر صاحب موصوف بھی ان کیساتھ ہی یہاں سے لاہور چلے گئے۔ آپ غیر مبایعین کے چوٹی کے آدمیوں میں سے تھے۔ اور اپنے خیالات پر سختی سے قائم تھے۔ مگر آخر تیس سال غیر مبایعین میں زندگی گذارنے کے بعد اور انکے اندرونی اور بیرونی حالات کا مطالعہ کرنیکے بعد پھر قادیان کیطرف رجوع کیا جو ہندوستان کی تخت گاہ اور مدینۃ المسیح ہے ہمیں ماسٹر صاحب مکرم کے واپس آنیکی بہت خوشی ہے۔ اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو بقیہ ایام زندگی حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ کی صحبت میں گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خان بہادر میاں محمد صادق صاحب بھی غیر مبایعین میں جنرل سیکرٹری کے عہدے پر سرفراز رہے ہیں اور اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ مولوی محمد علی صاحب پریذیڈنٹ کے بعد دوسرے درجے پر تھے۔ خان بہادر صاحب کے مضامین بھی پیغام صلح میں نکلتے رہے ہیں۔ کہ سعید روحوں کو اللہ تعالیٰ ہزار مشکلات کے بعد بھی حق کو اختیار کرنیکی توفیق دیدیتا ہے۔ ہر دو صاحبان کی استقامت کیلئے احباب دعا فرمائیں۔ دل تو ہمارا یہ بھی چاہتا ہے کہ خود مکرم مولوی محمد علی صاحب بھی اگر واپس آجائیں اور اس موعود کو جس کی تعریف اپنے قلم سے خود تعریف کرچکے ہیں مصلح موعود تسلیم کرلیں تو وہ اس رؤیا کو پورا کرنیوالے ہونگے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "مولوی صاحب آؤ ہمارے پاس بیٹھ جاؤ۔ آپ بھی کبھی ملک ارادت رکھتے تھے۔" اگر مولوی صاحب مکرم اتنا تو محسوس کرتے ہی ہونگے کہ انکے ساتھی ایک ایک کرکے ان کا

"پسرِ مسیحؑ و مصلحِ مؤعودؑ آگیا"

(از جناب روشن الدین صاحب تنویرؔ سیالکوٹ)

بیٹھی تھیں دو ہزار برس سے کنواریاں
رہ میں بچھائے شوق کے پھولوں کی کیاریاں
سوزِ جگر سے مشعلیں روشن کئے ہوئے
دل کے لہو سے زینتِ دامن کئے ہوئے
بیٹھی ہوئی تھیں ڈوب کے اپنے سنگار میں
جو پھیکا پڑ چلا تھا طویل انتظار میں
یکدم فضاء میں ایک تغیر سا آگیا
باغِ جناں سے آکے کوئی مسکرا گیا
تاروں کے پاؤں اُٹھنے لگے کچھ شتاب اور
دریائے کہکشاں کا بڑھا پیچ و تاب اور
مرغانِ نغمہ زن کی نوا تیز ہو گئی
بُوئے گل، اور ولولہ انگیز ہو گئی
شانِ ازل نے راز کے پردے اُٹھا دیئے
دشت و جبل نے اپنے خزانے لُٹا دیئے
قومیں پکار اُٹھیں کہ وہ محمود آگیا
پسرِ مسیح و مصلح موعود آگیا

تبصرہ

(۱)

"موعودِ اقوامِ عالم"

مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر مولوی فاضل کی تازہ تصنیف ہے۔ جو دراصل قوموں کے موعود کے بارے میں ایک نئی تحقیق ہے۔ اس میں مولوی صاحب موصوف نے تمام مشہور ادیانِ عالم کی مذہبی کتابوں سے حوالے دیکر ثابت کیا ہے۔ کہ مختلف مذاہب کے بزرگوں نے اپنے بعد آنیوالے کے متعلق جو پیشگوئیاں کی ہیں اور اُس کی علامات بتائی ہیں، وہ دراصل ایک ہی شخص کے متعلق ہیں۔ مختلف اشخاص کے متعلق نہیں۔ مختلف قوموں کے مختلف تمدن اور زبان کی وجہ سے نام مختلف ہیں۔ مگر دراصل وہ مصلح ایک ہی شخص ہے۔ اور وہ تمام پیشگوئیاں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی جری اللہ فی حلل الانبیاء کی ذات بابرکات میں پوری ہوجاتی ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے استقرائی طریق سے ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ موعود جس کی انتظار تمام اقوامِ عالم کو ہو رہی ہے، وہ سوائے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور کوئی نہیں۔ وہ قارئین کو اطرافِ عالم سے پھیر پھیر کر پہلے ہندوستان میں لاتے ہیں اور پھر پنجاب کے ضلع گورداسپور میں موضع قادیان میں اُس موعود کے دروازے پر لا کر کھڑا کر دیتے ہیں، اور بتا دیتے ہیں کہ وہ موعود یہاں اس مکان میں رہتا ہے۔ موضع قادیان کا نام حدیث شریف میں کدعہ آتا ہے، اور حضرت بابا نانک صاحب علیہ الرحمۃ نے پرگنہ بٹالہ کا نشان دیا ہے، اور ویدوں میں اُس کے گاؤں کا نام قدون اور اُس کا اپنا نام احمد آیا ہے۔ پھر مصنف نے اُن نشانات کے بارے میں بھی بحث کی ہے جو اُس موعود کی آمد کے ساتھ گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ اور آخر میں بعض بزرگوں کی شہادتیں بھی لکھی ہیں، جو اُس موعود کی صداقت کے قائل تھے۔ اور اپنے معتقدین کو اشاروں اشاروں میں سمجھا گئے تھے۔ کہ آنے والا آچکا ہے اور

اُن کا اپنا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔

کتاب صفائی کاغذ، درمیانہ سفید کاغذ اور اعلیٰ گلابی و سفید بینک پیپر پر چھپوائی گئی ہے، اور قیمت علی الترتیب ۸ /، ۱۲ /، ۶ / ہے۔ جو آجکل کی گرانی بلکہ نایابی کاغذ کے مقابلے میں زیادہ نہیں۔ امید ہے کہ غیر مذاہب کے دوست بھی اِس تحقیق سے فائدہ اٹھائیں گے اور احمدی احباب تبلیغ کے لئے اسے بہت مفید پائیں گے۔

(ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز)

(۲)

"ظہورِ مصلح موعود"

مؤلفہ مولوی شریف احمد صاحب امینی مولوی فاضل۔ ۶۰ صفحہ کا ایک رسالہ ہے جو دس ابواب پر مشتمل ہے۔ مؤلف نے اِس چھوٹے سے رسالے میں تمام وہ ضروری باتیں درج کر دی ہیں، جو پیشگوئی مصلح موعود کے سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ رسالہ حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔اے اور حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کی نظرِ ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ جو صحتِ مضامین اور صحتِ استدلال کی ضمانت ہے۔ غیر مبائعین احباب کے ہاتھوں میں دینے کے لئے بہت اچھی تالیف ہے۔ احباب توجہ فرما دیں۔ قیمت صرف ۶ / روپے۔ (ایڈیٹر)

مصلح موعود اور فتوحاتِ احمدیت

فرزندانِ احمدیت کو دعوتِ عمل

(از جناب خواجہ خورشید احمد صاحب مجاہد سیالکوٹی واقفِ تحریک جدید)

پھیلائیں گے صداقتِ اسلام کچھ بھی ہو ❊ جائینگے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں
محمود کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار ❊ رُوئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں

دُنیا والے اِس مُہیب اور پُرخطر جنگ کے بعد ایک جدید نظام کے قیام کے متمنی دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا نظام جو مادیت کے زیر اثر اور روحانیت سے خالی محض ہو۔ لیکن برعکس اسکے ایک احمدی اِس یقین پر قائم ہے کہ دُنیا کے آئندہ نظام کی بُنیاد اس شریعتِ غرا کے زرّیں اصولوں پر ہوگی، جسے وادیٔ بطحا کے شہزادہ، سارے نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں لے کر آئے۔

ہر قلبِ مومن سے یہ آواز اُٹھ رہی ہے کہ گو آج حوادثاتِ زمانہ نے اسلامی تمدن اور اسلامی عزت کو کئی رنگوں میں نقصان پہنچایا ہے۔ لیکن میرا مالک، میرا آقا جو زمین کے ذرہ ذرہ پر حکمراں ہے تازگی بخش اور رُوح پرور ایام لانے والا ہے۔ اور عنقریب مذاہب باطلہ کے مُنادوں اور پرچارکوں کی امیدوں پر پانی پھرنے والا ہے۔ وہ وقت جلد آنے والا ہے، جبکہ باطل پاش، پاش ہوگا اور اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریك لہٗ و اشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولہٗ کے مقدس کلمات سے مُردہ رُوحوں کو ابدی حیات نصیب ہوگی۔ وہ دن دُور نہیں، جبکہ بادشاہوں کے پُرشوکت درباروں اور اللہ والوں کی مقدس محفلوں میں توحیدِ خداوندی کے دلوں کو موہ لینے والے ترانے مُبلانِ

روحانیت گایا کریں گی گلشنِ احمد کے پھولوں کی مہک بیدار مغزوں کو معطر کرے گی۔ شمعِ ہدایت کے پروانے حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شیدائی آستانۂ الوہیت پر سر جھکانے والے سیدنا حضرت مصلح موعود محمود ایدہ اللہ تعالیٰ کے بہادر سپاہی اسلام کی منادی مغرب کی سنگلاخ اور پتھریلی زمینوں میں تخمِ صداقت بونے کی خاطر اسلامی مرکز قادیان دار الامان سے ہزارہا کی تعداد میں پرندوں کی مانند پرواز کریں گے؛ اگرچہ راستہ میں انہیں پُرخطر جنگلات، اونچے اونچے پہاڑوں اور دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرنا پڑے۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ کہ:۔

"اسلام کے لئے پھر اس تازگی اور روشنی کا دن آئے گا جو پہلے وقتوں میں آچکا اور وہ آفتاب اپنے پورے کمال کیساتھ چڑھیگا جیسا کہ پہلے چڑھ چکا" (فتح اسلام صفحہ ۱۰-۱۱)

پھر فتوحاتِ اسلامیہ اور صلیبی فتنہ کی مغلوبیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"میں صلیب کے توڑنے اور خنزیروں کے قتل کرنے کے لئے بھیجا گیا ہوں میں آسمان سے اُترا ہوں ان پاک فرشتوں کیساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے۔ جنکو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے میرے کام کو پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کریگا بلکہ کر رہا ہے۔ اور اگر میں چپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رُکی بھی رہے تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اُترے اپنا کام بند نہیں کرسکتے۔ اور اُن کے ہاتھ میں بڑی بڑی گرزیں ہیں جو صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کچلنے کے لئے دیئے گئے ہیں"

(فتح اسلام صفحہ ۱۱)

"اور وہ دن نزدیک ہے کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب کیطرف سے چڑھیگا اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگیگا۔ اور بعد اسکے توبہ کا دروازہ بند ہوگا کیونکہ داخل ہونیوالے بڑے زور سے داخل ہوجائینگے اور وہی باقی رہجائینگے جنکے دل پر فطرت سے دروازے بند ہیں اور نور سے نہیں بلکہ تاریکی سے محبت رکھتے ہیں۔ قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہونگی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائینگے مگر اسلام کا آسمانی حربہ نہ ٹوٹیگا اور نہ کُند ہوگا جبتک کہ دجالیت کو پاش پاش نہ کردے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی توحید جسکو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں، ملکوں میں پھیلے گی۔ اسدن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہیگا اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کردیگا۔

لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئینگی" (تذکرہ صفحہ ۲۸۵-۲۸۶)

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ زمانہ دور ہے؟ نہیں! نہیں! مستقبل قریب میں ہی مشرق کے شاہسوار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لختِ جگر سیدنا حضرت محمود ایدہ اللہ تعالیٰ اور آپ کے خدام کے مبارک ہاتھوں یہ مقدس ایام آرہے ہیں۔ عنقریب احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی عظیم الشان فتح کا ناقوس بجنے والا ہے۔ باطل پاش پاش ہونیوالا ہے۔ ہاں ہاں وہ مبارک دن آرہے ہیں جبکہ ربانی عشق کے طلبگار شاہِ یثرب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام میں جوق درجوق داخل ہونگے اور دُنیا کے طول وعرض میں احمدیت کا ہی تسلط ہوگا۔ شاہانِ عالم مسیحِ پاک کے بابرکت کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے۔ تب خوش بخت رُوحیں خوشی سے اچھلینگی اور کہینگی کہ احمدیت کے قیام کا یہی مقصد تھا جو پُورا ہوُا۔ اس عالمگیر کامیابی کا سہرا سیدنا حضرت فضل عمر محمود ایدہ اللہ کے سر ہوگا۔ کیونکہ اسی مقدس وجود (اور اسکی) قیادت میں جہاد کرنیوالے مجاہدینِ احمدیت کے ہاتھوں اسلام کو پُرشوکت غلبہ نصیب ہوگا۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری ہی برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کیلئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائیگا جس میں رُوح القدس کی برکات پھونکونگا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت تعلق رکھنے والا ہوگا۔ مظہر الحق والعلا ہوگا گویا خدا آسمان سے نازل ہوُا ۔ ۔ ۔ ۔ دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دُنیا میں بڑی قبولیت پھیلائیگا اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلیگا اور دُنیا میں اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہوگا۔ یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں یہ اُس خدا کی وحی ہے جسکے آگے کوئی بات انہونی نہیں۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹)

یہ اسلامی فتوحات جس مقدس انسان کے ساتھ وابستہ ہیں اس کی نسبت وحی الٰہی ہے کہ:-

"وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دُنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت وغیوری نے اُسے کلمۂ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین وفہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری وباطنی سے پُر کیا جائیگا ۔ ۔ ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور جسکو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اسمیں اپنی رُوح ڈالینگے اور خدا کا سایہ اسکے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور قومیں اس سے برکت پائینگی۔ تب اپنے نفسی نقطہ

آسمان کیطرف اٹھایا جائیگا وکان امرًا مقضیا۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

جناب مولوی محمد علی صاحب امیر غیر مبایعین لکھتے ہیں کہ:۔

"آئندہ کے لئے بانی سلسلہ اس سلسلہ کیلئے بڑی بڑی کامیابیوں کی پیشگوئی کرتے ہیں۔ براہین احمدیہ میں دو وعدے سلسلہ کی کامیابی کے متعلق ہیں ایک وہ وعدہ ہے جو خود بانی کی زندگی میں پورا ہونیوالا تھا سو وہ پورا ہوچکا اور ہو رہا ہے یعنی ایسے وقت میں جبکہ آپ بالکل تنہا اور گوشہ گمنامی میں تھے یہ وعدہ کہ جوق در جوق لوگ تیرے پاس آئینگے اور باوجود مخالفت کے مخلوق بڑی کثرت سے رجوع کریگی اور دور دور سے نصرتیں آئینگی یہ وعدہ پورا ہو رہا ہے اور ہر روز نیا ظہور اسکا ہوتا ہے۔ **دوسرا وعدہ** جو اس سلسلہ کو دیا گیا ہے وہ اسکے بانی علیہ السلام کی **وفات کے بعد** ظہور پذیر ہونیوالا ہے اور وہ **ان الفاظ میں ہے**۔ کہ جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔ پہلے وعدہ کا پورا ہونا صاف بتا رہا ہے کہ دوسرا وعدہ بھی پورا ہو کر رہیگا۔ یہ بھی ایک پیشگوئی ہے کہ **آپ کے ایک لڑکے کے ذریعہ** جو خدا تعالیٰ کی **طرف سے** سلسلہ کی **رہنمائی کیلئے مامور ہوگا** یہ سلسلہ بڑا اقتدار اور قوت حاصل کریگا۔"

(ریویو آف ریلیجنز جلد ۵ نمبر ۵ صفحہ ۱۹۲ سنہ ۱۹۰۶ء)

سیدنا حضرت محمود مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

"اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ وہ مجھ سے احیاء اسلام کا کام لے اور اسلام کی عظمت کو میرے ذریعہ قائم کرے اور یہ کام ہو کر رہیگا جلد یا بدیر۔ مبارک ہے وہ جو میرا ہاتھ بٹاتا ہے اور افسوس اُس پر جو میرے راستہ میں کھڑا ہوتا ہے کیونکہ وہ میرا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے جس نے مجھ جیسے گنہگار کو اپنے جلال کا ذریعہ بنایا۔ کاش وہ توبہ کرتا اور خدا تعالیٰ کے اشارے کو سمجھتا۔ کاش وہ اپنے آپکو اس خطرناک مقام پر کھڑا نہ کرتا۔ کیونکہ اس قسم کے اعتراض سے وہ جس مصیبت کو اپنے اوپر سے ٹلانا چاہتا ہے وہ اسے ٹلاتا نہیں بلکہ اسکی وجہ سے اپنے آپکو پہلے سے کہیں زیادہ خدا تعالیٰ کے غضب کے نیچے لے آتا ہے۔ میں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں اخلاص اور درد کے ساتھ اسے یہی کہتا ہوں ؎

اے آنکہ سوئے من بدویدی بصد تبر ٭ از باغباں بترس کہ من شاخ مثمرم

(الفضل ۲۰ نومبر ۱۹۳۷ء)

پس اے احمدیت کے جانباز سپاہیو! حق بات یہی ہے کہ اسی مصلح موعود فضل عمر خلیفۃ المسیح الثانی کے ذریعہ احمدیت کو عظیم الشان غلبہ حاصل ہوگا۔ خوش بختو! اس وقت تحریک جدید پر لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھو کہ کامیابی تمہارے پاؤں چومنے کو تیار ہے! اور فتح وظفر کا باب تمہارے لئے وا ہونیوالا ہے۔

احمدیت کے عزیز فرزندو! تم اُس رُوحانی جرنیل کے سپاہی ہو جسکے مبارک عہد میں آسمانی نوشتہ کے مطابق نیّرِ احمدیت تمام ظلمت کدوں پر طلوع کریگا۔ ہاں! ہاں! تم اسی محمود ایدہ اللہ الودود کے فدائی ہو جسے اللہ تعالیٰ نے حُسن و احسان میں مسیحا کا نظیر قرار دیا ہے جسکے ذریعہ انشاء اللہ تعالیٰ لاکھوں بھوُلے بھٹکے راہ ہدایت پائینگے۔ پس تمہارے عزائم پختہ اور ہمتیں بلند ہونی چاہئیں، کیونکہ تم اُس روحانی زمین و آسمان کے قیام کا ذریعہ ہو جسکی بشارت دَورِ حاضرہ کے عظیم الشان نبی مسیح موعودؑ نے باذنِ الٰہی تمہیں دی۔ پس بڑھو! بڑھو! کہ ابھی طاغوتی طاقتیں حق کے مقابل سینہ سپر ہیں۔ تمہیں ان سے ایک جنگ لڑنا ہے جسے صُحفِ آسمانی میں آخری جنگ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تم اُس وقت تک دم نہ لو جبتک کہ انکا سر کچل کر نہ رکھدو۔ لاکھوں رُوحیں ہیں جو سچائی کی طالب اور روحانیت کی پیاسی ہیں جن تک تم نے احمدیت کا شیریں مگر حیات بخش پیغام پہنچانا ہے۔ اِس زمانہ میں فقط تم ہی وہ لوگ ہو جو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے مثیل اور توحید کے علمبردار ہو تم نے میدانِ عمل میں وہ کچھ کرکے دکھانا ہے جو کچھ قرونِ اُولیٰ کے مسلمانوں نے کرکے دکھایا۔ پس تیز گام ہو جاؤ کہ منزل ابھی دُور ہے۔ مخالفت کی آندھیوں کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ وہ دھوئیں کی مانند دیکھتے کے دیکھتے ہی اُڑجاتی ہیں۔

تم سُن چکے ہو کہ ۲۸ صلح بروز جمعۃ المبارک سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پاکر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرما دیا ہے۔ اب تو یقینی بات ہے کہ حضور ہی کے ذریعہ روحانی عالم میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہوگا۔ آؤ ہم خدائے قدوس کے آستانہ پر سجدہ ریز ہو کر دُعا کریں۔ کہ اے وہ خدا جس کے قبضۂ قدرت میں انسانوں کے دل ہیں تو اب اپنے فضل و کرم سے جلد وہ دن لا جس دن کہ جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا کا خوش کن منظر مومن اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں۔

اے حیّ و قیّوم خدا! تیرے حضور ہم سب کی یہی عاجزانہ درخواست ہے کہ تُو ہمارے مقدس امام کو جسے تو نے اپنے جلال کے ظہور کا موجب قرار دیا ہے دیر تک ہم میں سلامت رکھ۔ تا تیری توحید کا پرچم چاردانگ عالم میں لہرائے۔ تا وہ جو شیطانی قیود میں مقید ہیں نجات پائیں۔ تا تیرے حبیب پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپؐ کے جانشین مسیح موعودؑ اور دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا مقصد پُورا ہو۔ آمین ثم آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وصیتیں

نوٹ :- دفتر مقبرہ بہشتی سے مندرجہ ذیل وصایا اس لئے شائع کی جاتی ہیں تا اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے ... [illegible]

نمبر [illegible] - مکرم غلام یاسین ولد چوہدری محمد الدین صاحب قوم جٹ پیشہ ملازمت [illegible] عمر ۲۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی ساکن قادیان [illegible] قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد حسب ذیل ہے :-

(۱) ۲۲ ایکڑ زمین واقعہ احمد آباد اسٹیٹ سندھ جو کہ میرے والد صاحب نے میرے نام پر خریدی ہوئی ہے۔ اس کے محاصل و حاصل وغیرہ کا انتظام ابھی والد صاحب ہی فرما رہے ہیں۔

(۲) دو کسی حصہ [illegible] ایک قطعہ [illegible] جو کسی قادیان میں خرید کئے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ مجھے بطور وظیفہ مبلغ ۲۵ روپے تحریک جدید سے ملتا ہو [illegible]۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ جو کہ میں انشاء اللہ ماہ بماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد اگر میری کوئی اور جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط والسلام۔ العبد :- غلام یاسین بقلم خود دار [illegible] قادیان۔ گواہ شد محمد الدین والد موصی بقلم خود۔ گواہ شد غلام مرتضیٰ [illegible] منٹگمری حال قادیان۔

نمبر [illegible] - مکرم سید محمد یوسف شاہ ولد سید پیر شاہ صاحب قوم سید پیشہ [illegible] عمر تقریباً ۲۰ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن [illegible] ضلع [illegible] صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں :-

(۱) میری جائیداد اس وقت ایک مکان ایک دکان [illegible] ہے۔ [illegible] اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ (۲) [illegible] آمد [illegible] صدر انجمن احمدیہ قادیان [illegible] صدر انجمن احمدیہ [illegible]

سید محمد یوسف سکنہ بسملہ ضلع گجرات تحصیل کھاریاں ڈاکخانہ بھاگ نگر۔ گواہ شد پیر شاہ ولد الموصی۔ گواہ شد فضل شاہ سکنہ بسملہ۔ گواہ شد کاتب الحروف محمد احمد خان نسیم مولوی فاضل انسپکٹر بیت المال

نمبر ۲۲۲۶۔ حکیم محمد امین ولد مولوی محمد یامین صاحب مرحوم قوم ہمبرا پیشہ زمینداری عمر تقریباً ۱۹ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن دیوا سنگھ والا ڈاکخانہ سرائے لدھو ضلع ملتان صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۷؍ جنوری ۱۹۴۶ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔

(۱) پینتالیس بیگھہ زمین واقع دیوا سنگھ والا ڈاکخانہ سرائے لدھو ضلع ملتان جسکی اس وقت اندازاً قیمت ۴۵۰۰/- روپیہ ہے۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ اور اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں۔ تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہو گی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جسقدر میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ فقط۔ العبد محمد امین ساکن دیوا سنگھ والا ضلع ملتان بقلم خود۔ گواہ شد اللہ رکھا بقلم خود۔ گواہ شد محمد شفیع انسپکٹر بیت المال ۱/۱/۴۶

نمبر ۲۲۲۳۔ ملک مہر دین صاحب صحابی ولد عبد اللہ صاحب قوم ملکے پیشہ ترکمان عمر ۵۵ سال تاریخ بیعت ۱۸۹۶ء ساکن شکار ماچھیاں حال مہاجر دار الرحمت ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۶/۱/۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت ڈیڑھ سو روپیہ کی جائیداد ہے۔ اور میں بوجہ بیماری کمزور ہوں۔ اور کوئی مستقل کام نہیں کر سکتا۔ اپنے لڑکوں کے ذمہ خرچ اخراجات ہیں۔ صرف پانچ روپیہ ماہوار کی محنت کی آمدنی ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی بابت چندہ ماہواری دے دیا کروں گا۔ اور خراس قیمتی دو سو روپیہ کے نصف حصہ یعنی ایک سو روپیہ کا مالک ہوں۔ اور شکار ماچھیاں میں ہی سفید زمین قیمتی پچاس روپیہ کا مالک ہوں۔ یعنی کل جائیداد قیمتی ڈیڑھ سو روپیہ کی ہے۔ جس کا واحد مالک ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں۔ تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہو گی۔ نیز میرے

مرنے کے وقت جو میری جائیداد ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔
العبد۔ نشان انگوٹھا مہر دین اصحابی موصی مہاجر دار الرحمت قادیان۔ گواہ شد علی محمد موصی انسپکٹر وصایا۔ گواہ شد محمد اکرام تاجر قادیان۔

نمبر ۲۲۵۷۔ منکہ محمود احمد عرفانی ولد شیخ یعقوب علی صاحب قوم شیخ پیشہ اخبار نویس عمر ۳۱ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن قادیان ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۸ جنوری ۱۹۲۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری آمدنی اس وقت صرف پچاس روپے ماہوار ہے۔ اس کا ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ ادا کرتا ہوں گا اس کے سوا میری کوئی جائیداد یا آمدنی نہیں ہے۔ میری ایک ذاتی لائبریری بھی ہے۔ جو الحکم کی لائبریریوں سے الگ ہے۔ میرا اندازہ ہے۔ کہ اسکی قیمت پانچ سو روپیہ ہوگی۔ اسکی قیمت کا ۱/۱۰ حصہ بھی صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرونگا۔ جو کتابیں میں نے تصنیف کی ہیں۔ ان کی ساری آمدنی کا اندازہ لگا کر پچاس روپے ماہانہ میں نے مقرر کئے ہیں۔ ورنہ اس کے سوا میرا کوئی ذریعہ معاش نہیں۔ البتہ میں نے ابھی ایک تجارت شروع کی ہے۔ جو ایم۔ اے عرفانی اینڈ کو۔ کے بمبئی کے نام سے ہے۔ ابھی کام شروع نہیں ہوا۔ کام شروع ہو جانے پر اس کام پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ اور میری وفات پر اگر کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔

نوٹ:۔ جب میں نے ۱۹۱۹ء میں زندگی وقف کی تھی۔ اس زمانہ میں بمد وصیت ۱/۱۰ کٹتا تھا۔ اسے بھی حساب میں اگر مجرا کر دیا جائے۔ تو مناسب ہوگا۔ العبد۔ محمود احمد عرفانی۔ گواہ شد شیخ محمد ابراہیم علی عرفانی بقلم خود۔ گواہ شد داؤد احمد عرفانی کاتب سیکرٹری اعظم ۱۸/۱/۲۲

نمبر ۲۲۸۵۔ منکہ شاہ دین ولد خاں قوم راجپوت پیشہ زمینداری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت یکم جون ۱۹۲۲ء ساکن رائے پور ڈاکخانہ خان پور بھیداں ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۲۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ زمین تقریباً ۶ گھماؤں جس کے میں ۱/۴ حصے کا مالک ہوں۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر اس کے بعد کوئی جائیداد پیدا کروں۔ تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد بخزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت ادا کروں

یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ میں سے منہا کر دی جائیگی۔ العبد:۔ شاہ دین نشان انگوٹھا۔ گواہ شد بقلم خود احمد موصی [illegible]۔ گواہ شد علی محمد [illegible]

نمبر ۶۸۶۷۔ منکہ غازی عبدالرحمٰن صاحب ولد چاند خاں صاحب قوم غوری پیشہ ملازمت عمر [illegible] تاریخ بیعت ۱۹۳۳ء ساکن لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ اس وقت میری جائیداد کوئی نہیں ہے۔ میری ماہوار آمد اس وقت مبلغ -/۴۰ روپے ہے۔ میں تا حیات اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دیتا رہوں گا۔ العبد:۔ غازی عبدالرحمٰن غوری بقلم خود بیرون دہلی دروازہ احمدیہ مسجد لاہور۔ گواہ شد محمد حیات بقلم خود مسجد احمدیہ لاہور۔ گواہ شد عبدالعزیز بقلم خود مبارک منزل لاہور
گواہ شد سید اعجاز احمد اعجاز لاہور۔

نمبر ۶۳۳۷۔ منکہ سلطان احمد ولد کرم الدین قوم گوجر پیشہ دکانداری عمر پچپن سال تاریخ بیعت ۱۹۳۴-۳۵ء ساکن اسمٰعیلہ ڈاکخانہ بجاؤ تمیٹ پور ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹/۱۲/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری جائیداد اس وقت ۲ بیگھہ زمین رہن مبلغ چھ صد روپیہ ایک گائے قیمتی -/۶۰ روپیہ اور میری اوسط ماہوار اس وقت مبلغ دس روپے ماہوار ہے۔ اس سب میزان -/۶۶۰ روپے کے دسویں حصہ -/۶۶ روپیہ کی ادائیگی کا میں ذمہ وار ہوں اور ایک روپیہ ماہوار حصہ آمد سے ادا کرتا رہوں گا۔ اور کمی بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو دیتا رہوں گا۔ اگر خدانخواستہ اپنی زندگی میں حصہ آمد اور حصہ جائیداد ادا نہ کر سکوں۔ تو میرے ورثاء اسکو ادا کرنے کے ذمہ وار ہوں گے۔ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو جائے۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ سلطان احمد موصی اسمٰعیلہ ضلع گجرات۔ گواہ شد محمد اسماعیل خالد تحریک جدید قادیان۔ گواہ شد بقلم خود ابراہیم احمدی اسمٰعیلہ۔

نمبر ۶۲۵۴۔ منکہ غلام جنت بیگم زوجہ میاں احمد الدین صاحب قوم ارائیں [illegible] عمر ۴۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن جلہ ارائیں ڈاکخانہ جلہ ارائیں ضلع [illegible] بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸ر جنوری [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:۔
میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ (۱) گیارہ کنال اراضی [illegible] قیمت [illegible] روپیہ ہے۔ (۲) سونا بصورت زیورات پندرہ تولہ اور چاندی بصورت [illegible]

[illegible] /۵۰۰ روپیہ ہے۔ (۲) [illegible] روپیہ [illegible]

[illegible] روپیہ ہے۔ [illegible] خاوند سے وصول کر کے [illegible]

حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ انشاء اللہ العزیز یہ /۱۹۵۰ روپیہ کا دسواں حصہ

[illegible] روپیہ ہوتے ہیں۔ اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروا دونگی۔ مبلغ /۱۰۰ روپیہ

اس وقت داخل خزانہ کر رہی ہوں۔ اور بقیہ کچھ عرصہ کے بعد داخل خزانہ کرا دوں گی۔ انشاء اللہ۔ اس کے

علاوہ میری اور کوئی جائیداد نہیں۔ اور نہ ہی ماہوار آمد ہے۔ اگر میرے مرنے کے بعد مذکورہ بالا جائیداد کے

علاوہ کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ ربنا

تقبل منا۔ الامتہ۔ نشان انگوٹھا غلام جنت صاحبہ زوجہ میاں احمد الدین صاحب احمدی۔ گواہ شد

احمد الدین بقلم خود خاوند موصیہ۔ گواہ شد امام الدین احمدی مولوی فاضل واقف زندگی۔

[illegible]۔ ملک نواب بی بی زوجہ چوہدری محمد عبد اللہ خان امیر جماعت قوم جٹ پیشہ

زراعت عمر [illegible] سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن و ڈاکخانہ [illegible] گھٹیالیاں ضلع سیالکوٹ صوبہ

پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۳ دسمبر [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی

ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے:۔ حق مہر مبلغ [illegible] روپیہ جو اپنے خاوند سے وصول کر چکی ہوں

اور [illegible] روپیہ نقد علاوہ مہر میرے پاس ہیں۔ کل رقم اس وقت مبلغ یکصد روپیہ میرے

پاس ہے۔ اب یہ مبلغ /۱۰۴ روپیہ بتفصیل ذیل: چندہ قسط اول ما اعلان وصیت۔ رقم وصیت ادا

کرتی ہوں۔ کل اپنی جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی رقم بھی سب کی سب وصیت ادا کرتی ہوں۔ اگر میں اپنی

زندگی میں کوئی اور جائیداد پیدا کروں۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بھی کرتی ہوں۔ اسکی ادائیگی

اپنی زندگی میں کرونگی۔ اگر [illegible] نہ کر سکی۔ تو میرے خاوند صاحب اور میری اولاد اسکی ادائیگی کے پابند ہونگے

اگر میرے مرنے کے بعد کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ ہوگی۔

[illegible] نواب بی بی صاحبہ زوجہ چوہدری محمد عبد اللہ خان نمبردار امیر جماعت احمدیہ [illegible]

[illegible] گواہ شد [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوں۔ اور نیز یہ بھی وصیت کرتا ہوں۔ کہ اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ مدت العمر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور میرے مرنے کے بعد جو میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں اپنی کسی جائیداد کا حصہ وصیت ادا کر دوں۔ تو وہ میری اس وصیت سے منہا کر دیا جائے گا۔ فقط۔ العبد:۔ پیر حسن الدین ولد پیر اکبر علی صاحب وکیل فیروزپور شہر۔ گواہ شد پیر انوار الدین موصی ٹیکس انسپکٹر محلہ چار باغ جالندھر شہر۔ گواہ شد ایم مبارک احمد خاں ایمن آبادی۔

نمبر ۲۶۵ ۔ مسماۃ نصرت جہاں بیگم بنت چودھری علی اکبر صاحب ایم۔ اے قوم جاٹ پیشہ ملازمت عمر تقریباً ۲۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی ساکن گھڑیال کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع شیخوپورہ صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸/۱/۴۴ (بروز جمعہ) حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

اس وقت میری جائیداد صرف میرا طلائی زیور وزنی پانچ تولے چار رتی اور نقد مبلغ ۱۴۶ روپے ہے۔ میری ماہوار یا سالانہ آمد کچھ نہیں ہے۔ اپنی موجودہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے بعد اگر میں کوئی جائیداد پیدا کروں۔ یا کوئی جائیداد مجھے ملے تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اس کے علاوہ میرے مرنے پر جو میری جائیداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک انجمن مذکور ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت ادا کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو وہ رقم یا جائیداد حصہ وصیت کردہ میں مجرا ہوگی۔ العبد:۔ نصرت جہاں بیگم موصیہ بنت چودھری علی اکبر صاحب ایم۔ اے۔ گواہ شد علی اکبر ایم۔ اے والد موصیہ اے۔ ڈی۔ آئی مدارس بٹالہ۔ گواہ شد فضل حق حکیم نور منزل بٹالہ ۲۸/۱/۴۴

نمبر ۲۶۶ ۔ مسماۃ رحیم بی بی صاحبہ زوجہ نور محمد صاحب احمدی قوم ارائیں پیشہ امور خانہ داری۔ عمر ۴۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن لنگیری جاگیر وارا ڈاکخانہ خاص ضلع جالندھر صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ فروری ۱۹۴۴ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ موجودہ وقت میں میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ گوکھرو دو عدد۔ کنگنیاں۔ چوڑیاں دس عدد۔ پری بند دو عدد بند دو عدد۔ ہار گل والا ۱ عدد۔ پنٹڑیاں دو عدد۔ یہ سب چیزیں زیورات چاندی اور سپائی ہیں۔ جن کا وزن پختہ سات چھٹانک ہے۔ اور اس وقت ان سب اشیاء کی بازاری قیمت زرگر سے دریافت کی گئی ہے۔ جو کہ کل مبلغ ۲۲۵/- روپیہ بعد مزدوری کے ہے۔ اس کے علاوہ ایک جوڑی طلائی جس کا وزن قریباً ایک تولہ مالیت مبلغ ۵۰/- روپیہ ہوگی۔ اور اس کے علاوہ میرا مہر یکصد روپیہ ہے۔ اور اس وقت

میری اور کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں ہے۔ لہذا اس کے اپنی مذکورہ بالا جائیداد کل مبلغ ۔/۲۰۰ روپیہ کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ جو کہ انشاء اللہ بقایا اپنی زندگی میں ہی ادا کر دونگی۔ اور حصہ جائیداد مبلغ ۲۲ روپیہ ارسال خدمت ۷ فروری کو ارسال ہے۔ میرا حصہ جائیداد سے منہا کر دیا جاوے۔ نیز اگر اس کے علاوہ وقت وفات میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ لہذا تحریر کر دی ہے۔ کہ سند رہے۔

نوٹ:۔ اس وصیت کے متعلق خط و کتابت مندرجہ ذیل پتہ پر ہو۔ معرفت چودھری نظام الدین صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ لنگیری جاگیرداراں کے بابت رحیم بی بی احمدی اہلیہ نور محمدؐ صاحب۔

العبد:۔ نشان انگوٹھا رحیم بی بی زوجہ نور محمدؐ۔ گواہ شد نظام الدین سیکرٹری مال انجمن احمدیہ۔ گواہ شد حکیم ابراہیم پریذیڈنٹ لنگیری انجمن احمدیہ۔

نمبر ۶۷۲۲۔ منکہ ڈاکٹر ملک مولا بخش ولد ملک بہادر خاں صاحب مرحوم قوم راجپوت پیشہ دکانداری عمر ۲۸ سال تاریخ بیعت جولائی ۱۹۳۲ء ساکن کلانور ڈاکخانہ کلانور ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری اس وقت منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائیداد نہیں۔ میری ماہوار آمد مبلغ ۔/۲۰ روپیہ ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اپنی ماہوار آمدنی کی کمی بیشی کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور میرے مرنے کے بعد جو جائیداد ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ ڈاکٹر ملک مولا بخش صاحب دکاندار سکنہ کلانور سیکرٹری جماعت احمدیہ کلانور۔ گواہ شد شیخ گلاب الدین صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ کلانور۔ گواہ شد غلام احمد ارشد انسپکٹر بیت المال۔

نمبر ۶۷۲۳۔ منکہ امۃ الکریم بیگم زوجہ ڈاکٹر ملک مولا بخش صاحب قوم راجپوت پیشہ خانہ داری عمر ۲۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن کلانور ڈاکخانہ کلانور ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۰/۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں:۔ میری اس وقت جائیداد حسب ذیل ہے۔ مہر ۔/۱۰۰۰ روپیہ اور زیور مالیتی ۔/۳۰۰ روپیہ۔ کانٹے طلائی وزنی آٹھ ماشہ۔ قمیص کے بٹن وزنی ۱/۲ تولہ۔ انگوٹھی طلائی وزنی تین ماشہ۔ سنگرپٹی وزنی ایک تولہ۔ کل ۲ تولہ۔ قیمت ۔/۳۰ روپیہ کل جائیداد ۔/۱۳۰۰ روپیہ۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد۔ احمد الکریم ولد مولا بخش صاحب گواہ شد ڈاکٹر ملک مولا بخش صاحب [illegible] جماعت احمدیہ کلانور گواہ شد غلام احمد ارشد انسپکٹر بیت المال ۲۶/۱۲/۴۳

نمبر [illegible]۔ مکرم غلام دستگیر ولد چودھری غلام علی صاحب مرحوم [illegible] پیشہ ملازمت عمر ۳۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۲ء ساکن دیوانیوالی ڈاکخانہ بٹالہ ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶/۱۲/۴۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ (۱) میرے پاس چار گھماؤں زمین بعوض مبلغ پانچ صد روپیہ رہن ہے۔ (۲) [illegible] تمام قیمتی اندازاً ۴۰۰/- روپیہ۔ (۳) نقد مبلغ ۵۰۰/- روپیہ جمع ہے۔ (۴) میری تنخواہ اس وقت [illegible] ماہوار ہے۔ کل ۱۹۰۰/- روپیہ جوکہ ہمارے تین بھائیوں کا ہے۔ اس کا ⅓ حصہ میرا [illegible] روپیہ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ یعنی ۶۳/- روپیہ اپنی زندگی میں انشاء اللہ [illegible] کرانے کا ہوں اپنی ماہوار آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ نیز میری وفات پر اس کے علاوہ اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ مالک ہوگی۔ العبد:۔ غلام دستگیر ولد چودھری غلام علی صاحب مرحوم ساکن دیوانیوالی ڈاکخانہ بٹالہ ضلع گورداسپور حال ہیڈ کلرک ٹاؤن کمیٹی قادیان گواہ شد مرزا اسلم حیات سیکرٹری ٹاؤن کمیٹی۔ گواہ شد پیر عبدالغنی بقلم خود [illegible] سندھ حال انسپکٹر چونگی ٹاؤن کمیٹی قادیان۔

نمبر [illegible]۔ مکرم منشی عبدالحکیم ولد حکیم چراغ الدین صاحب قوم [illegible] پیشہ ملازمت عمر قریباً پچاس سال تاریخ بیعت ۱۹۲۴ء ساکن قادیان ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ یکم فروری ۱۹۴۴ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری اس وقت منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائیداد نہیں ہے۔ میں اس وقت سٹار ہوزری قادیان میں مبلغ ۲۴ روپے تنخواہ پر ملازم ہوں۔ اور مبلغ ۳ روپیہ قحط الاؤنس ملتا ہے۔ اس طرح اس وقت میری ماہوار آمد ۲۷ روپے ہے۔ جس کے میں ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ جو کہ ماہوار انشاء اللہ ادا کرتا رہوں گا۔ اور آئندہ اگر میری آمد میں ترقی ہوئی۔ تو اسکی اطلاع دیتا رہوں گا۔ اور میرے مرنے کے بعد میری کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد اسکے علاوہ ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی رقم قابل ادائیگی میرے ذمہ ہوئی تو اسکی ادائیگی کے ذمہ دار میرے ورثاء ہوں گے۔ العبد:۔ منشی عبدالحکیم ملازم سٹار ہوزری گواہ شد عبدالرحمٰن فرزند موصی۔ گواہ شد حکیم محمد صدیق بھتیجہ موصی (مالک) [illegible] شفاخانہ طب جدید قادیان۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

(ماہنامہ اردو)

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر تبصرہ اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳	ماہ جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۴ء	عدد ۵

فہرست مضامین!

وہ اور ہم

قدیم سے یہی اصول اور یہی دستور چلا آتا ہے۔ کہ جب دُنیا میں زمین والوں کی توجہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہٹ جاتی ہے اور وہ مادہ پرستی، دُنیا داری اور خواہشات سفلی کیطرف جھک جاتے ہیں اور اپنے خالق و مالک سے مُنہ موڑ کر نفسانی خواہشات کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور اُن کی زندگی کا مدعا سوائے مخلوق پرستی یا نفس پرستی کے اور کچھ نہیں رہ جاتا، اور اُن کی ساری کوششیں حصولِ دُنیا کے لئے وقف ہو جاتی ہیں، اور وہ اپنے خدا سے ایسے بے گانے ہو جاتے ہیں کہ گویا وہ کبھی اُس کے ہاتھ سے وجود میں آئے ہی نہیں تھے۔ تو ایسے وقت میں خدا تعالےٰ کی رحمت پھر جوش میں آتی ہے۔ اور آسمان پر زمین والوں کی اصلاح کے لئے ایک شور پڑ جاتا ہے۔ اور ادھر خشکی و تری میں لوگوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے فساد پیدا ہو جاتا ہے، تب خدا تعالیٰ اپنی طرف سے کسی فرد بشر کو اپنا خلیفہ بنا کر اصلاح خلق کے لئے مامور کرتا ہے۔ جس کی قبولیت کے لئے فرشتے دلوں کی زمین تیار کرتے ہیں، اور اسکی قبولیت زمین میں پھیلائی جاتی ہے۔ ایسے مامور من اللہ کی بعثت کے بعد زمین والوں کے دو گروہ بن جاتے ہیں۔ ایک وہ گروہ جو اس کو قبول کر لیتا ہے، اور اُس کی آواز پر لبیک کہتا ہے۔ اور دوسرا گروہ جو اس کی تکذیب کرتا ہے، اور اُس کی مخالفت میں دن رات ایک کر دیتا ہے۔ تب خدا تعالیٰ اپنی پہلی تجلی ظاہر کرتا ہے

ماننے والے ابتدا میں تھوڑے اور کمزور ہوتے ہیں۔ لیکن وہ معاندین اور مخالفین کے گروہ کی مسلسل اور پیہم کوششوں کے باوجود تعداد میں بڑھتے جاتے ہیں اور نہ ماننے والے دن بدن گھٹتے جاتے ہیں، اور کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ تاریخ یہ نظارہ ہمیں سینکڑوں ہزاروں دفعہ دکھا چکی ہے۔ اور اب یہ اصل بمنزل قانونِ قدرت کے ہو گیا ہے۔

کس قدر فرعون دُنیا میں آئے جن کے لئے موسیٰ کی ضرورت پڑی۔ اور کس قدر نمرود پیدا ہوئے جن کے لئے کسی ابراہیمؑ کو بھیجنا ضروری ہوا۔ ہمارے زمانے میں بھی تاریخ نے پھر اپنے اس اصل کو دُہرایا ہے اور ایک مامور من اللہ کی مخالفت کے لئے ساری دُنیا اکٹھی ہو گئی ہے

مخالف لوگ خدا تعالیٰ کا ذرہ نام کو بھی اپنے اندر نہیں رکھتے۔ اور دُنیا پرستی کے نشے میں سرسر مخمور نظر آتے ہیں۔ لیکن مامور من اللہ کی مخالفت کے لئے دن رات ایک کر دینے کو کار ثواب سمجھتے ہیں اور ہر وقت ایسی تدبیروں میں لگے رہتے ہیں جن سے امام وقت اور اس کی جماعت کے مُنہ آتے رہیں اور اُن کے کام میں روڑے اٹکاتے رہیں۔

موجودہ زمانے کے امام حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخالف اگرچہ عیسائی، ہندو، مسلمان سب ہی ہیں لیکن آج کی صحبت میں ہمارے مخاطب مؤخرالذکر ہی ہیں۔ یعنی مسلمان جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اُمت ہونے کا دم بھرتے ہیں اور خدائی کتاب قرآن مجید پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کا حق یہ تھا کہ سب سے پہلے ایمان لانیوالوں میں سے ہوتے۔ اور جب انہی میں سے ایک مسلمان نے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا، اور اپنے دعویٰ کی بنیاد قرآن وحدیث پر رکھی تھی۔ تو چاہیے تھا کہ قلب صمیم کے ساتھ اور ٹھنڈے دل سے آپ کے دعویٰ پر غور کرتے اور نیک ظن مسلمانوں کی طرح اپنے بھائی پر حسن ظنی سے کام لیتے، اور اگر اس کے دعویٰ کو قرآن وحدیث کے مطابق پاتے تو آمنا وصدقنا کہکر اُسے مان لیتے۔ مگر یا حسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسول الا کانوا بہ یستھزءون۔ یعنی افسوس میرے بندوں پر کوئی رسول اُن کے پاس ایسا نہ آیا جس کیساتھ انہوں نے تمسخر نہ کیا ہو اور ہنسی اور ٹھٹے سے پیش نہ آئے ہوں۔

حضرت مرزا صاحب نے جونہی مہدی اور مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ تمام ہندوستان میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی، اور مخالفین نے وہ شور بپا کیا کہ آسمان سر پر اٹھا لیا۔ آپ پر کفر کے فتوے لگے اور آپ کے مال و اسباب کو لوٹ لینا جائز قرار دیا گیا۔ اور آپ کو اور آپ کے ماننے والوں پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا گیا۔ حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے۔ کہ اسلام ہے تو نام کا اور ایمان ہے تو دکھاوے کا۔ کہنے کو چالیس کروڑ مسلمان دُنیا میں بستے ہیں اور خود ہندوستان میں بھی آٹھ کروڑ سے کم نہیں۔ مگر آٹھ کروڑ کی آبادی اور حالت یہ ہے کہ برادران وطن کے ہر رنگ میں دست نگر ہیں اور اُن کے رحم و کرم پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سیاسی پہلو کو بھی جانے دو۔ بحیثیت مسلمان ہونے کے دینی پہلو سے اگر دیکھیں تو نہ ایمان درست ہے اور نہ اعمال صحیح ہیں۔ نہ اخلاق میں بلندی نظر آتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر کامل یقین نہیں۔ گو زبانی دعویٰ بھی کریں گے کہ ہم خدا کی ہستی کے قائل مگر صرف اعتقادی طور پر

کیا واقعہ میں مسلمان خدا کے موجود ہونے کو دل سے یقین کرتے ہیں؟ اور کیا حقیقت میں انکو یقین ہے کہ ہمیں اپنے اعمال کے لئے ایک دن خدا کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا؟ نہ تعلیمیافتہ مسلمانوں میں یہ یقین موجود ہے، نہ اُن کے علماء کو ایمان حاصل ہے۔ وہ قرآن کو خوش الحانی سے پڑھیں گے اور حدیث کو اپنا راہبر بھی تسلیم کریں گے؛ مگر جب عمل کا وقت آئے گا تو کس کا قرآن اور کس کی حدیث پھر وہی کریں گے جو ان کے مفاد کے لئے ضروری ہے۔ ایک ایک روپے کیلئے جھوٹی قسم کھا لیں گے۔ جھوٹی گواہی دے دینگے۔ غیروں کا مال جائز و ناجائز طریق سے کھا جائینگے بلکہ بعض کے نزدیک تو غیر مسلموں کا مال کھانا خواہ کسی طریق سے ہو عین جائز ہے۔ کتنے گھرانے ہیں جن میں روزانہ قرآن کی تلاوت ہوتی ہے؟ اور کتنے والدین ہیں جو اپنے بچوں کو اسلامی رنگ میں رنگین کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ اور کتنے ہیں جن کے دلوں میں یہ تڑپ ہے کہ ان کے بچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں؛ عربی مکتبوں میں صرف و نحو کی تعلیم تو دی جائے گی، مگر قرآن و حدیث کا کہیں ذکر نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر سر اقبال کے فلسفے کی تعریفیں ہوں گی۔ اور اُن کے اشعار کو وجد میں آ آکر پڑھیں گے۔ مگر جو فلسفہ قرآن نے بیان کیا ہے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرے گا۔

اسلام پر مخالفین اعتراضوں پر اعتراض کریں، اور اُس کی جڑوں پر تبر رکھ رہے ہوں، یہ برداشت ہو جائے گا۔ مگر اسلامی سٹڈی کرنے اور اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے نہ علماء آگے بڑھیں گے، نہ انگریزی دان۔ اور آگے بڑھیں بھی کیونکر کس کے دل میں اتنا درد ہے اور کس کے پاس اتنا علم ہے کہ اسلام کی ڈیفنس کر سکے۔ غیر ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے جانا نہ انگریزی خوانوں کو نصیب ہوتا ہے اور نہ ان کے علماء کو۔ امراء کو اپنے مشاغل سے ہی فرصت نہیں۔ اُن کی خود ساختہ تہذیب اُن کو کب اجازت دیتی ہے۔ کہ وہ اسلام کے لئے سینہ سپر ہوں۔ یا خود باہر نکل کر اسلام کی حفاظت اور اشاعت میں حصہ لیں۔ غرض جس طرف دیکھو اسلامی دُنیا غفلت میں گہری نیند سوئی ہوئی ہے۔ اسلام کا درد کسی کے سینے میں نہیں۔ اور کوئی اسکا غمخوار نہیں ؎

بے کسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے با کارِ خود با دینِ احمدؐ کار نیست

اس کے برعکس دوسری طرف خدا کے چند بندے جنکو جمہور مسلمان کافر سمجھتے ہیں اور جو اپنا

تن من دھن سب خدا کی راہ میں وقف رکھتے ہیں، اور اسلام کے لئے ہر وقت سینہ سپر ہیں۔ لیکن جنکو عام مسلمان گردن زدنی سمجھتے اور انکو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا عین کارِ ثواب جانتے ہیں وہ اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اپنی زندگیاں خدا کے دین کے لئے وقف کر چکے ہیں اور اپنے اموال کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کو ایک ادنیٰ کام سمجھتے ہیں۔ جو اپنے خویش و اقارب کو محض خدا کے فضلوں پر بھروسہ کرتے ہوئے پیچھے چھوڑ جاتے اور خود یورپ میں، امریکہ میں، افریقہ میں، چین اور جاپان میں، اور سمندر کے دوسرے جزیروں میں تبلیغ اسلام اور اشاعتِ دین کے لئے نکل جاتے ہیں اور سالہا سال تک واپس نہیں آتے، یہاں تک کہ وہ ہزاروں کو حلقہ بگوشِ اسلام بنا لیتے ہیں۔ وہ کفار کو کلمہ پڑھاتے ہیں، ان کو خدا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قوانین پر چلنے کے لئے پابند کرتے ہیں۔ ہزاروں کو جسمانی سے اخلاقی اور اخلاقی سے رُوحانی بناتے ہیں۔ اور جن کی اپنی زندگیاں قال اللہ و قال الرسول کے مطابق ڈھلی ہوئی ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالےٰ کے احکام کا جُوا اپنی گردنوں پر اُٹھائے ہوئے ہیں اور اپنے اعمال نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کے مطابق رکھتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں، لڑکیوں کو اپنی جائیدادوں سے باقاعدہ حصّہ دیتے ہیں۔ وہ اپنے لڑکوں اور اپنی لڑکیوں کو دین اسلام سے پوری واقفیت دلاتے ہیں۔ اُن کے سکولوں اور کالجوں میں قرآن باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے اور حدیث نصاب میں شامل کی جاتی ہے۔ اُن کو اسلامی علم کلام پڑھایا جاتا ہے۔ وہ اسلام کی ڈیفنس کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔ اور ان کے چھوٹوں میں اور ان کے بڑوں میں ان کی عورتوں میں، اور ان کے بچوں میں یکساں تبلیغ اسلام کا جوش پایا جاتا ہے۔ وہ خوشی سے اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم دلاکر غیر ممالک میں بھیجتے ہیں۔ اُن کے اندر اسلامی رُوح اپنے حقیقی معنوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے اندر تقوےٰ رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں ایک دن اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو کر اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اس لئے وہ لوگوں کا مال نہیں کھاتے۔ وہ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں اور اُس کے بندوں کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں۔ وہ نہ سود لیتے ہیں، نہ دیتے ہیں۔ وہ تجارتیں بھی کرتے ہیں، مگر اُن کی تجارت اُن کو خدا سے غافل نہیں کرتی۔ وہ اُسی کے لئے تجارت کرتے ہیں۔ اُن میں ایسے بھی ہیں کہ غیر معمولی اور غیر متوقع منافع ہو تو سارے کا سارا نفع خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ وہ ایکدوسرے

سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور بھائی بندوں کی طرح رہتے ہیں۔ اُن کے یہاں ایک کا دُکھ دوسرے کا دُکھ ہوتا ہے اور ایک کی خوشی دوسرے کی خوشی ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام ہے۔ "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنارِ بلند تر محکم افتاد" یعنی تو خوش ہو۔ کہ تیرا وقت قریب آگیا ہے اور مسلمانوں کا قدم ایک اونچے مینار پر پڑا ہے۔ یعنی تیرے آنے اور ظاہر ہونے سے ضروری ہوگا۔ کہ مُسلمانوں کا قدم ایک اونچے مینار پر پڑے۔ اور وہ دینی اور دُنیاوی رنگ میں بامِ اوج پر پہنچ جائیں۔ مگر یہ تبھی ہو سکتا ہے۔ کہ مسلمان حضرت امام الزمان کے قدموں میں آکر اپنی پہلی حالت سے تائب ہوں، اور نئی روحانی زندگی حاصل کریں۔ جب تک وہ مخالفت پر قائم ہیں اُن کو ترقی کیسے مل سکتی ہے۔

کاش! مسلمان سمجھیں کہ ترقی کی جو راہ خدا نے اُن کے لئے تیار کی ہے وہ کس قدر آسان ہے۔ اور کس قدر یقینی ہے۔ کوئی قوم ترقی نہیں کرتی جس کا کوئی واجب الاطاعت امام نہ ہو۔ مسلمانوں کے لئے خدا نے امام بھیج دیا اور ترقی کی راہیں کھول دیں۔ اب مسلمانوں کا اپنا کام ہے، کہ وہ اس کو قبول کریں اور ترقی کریں۔

دس گورو صاحبان کے نام!

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب)

۱۔ حضرت حاجی بابا نانک صاحبؒ
۲۔ دوسری پادشاہی گورو انگد صاحب
۳۔ تیسری پادشاہی گورو امرداس صاحب
۴۔ چوتھی پادشاہی گورو رام داس صاحب
۵۔ پانچویں پادشاہی گورو ارجن صاحب
۶۔ چھٹی پادشاہی گورو ہرگوبند صاحب
۷۔ ساتویں پادشاہی گورو ہررائے صاحب
۸۔ آٹھویں پادشاہی گورو ہرکرشن صاحب
۹۔ نویں پادشاہی گورو تیغ بہادر صاحب
۱۰۔ دسویں پادشاہی گورو گوبند سنگھ صاحب

بابا نانک صاحب

صوبہ پنجاب کے ضلع شیخوپورہ کی بستی "رائے بھوئے کی تلونڈی" کو جو آب ننکانہ صاحب کے نام سے مشہور ہے، یہ فخر حاصل ہے۔ کہ حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی اللہ اور بزرگ انسان وہاں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سمت ۱۵۲۶ بکرمی مطابق سنہ ۱۴۶۹ء[1] میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام مہتہ کالو جی اور والدہ کا نام ماتا ترپتا جی تھا۔

---

[1] عیسوی سن بکرمی سمت سے ۵۷ برس چھوٹا ہے آپس میں ملانا ہو تو بکرمی سمت سے ۵۷ سال منفا کردو۔ تو عیسوی سن نکل آئے گا۔ مثلاً بابا نانکؒ کی پیدائش سمت بکرمی سنہ ۱۵۲۶ میں ہوئی۔ اس میں سے ۵۷ سال نکال دیئے تو سنہ ۱۴۶۹ء رہ گئے

نام پنجاب میں یہ عام رواج ہے۔ کہ لڑکی اپنے پہلے حمل کے وضع کے ایام اپنے باپ کے ہاں گذارتی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک ماتا ترپتا جی بھی اس رسم کے مطابق اپنے میکے آئی ہوئی تھیں کہ بابا صاحبؒ کی پیدائش ہوئی۔ بعض لوگ آپ کے نانک نام ہونے کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں۔ کہ آپ اپنے نانا کے ہاں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کا نام نانکی بھی اسی وجہ سے تھا۔ نانک نام پنجاب میں ہندو اور مسلمانوں میں مشترکہ ہے۔ جنم ساکھی بھائی بالا میں جس کو بابا صاحبؒ کی سوانح عمری کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لکھا ہے۔ کہ جب پنڈت نے آپ کا نام نانک تجویز کیا تو آپ کے والد نے کہا کہ چونکہ یہ نام ہندو اور مسلمانوں میں مشترکہ ہے اس لئے یہ نام نہ رکھا جائے۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ آپکا نام خالص ہندوانہ ہو اس لئے یہی نام رہنے دیا گیا۔

رسمِ زنّار بابا صاحبؒ کے والد کھتری بیدی تھے اس لئے ہندو مذہب کی رُو سے زنّار پہننے کی رسم جسے یگیوپویت سنسکار کہتے ہیں، کی ادائیگی ضروری تھی۔ چنانچہ جب بابا صاحبؒ کی عمر بڑی ہوئی تو آپ کے والد نے اس رسم کی ادائیگی کے لئے سگری منگوائی۔ پنڈت جی نے ہَون کیا اور خاتمہ پر آپ کے گلے میں زنّار ڈالنے لگا تو آپ نے اس کا ہاتھ تھام کر فرمایا کہ مجھے اِس دھاگا کے زنّار کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ

دیا کپاہ سنتوکھ سُوت جت گنڈھی ست وٹ
ایہہ جنیؤ جیو کا ہے تاں پانڈے گھت

یعنی محبت کی کپاس اور صبر کا سُوت کات کر اس میں راستبازی کا بل دو اور پرہیزگاری کی گرہ دو۔ یہ حقیقی زنّار ہے۔

آپکی تعلیم مؤرخین نے لکھا ہے۔ کہ بابا صاحبؒ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے پنڈت کے پاس بھیجا گیا۔ مگر وہ آپ کو پڑھا نہ سکا۔ پھر مولوی کے پاس بھیجا گیا وہ بھی پڑھانے میں کامیاب نہ ہُوا۔ لیکن گیانی گیان سنگھ نے مسٹر کننگھم کی تاریخ کا حوالہ دیکر لکھا ہے کہ اسنے اسلامی تاریخوں کے حوالے سے بتایا ہے۔ کہ میر سید حسین نے جو ننکانہ کے علاقہ میں علی کرامتی صُلح کُل اور سب لوگ پیر مانا ہُوا تھا اور کالو جی کے گھر کے پاس اُس کی جائے رہائش تھی۔ اپنا سارا علم دینی و دُنیاوی بابا صاحب کو پڑھایا اور بڑے بڑے بھید راہِ حق کے بتلائے۔ تواریخ گورو خالصہ

(باقی باقی)

اسلامی قضاء کے اُصول

(از جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب بی۔ اے ایل ایل بی واقف تحریک جدید قادیان)

[ذیل کا مضمون چوہدری مشتاق احمد صاحب بی اے۔ ایل ایل بی واقف تحریک جدید کا قضاء اسلامی کے متعلق ہمیں موصول ہوا ہے۔ مکرمی مولوی عبداللطیف صاحب استاذ الواقفین نے اس پر نظر ثانی بھی فرما لی ہے۔ اس پرچے میں شائع کیا جاتا ہے۔ ہمارے نوجوان واقف زندگی نے بڑی محنت سے مضمون لکھا ہے۔ اور اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس پر پوری پوری روشنی ڈالی ہے۔ جو امید ہے کہ ہمارے قاضی صاحبان کے لئے بہت حد تک مفید ثابت ہوگا۔ انشاء اللہ۔

عنقریب قاضی صاحبان کے لئے ایک نصاب بھی تیار کیا جائے گا۔ جس کا پاس کرنا اُن کے لئے ضروری ہوگا۔ یعنی آئندہ قاضی وہی بن سکیں گے جو اس نصاب کو پاس کریں گے۔

احمدیت میں جہاں تک قانونِ ملکی کی طرف سے اجازت ہے۔ اپنے مقدماتِ دیوانی کو اپنی ہی عدالتوں اور اپنے ہی قاضیوں کے ذریعہ سے فیصلہ کرنے اور کرانے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور اس پر بہت حد تک عمل درآمد بھی ہو رہا ہے۔ اور جوں جوں جماعت کا نظام مضبوط ہوتا جائیگا یہ سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جائیگا۔ اس وقت قادیان میں جو جماعت احمدیہ کا مرکز ہے ایک مرکزی دارالقضاء موجود ہے جس میں چھ قاضی کام کرتے ہیں۔ اور آٹھ مقامی قاضی ہیں جو قادیان کے مقدمات میں ابتدائی سماعت کرتے ہیں۔ قضاء اولیٰ میں صرف ایک قاضی سماعت کرتا ہے۔ مرافعہ اولیٰ میں دو قاضی کام کرتے ہیں۔ پہلی اپیل دو قاضیوں کے پاس ہوتی ہے یہ قاضی بیرونجات کے مقدمات جو وہاں قاضی کے مقرر نہ ہونے کی وجہ سے یہاں لائے جاتے ہیں ابتدائی سماعت بھی کرتے ہیں اور حسب ضرورت مقامی مقدمات بھی ان کے سپرد کئے جاتے ہیں دوسری اپیل کے لئے سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے قاضیوں کا ایک بورڈ مقرر فرمایا ہوا ہے جس کے تین ممبر ہوتے ہیں۔ بورڈ کے کل ممبر نو ہیں۔

قضاء میں دیوانی مقدمات پیش ہوتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ بعض فوجداری مقدمات کی

سماعت بھی ہوتی ہے۔ جن کا حکومت کے قانون کے ماتحت عدالت سرکاری میں لے جانا ضروری نہیں۔ تنفیذ کے لئے مقدمات نظارت امور عامہ میں بھیج دیئے جاتے ہیں۔ جہاں تنفیذ کا شعبہ الگ مقرر ہے۔ اس کا فرض ہے کہ فیصلوں کی تعمیل کرائے۔ (ایڈیٹر)

قاضی کے پاس فیصلہ کے لئے مقدمہ اُس وقت پیش ہوتا ہے۔ جب کسی شخص کی طرف سے کسی دوسرے شخص کے خلاف عرضی دعویٰ موصول ہو جاتا ہے۔ اُس وقت قاضی کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل ہدایت کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمائی :۔

عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا تقاضی الیك رجلان فلا تقض للاول حتی تسمع کلام الاٰخر فسوف تدری کیف تقضی۔ قال علی فما زلت قاضیا بعد۔

یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے پاس دو آدمی مقدمہ لیکر آویں تو ایک فریق کے لئے اُس وقت تک فیصلہ نہ کرو جب تک دوسرے کی بات سُن نہ لو۔ پس اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کیسا فیصلہ کرنا ہے۔ علیؓ نے کہا کہ میں اس کے بعد ہمیشہ اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرتا رہا۔

پس قاضی کے لئے لازم ہے کہ پہلے مدعی کا دعویٰ اور پھر مدعا علیہ کا جواب سُنے۔ موجودہ تحریر کے زمانہ میں مناسب یہی ہے کہ مدعی سے تحریری عرضی دعویٰ لیا جائے اور اس کی ایک نقل مدعا علیہ کو بغرض جواب بھجوا دی جائے۔ مدعا علیہ وقت مقررہ کے اندر اپنا جواب دعویٰ پیش کردے۔ جس میں وہ صاف الفاظ میں بغیر کسی ابہام کے مدعی کے دعویٰ کی تائید یا تردید کرے۔ قاضی عرضی دعویٰ اور جواب دعویٰ ملاحظہ کرے یا اگر مناسب سمجھے تو فریقین کے بیان لیکر تنقیحات مرتب کرلے۔ یعنی جن امور میں فریقین میں اختلاف ہو نوٹ کرلے۔ ان تنقیحات میں سے جس کا کوئی فریق مدعی ہو اس کا بارِ ثبوت اس پر ڈالے ایسے امور جن کا شرعاً یا رواجاً عام حالات میں خاص طور پر ایک فریق کو علم ہونا چاہیئے۔ ان کے ثبوت کی ذمہ داری اس فریق پر ہونی چاہیئے۔ اثباتِ دعوے کے متعلق حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور اصولی ہدایت موجود ہے جو ہر قاضی کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

البینۃ علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیہ

یعنی مدعی کے ذمہ ہے۔ کہ وہ اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرے اور بصورت عدم ثبوت مدعا علیہ

سے قسم لی جائے۔

البینہ سے مراد صرف شہادت ہی نہیں۔ بلکہ اس سے ہر قسم کا ثبوت مراد ہے۔ جو مدعی اپنے دعوے کے حق میں پیش کر سکتا ہے۔ مثلاً مدعا علیہ کا اقرار، قرائن سے استدلال وغیرہ۔ مدعی مقدمہ تو وہ ہے جس نے قضاء میں اپنا دعویٰ پیش کیا۔ لیکن ہر تنقیح کے لئے وہ فریق مدعی کہلائیگا جس پر اس کا بار ثبوت ہے۔ مثلاً زید کا بکر پر حساب فہمی کا دعویٰ ہے۔ اس میں بکر کہتا ہے۔ کہ اس نے فلاں تاریخ میں زید کو اتنے روپے دیئے تھے۔ اب بکر اس کا مدعی ہوگا اور زید مدعا علیہ۔ گو اصل مقدمہ میں زید مدعی ہی رہیگا۔ یہ دعویٰ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں سے ثابت ہو سکتا ہے۔

(۱) شہادت۔

(۲) یمین

(۳) نکول

(۴) اقرار

(۵) قرائن

۱۔ شہادت:۔ ہر شاہد میں مندرجہ ذیل پانچ اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ انمیں بعض کے بارہ میں اتفاق ہے اور بعض میں اختلاف:۔

(۱) عدالت

(۲) بلوغ

(۳) اسلام

(۴) قربت

(۵) نفی تہمت

(۱) عدالت:۔ اسلامی قضاء میں پیش ہونیوالے کے لئے یہ وصف بالاتفاق ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاشهدوا ذوی عدلٍ منکم (ترجمہ) اور گواہ بناؤ اپنے میں دو عادل۔ پھر فرمایا۔ ممن ترضون من الشهداء (ترجمہ) یعنی ان عادل گواہوں میں سے جنکو تم اپنے نزدیک قابل اعتماد سمجھ کر شہادت کے لئے پیش کرنا پسند کر سکتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ زنا کی تہمت لگانے والوں کے متعلق فرماتا ہے۔ ولا تقبلوا لهم شهادة ابداً واولٰئك هم الفاسقون الا الذين تابوا ... الخ یعنی تم ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو اور وہی

لوگ فاسق ہیں۔ سوائے اُن کے جنہوں نے توبہ کی۔ (سورہ نور) خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا زان ولا زانية (ابوداؤد)

یعنی خیانت کرنیوالے مرد اور خیانت کرنیوالی عورت اور زانی مرد اور زانی عورت کی شہادت جائز نہیں۔

پس خیانت، زنا اور دیگر کبائر کے مرتکب کی شہادت قبول نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اخلاقی جرائم میں مبتلا شخص سے سچ کی امید رکھنا محال ہے۔ پس عادل وہ ہے جسکی دینی اور اخلاقی حالت ایسی اعلیٰ درجے کی ہو کہ قضاء اس پر اعتماد کر سکے کہ وہ سچ بولے گا۔

(۲) **بلوغ**:۔ گواہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ واقعہ کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور بغرض شہادت طلب کئے جانے پر اپنے ہوش و حواس نہ کھودے۔ اسی لئے بچوں کی شہادت کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر اس کو غیر مقبول ہی قرار دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے بچوں کی شہادت کے متعلق سوال ہوا تو آپؓ نے فرمایا انما قال الله ممن ترضون من الشهداء وليسوا ممن نرضى (الطرق الحکمیۃ ص۱۵) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ گواہ وہ ہوں جن پر تمہیں اعتماد ہو۔ مگر بچوں پر ہمیں اعتماد نہیں ہے۔ اور بلاشک عام حالات میں بچے گواہی کے لئے موزوں نہیں۔ لیکن بعض اوقات ان کی شہادت کے سوا چارہ نہیں ہوتا اور قاضی مجبور ہوتا ہے کہ ان کی شہادت پر انحصار کرے۔ مثلاً بہت سے بچے کھیل رہے ہوں اور ان میں کوئی واقعہ ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کے زمانہ میں چھ اکٹھے نہانے والے لڑکوں میں سے ایک ڈوب گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بچہ کے غرق ہونے کے متعلق باقی پانچ بچوں سے شہادت لی۔ چنانچہ صحابہؓ میں سے حضرت علیؓ۔ معاویہؓ۔ عبداللہ بن زبیرؓ اور تابعین میں سے سعید ابن مسیب اور عروہ ابن زبیر اور عمر بن عبد العزیز اور شعبی اور نخعی اور شریح ابن ابی لیلیٰ، ابن شہاب اور ابن ابی ملیکہ بچوں کی شہادت کی قبولیت کے حق میں ہیں۔ مگر مندرجہ ذیل شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔

وہ بچے ایسی عمر کے ہوں کہ واقعہ کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔ ان کے بیانات میں اختلاف نہ ہو۔ ان کی شہادت آپس کے باہمی معاملات مثلاً مار پیٹ وغیرہ کے متعلق ہو۔ اور ان کی شہادت ایک دوسرے کے مقابل پر ہو۔ بڑوں کے مقابل میں ان کی شہادت رد ہوگی۔ ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو۔ وغیرہ۔

(۳) اسلام:- جو گواہ کسی مسلمان کے خلاف پیش ہو اس کے بارہ میں متقدمین کا اتفاق ہے کہ مسلمان ہونا چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ وہ سفر کی وصیت کا شاہد ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یٰایّها الّذین اٰمنوا شهادة بینكم اذا حضر احدكم الموت حین الوصیّة اثنان ذوا عدل منكم او اٰخران من غیركم۔

یعنی اے مومنو! جب تم پر موت آوے تو وصیت کے وقت تم میں سے دو عادلوں کی شہادت ہو۔ یا غیروں میں سے دو گواہوں کی۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آیت موصوفہ بالا کی شرائط ملحوظ رکھتے ہوئے کافر کی شہادت جائز ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس آیت کو منسوخ قرار دیتے ہیں اور ناقابل قبول گردانتے ہیں۔ متقدمین کے کامل احترام کے باوجود میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ یہ آیت کریمہ ہمارے نزدیک قطعاً منسوخ نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیت کیا ایک شعشہ تک بھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ نہ صرف سفر میں کافر کی شہادت کا جواز ثابت ہوتا ہے، بلکہ اس سے دیگر مجبوریوں کے مواقع پر بھی جب مومن کی شہادت میسر نہ ہو کافر کی شہادت کو قبول کرنے کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم نے ایک مثال کے ذریعہ سے اس اصول کو سمجھا دیا ہے۔ کہ اصل قابل اعتماد شہادت ایک مومن کی ہے۔ کیونکہ اس کا سینہ اس بغض و کینہ سے صاف ہے جو ایک مذہبی مخالف کے سینہ میں پایا جاتا ہے۔ بایں ہمہ حقوق کو اس بناء پر ضائع نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی شہادت کے لئے کوئی مومن شاہد نہیں ملتا۔ بلکہ ایسے حالات میں جہاں کوئی مسلمان موجود ہی نہ ہو، کافر کی شہادت قبول کی جا سکتی ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ان کفار میں سے بعض کے متعلق فرماتا ہے:-

ومن اهل الكتٰب من ان تأمنه بقنطارٍ یؤدّه الیك۔

یعنی اہل کتاب میں سے ایسے لوگ ہیں، کہ اگر تم ان کے پاس مال کے ڈھیر امانت رکھ دو تو وہ تمہیں تمہاری امانت واپس کر دیں گے۔ جب ان میں اس پایہ کی دیانت کے لوگ مل سکتے ہیں تو کیوں ان سب کی شہادت کو مردود قرار دے دیا جائے

اصل میں امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے کافر کی شہادت کے خلاف اس قدر سخت ہونے کی وجہ اسلامی حکومت سے اس زمانہ کے کفار کا تعصب قوی ہے جس کی وجہ سے ان سے مسلمان کے حق میں سچ بولنے کی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ غیر مسلموں کے اس تعصب کو دیکھتے ہوئے ہمیں اس تعصب پر بھی نگاہ کرنی چاہیئے جو اسلام کے مختلف فرقوں میں پایا جاتا ہے۔ شیعہ سنی اہلحدیث کی عداوت باہمی اور پھران سب کے

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے نائب و جانشین حضرت احمد قادیانی علیہ السلام کی جماعت سے کینہ و بغض کو مشاہدہ کرتے ہوئے بدرجہ اولیٰ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس حد تک گواہوں کے حلقہ کو محدود کرتے جائیں گے تو بہت کم لوگ گواہی کے قابل میسر ہوں گے۔ اور اس طرح حقوق کے ضیاع کا بہت زیادہ احتمال پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا ہمارے احمدی قضاۃ کو چاہئے کہ اگر احمدی گواہ نہ مل سکیں تو غیر احمدی اور غیر مسلم کی شہادت کو پیش ہونے کی اجازت دیں اور قبول کرنے میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیں۔

(۴) **حریت** :- امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کی ہے :-

ما علمت احدا رد شهادة العبد ۔

یعنی مجھے کسی ایسے شخص کا علم نہیں جس نے غلام کی شہادت کو رد کیا ہو۔ غلاموں اور لونڈیوں کی شہادت کو قبول نہ کرنا ایک بدعت ہے جو صحابہؓ کے زمانہ کے بعد پیدا ہو گئی۔ حضرت علیؓ کے زمانہ میں جب قاضی شریح نے کہا کہ وہ غلاموں کی شہادت کو جائز نہیں سمجھتے تو حضرت علیؓ نے اُن کے خیال کی تردید فرمائی۔ جس پر پھر کبھی قاضی شریح نے اُن کی شہادت کو رد نہ کیا۔ خود امام مالکؒ کے وقت میں مدینہ میں غلاموں کی شہادت لی جاتی تھی مگر بعد میں امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہ کے ایسے اقوال شہرت پا گئے۔ جن سے اُن کی شہادت کو ناقابلِ قبول قرار دیا گیا۔

امام احمد بن حنبل نے ایاس بن معاویہ سے روایت کی ہے۔ کہ اُن سے عبد کی شہادت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا

انا ارد شهادة عبد العزيز ابن صهيب

یعنی کیا میں عبد العزیز بن صہیب کی شہادت کو رد کر سکتا ہوں۔

عبد العزیز بن صہیب گو غلام تھے۔ لیکن امتِ مسلمہ میں ایک بلند پایہ شخصیت رکھتے تھے۔ پس شہادت کے لئے اصل معیار عدالت ہی ہے۔ اگر غلام عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کی جاوے گی۔ غلام ہو یا آزاد اگر ایمان اور اعمالِ صالحہ سے آراستہ ہے تو وہ دُنیا کی بہترین مخلوق ہے۔

انّ الذين اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰتِ اولٰٓئكَ هم خير البرية ۔

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں۔

مسئلہ حریت تو اب ہمارے ملک میں صرف علمی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اسی نقطہ نظر سے یہاں درج کیا گیا ہے۔

(۵) نفی تہمت :- تہمت سے مُراد یہ ہے کہ گواہ پر الزام لگایا جاوے کہ اس کو کسی فریق سے بوجہ قرابت داری محبت ہے۔ مثلاً گواہ اس فریق کا باپ یا بیٹا ہے۔ یا اس پر الزام لگایا جاوے کہ اسکو کسی فریق سے عداوت دُنیوی ہے۔ اوّل الذکر کو تہمت محبت اور ثانی الذکر کو تہمت عداوت کہتے ہیں۔

تہمت محبت :- باپ کی بیٹے کے حق میں شہادت اور اسی طرح بیٹے کی باپ کے۔ ماں کی بیٹے کے اور بیٹے کی ماں کے حق میں اکثر نے تہمتِ محبت کی وجہ سے ناقابلِ قبول قرار دی ہے۔ ہاں اگر ایک دوسرے کے خلاف ہو تو پھر قبول کی جاوے گی۔ قاضی شریح ، ابو ثور اور داؤد اس کے متعلق یہ قاعدہ کلیہ قرار دیتے ہیں کہ جب قرابت دار گواہ عادل ہو تو گواہی کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں۔ اس کا وہ مندرجہ ذیل آیت قرآنی سے استدلال کرتے ہیں :-

"یاایہا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین۔ (ترجمہ) اے وہ لوگو! جو ایمان لائے انصاف کے قائم کرنے والے ہوجاؤ۔ اللہ کے لئے شہادت دو خواہ اپنے نفس یا اپنے والدین یا اپنے اقرباء کے خلاف ہی دینی پڑے۔

علامہ ابن رُشد اس کی معقول دلیل یہ دیتے ہیں۔ کہ شہادت کو رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمہ عدالت والے شخص پر ناقابلِ اعتماد ہونے کا الزام لگایا جاوے۔ عدل اور جھوٹ کی تہمت بھلا کیسے جمع ہوسکتے ہیں۔

تہمتِ محبت کی تاثیر کے قائل خاوند کی بیوی اور بیوی کی خاوند کے حق میں شہادت کے بارہ میں اختلاف رکھتے ہیں۔ کہ آیا یہ قرابت اس شدت کی ہے کہ شہادت کو ناقابلِ اعتماد بنادے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اس شہادت کو رد کرتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ ، ابو ثورؒ اور حسنؒ جائز قرار دیتے ہیں۔ ابن ابی لیلیٰ خاوند کی شہادت کو بیوی کے لئے قابلِ قبول اور بیوی کی شہادت کو خاوند کے لئے ناقابلِ قبول قرار دیتے ہیں۔ بھائی کی شہادت کے قبول کرنے میں اتفاق ہے۔ سوائے اس کے کہ ایسی عار والی بات ہو جسکو وہ اپنی ذات سے ہٹانا چاہتا ہو۔

تہمت عداوت :- حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

لا تقبل شہادۃ خصم و لا ظنین۔

(ترجمہ) دشمن اور خصم کی شہادت قبول نہ کی جاوے۔

کسی فریق سے عداوت گواہی کو ناقابلِ اعتماد بنا دیتی ہے۔ موجودہ زمانہ کے قوانین میں بھی بالاتفاق دشمن کی شہادت کو مجروح قرار دیا گیا ہے جمہور اور علماءِ اسلام کا اتفاق ہے کہ قاتل مقتول کا وارث نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ اُس نے اُس دوسرے شخص کو اُس کا وارث بننے کے لئے قتل کیا ہو۔ پس تہمتِ عداوت کی تاثیر کے تمام قائل ہیں۔

شاہد کے اوصاف بیان کرنے اور شہادت کے سلسلہ میں چند ایک مزید ضروری امور کا بیان کرنا بھی مناسب ہے:۔

عورتوں کی شہادت

۱۔ اجرائے حدود کے بارہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کا ارشاد فرمایا ہے۔ جب تک مکمل ثبوت نہ ہو۔ سزا نہیں دی جا سکتی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرج فخلوا سبیلهم۔ (ترمذی)

(ترجمہ) جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو دُور کرو۔ اگر کسی ملزم کے لئے مخلصی کا موقعہ ہو تو اسے اس سے مستفید ہونے دو۔ پس اس کے پیشِ نظر جمہور نے حدود میں عورت کی شہادت کو ناقابلِ قبول قرار دیا ہے۔ عورت ضعیف اور مَرد کے زیرِ اثر ہے۔ دوسرے اس کا اصل مقام گھر ہے۔ اسلئے مواقع جرائم میں عموماً اس کی موجودگی قرینِ قیاس نہیں۔ لہٰذا وہ زیرِ تہمت ہے کہ شاید گھر میں بیٹھی بٹھائی کو کسی واقعہ کا گواہ ٹھہرا لیا جائے۔

دیوانی مقدمات میں عورت کی شہادت کے بارہ میں نصِ صریح موجود ہے:۔

فان لم یکونا رجلین فرجلٌ وامراتٰن ممّن ترضون من الشهدآء ان تضلّ احدٰهما فتذکّر احدٰهما الاُخرٰی (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۲)

ترجمہ: پس اگر دو مَرد موجود نہ ہوں تو ایک مَرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ بنانا پسند کرو گواہ بنالو تا اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اُس کو یاد کرا دے۔

عورت کا حلقۂ کار گھر ہے۔ اس کو قرضہ کے لین دین کے معاملات سے کوئی سروکار نہیں۔ مرد عورت کا محافظ اور گھر کا خرچ مہیا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ایک چیز ذہن میں [illegible] سے محفوظ رہتی ہے۔ مَرد کے سامنے لین دین کے معاملات گاہے بگاہے آہی جاتے ہیں۔ اس لئے اسکے ذہن میں قرضہ کا واقعہ آسانی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مگر عورت کے لئے اسے محفوظ رکھنے والی [illegible] کے پیدا ہونیکا امکان بہت کم ہوتا ہے۔ لہٰذا اسکے ساتھ ایک اور عورت کی شہادت

رکھ دی گئی۔ تا اس سے گھر میں کبھی ذکر اذکار ہوتا رہے اور اس واقعہ کی یاد محفوظ رہ سکے۔ ہاں بعض امور ایسے ہیں کہ جن میں عورت کی شہادت کی بناء پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ عورتوں کے مخصوص معاملات ہیں جن پر عموماً مردوں کو اطلاع نہیں ہوا کرتی۔ مثلاً ولادت، بلوغت، حمل، حیض، عورت کے مخفی عیوب وغیرہ۔

امام ابوحنیفہؒ نے عورت کی شہادت کو اُن معاملات میں جو ناف سے گھٹنے تک کے متعلق ہیں قابلِ قبول قرار دیا ہے۔ اسی لئے رضاعت کے بارہ میں وہ فرماتے ہیں کہ صرف عورتوں کی شہادت کافی نہیں کیونکہ یہ ایسا امر ہے جس کا مردوں کو بھی پتہ لگ سکتا ہے کئی ایک نے امام صاحبؒ سے اختلاف کیا ہے۔ مگر ہمیں فقہاء کی آراء کی چھان بین کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ خود حدیث نبویؐ میں اس کے متعلق صراحت موجود ہے۔ ایک صحابیؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک عورت نے جو ہمارے گھر آیا جایا کرتی ہے اور ہم اس کی کچھ خدمت بھی کر دیا کرتے ہیں۔ ہمیں کہا ہے کہ میرا تم دونوں پر حق ہے۔ کیونکہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ اس پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علیحدگی کا حکم دیدیا اور اُس ایک عورت کی شہادت پر فیصلہ فرماتے ہوئے ان کے اعتراض کو بایں الفاظ رد کر دیا۔ کیف و قد قِیلَ۔ یعنی جب یہ کہدیا گیا ہے کہ تم رضاعی بھائی بہن ہو تو پھر تم اکٹھے کیسے رہ سکتے ہو۔ قِیلَ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس امر کی تحقیق کی بھی ضرورت نہیں۔ کہ کسی نے کہا ہے۔ جب کہہ دیا گیا تو اس پر عمل ضروری ہے۔ کیونکہ یہ تقوے کے قیام کا سوال ہے۔

احکام الابدان مثلاً طلاق، رجعت، نکاح، عتق، وغیرہ کے بارہ میں دیوانی معاملات کی طرح مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت بھی قبول کی جا سکتی ہے۔ بلکہ ایک موقعہ پر حضرت عمرؓ کا محض چار عورتوں کی شہادت سے مقدمہ طلاق کا فیصلہ کرنا ثابت ہے۔

گواہوں کی تعداد:۔ جیسا کہ محولہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے قرضہ کے لین دین کے بارہ میں اسلام نے ہدایت دی ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں۔ پس افراد کے باہمی مالی حقوق کے تنازعات میں دو مرد گواہوں کی شہادت دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے لیکن بعض جرائم اتنے خطرناک ہیں۔ کہ ان کا الزام لگانا بھی بسا اوقات نہ صرف ایک دو افراد، بلکہ خاندانوں کی بدنامی اور تذلیل کا باعث ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اُن کے متعلق گواہوں کی تعداد کو بڑھا دیا ہے۔ سورہ نور آیت چار میں اللہ تعالیٰ نے زنا کا الزام لگانے والوں پر یہ لازم قرار دیا ہے کہ چار گواہ لائیں۔ اور نہ لا سکنے کی صورت میں اُن کے لئے حدِ قذف اسّی کوڑے مقرر کئے

ہیں۔ اور شہادت کو ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ باقی حدود کے بارہ میں دو گواہوں کی شہادت الزام کو ثابت کر دیتی ہے۔ ہاں بعض معاملات میں اسلام نے انسانی مجبوریوں کے پیش نظر اس قانون کو بہت نرم کر دیا ہے۔ مثلاً ثبوت ولادت کے لئے صرف دایہ کی شہادت کافی ہے! ورضاعت کے ثبوت کے لئے بھی جیسا کہ اوپر بیان کی ہوئی حدیث دلالت کرتی ہے صرف ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔

اسی طرح جب دوسرا ڈاکٹر یا طبیب موجود نہ ہو تو اس ایک کی شہادت کافی سمجھی جائے گی۔ ایسی صورت میں فقہاء نے ایک سلوتری کی شہادت کو قبول کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔

مندرجہ بالا استثنائی صورتوں کے علاوہ فقہاء کے درمیان ایک یہ بھی اختلاف ہے کہ ایک گواہ کی شہادت کے ساتھ مدعی سے قسم بھی لی جا سکتی ہے یا نہ۔ امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ گواہ ثانی کی بجائے مدعی سے قسم لینا جائز نہیں بلکہ ایسی صورت میں مدعا علیہ سے قسم لینے کی ہدایت کرتے ہیں۔

گواہ طلبی پر حاضر ہوں

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :-

ولا یاب الشهداء اذا ما دعوا ۔

(ترجمہ) گواہوں کو جب طلب کیا جاوے تو وہ حاضر ہونے سے انکار نہ کریں۔

سو ہر مدعی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ گواہوں کو بلوا کر اپنے دعوے کے متعلق ان سے شہادت دلوائے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

الا اخبرکم بخیر الشهداء الذی یاتی بشهادة قبل ان یسألها

(ترجمہ) کیا میں تم کو بہترین گواہ کی علامت نہ بتاؤں۔ بہترین گواہ وہ ہے جو اسے شہادت کیلئے طلب کرنے سے پیشتر ہی شہادت دے دے۔

مراد یہ کہ ایک شخص کو جس کا حق بباعث عدم شہادت تلف ہو رہا ہے۔ خود جا بتائے کہ اُسے اس امر کا علم ہے۔ اور اس طرح اس بھائی کے جائز حق کی حفاظت کا باعث بنے۔ شارحین نے اس حدیث کو دیوانی معاملات تک ہی محدود سمجھا ہے۔ فوجداری معاملات میں سے صرف چوری کو شامل کیا ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ملی حقوق کا سوال ہوتا ہے۔ اور دیگر فوجداری مقدمات میں نہ اس طرف گئے ہیں کہ بھائی کے عیوب کی پردہ پوشی بھی ثواب کا کام ہے۔

گواہوں کا خرچہ

جہاں اسلام نے گواہوں کو قضاء میں حاضری کا پابند کیا ہے وہاں اُن کے

حقوق کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ولا یضار کاتب ولا شھید۔

(ترجمہ) کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یعنی اگر انہیں بغرض شہادت طلب کریں اور اس طرح انہیں مشقت برداشت کرنی پڑے یا اپنا قیمتی وقت حرج کرنا پڑے تو ان کو اس کا معاوضہ ملنا چاہئے۔ ایسا ہی وثیقہ نویس کو بھی اس کی اُجرت دی جاوے۔

شہادت کیسی ہو

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے عینی ہونے کے متعلق واضح ہدایت موجود ہے۔

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لرجل تری الشمس قال نعم۔ قال مثلھا فاشھد او دع (اخرجہ ابن عدی وصححہ الحاکم)

(ترجمہ) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو فرمایا تم سورج دیکھ رہے ہو؟ اس نے عرض کیا ہاں! فرمایا اس جیسی شہادت اگر ہے تو دو ورنہ چھوڑ دو۔

پس یہ ضروری ہے۔ کہ اگر شہادت ایسے امر کی ہو جو دیکھا جا سکتا ہے تو اس شخص کی ہونی چاہئے جس نے اس کو دیکھا۔ اگر ایسے امر کے متعلق ہو جو سُنا جا سکتا ہے تو اُس شخص کی ہونی چاہئے جس نے براہِ راست سُنا۔ اور اگر ایسے امر کے متعلق ہے جو دیگر حواس سے محسوس کیا جا سکتا ہے؛ تو اس کی ہونی چاہئے جس نے محسوس کیا۔ گویا شاہد کے لئے ضروری ہے کہ اس کو واقعہ کا براہِ راست علم حاصل ہو۔ جیسے سورج کے مشاہدہ سے یقینی علم حاصل ہوتا ہے۔ ویسے ہی یقینی علم سے قضاء میں شہادت پیش کرنی چاہئے۔ ہاں بعض امور میں استثنائی طور پر ظنی شہادت بھی قبول کی جا سکتی ہے امام بخاریؒ نے اِس امر کے ثبوت میں ایک باب باندھا ہے۔ جس کا عنوان ہے باب الشھادۃ علی الانساب والرضاع المستفیض والموت القدیم۔ یعنی شہرت یافتہ نسب اور رضاع، پُرانی موت کی شہادت کے بارہ میں باب۔ اِس باب میں رضاع کے بارہ میں چار حدیثیں لائے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رضاع کے لئے دو معین آدمیوں کی عینی شہادت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ محلہ میں اِس امر کی شہرت ہی کافی ثبوت ہے۔ اس پر انہوں نے نسب اور پُرانی موت کے ثبوت کا قیاس کیا ہے۔ فقہاء نے پُرانی موت سے چالیس پچاس سال قبل کی وفات کو مُراد لیا ہے۔ شافعیوں نے ظنی شہادت کو مزید وسعت دی ہے اور اس میں عتق، ولاء، ولایت، وقف، عزل، نکاح اور اُس کے توابع تعدیل، تجریح، وصیت، رشد، سفہ اور قبضہ وغیرہ کو

شامل کیا ہے۔

شہادت علی الشہادت اگر کوئی گواہ بیمار ہو، یا اتنا دُور ہو کہ بُلایا نہ جا سکتا ہو۔ یا مرچکا ہو تو قضا ر شہادت علی شہادت پیش کرنیکی اجازت دے دیگی۔ یعنی ایک ایسا شخص جس کو براہِ راست علم حاصل نہیں ہوا بلکہ ایسے شخص سے جو خود حاضر نہیں ہوسکتا سُنا ہے تو وہ قضا میں آکر بیان کرتا ہے۔

اس سے موجودہ زمانہ کے رواج کے متعلق کمشن مقرر کرنے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ یعنی قضا خود کسی آدمی کو مقرر کر دے کہ وہ اس شخص سے شہادت لے کر بھیج دے۔ یا ایک فریق سے سوال لکھوا کر دوسرے سے جرح تحریر کروا کر گواہ کو جواب کے لئے ارسال کرے۔ پردہ نشین مستورات کی شہادت اگر مناسب ہو تو اسی طریق پر لی جائے۔ کیونکہ اُن کے لئے قضا میں حاضر ہونا سخت مشقت کا باعث ہے۔

دستاویزی شہادت قرونِ اُولیٰ میں تحریر کا آج کی طرح رواج نہ تھا۔ تاہم اسلام نے تحریر پر بہت زور دیا۔ قرآن کریم نے قرضہ کے لین دین کے بارہ میں ہدایت فرمائی کہ لکھ لیا کرو۔ ایسا ہی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے پاس اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے متعلق وہ وصیت کر سکتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وصیت لکھے بغیر وہ رات بھی بسر کرے۔ اُس زمانہ میں آنحضرت ؐ کے مکتوبات جن پر آنحضرت کی خاتم مبارک ثبت ہوتی تھی اور احادیث کے تحریری مجموعے مستند خیال کئے جاتے تھے۔ بایں ہمہ بعض فقہاء نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ایک کا خط دوسرے کے خط سے مشابہ ہوسکتا ہے۔ اس لئے تحریر قابلِ اعتماد شہادت نہیں۔ حضرت عثمان رضؓ کے زمانے میں مفسدوں نے جعلی خط اور مُہر بنا کر فتنہ بپا کیا۔ بلیشک اگر صرف تحریری ثبوت ہو تو قضا ر کو بہت زیادہ احتیاط لازم ہے۔ چاہیئے کہ تحریر پر جن گواہوں کی شہادت ثبت ہو اُن سے بھی گواہی لے لی جاوے۔ اور ساتھ ہی قرائن کو بھی مدنظر رکھا جاوے ہمارے زمانہ میں تو اس بارہ میں بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ ایسے ماہرین موجود ہیں جو دستاویزات انگوٹھا اور خط وغیرہ کو دیکھکر درست رائے دے سکتے ہیں۔ یہ فن اعلیٰ درجے کی سائنس بن گیا ہے ایسے ماہرین بطور شاہد قضا میں پیش ہوسکتے ہیں۔ اور بعض فقہاء نے باوجودیکہ اسلام کو شاہد کا ضروری وصف قرار دیا ہے، غیر مسلم ماہرین کی شہادت کو پیش ہونیکی اجازت دی ہے۔

اختلافِ شہادت جب قاضی کے سامنے مختلف گواہوں کی شہادتیں پیش ہوں تو

اُس کا فرض ہے کہ دیکھے آیا اصل معاملہ میں کسی قسم کا اختلاف موجود ہے، یا محض غیر ضروری تفصیلات میں فرق ہے۔ قاضی کو چاہیئے کہ انسانی کمزوری کو ملحوظ رکھے۔ دو گواہوں نے باوجودیکہ بیک وقت ایک واقعہ دیکھا ہو۔ یہ بہت مشکل ہے کہ واقعہ کی تمام تفصیلات مکمل اور صحیح طور پر ذہن میں محفوظ ہو۔ مثلاً ایک گائے کی چوری کے متعلق دو شخص شہادت دیتے ہیں کہ فلاں آدمی نے چُرائی۔ مگر اس کے رنگ میں وہ باہم اختلاف کرتے ہیں۔ ایک سیاہ بتاتا ہے دوسرا سُرخ۔ یا دونوں ہی سُرخ بتاتے ہیں حالانکہ وہ سیاہ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس قدر اختلاف والی شہادت قبول کی جائیگی کیونکہ رات کے وقت سُرخی اور سیاہی میں مشابہت کے باعث اتنی غلطی لگ سکتی ہے۔ ایسا ہی چور کے لباس کے بارہ میں معمولی اختلاف ہو تو یہ اتنی اہمیت نہیں رکھتا کہ اُن کی شہادت کو بہ پایۂ ثقاہت سے گرادے۔

ہمارے ملک کی سرکاری عدالتوں میں جس طرح گواہ کی شہادت کی چھان بین کی جاتی ہے اور ہر باریکی میں صحت کا تقاضا کیا جاتا ہے درست نہیں۔ کیونکہ وہ انسان کی فطرتی کمزوری کو ملحوظ نہیں رکھتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کوئی مقدمہ اُس وقت تک شاذ ہی کامیاب ہوسکتا ہے جبتک گواہوں کی تعداد کو بڑھا نہ دیا جائے۔ اگر عدالتیں سچ کو قائم کرنا چاہتی ہیں تو انہیں اِس سختی کو کم کرنا چاہیئے

جرح علّامہ ابن قیم نے اپنی تصنیف الطُّرق الحکمیہ میں ایسے مقدمات کی ایک لمبی فہرست تحریر فرمائی ہے۔ جس میں فراست سے قضاء حقیقت تک پہنچ گئے۔ فراست کا زیادہ استعمال مدعی اور گواہوں پر جرح سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے ملک کے قانون کے ماتحت کسی فریق کو بطور گواہ طلب کرکے اس پر باقاعدہ جرح کی جاتی ہے۔ اسی طرح اسلام میں بھی مدعی پر جرح جائز ہے۔ اور گواہ کی شہادت کو مفید بنانے کے لئے تو جرح ازبس ضروری ہے۔ فریقین اور قضاء تینوں جرح کرسکتے ہیں۔ جو فریق گواہ کو پیش کر رہا ہو۔ اس کے متعلق قضاء کو یہ احتیاط کرنی چاہیئے۔ کہ وہ گواہ سے نہ پوچھے۔ یعنی گواہ کے مُنہ میں جواب نہ ڈالے۔ مثلاً یہ نہ کہے۔ کیا تم کو یاد ہے کہ تمہارے سامنے مَیں نے زید کو چار ہزار روپیہ دیا تھا۔ لیکن قاضی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے اگر مناسب سمجھے تو اس قسم کے سوال گواہ سے کرلے۔ ایسا ہی فریق مخالف کے متعلق گواہ کو کسی قسم کی مدد دینے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اس لئے اس پر دریافت سوالات میں اِس قسم کی پابندی عائد کرنی ضروری نہیں۔

(۲) یمین حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اوپر بیان ہوا ہے:۔

البیّنة علی المدعی والیمین علی المدعا علیه

پس اگر مدعی کے پاس اپنے دعویٰ کا کوئی ثبوت نہ ہو تو مدعا علیہ کے قسم کھانے سے دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ قسم مندرجہ ذیل الفاظ میں لے۔

باللہ الذی لا الٰہ الا ھو۔

(ترجمہ) قسم ہے اُس اللہ کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اس پر کوئی اضافہ نہ کرے امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ کہ اس پر یہ اضافہ کرے۔ الذی یعلم من السرّ ما یعلم من العلانیۃ یعنی وہ ذات جو غائب پر بھی ایسے ہی آگاہ ہے۔ جیسے کہ وہ حاضر پر آگاہ ہے۔ گو ہمارے ملک میں ان عربی الفاظ کی پابندی کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایک عربی نہ جاننے والے شخص سے یہ الفاظ کہلوانے اور ان کا ترجمہ پڑھوانا شاید مناسب نہ ہو۔ قسم کھانے والے کی زبان میں ہی قسم لی جاسکتی ہے۔ مگر بہتر ہے کہ قسم کے الفاظ قضاء کی طرف سے ہی معیّن کئے جاویں۔ جن میں محولہ بالا قسم کی طرح صراحت ہو۔

حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حلف کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ یمین کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو بہت زیادہ عام۔ اگر کوئی غیر مسلم پیش ہو تو اس سے عرف اور اس کے مذہب کے مطابق اس چیز کی قسم لی جاوے جس کو وہ قابلِ احترام سمجھتا ہے۔ اور جس کی قسم کی ہیبت سے اس سے زیادہ سے زیادہ سچ بولنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ قسم کھانے والے کو سمجھا دینا چاہیئے۔ کہ جھوٹی قسم کھانا خدا کی ناراضگی مول لینا اور دوزخ خریدنا ہے۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

من حلف علیٰ یمین صبر وھو فیھا فاجر یقتطع بھا مال امرء مسلم لقی اللہ یوم القیامۃ وھو علیہ غضبان (متفق علیہ)

(ترجمہ) جو جھوٹی قسم کھا کر کسی مسلمان کا مال لیتا ہے۔ وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے حضور جب پیش ہوگا اُسے ناراض پائے گا۔

من اقتطع حق امرء مسلم فقد وجب اللہ لہ النار وحرم اللہ علیہ الجنۃ (مسلم)

(ترجمہ) جس نے مسلمان شخص کا حق اپنی قسم سے غصب کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کو اس پر واجب کر دیا اور جنت کو اس پر حرام کر دیا۔

قسم کو غلیظ بنانے کے لئے امام مالکؒ یہ جائز قرار دیتے ہیں۔ کہ عام مسجد، جامع مسجد، مسجد نبوی میں منبر شریف کے قریب جا کر قسم لی جاوے۔ ہمارے زمانہ میں جبکہ قومی کیرکٹر بہت زیادہ گر گیا ہے

سچ کا فقدان ہے اور جھوٹ عام چیز ہو گئی ہے۔ اہم معاملات میں جب مدعا علیہ کی قسم پر ہی حق کا فیصلہ ہونا ہو تو عام قسم پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ قسم کو زیادہ سخت بنا دینا چاہیئے۔ امام مالکؒ کے بیان فرمودہ ذرائع میں سے اکثر ہمیں یہاں میسر ہیں۔ مگر حالات کے مطابق قضاۃ تجویز کر سکتے ہیں مثلاً قسم کھانے والے کے ہاتھ میں قرآن دیدیا، یا بچوں کے سر پر ہاتھ رکھکر قسم کھانے کے لئے کہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے قادیان کے بعض آریہ صاحبان سے قسم کا مطالبہ اپنے بچوں کے سر پر ہاتھ رکھکر کیا ہے۔

مدعی کی قسم کے متعلق اختلاف ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، احمد، ابوداؤد، اور مدینہ کے فقہائے سبع مدعی کی قسم اور اس کے ایک گواہ کے ساتھ اموال میں فیصلہ جائز قرار دیتے ہیں۔ ابوحنیفہؒ، ثوری، اوزاعی اور اہل عراق کہتے ہیں جائز نہیں۔

گواہوں کو قسم دینے کی سند قرآن کریم سے ملتی ہے۔ سفر میں وصیت کے گواہوں کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ قسم کھا کر شہادت دیں (سورہ مائدہ آیت ۱۰۴)

پس جہاں قاضی کو گواہوں کی صداقت پر شبہ ہو اور موجودہ زمانہ میں جو فیج اعوج ہے۔ سو فیصدی عادل گواہوں کا ملنا محال ہے۔ گواہوں سے سچ بلوانے کے لئے قسم لی جا سکتی ہے۔ اور مدعا علیہ کی قسم کی طرح اُن کی قسم کو بھی غلیظ بنایا جا سکتا ہے۔

(۳) نکول مدعی کے پاس ثبوت نہیں اور مدعا علیہ قسم کھانے سے انکار کرتا ہے۔ اس انکار کو اصطلاحی طور پر نکول کہتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عبداللہ بن عمرؓ کے خلاف ایک غلام کی بیع کو منسوخ کرنے کا مقدمہ پیش ہوا۔ خریدار نے دعویٰ کیا۔ کہ غلام کو کوئی بیماری فروخت سے قبل کی لاحق ہے۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عمرؓ سے مطالبہ کیا۔ کہ وہ حلف اٹھائیں کہ فروخت کے وقت اُسے کوئی بیماری نہ تھی۔ انہوں نے قسم کھانے سے انکار کیا۔ حضرت عثمانؓ نے مدعی کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے بیع کو منسوخ کر دیا۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے غلام کو واپس لیکر پہلے سے مہنگا کسی اور کے پاس بیچ دیا۔ پس محض نکول کی بناء پر مدعی کے حق میں ڈگری دی جا سکتی ہے۔ اور یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے اصحاب اور جمہور کوفیوں کا ہے۔ اس کے خلاف امام مالکؒ، امام شافعیؒ، فقہاء حجاز اور عراقیوں کے ایک گروہ کا خیال ہے۔ کہ مدعی کا حق اُسی وقت ثابت ہوتا ہے۔ جب مدعا علیہ کے قسم سے انکار کے بعد مدعی بھی قسم کھائے یا ایک گواہ رکھتا ہو۔

(۴) اقرار جب مدعا علیہ یا ملزم قضاء کے اجلاس کے دوران میں قاضی کے سامنے اقرار کرے

تو بالاتفاق اس پر قضاد کو فیصلہ دینے کا حق ہے۔ ایسا اقرار جو قضاد کے اجلاس کے دوران میں نہ کیا گیا ہو۔ وہ قاضی کے سامنے کیا ہو اس کو قبول کرنے میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف درحقیقت اس امر پر منحصر ہے۔ کہ کیا قاضی اپنے علم کی بناء پر فیصلہ کر سکتا ہے یا نہیں۔ اگر قاضی کا یہ حق تسلیم کیا جائے تو پھر قضاد کے پاس ذاتی حیثیت میں جو اقرار اس کے سامنے ہو اس پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ شافعیؒ کوفی اور ابو ثور کہتے ہیں۔ کہ قاضی اپنے علم کی بناء پر فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور مالکؒ، احمدؒ اور شریحؒ کہتے ہیں۔ کہ محض اپنے علم کی بناء پر فیصلہ نہیں کر سکتا۔ (بدایۃ المجتہد)

قاضی کو اقرار کی بناء پر ڈگری دیتے ہوئے یہ دیکھ لینا چاہئے۔ کہ اقرار واقعی ہے اور کسی دباؤ یا غلط فہمی کے نتیجہ میں تو نہیں ہوا۔

(۵) قرائن اسلام نے کسی دعویٰ کے ثبوت کے لئے محض گواہوں یا قسم پر ہی انحصار نہیں رکھا بلکہ قرائن کو بھی بطور ثبوتِ دعویٰ پیش کیا ہے۔ قرآن کریم میں قرائن سے ثبوت کے واقعات موجود ہیں۔ مثلاً حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا کہ انہوں نے اس سے بُرا ارادہ کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس الزام کی تردید کی۔ اس پر زلیخا کے گھر والوں میں سے کسی نے یہ تجویز پیش کی۔ کہ یوسفؑ کی قمیص دیکھی جاوے اگر آگے سے پھٹی ہو تو زلیخا سچی اور اگر پیچھے سے پھٹی ہو تو یوسفؑ سچا ہے۔ قمیص کو دیکھا گیا تو پیچھے سے پھٹی ہوئی تھی۔ اس قرینہ کی بناء پر زلیخا کا شوہر فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔

ایسا ہی قرآن کریم میں حضرت سلیمانؑ کے فیصلہ کی طرف اشارہ ہے۔ دو عورتوں نے ایک بچہ کے متعلق دعویٰ کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بڑی کو دیدیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ چھری سے کاٹ کر بچہ دونوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس پر بڑی تیار ہو گئی اور چھوٹی نے چیخ کر کہا کہ یہ اُسی کا بیٹا ہے اُسے دے دیجیے نصف نصف مت کیجئے۔ یہ اضطراب یہ اظہارِ محبت ماں ہونے کا بڑا قوی قرینہ تھا۔ حضرت سلیمانؑ نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ دیا۔

خود حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے مواقع پر قرینہ سے فیصلہ کرنا پڑا۔ عفراء کے دو بیٹوں نے ابوجہل کے قاتل ہونے کا دعویٰ کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا کہ کیا تم نے اپنی تلواروں کو صاف کر لیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ مجھے دکھاؤ۔ جب دیکھا تو ایک تلوار پر خون کے نشان تھے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہی قاتل ہے۔ اس کو ابوجہل کا سامان لینے کی اجازت عطا فرمائی۔

ایسا ہی حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک گم شدہ شے کے مختلف مدعیان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ جو اس کی سب سے زیادہ علامتیں بتا دے اس کو وہ شے دیدی جاویگی ۔ پس قرآن کریم اور احادیث سے قرائن کی بناء پر فیصلہ کرنا ثابت ہے لیکن حدود اور قصاص میں چونکہ بہت زیادہ قطعیت کی ضرورت ہے ۔ معمولی شبہ حد کو زائل کر دیتا ہے ۔ اس لئے انکے بارہ میں فیصلہ کے لئے ضروری ہے ۔ کہ شہادت یا اقرار موجود ہو ۔

منصبِ قضاء

اسلام نے منصب قضاء کو بہت زیادہ عظمت بخشی ہے ۔ اسے نہایت ہی ذمہ داری کا کام قرار دیا ہے ۔ اسلامی قضاء امام وقت یا امیر کی طرف سے قائم کی جاتی ہے ۔ ایک یا ایک سے زیادہ قاضی مقرر کئے جاسکتے ہیں ۔ مگر ان کے عمل کی وضاحت ہونی چاہئیے ۔ تمام قاضیوں کا افسر قاضی القضاۃ ہوتا ہے ۔ جو موجودہ زمانہ کی اصطلاح کے مطابق چیف جسٹس کہلاتا ہے ۔ قضاء نظام حکومت کے ماتحت نہیں ہوتی بلکہ یہ ادارہ براہ راست امام وقت یا امیر کے ماتحت ہوتا ہے افراد کے حقوق کے تصفیہ کا حق کلی طور پر قضاء کو حاصل ہے حتیٰ کہ قضاء خود امیرالمومنین کے خلاف مقدمہ کی سماعت کرسکتی ہے ۔ خلافتِ راشدہ میں ایسے واقعات ہوئے ہیں جبکہ امیرالمومنین ایک فریق مقدمہ تھے ۔

قاضی کی ذمہ داری کا احساس مندرجہ ذیل حدیث سے ہوسکے گا ۔ یعنی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذُبح القاضی بغیر سکین ۔ یعنی جس کے سپرد قضاء کا کام کیا گیا ۔ تو وہ یقیناً بغیر چھری کے ذبح کیا گیا ۔ اسی لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ۔ کہ قاضی بننے کی خواہش کی جاوے ۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سأل القضاء وکل الی نفسہ و من جبر علیہ ینزل الیہ ملک یسددہ (رواہ الخمسۃ الا نسائی)

یعنی انس ؓ سے روایت ہے ۔ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ جس نے منصب قضاء مانگا اُس نے اپنے اوپر ذمہ داری ڈال لی اور جو اس پر مجبور کیا گیا تو اُس پر فرشتہ اُتریگا جو اس کی راہنمائی کرے گا ۔

قانونِ قضاء

حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا۔

کیف تقضی اذا عرض لك قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد قال بسنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ ولا فی کتاب اللہ قال اجتھد رأیی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ (ابوداؤد)

(ترجمہ) "تمہارے پاس جب کوئی مقدمہ آوے گا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذؓ نے عرض کیا۔ کتاب اللہ کے ساتھ میں فیصلہ کروں گا۔ فرمایا کتاب اللہ میں سے نہ ملے تو؟ عرض کیا رسول اللہ کی سنت کے ساتھ۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اگر تمہیں رسول اللہ کی سنت اور کتاب اللہ میں بھی نہ ملے تو؟ معاذؓ نے کہا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے سینہ پر تھپکی دی اور فرمایا۔ شکر ہے اُس اللہ کا جس نے رسول اللہ کے رسول کو رسول اللہ کے منشاء کے موافق کیا۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمودہ اصل کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جماعت احمدیہ کو ہدایت فرمائی ہے کہ:۔

"چاہیئے کہ قرآن اور سُنّت کو حدیثوں پر قاضی سمجھا جاوے۔ اور جو حدیث قرآن اور سُنّت کے مخالف نہ ہو اس کو بسر و چشم قبول کیا جاوے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سُنّت میں نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں کیونکہ اس فرقہ کی کثرت خدا کے ارادہ پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر بعض موجودہ تغیرات کی وجہ سے فقہ حنفی کوئی صحیح فتوےٰ نہ دے سکے تو اس صورت میں علماء اس سلسلہ کے اپنے خداداد اجتہاد سے کام لیں" (ریویو بر مباحثہ چکڑالوی)

پس اوّل قرآن۔ دوئم سنت۔ سوئم حدیث اور چہارم علماء سلسلہ کا اجتہاد ہے۔ قاضی اگر عالم ہو اور نہ ور عالم ہونا چاہیئے تو اُس کو بھی اجتہاد کا حق ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حکم و عدل ہیں اور حضور اقدسؑ کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ما ینطق عن الھویٰ اِن ھو الّا

وحی یوحٰی۔

(ترجمہ) وہ اپنی خواہشِ نفس سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے۔
اس لئے جہاں کہیں حضور کا ارشاد ملے اس پر عمل کرنا صراطِ مستقیم ہے۔ وہ کبھی کسی صورت میں بھی قرآن، سُنّت اور حدیث کا معارض نہیں ہو سکتا۔

پس جو منصبِ قضاء پر فائز ہو اُسے قضاء کے قانون کی واقفیت ضروری ہے۔ بغیر اس قانون اور ضابطہ کے علم کے کسی قاضی کا منصبِ قضاء قبول کرنا سخت خطرناک ہے جیسا کہ مروی ہے :۔

عن بریدة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم القضاة ثلثة اثنان فی النار وواحد فی الجنة۔ رجل عرف الحق فقضٰی به فهو فی الجنة ورجل عرف الحق فلم یقض به وجار فی الحکم فهو فی النار ورجل لم یعرف الحق فقضٰی للناس علی جهل فهو فی النار (رواه الاربعة)

(ترجمہ) بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قاضی تین قسم کے ہیں۔ دو اُن میں سے دوزخ میں ہیں اور ایک جنت میں جس شخص نے حق کو معلوم کر لیا اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا۔ پس وہ جنتی ہے۔ اور جس نے گو حق کو پا لیا مگر اُسکے مطابق فیصلہ نہ دیا اور فیصلہ میں ظلم کیا تو وہ دوزخی ہے۔ ایسا شخص جس نے اصلیت کو نہ سمجھا اور جہالت سے لوگوں کے لئے فیصلہ دیدیا وہ بھی دوزخی ہے۔

پس کس قدر خوف کا مقام ہے کہ جہالت سے غلط فیصلہ کرنے والے کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخی قرار دیا ہے۔ جن کے سپرد قضاء ہو، انہیں شریعت کا مکمل علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا اور ہر دم ترساں رہنا چاہیے۔ تا ایسا نہ ہو کہ اُن کا فیصلہ انہیں جہنم کی طرف کھینچ لیجانے کا باعث ہو۔ اِس حدیث سے صاف واضح ہوتا ہے۔ کہ قاضی خصوصاً جاہل قاضی بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔ (اللہ تعالیٰ معاف کرے اور ہر قسم کی خطا سے محفوظ رکھے۔ آمین) لیکن ایسا شخص جو عالم ہے اور دیانتداری سے فیصلہ کرتا ہے۔ تو فیصلہ خواہ غلط ہو وہ قابلِ مؤاخذہ نہیں بلکہ غلطی کے باوجود مستحقِ ثواب ہے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :۔

عن عمرو ابن العاص رضی الله عنه انه سمع رسول الله صلی الله

علیہ وسلّم یقول اذا حکم الحاکم فاجتہد ثم اصاب فلہٗ اجران
فاذا حکم واجتہد ثم اخطأ فلہٗ اجرٌ (متفق علیہ)

(ترجمہ) عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔ فرماتے تھے۔ جب حاکم فیصلہ کرے تو اجتہاد کرے۔ پھر اُس کا اجتہاد درست ہو تو اُسے دو اجر ملیں گے اور جب فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے مگر خطاء کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔

آداب القاضی:۔

قضٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم ان الخصمین یقعدان بین یدی الحاکم (رواہ احمد و ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ فریقین حاکم کے سامنے بٹھائے جائیں۔
ایسا ہی حضرت اُمّ سلمہؓ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد روایت کیا ہے:۔

مَنِ ابتلیٰ بالقضاء من المسلمین فلیعدل بینہم فی لحظہ واشارتہ و مقعدہ و مجلسہ ولا یرفع صوتہ علی احد الخصمین مالا یرفع علی الاٰخر۔

(ترجمہ) مسلمانوں میں سے جو عہدۂ قضاء پر مامور کیا جائے اُس کا فرض ہے کہ نگاہ میں، اشارہ کرنے میں، نشست و مجلس میں انصاف سے کام لے۔ اور فریقین میں سے ایک پر اپنی آواز کو اتنا بلند نہ کرے جتنا دوسرے پر نہیں کرتا۔

یہ دونوں حدیثیں فریقین میں کلی مساوات کا حکم دیتی ہیں۔ ان سے مندرجہ ذیل آداب القاضی مستنبط ہوتے ہیں:۔

۱۔ فریقین کو اپنے سامنے برابر کے مقام پر بٹھائے۔ فریقین کی جائے نشست ایک جیسی ہو۔ اور خود دونوں کے سامنے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ خود کسی فریق کے پاس بیٹھا ہوا اور دوسرا فاصلہ پر ہو۔

۲۔ فریقین کو مخاطب کرنے میں مساوات کو ملحوظ رکھے۔ یہ نہ ہو کہ ایک کو ادب پیار اور ہلکی آواز سے بُلائے اور دوسرے کو درشتی سے مخاطب کرے۔

۳۔ کسی ایک فریق کو ہاتھ یا آنکھ سے ایسا اشارہ نہ کرے جس میں اس سے محبت یا نفرت کا اظہار ہو یا اس کی تحقیر یا عظمت مقصود ہو۔

۴- فریقین کو بولنے کا مساوی موقعہ دے۔

۵- فریقین کی بات مساوی توجہ سے سُنے۔ یہ نہ ہو کہ ایک فریق بول رہا ہو تو کان لگائے ہو۔ اور دوسرا فریق بولے تو قاضی صاحب اخبار پڑھنا شروع کر دیں۔

۶- فریقین پر یکساں پابندیاں لگائے۔ اگر ایک کو بٹھائے رکھتا ہے تو دوسرے کو بھی بٹھائے رکھے۔

۷- ایسا ہی قاضی کے لئے حکم ہے کہ وہ اونگھ، نیند، غصہ کی حالت میں یا کسی اور طرف مشغول ہونے کی صورت میں فیصلہ نہ کرے۔ نیز بھوک، پیاس یا کسی اور قسم کے عارضہ کی حالت میں جو فہم پر بُرا اثر ڈالتا ہو فیصلہ نہ کرے۔

۸- پھر مساوات کا یہ بھی تقاضا ہے۔ کہ وہ کسی فریق کی دعوت قبول نہ کرے۔ سوائے اسکے کہ عام دعوت ہو۔ جس سے کسی خاص تعلق کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ اور نہ کسی فریق کا تحفہ قبول کرے گویا قاضی کے لئے لازم ہے۔ کہ ہر امر میں فریقین میں مساوات کو ملحوظ رکھے۔ کسی فریق کے خلاف ظلم و زیادتی سے بچے۔ کیونکہ اسی صورت میں ہی وہ الٰہی افضال اور تائیدات کا مورد ہوتے ہوئے ٹھیک فیصلہ کرنے کی توفیق پا سکے گا۔ چنانچہ عبداللہ ابن اوفیؓ کی روایت ہے کہ:-

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ مع القاضی مالم یجر فاذا جار وکلہ اللہ الیٰ نفسہ (ابن ماجہ)

(ترجمہ) حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت تک قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے۔ اور جب وہ ظلم کرے اللہ تعالیٰ اُس کو اُس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔

اسلامی قضاء کے کچھ اصول اختصار کے ساتھ تحریر کرنے کے بعد احباب جماعت سے گزارش ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا مقصد "نیا نظام، نیا آسمان اور نئی زمین" (تذکرہ صفحہ ۱۹۶) کی تعمیر ہے۔ اس "آسمانی بادشاہت" کو قریب لانے کے لئے "اسلامی شریعت کا وہ حصہ جس میں حکومت دخل نہیں دیتی اور جس کے متعلق حکومت نے ہمیں آزادی دی ہوئی ہے کہ ہم اس میں جس رنگ میں چاہیں فیصلہ کریں۔ ہمارا فرض ہے کہ اس حصّہ کو عملی رنگ میں اپنی جماعت میں قائم کریں۔" (انقلاب حقیقی صـــــ)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے اس اصل کے پیش نظر جلسہ سالانہ ۱۹۳۷ء کے موقعہ پر جماعت

کو ارشاد فرمایا:-

"سوائے اُن مقدمات کے جن کو عدالت میں لے جانے کی مجبوری ہو۔ اور جن کے متعلق قانون یہ کہتا ہے۔ کہ انہیں عدالت میں لے جاؤ ہمارا کوئی جھگڑا عدالت میں نہیں جانا چاہئے۔ اور ان جھگڑوں کا شریعت کے ماتحت فیصلہ کرانا چاہئے۔" (انقلاب حقیقی ص ۱۲۸)

پس ہمارے لئے اسلامی قضاء کے اصول ہندوستان کے دیگر مسلمانوں کی طرح محض علمی حیثیت ہی نہیں بلکہ عملی اہمیت رکھتے ہیں۔ قادیان میں عرصہ سے دارالقضاء قائم ہے اور باہر کی جماعتوں میں بھی قاضیوں کا تقرر ہو رہا ہے۔ ہمارا فرض ہے۔ کہ ہم قضاء کے نظام کو مضبوط کریں اور تمام احمدی اس نظام کے ماتحت آجائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق بخشے۔ اور جلد دُنیا میں مکمل طور پر "نیا نظام، نیا آسمان اور نئی زمین" قائم فرما دے۔ آمین

چین میں بدھ مذہب کی ابتدأ

(از جناب فتح محمد صاحب شرما)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں "خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اس سلسلہ کو ترقی دیگا" (الوصیت ص۱۹)

"خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُن تمام رُوحوں کو جو زمین کی متفرق آبادیوں میں آباد ہیں۔ کیا یورپ اور کیا ایشیا اُن سب کو جو نیک فطرت رکھتے ہیں توحید کی طرف کھینچے اور اپنے بندوں کو دینِ واحد پر جمع کرے۔ یہی خدا تعالیٰ کا مقصد ہے۔ جسکے لئے مَیں دُنیا میں بھیجا گیا۔ سوتم اس مقصد کی پیروی کرو۔ مگر نرمی اور اخلاق اور دعاؤں پر زور دینے سے" (الوصیت ص۷)

جس جماعت کا مذکورہ بالا مقصد ہو۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دُنیا کی تمام قوموں اور مذاہب سے گہری واقفیت حاصل کرے۔ کیونکہ بغیر واقفیت حاصل کئے تبلیغ جیسا اہم اور اوّلین فرض ادا کرنا محال ہے۔ اِسی مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے مَیں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے چین میں بُدھ مذہب کی ادھوری سی تاریخ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ امید ہے کہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ مؤرخوں کے نزدیک چین میں بُدھ مذہب کی ابتداء شہنشاہ منگ[1] کے مشہور خواب یعنی ۶۱ قبل مسیح سے ہوتی ہے۔ لیکن زمین اِس سے کہیں پیشتر تیار ہو چکی تھی۔ مفروضہ مغربی ممالک سے آنیوالے سوداگروں کے قافلوں نے اپنے روحانی پیغامات سے فضاء کو کافی متأثر کر رکھا تھا۔ بہت سے حالات نئے مذہب کے استحکام میں ممد و معاون ثابت ہوئے۔ دو یا تین صدی تک ہندوستان اور چین کے درمیان تجارتی قافلے آتے جاتے رہے۔ رفتہ رفتہ چینی بُدھ مذہب سے واقف ہوتے گئے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اُن

---

[1] Ming

تجارتی قافلوں کے متعلق ہماری معلومات کافی وشافی نہیں ہیں۔ تاہم یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ اُن دنوں اس قسم کی آمد و رفت تھی۔ چانگ چن ہُن خاندان کے شہنشاہ وُو[1] کے عہد کا مشہور چینی سیاح اور سفیر ہے۔ اُس کا زمانہ ۱۴۰ - ۸۷ قبل مسیح تک ہوتا ہے۔ یہ جنوبی اور مغربی سرحدوں پر مقامی قبائل کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مرتبہ پارتھیا بھی گیا۔ جہاں متھریڈیٹس[2] دوم کی حکومت تھی۔

چانگ چن جب اس سفر سے لوٹا تو اُس نے بُدھ کے ایک طلائی مجسمے کے حالات قلمبند کئے۔ اور غالباً انہیں پہلی مرتبہ دربار شاہی میں پیش کیا۔ یہ شخص مشرقی ایشیا میں ترکوں کے ہاتھوں دس برس قید رہا۔ اور چینیوں کے اُن ابتدائی گروہوں کا ایک فرد تھا جس نے بُدھ کا نام سُنا تھا۔ رفتہ رفتہ بدھوں کا ادب چینی سرحدوں میں داخل ہونے لگا۔ اور ۶۰ء تک چین کے حلقوں میں اس کا اچھا خاصا تعارف ہو چکا تھا۔ لہٰذا ۶۱ء میں جب شاہ منگ نے خواب دیکھا تو اسکے وزیر فیوئی[3] نے اسے اپنی خداداد قابلیت سے ہندوستانی دیوتا مہاتما گوتم بُدھ علیہ السلام سے منسوب کر دیا۔ تاؤشیہ[4] ایک چینی مُنی گزرا ہے۔ اُس نے ۶۶۵ء میں ایک کتاب فایوئن چولن[5] نامی لکھی۔ یہ کتاب تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اُس میں تحریر ہے۔ کہ ایک مُنی ۲۱۷ قبل مسیح ہندوستان سے آیا۔ چین میں اسے لئی فانگ[6] کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ سترہ ہمراہیوں کے ساتھ شیان[7] پہنچا۔ یہاں اُن سب کو قید کر لیا گیا۔ اُن کی رہائی کشف و کرامات کے ذریعہ عمل میں آئی۔

شہنشاہ منگ کے خواب کو ہر کس و ناکس بخوبی جانتا ہے۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد اُس نے ایک شاہی وفد روانہ کیا۔ تاکہ اُس سنت کے متعلق جو خواب میں ظاہر ہوا تھا مزید معلومات بہم پہنچ سکیں۔ اُس وفد میں اٹھارہ آدمی تھے۔ ۶۳ء میں یہ دارالخلافہ لویانگ[8] سے رخصت ہوئے۔ وسط ایشیا میں اپنے لئے راستے تلاش کرتے ہوئے۔ یہ ختن تک پہنچ گئے۔ اب انہوں نے شمال مشرقی ہندوستانی علاقوں کا رُخ کیا۔ جو تھوڑا ہی عرصہ پہلے داگس[9] جیس کے ہاتھوں فتح ہو چکے تھے۔ یہ سفید ہنس بھی

۱؎ wau ۲؎ mythridates ۳؎ Fu-yi ۴؎ Tao-shih
۵؎ Fa-yuan chu lin ۶؎ Li Fang ۷؎ Si-an ۸؎ Lo-yang
۹؎ Vaggis.

کہلاتے تھے۔ اور چینی تاریخ میں یوائے چی کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ قافلہ بہرا ورقت آگے بڑھا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مگدھ پہنچ گیا۔ مگدھ گنگا کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ مقام بدھوں کے ادب اور یادگاروں کا ایک عظیم الشان خزانہ تھا۔ وفد اپنے مشن میں کامیاب رہا۔ ان خزانوں تک اُن کی رسائی محض جزوی طور پر ہو سکی۔ دو بدھ پرچارکوں یعنی مبلغوں کی ہمراہی میں یہ قافلہ واپس چین کو لوٹا۔ اور سنہ ء میں لوانگ پہنچ گیا۔ وہ قافلہ اپنے ساتھ یادگاریں اور مقدس تحریریں سفید رنگ کے گھوڑوں پر لاد کر لے گیا۔ اُن دو مبلغوں کے اصلی نام کاشیپ ماتنگا اور گوبھرانا تھے۔ لیکن چینی زبان میں اُن کا تذکرہ شاموتنگ اور چو فولان ناموں سے کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر چین پہنچنے کے تھوڑا عرصہ بعد فوت ہو گیا۔ دوسرے نے ساٹھ سال کی عمر پائی اور کئی اہم کام سرانجام دیئے۔

مذہبی پیشواؤں نے ابتداءً جو آزاد ترجمے ایک مختصر پیرائے میں کئے ہیں اُن میں اشوا گھوشا کے وہ ادبی کارنامے قابلِ ذکر ہیں جو مہاتما بدھ علیہ السلام کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں ہم آج انہیں بدھ چرت کاویہ یعنی بدھوں کے منظوم حالات کے عنوان سے جانتے ہیں۔ اس کتاب کے پانچ باب ہیں۔ مہاتما گوتم بدھ علیہ السلام کے سوانحی حالات کم و بیش درست ہیں۔ انہیں ہندوستانی ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔ بدھ مُنیوں نے ہندوستان سے چین جانا شروع کیا۔ یہ خوشگوار سلسلہ سات سو سال سے زائد عرصہ تک جاری رہا۔ چین کی مرکزی سلطنت میں انہوں نے زبردست اہمیت حاصل کر لی۔ یہ مشاہدات یقیناً دلچسپ ہیں۔ کہ پہلی دو صدیوں میں راہب ہر شعبہ پر چھا گئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ چین میں ایک ذمہ دارانہ انداز میں کُلی طور پر مملکت کے نظم و نسق پر حاوی ہو گئے۔ اب بدھ مُنیوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا اور چینیوں نے بدھ دھرم کو قومی حیثیت سے اپنانا شروع کیا۔ مبلغوں کے پہلے جتھے نے جس لگن، تندہی، بے غرضی اور قابلیت سے تصنیف و ترجمہ کی مہم کو سر کیا اور جس خوش اسلوبی سے تعلیم جیسے اہم اور مشکل کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا وہ بہت قابلِ قدر اور تعریف کے قابل ہے۔ ہندوستانی بدھ مبلغوں نے بدھ دھرم کی مذہبی تعلیمات کو سلیس چینی زبان میں پیش کیا۔ یہ ضخیم ترجمے

Gobharana Kasyapa Matanga Yueh-chih

Asvaghosha Chu-Fa-Lan Shamo-teng

نہ صرف باعث خوشی ہیں بلکہ اُن کو دیکھکر اُن کے مصنفوں کے لئے دلوں میں انتہائی احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

چینی اُن بُدھ مبلّغوں کے رُوحانی فیض سے بہت متأثر تھے۔ ہندوستانی بُدھ مبلغ سوتروں کے نقل کرنے میں خاص احتیاط برتتے تھے۔ وہ کٹیوں میں رہتے تھے۔ اور اکثر قدیم ایّام میں چینی مندروں میں گھومتے پھرتے نظر آتے تھے۔ کیونکہ وہاں پر انکو اپنے خیالات سُنانے کا خوب موقع مِل جاتا تھا۔ اور مندروں میں جانے والے بھی عام طور پر مذہبی لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ہندوستانی مبلغ شدت سے مذہب پسند واقع ہوئے تھے۔ اُن کے نزدیک زندگی کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا۔ کہ اپنی ذات کو خداوند کریم کے لئے وقف کردیں اور دوسرے لوگوں کو دینِ بُدھ میں شامل کریں۔ اُن بدھ مبلغوں کے حالات کو پڑھ کر مجھے اپنے پیارے آقا مہاتما بُدھ ثانی کرشن قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہندوستانی مبلغ مثلاً جناب مولانا جلال الدین صاحب شمس، حکیم فضل الرحمٰن صاحب۔ مولوی محمد شریف صاحب۔ مولوی رحمت علی صاحب۔ مولوی نذیر احمد صاحب ابن بابو فقیر علی صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر کی تصویریں آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں۔ اور دل کی گہرائیوں سے یہ دُعا نکلی۔ کہ خداوند کریم محض اور محض اپنے فضل وکرم سے اُن کی زبانوں میں اثر دے۔ اُن کے اعمال میں برکت ڈالے۔ اُن کے دلوں کے اندر اپنی محبت کے جذبات موجزن کرے! اور آسمان سے فرشتے نازل کرے جو اُن کی مدد کریں۔ آمین ثم آمین۔

جب ہمارا کوئی بھائی اپنے وطن اور اپنے بیوی بچّوں کو چھوڑ کر تبلیغ کے لئے جاتا ہے تو درحقیقت وہ ہمارا فرض ادا کرنے کے لئے جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کی طرف سے تبلیغ ہم سب پر یکساں فرض ہے۔ مگر اُس نے ہمارے بوجھ کو اُٹھا لیا اور ہمارے کام کو پورا کرنے کے لئے اپنے بیوی بچّوں کو چھوڑ کر غیر ممالک کو چلا گیا۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء فی الدارین خیراً

رفتہ رفتہ چینی لوگوں کی سرد مہری دُور ہونا شروع ہوئی۔ آپس میں اختلاط بڑھا۔ اور چینیوں میں خود ایسے مُنی پیدا ہونے شروع ہوئے۔ جن کی شریف النفسی اور مذہبی عظمت مسلّمہ تھی۔ اُن بُدھوں کی زندگی موجودہ چینی بدھوں کے نزدیک ایک اعلیٰ معیار ہے۔ یہاں دو چیزیں ہماری توجہ کو اپنی طرف پھیرتی ہیں۔ ایک طرف تو چینیوں کی وہ وفاداری جس سے وہ ہر اُس شے کو جو ہندوستانی مہایانہ سکول سے متأثر ہے نہ صرف باقی رکھے ہوئے ہیں بلکہ اس کی مزید توسیع و اشاعت میں خاطر خواہ حصہ لے رہے ہیں۔ اور دوسرا اُن کا چین کے نظام زندگی میں نہایت خوش اسلوبی کیساتھ

روحانی عناصر کو داخل کرنا ہے۔ ہندوستانی اور چینی منیوں سے مہایانہ سوتر خالص ٹکسالی چینی میں تحریر کئے۔ مذہب کے طالبعلم انکو پڑھکر بہت کافی علمی تحقیقات کر سکتے ہیں۔

ہوئی یُوان [illegible]ء سے [illegible]ء تک زندہ رہا۔ اُسکا شمار اُن چند منتخب و مخصوص ہستیوں میں سے ہے جنہوں نے بدھ مت کو اسکے اصلی رُوپ میں پیش کیا۔

چینی منیوں نے چوتھی صدی کے آغاز میں ہندوستان کے مغربی اطراف میں آنا شروع کیا۔ تیرتھ یاترا کے خیال سے آتے اور جب واپس جانے لگتے تو زیادہ سے زیادہ تعداد میں مقدس تحریرات اور دیگر اشیاء بطور تبرکات کے جمع کر کے اپنے ہمراہ لیجاتے۔ چین میں بدھ صحیفوں کا گویا سیلاب اُمنڈ آیا۔ چین کے مختلف شہنشاہوں نے جو بدھ عقیدے کے حامی تھے نہایت اشتیاق کیساتھ وفد پر وفد بھیجے شروع کئے۔ اُس زمانے میں جو سفرنامے مرتب ہوئے ہیں اُن میں بار بار مذکور ہے "یہ یاترا انہی خوشی ختم ہوئی گرنتھوں میں جو کمی تھی وہ پوری ہوگئی اور مسائل صاف ہوگئے۔ اور جو اختلافات پیدا ہوگئے تھے وہ دُور کر دیئے گئے۔"

چینی یاتریوں میں فاہیئن، سنگ یون، آئی چنگ، ہسون چوانگ نے بہت کافی شہرت پائی۔ یہ ہندوستان آئے۔ ہسونگ چوان ۶۲۹ء سے ۶۴۵ء تک زندہ رہا۔ اول الذکر اور آخر الذکر نام ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے۔ پروفیسر لیگ نے فاہیئن کی "بُدھ بادشاہتوں کے مندرجات" کا ترجمہ کیا۔ اس سے اس زمانے کے یاتریوں کے خیالات اور زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ اُن سفرناموں سے ہمیں گوبی کے خطرناک ریگستانوں کا پتہ چلتا ہے۔ جہاں دُھوپ میں سفید کی ہوئی ہڈیاں رہنمائی کے کام سرانجام دیتی تھیں ہسون چوانگ کی تصنیف مغربی سرحد سے حاصل شدہ مندرجات نے اس کے ہمعصروں اور جانشینوں کو جن کا رجحان روحانیت کی جانب تھا متاثر کیا۔ اب میں حضرت مہاتما بُدھ ثانی کرشن قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندرجہ ذیل ارشاد پیش کر کے ختم کرتا ہوں۔ "درحقیقت خوش اور مبارک زندگی وہی زندگی ہے جو الٰہی دین کی خدمت اور اشاعت میں بسر ہو۔ ورنہ اگر انسان ساری دُنیا کا مالک ہو جائے اور اس قدر وسعت معاش حاصل ہو کہ تمام سامان عیش کے جو دُنیا میں ایک شہنشاہ کے لئے ممکن ہیں وہ سب عیش اُسے حاصل ہوں۔ پھر بھی وہ عیش نہیں بلکہ ایک قسم عذاب کی ہے جسکی تلخیاں کبھی ساتھ ساتھ اور کبھی بعد میں کھلتی ہیں" (منن الرحمٰن صفحہ ۲۳۵)

I ch'ing, Sung yun, Fa-Hsien, Hui Juan, Legge, Hiuen Chuang

قسط دوم

صداقت حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام

از روئے قرآن کریم

بلحاظ دعویٰ کے بعد کی زندگی کے

(از جناب مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی معلم المجاہدین تحریک جدید)

ایک مدعی صادق کی بعد از دعویٰ زندگی بھی کئی لحاظ سے قابلِ غور ہوتی ہے۔ مثلاً :۔

الف ۔ کہ خدا تعالیٰ نے اُس سے کیا سلوک کیا۔ یعنی قولی و فعلی دونوں لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مشن کی تائید کی یا مخالفت۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا۔ قل ای شیء اکبر شہادۃ قل اللہ شہید بینی و بینکم (انعام ۲) یعنی اے ہمارے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم تم لوگوں کو کہدو کہ کونسی ہستی کسی مامور من اللہ کی صداقت کی شہادت میں بڑی ہو سکتی ہے۔ خود ہی کہدو خدا تعالیٰ ہی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ گویا خدا تعالیٰ اپنی قولی و فعلی شہادات سے میری تصدیق فرمائے گا۔

دوسری جگہ فرمایا۔ و یقول الذین کفروا لست مرسلاً قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی و بینکم (۱۰، آخر) یعنی کافر کہتے ہیں کہ تو خدا کا رسول نہیں ہے۔ کہدو خدا تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ پس معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی شہادات قولی و فعلی کی جملہ اقسام کی رُو سے ایک مامور من اللہ کی زندگی پر غور کرنا چاہیے۔

ب ۔ کہ خود مخالفوں نے اُس مامور من اللہ سے کیا سلوک کیا؟ کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔ کذالک قال الذین من قبلھم تشابھت قلوبھم (بقرہ ۱۴) یعنی ایسی ہی باتیں بنائی تھیں ان لوگوں نے جو ان مخاطبین سے پہلے تھے ۔ ان سب کے دل بسبب کفر و عناد گویا باہم مل چکے ہیں ... معلوم ہوا کہ مخالفین کے اعتراضات ... کی مخالفت ...

کے لحاظ سے بھی غور کرنا چاہئے۔ کہ مخالفوں کی طرف سے اُس مدعی کیساتھ کیسا سلوک ہؤا؟ آیا وہی سلوک (قولی وفعلی) جو انبیاء سابقین کے مخالفوں نے اپنے اپنے وقت کے ماموریں سے کیا یا کوئی اور سلوک؟۔

ج۔ اُس مدعی کی اپنی تعلیم وعمل کے لحاظ سے بھی اُس کے متعلق غور ہونا چاہئے۔ کہ خدا تعالےٰ کے قرب اور انبیاء کی محبت کی تعلیم دیتا ہے یا کچھ اور۔ کیونکہ اس کے دعویٰ کی حقیقت ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دُنیا کی اصلاح عقائد و اعمال کے لئے مبعوث ہونے کا مدعی ہوتا ہے۔ خدا سے دُور جانیوالی مخلوق کو پھر خدا تعالیٰ کے حضور لانے جیسی اہم خدمت کا دعویدار ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں کام بلحاظ تعلیم و تعامل ہی پرکھے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ جو خود غافل ہو کسی پاکیزہ چشمہ سے فیضیاب نہ ہو وہ کیسے دوسرے کو بیدار کرسکے گا۔ یا کس طرح دوسرے کی پیاس روحانی کا مداوا کریگا۔

ہرقل شاہِ رُوم نے ابُوسفیان سے (جب وہ مخالفانہ حالت میں تھے) منجملہ اور باتوں کے اِس امر کے متعلق بھی استفسار کیا تھا۔ کہ ماذا یامرکم۔ قُلتُ یقول اعبدوا اللّٰہ وحدہٗ ولا تشرکوا بہ شیئًا واترکوا ما یقول اٰباءکم ویامرنا بالصلوٰۃ والصدق والعفاف والصلۃ۔ تو پھر خود ہرقل بادشاہ نے اس کی وجہ بھی بتائی کہ وسألتک بما یأمرکم فذکرتَ انہ یامرکم ان تعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئًا وینھٰکم عن عبادۃ الاوثان ویأمرکم بالصلوٰۃ والصدق والعفاف فان کان ما تقول حقًّا فسیملک موضع قدمیّ ھاتین (بخاری جلد اوّل کتاب الایمان سے ماقبل حدیث)

یعنی ہرقل نے دریافت کیا کہ اے مکّے والو! وہ نبی تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے۔ تو ابُوسفیان نے کہا کہ میں نے اُسے جواب دیا کہ وہ کہتا ہے۔ اللہ کی عبادت کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور چھوڑ دو ان معبودانِ باطلہ اور ان خیالاتِ فاسدہ کو جو تمہارے بزرگ کہتے چلے آئے۔ اور وہ حکم دیتا ہے ہمیں نماز، صدق اور پاکدامنی اور صلہ رحمی کا تو ہرقل نے کہا کہ میں نے تجھ سے پوچھا تھا۔ کہ وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے سو تو نے اے ابا سفیان بیان کیا۔ کہ وہ تمہیں عبادت الٰہی کا حکم دیتا ہے۔ کہ شریک نہ ٹھہراؤ اُس کا اور بُت پرستی سے منع کرتا اور نماز، سچائی اور پاکدامنی کا حکم دیتا ہے۔ پس اگر یہ باتیں جو تو کہتا ہے سچ ہیں تو ضرور وہ اِس جگہ کا جہاں میں کھڑا ہوں مالک ہو جائے گا۔ یعنی یہاں تک اُس کی رُوحانی سلطنت پھیل جائے گی۔

د۔ اس لحاظ سے بھی مامورین کی بعد دعویٰ زندگی پر غور کرنا چاہیئے۔ کہ اس کی وفات کے بعد اُسکے قائم کردہ سلسلہ کا کیا انجام ہوا؟ کیونکہ وہ مامورِ صادق ایک کلمۂ طیبہ ہوتے ہیں جو خدا سے صادر ہوتا ہے۔ ایک پاکیزہ درخت ہوتے ہیں جسے آسمانی باپ لگاتا ہے۔ ایک نافع الناس اور مفید تحمل وجود ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بروقت قائم و مبعوث کرتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ الم ترکیف ضرب اللہ مثلاً کلمةً طیبةً کشجرةٍ طیبةٍ اصلها ثابت و فرعها فی السماءِ توتی اُکلها کل حینٍ باذن ربها (ابراہیم ۶) یعنی کیا تو نے غور نہیں کیا۔ کہ کیسے بیان کرتا ہو اللہ مثال اپنے کلمۂ طیبہ کی۔ کہ وہ ایسے شجرۂ طیبہ کی طرح ہے، جس کی جڑھ زمین میں مضبوط ہے اور اس کی شاخیں بلند بالا فضاء سے غذا حاصل کر رہی ہیں کہ وہ پاکیزہ درخت ہر وقت اپنا پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔

اسی مثال کی طرف اشارہ ہے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے اس قول میں کہ "جو پودا میرے آسمانی باپ نے نہیں لگایا وہ جڑھ سے اکھیڑا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔" (متی) دوسری جگہ خدا نے فرمایا۔ امّا ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض (رعد) یعنی جو چیز مخلوقاتِ الٰہی کے لئے نفع مند و مفید ہوتی ہے وہ زمین میں قائم رہتی ہے۔

لہٰذا اس کے سلسلہ کے قیام اور پھر مخالفوں کی مخالفت کی تیز و تند گھٹاؤں اور طوفانی تھپیڑوں میں اس کے قائم و دائم رہنے کے لحاظ سے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اُس مالی کے فوت ہونے کے بعد اُس باغ کی ترقی ہوتی ہے یا معاً تنزل رُونما ہوتا ہے۔ کہ جیسے کوئی والی و وارث ہی نہ تھا۔

خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت

چونکہ کئی قسم کی ہوتی ہے۔ مثلاً:۔

الف۔ وہ فعلی شہادت جو صادقوں کے حق میں رُونما ہوتی ہے۔

ب۔ وہ فعلی شہادت جو مفتریوں کے حق میں ظاہر ہوتی ہے۔

ج۔ وہ فعلی شہادت جو کسی مدعی کے مخالفوں کے حق میں رُونما ہوتی ہے۔

د۔ خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت آفاقی نشانات کے لحاظ سے جو اُس مدعی کی تائید میں اور اُسکے مخالفوں کی تردید میں رُونما ہوتے ہیں۔ اسلئے خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت کے ضمن میں مندرجہ بالا تمام قسم کے معیارات کا بیان بالتفصیل کیا جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کی فعلی شہادات کی رُو سے جو

صادقین کے حق میں رونما ہوتی ہیں (سابقہ معیاروں کو شمار کرتے ہوئے)

معیار پنجم یہ ہے ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۰ انهم لهم المنصورون ۰ وان جندنا لهم الغلبون ۰ (صافات آخر) یعنی اللہ یقیناً پہلے سے طے ہو چکی ہے، قرار پا چکی ہے ہماری یہ بات ہمارے رسولوں کے حق میں۔ کہ یقیناً وہی ہاں وہی مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ اور یقیناً ہمارا یہ روحانی لشکر ہی غالب آیا کرتا ہے کیسا زبردست اور اٹل قانون بیان فرمایا۔ جو ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ کہ انبیاء آتے ہیں دنیا ان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتی ہے۔ مگر نصرت الٰہی حق و باطل میں فرق کو دیتی ہے وہ صادقوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ پس وہ مظفر و منصور ہوتے ہیں اور اپنے مخالفوں پر غالب آتے ہیں۔ سچ ہے ؎

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو ⁂ کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

اس نصرت الٰہی کی تشریح اور اس غلبہ مذکورہ کے متعدد طریقے اسی سورۃ صافات میں نوحؑ ابراہیمؑ، اسحٰقؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، ادریسؑ، لوطؑ، یونسؑ کے واقعات میں ظاہر کر دیئے ہیں۔ مثلاً۔ الف۔ کبھی سب مخالف مار کر جیسے نوحؑ و لوطؑ کی قوم میں۔ ب۔ کبھی اولاد اور ماننے والوں میں برکت اور کثرت دیکر جیسے ابراہیمؑ و اسحٰقؑ کی اولاد و ذریت میں۔ ج۔ کبھی دشمن کی ہر قسم کی شرارت سے اس نبی کو محفوظ رہنے اور خود بڑے بڑے شریروں کے مر جانے سے جیسے موسیٰؑ و ہارونؑ کی قوم میں۔ د۔ کبھی بالاتفاق سب قوم کے مان لینے سے۔ جیسے یونسؑ کی قوم میں واضح کر دیئے ہیں۔

معیار ششم انا لننصر رسلنا والذين امنوا فى الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد (مومن ۶) یعنی تحقیق ہم البتہ ضرور مدد کیا کرتے ہیں اپنے رسولوں کو اور مومنوں کو اس دنیا میں اور اس دن بھی ہم مدد اور غلبہ دیں گے، جب شہادتیں قائم ہونگی (اس آیت میں بھی اپنی نصرت اور اعانت کی وجہ سے ہی مدعیان صادق کو مفتریوں سے ممتاز فرمایا ہے۔

رسولوں اور مومنوں کی نصرت خداوندی کی تشریح دوسری جگہ قرآن کریم میں یوں بیان فرمائی ہے کہ اذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون فى دين الله افواجا. (نصر) یعنی جب خدا تعالیٰ کی نصرت و فتح (مومنوں اور رسولوں کے حق میں) آتی ہے تو لوگ دریا بعد تحت

مخالفت کے خدا تعالیٰ کے اس دین میں دن بدن بکثرت داخل ہوتے ہیں۔
گویا اعدائے دین کی ہر طرح کی کوششوں کے باوجود کسی مدعی کے ماننے والوں کا ترقی کرتے جانا اور قسما قسم کی ایذا دہی اور مصائب و آلام کا تختۂ مشق بننے کے باوجود عام لوگوں کا اس نبی اور اس دین کی طرف متوجہ ہونا اور نئے سلسلے میں شامل ہوتے جانا اس مدعی کی صداقت کی دلیل ہے۔ (باقی۔ باقی)

ضروری باتیں!

۱۔ خط و کتابت میں نام و پتہ خوشخط تحریر فرمائیں۔
۲۔ خریدار صاحبان خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔
۳۔ ترسیلِ زر کی صورت میں وضاحت ہونی چاہیئے کہ یہ چندہ ریویو انگریزی کا ہے یا کہ اردو کا۔
۴۔ موجودہ ہوشربا گرانی کے زمانہ میں تمام خریدار اصحاب کا قومی اور اخلاقی فرض ہونا چاہیئے کہ باقاعدہ اپنا چندہ ارسال فرما دیا کریں۔ اور وی پی کی ضرورت محسوس نہ کرائیں۔ مگر اکثر دیکھا جاتا ہے۔ کہ باوجود دفتر سے متعدد یاددہانیوں کے بھی نہ چندہ بھیجا جاتا ہے اور نہ مہلت حاصل کی جاتی ہے۔ آئندہ کے لئے تمام خریدار اصحاب سے پُرزور اپیل ہے کہ وہ دفتر کی چٹھیوں کا ضرور جواب دیا کریں۔

۵۔ ہر خریدار کو چاہیئے۔ کہ اپنی تبدیلیٔ پتہ کی اطلاع فوراً دفتر میں بھجوایا کریں کیونکہ اس طرح رسالہ کے ضیاع کے علاوہ دفتر کا نقصان بھی ہوتا ہے۔ اور بہت سا قیمتی وقت بھی ضائع ہو جاتا ہے۔

امید ہے! کہ تمام خریدار اصحاب ان ضروری باتوں کو نوٹ فرمالینگے۔ اور آئندہ ان پر ضرور عمل پیرا ہوا کریں گے!

مینجر

وصیتیں

نوٹ :- وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں۔ کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

نمبر ۷۱۹۳ :- منکہ محمد خاں صحابی ولد حاجی مہر گل قوم افغان مہاجر پیشہ ملازمت عمر ۹۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۱ء ساکن دارالرحمت قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۳/۱/۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ تعدادی ۵ مرلہ زمین واقع دارالرحمت جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے مفت عطا کی ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں لیکن میرا گذارہ صرف اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اس وقت مبلغ ۵ روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں۔ تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد :- محمد خان موصی صحابی۔ گواہ شد :- نور محمد پسر محمد خاں۔ گواہ شد :- علی محمد صحابی و موصی انسپکٹر وصایا ؎

نمبر ۲۱۹۳ :- منکہ برکت علی خاں برہمی ولد بجنت خاں قوم پٹھان لودھی پیشہ کاشتکاری ڈھوکیداری عمر ۵۷ سال۔ تاریخ بیعت خلافت اولیٰ ساکن موضع بھٹیاں ڈاکخانہ و ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۳/۲/۲۵ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میں تنتیس ۳۳ کنال اراضی بارانی کا واحد مالک ہوں۔ جو کہ رقبہ موضع بھٹیاں ذیل جوڑہ جلال پور میں واقع ہے۔ اس کی بازاری قیمت دو صد روپیہ فی بگیہ ہمارے ہاں ہے۔ جسکی کل قیمت -/۱۶۵۰ روپے ہوتی ہے۔ نیز میں نے اپنے واسطے ایک مکان بھی بنوایا ہے جس کی قیمت -/۵۵۰ روپے ہے۔ کل ٹوٹل -/۲۲۰۰ روپے ہوتا ہے میں بفضل خدا تعالیٰ اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان شریف کرتا ہوں۔ اگر اس کے بعد اور کوئی جائیداد پیدا کروں تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ جس کی اطلاع میں کارپردازان مصالح قبرستان کو دیتا رہوں گا۔ اگر کوئی رقم اس جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری وفات کے بعد اگر اس کے علاوہ میری اور کوئی جائداد

ثابت ہو تو اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد :۔ برکت علی خاں موصی۔ گواہ شد :۔ دیوان علی خان برادر حقیقی۔ گواہ شد :۔ اللہ داد احمدی موصی ۴۵۱۵ ؛

نمبر ۴۲۶۷ :۔ منکہ اللہ داد خاں مدرس ولد مولوی مولا بخش صاحب قوم جٹ پیشہ ملازمت عمر تیس سال پیدائشی احمدی ساکن ڈڈیالہ نجاراں ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۲/۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ میں موضع ڈڈیالہ میں مدرس ہوں۔ میری ماہوار آمد معہ الاؤنس مبلغ -/۸/۳۲ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اپنی ماہوار آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ قادیان کو دیتا رہوں گا۔ اور میرے مرنے کے بعد میری اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد :۔ اللہ داد خاں مدرس ڈڈیالہ۔ گواہ شد :۔ غلام احمد ارشد انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد :۔ چوہدری انور احمد چوہدری والہ موصی ۴۲۶۹ ؛

نمبر ۴۲۶۹ :۔ منکہ انور احمد ولد چوہدری عبدالرحیم صاحب ذیلدار قوم جٹ پیشہ زمیندارہ عمر ۲۲ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۳۲ء ساکن چوہدری والہ ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۲/۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں ہے جسقدر ہماری جائیداد ہے وہ تاحال والد صاحب کے نام پر درج ہے۔ جب تقسیم ہوگی تو اس کا ۱/۱۰ حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وقف کر دوں گا۔ فی الحال میری زمیندارہ کی ماہوار آمد -/۲۰ روپے ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنیکے بعد جو جائیداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد :۔ انور احمد بقلم خود۔ گواہ شد :۔ چوہدری مظفر احمد بقلم خود۔ گواہ شد :۔ غلام احمد ارشد انسپکٹر بیت المال ؛

نمبر ۴۲۷۹ :۔ منکہ رحیم بخش ولد فتح دین صاحب قوم راجپوت پیشہ دکانداری عمر ۵۰ سال پیدائشی احمدی ساکن سیکھواں ڈاکخانہ ڈیری والہ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰/۲/۳۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد زمین وغیرہ تو کوئی نہیں ہے صرف ایک مکان ساڑھے چار گز اور ایک ڈیوڑھی تین گز اور ایک راس گائے ہے جس کی قیمت اس وقت -/۷۰ روپے ہے۔ مکان اور ڈیوڑھی کی قیمت اندازاً یکصد روپیہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی مال مویشی نہیں صرف نقد -/۲۰۰ روپیہ ہے۔ باقی میری دکانداری یا پوش سلائی کی اس وقت -/۷۰ روپے سالانہ تک ہے یعنی سال کے -/۷۰ روپے وہ اگر تار ہونگا۔ اس حساب سے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت قریشی فضل حق صاحب سیکرٹری

جماعت احمدیہ سیکھواں کے ذریعہ ادا کرتا رہونگا۔ مکان ڈیوڑھی ا ے اور نقد -/۲۰ روپے کا بھی دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دیتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ اگر اور کوئی میری جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو جائے تو فوت ہونے کے بعد اس کا دسواں حصہ بہشتی مقبرہ قادیان کا حق ہوگا کہ میرے ورثا اس سے لے لیویں۔ میرے ورثا کوئی عذر نہ کریں گے۔ اگر خدا نے چاہا تو اپنی حین حیاتی میں پوری رقم داخل خزانہ قادیان کرا دونگا۔ العبد:۔ میاں رحیم بخش موصی سیکھواں۔ گواہ شد:۔ قریشی فضل حق۔ گواہ شد:۔ میاں فقیر محمد۔ گواہ شد:۔ مہر شاہ محمد۔

نمبر ۷۳۰۹:۔ منکہ محمد الدین ولد میاں محمد یامین صاحب قوم راجپوت پیشہ زرگری عمر ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن بنگلہ صدر گوگیرہ ضلع منٹگمری بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۵/۲/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کل جائیداد حسب ذیل ہے۔ ایک کمیٹی جو کہ تین سال سے شروع کی گئی ہے مبلغ -/۳۰۰ روپے کی، اور ایک قطعہ زمین پونے سات مرلہ جو کہ حلیہ سالانہ پر مبلغ -/۲۸۲ روپے پر خریدا ہے واقع محلہ دار البرکات شرقی متصل باغیچہ یحییٰ خاں مرحوم ہے۔ اور میری اس وقت ماہوار آمدنی مبلغ ۳۰ روپے ماہوار ہے۔ آج میں بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی زندگی میں اپنی جائیداد مذکورہ کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر دوں گا۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ محمد الدین بقلم خود موصی حال پنڈی چیری ڈاکخانہ سید والہ ضلع شیخوپورہ۔ گواہ شد:۔ روشن دین پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ پنڈی چیری۔ گواہ شد:۔ مرزا نذیر علی قادیان۔

نمبر ۷۲۹۴:۔ منکہ عنایت اللہ ولد محمد بخش صاحب قوم ارائیں پیشہ ملازمت عمر ۲۷ سال پیدائشی احمدی ساکن حصار محلہ افغاناں بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰/۲/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد -/۱۳۷ روپے ہے۔ میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عنایت اللہ احمدی جمعدار کلرک ۲۰۰ ایڈمن الشوڈ میسوپوٹیمیا اینڈ عراق فورس۔ گواہ شد:۔ رحیم داد لیونا کیمپ عراق۔ گواہ شد:۔ مرزا فتح محمد احمدی ......

نمبر ۷۳۱۰:۔ منکہ غلام نبی ولد حاکم خاں صاحب قوم جٹ عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۱ ساکن گھٹیالیاں ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۲/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد -/۲۳۲ روپے حق مہر جو اپنی زندگی میں میرے خاوند نے دیا تھا اور -/۴۱۲

قیمت اس جائیداد کی جو مجھے خاوند کے ترکہ سے موصول ہوئے ہیں۔ یہ کل رقم -/۴۰۰ روپے ہوتی ہے جس کا ۱/۳ حصہ جو مبلغ ۱۳۳/۵/۴ ہوتے ہیں کی وصیت کرتی ہوں۔ یہ رقم مذکورہ بالا یکمشت یا بالاقساط قبل از موت ادا کر دوں گی۔ اگر میرے مرنے کے بعد باقی رہے۔ تو میری جائیداد سے انجمن کا اختیار ہوگا کہ وصول کر لیوے۔ اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور جائیداد میری ثابت ہو۔ تو اس کی بھی ۱/۳ کی انجمن صدر احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر کوئی آمد مجھے اپنی زندگی میں ہو تو اس کا ۱/۳ حصہ بھی ساتھ ساتھ ادا کرتی رہا کروں گی۔ لہذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں کہ سند رہے۔ الآمتہ:۔ نشان انگوٹھا فاطمہ بی بی بیوہ قاسم خاں گھٹیالیاں۔ گواہ شد:۔ نذیر حسین شاہ پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ گھٹیالیاں۔ گواہ شد:۔ شیخ غلام رسول سیکرٹری انجمن احمدیہ گھٹیالیاں ۔

نمبر ۷۲۸۶:۔ منکہ سرفراز علی ولد نیاز علی صاحب قوم شیخ پیشہ زمینداری عمر ۳۲ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۵ء ساکن قصبہ تلہر محلہ سید باڑہ ڈاکخانہ تلہر ضلع شاہجہانپور صوبہ یوپی بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد جو کہ خود پیدا کردہ ہے حسب ذیل ہے۔

نام موضع	نمبر کھاتہ کھیوٹ	رقبہ	مالک	قیمت
فتح پور بزرگ	۶۱	۸۱ — ۷	سرفراز علی موصی	۴۰۰
امن پور	۸	۹۹ — ۲	التفاق اللہ خاں وغیرہ راہناں	
مبند و پٹی	۹	۵۱ — ۳	بقبضہ سرفراز علی موصی ۔ زر رہن	۸۰۰

نوٹ:۔ اس کے علاوہ جزوی طور پر برائے نام ایک باغ قلمی اور بعض جگہ زمینداری کا قلیل رقبہ اپنے بھائیوں اور چچا کے درمیان مشترک ہے جو کہ بہت ہی کم ہے۔ قیمت تخمیناً -/۲۵ ۔ اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر اسکے بعد کوئی جائیداد اور پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ عام طور پر مذکورہ بالا جائیداد کے علاوہ میرا گذارہ ملازمت پر ہوتا رہا ہے۔ آجکل بیکار ہوں۔ اگر کوئی ملازمت حاصل ہو جائیگی تو تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ العبد:۔ سرفراز علی موصی بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد شجاعت علی موصی ۲۷۹۶ ۔ انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ عبداللہ احمدی ۔

نمبر ۷۳۱۷ :- منکہ نفیس فاطمہ خانم زوجہ سرفراز علی صاحب قوم پٹھان عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن قصبہ تلہر محلہ سید باڑہ ڈاکخانہ تلہر ضلع شاہجہانپور صوبہ یو-پی- بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ؁ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں- میری موجودہ جائیداد جو کہ منجملہ مہر میرے خاوند نے خرید کردی ہے- حسب ذیل ہے- ایک قطعہ مکان پختہ ایک منزلہ واقع محلہ سید باڑہ قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور ہے جس کی تخمینی قیمت مبلغ دو ہزار روپیہ ہے- جسکی میں تنہا مالک اور قابض ہوں- ایک عدد مشین سلائی سنگر والی معہ پائیدان ہے جسکی قیمت مبلغ دوسو پچاسی روپے ہے- ایک جوڑہ کڑے طلائی وزنی ایکتولہ ایک جوڑہ پائل نقرئی وزن تخمیناً ۲۵ تولہ ہے جسکی قیمت تخمیناً یکجائی مبلغ -/۱۲۵ ہے- اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں- اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجائیگی- اگر اس کے بعد کوئی جائیداد اور پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی- اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی- نیز میرے مرنیکے وقت جسقدر میری جائیداد ہو اس کے دسویں حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی- چونکہ خدا کے فضل وکرم سے میرے والد صاحب حین حیات ہیں ان کی طرف سے بھی ترکہ میں جس قدر مجھے ملے گا اس کے دسویں حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی- میرا دین مہر مبلغ پانچہزار کا تھا منجملہ اس کے مندرجہ بالا جائیداد میرے خاوند نے مجھکو خرید کردی ہیں- چونکہ میں اپنے خاوند سے بہت خوش ہوں لہٰذا بہ رضا ورغبت بلا جبر واکراہ بقیہ حصہ مہر کو بحق خاوند معاف کرتی ہوں- اللہ تعالےٰ قبول فرمائے- الامتہ نفیس فاطمہ خانم بقلم خود- گواہ شد- سرفراز علی شوہر موصیہ- گواہ شد- محمد شجاعت علی موصی ۲۷۹۷ انسپکٹر بیت المال-

نمبر ۶۶۸۹ :- منکہ فضل عرف پھلا ولد الہ دین قوم ترکھان پیشہ زمیندارہ عمر ۴۵ سال پیدائشی احمدی ساکن فتحپور ڈاکخانہ خاص ضلع گجرات- بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ؁ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں- میری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ حسب ذیل ہے- زمین زرعی ۷ بیگھے قیمتی -/۲۴۰۰ روپے ایک مکان خام قیمتی -/۵۰۰ روپے- مال مویشی -/۱۵۰- نقد -/۲۰۰- کل جائیداد کی قیمت -/۳۲۵۰ روپے ہے- میں اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں- جو کہ مبلغ -/۳۲۵ روپے بنتے ہیں- میں اس رقم کو عنقریب داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرادوں گا- اگر میں ادا کرنے سے پہلے فوت ہوجاؤں تو یہ رقم میری جو جائیداد بوقت وفات ثابت ہو اس میں سے وضع کرلی جائے- اس کے علاوہ میرا گزارہ زمینداری پر ہے- ہر ششماہی پر جو آمد غلہ ہوا کریگی اس کا ۱/۱۰ حصہ تا زندگی ادا کرتا رہوں گا- العبد

متصل حرف مپلاٹ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ اللہ دتا احمدی برادر موصی۔ گواہ شد ماسٹر سراج الدین پریذیڈنٹ جماعت فتحپور ؂

نمبر ۷۲۵۹ :۔ منکہ محمد عیسےٰ ولد اختر علی صاحب قوم احمدی مسلمان پیشہ تجارت عمر ۵۰ سال۔ تاریخ بیعت مارچ ۱۹۰۷ء ساکن بھاگلپور حال کانپور یوپی۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۲/۴۴ ا حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری ایک جائیداد غیر منقولہ ہے۔ جس کا رقبہ ۸ کنال ۱۸ مرلہ ۳ سرسا ہی ہے۔ اور جو دارالانوار والی سڑک اور بھینی والی سڑک کے کونے پر واقع ہے اور جس کو میں نے چوہدری فتح محمد صاحب سیال سے ۳۵۶۰/- روپے پر خریدی ہے۔ اس کے علاوہ نقد روپیہ ۴۵۰۰/- روپیہ ہے۔ جو صدر انجمن احمدیہ قادیان کے پاس اس وقت بمد قرض حسنہ پانچ ہزار میرے نام جمع ہے۔ اسوقت میری تنخواہ ۲۵۰/- روپے ہے جو مجھے ماہوار ملتی ہے۔ ان سب کا ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور جو جائیداد میری وفات پر اس کے علاوہ پائی جاوے اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ العبد:۔ محمد عیسےٰ۔ گواہ شد:۔ محمد محسن ساکن حسینا پور مونگیر حال مقیم چمن گنج کانپور۔ گواہ شد:۔ عطا محمد ہیڈ کلرک ؂

نمبر ۷۱۳۵ :۔ منکہ بشیر احمد ولد اللہ داد خاں صاحب قوم راجپوت بھٹی پیشہ ملازمت۔ عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن بیٹے ہالی ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲/۴۴ ۹ احسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری تقریباً ماہوار تنخواہ ۳۰/- روپے ہے۔ میں ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ کرتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ بشیر احمد ملازم ہونڈی۔ گواہ شد:۔ محمد شفیع برادر موصی۔ گواہ شد:۔ علی محمد موصی واصحابی ؂

نمبر ۶۲۳۲ :۔ منکہ علم دین ولد فتح دین صاحب قوم بھٹی پیشہ درزی عمر ۵۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۹ء ساکن منڈی بہاؤالدین ڈاکخانہ خاص ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱/۴۴ احسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ پانچصد روپیہ نقد میرے پاس ہے اور ۵ مرلے زمین سکنی میں ایک مکان کچا پکا بنا ہوا ہے واقعہ محلہ دارالرحمت متصل مکان مہر دین صاحب مرحوم راول قیمتی ایکہزار روپیہ۔ میں اس جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان

کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری ماہوار آمد قریباً سات روپیہ ہے۔ مَیں اس کا بھی دسواں حصّہ داخل خزانہ کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عالم دین ٹیلر ماسٹر موصی۔ گواہ شد:۔ محمد فخرالدین بیرون کابلی گیٹ نزد انڈسٹریل سکول گجرات۔ گواہ شد:۔ (حکیم) رحمت اللہ دواخانہ شفا قادیان ❊

نمبر ۶۱۱۲ :۔ منکہ غلام حسین ولد محمود خاں قوم جٹ چٹھہ پیشہ ملازمت عمر ۵۶ سال ساکن موہن کی ڈاکخانہ خانکی تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ۔ تاریخ بیعت ۸ر جنوری ۱۹۰۸ء بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۱/۱۲/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ جائیداد میری منقولہ غیر منقولہ حسب ذیل ہے۔ اراضی ملکیت ۱۶ ایکڑ مکان جنکی بازاری قیمت ۔/۲۵۰۰۰ روپیہ نقد امانت تحریک جدید پراویڈنٹ فنڈ وغیرہ ۔/۲۷۴۲ جملہ جائیداد کی مالیت ستائیس ہزار روپیہ ہے۔ جملہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ آج کی تاریخ کے بعد جو جائیداد پیدا ہوگی اس کے ۱/۱۰ حصہ پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ میرا گذارہ ملازمت پر ہے۔ ۲۶ روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ ماہواری آمد کا ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت کرتا ہوں۔ اگر میرے مرنے کے کوئی اور جائیداد ثابت ہوگی تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ موجودہ کی قیمت کا ۱/۱۰ مبلغ دو ہزار روپیہ آج ادا کر دیا ہے۔ کل ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ ادا کرتا رہوں گا۔ العبد:۔ غلام حسین موہن کی۔ گواہ شد:۔ علی محمد چک ۳۳ ب ج برنالہ ضلع لائلپور۔ گواہ شد:۔ ہدایت اللہ سربراہ نمبردار چک ۳۵ سرگودہا ❊

نمبر ۷۱۸۰ :۔ منکہ محمد بی بی زوجہ نجات احمد صاحب قوم جٹ عمر ۱۶ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۳۱ء ساکن بکیواں ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۳/۱/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد سوائے حق مہر کے کوئی نہیں ہے۔ میرا حق مہر میرے خاوند کے ذمہ یکصد روپیہ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصّہ کی صدر انجمن احمدیہ مالک ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں ۱/۱۰ حصّہ وید فنگی تو منہا رقم کر دوں گی اور جو میرے مرنے کے بعد میری جائیداد ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ محمد بی بی۔ گواہ شد:۔ محمد عنایت اللہ۔ گواہ شد:۔ نجات احمد خاوند موصیہ ❊

نمبر ۷۲۸۴ :۔ منکہ سلطان علی ولد حیات محمد قوم چیمہ عمر ۵۰ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن گھونگ ڈاکخانہ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری ذاتی جائیداد پچیس گھماؤں زمین غیر منقولہ ہے جس کا میں واحد مالک ہوں۔ اسکے

$\frac{1}{10}$ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر میرے مرنے کے بعد اس سے زائد جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی $\frac{1}{10}$ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: سلطان علی نمبردار۔ گواہ شد: نبی بخش۔ گواہ شد: کرم الٰہی امیر جماعت احمدیہ تلونڈی کھجوروالی ÷

نمبر ۲۱۵۷ :۔ منکہ عبدالسلام عمر ولد حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سیدنا نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ قوم قریشی پیشہ زمیداری عمرہ ۳ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ $\frac{1}{44}$ ۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت حضرت والد محترم کے متروکات سندھ میں لاکھا روڈ ضلع نواب شاہ میں ہے۔ اور میرا گزارہ اس جائیداد کی آمد پر ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ فی الحال میری اور کوئی آمد نہیں ہے۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر اس کے بعد کوئی جائیداد اور پیدا کر دوں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنیکے وقت جس قدر میری جائیداد ہو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: عبدالسلام عمر۔ گواہ شد: علی محمد اجمیری۔ گواہ شد: عبداللطیف

نمبر ۲۸۸۷ :۔ عائشہ بی بی زوجہ سلطان علی صاحب قوم جٹ عمر ۶۲ سال تاریخ بیعت پیدائشی۔ ساکن کھوچک ڈاکخانہ نگھڑ ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ $\frac{3}{44}$ ۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میں اس وقت آٹھ صد روپیہ مہر کی مالکہ ہوں۔ حق مہر کے علاوہ میری کوئی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے۔ اس جائیداد کے $\frac{1}{8}$ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی جائیداد میرے مرنے کے بعد ثابت ہو تو اس کے بھی $\frac{1}{8}$ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن مذکور کرتی ہوں۔ الامۃ: نشان انگوٹھا عائشہ بی بی موصیہ۔ گواہ شد: نبی بخش والد موصیہ۔ گواہ شد: کرم الٰہی امیر جماعت احمدیہ تلونڈی کھجوروالی ÷

تصحیح

اپریل ۱۹۴۲ء کے رسالہ میں وصیت ۲۴۴۲ رحیم بی بی کی وصیت میں کنگنیاں سات چھٹانک پختہ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ ایک سیر سات چھٹانک ہے۔ اور ۲۰۰/- روپے کے $\frac{1}{3}$ حصہ کی بجائے ۴۰۰/- روپے کے $\frac{1}{3}$ حصہ۔ اور حصہ جائیداد ۱۳۳/- روپے رسالہ میں کی بجائے ۲۳/- روپے رسالہ میں لکھا گیا ہے۔ درست تصحیح فرمالیں ÷

هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله

ریویو آف ریلیجنز

(ماہنامہ اردو)

(یعنی)

دُنیا کے مذاہب پر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان۔

جلد ۴۳ | ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ جون سنہ ۱۹۴۴ء | عدد ۶

فہرست مضامین

قسط دوم

دس گورو صاحبان کے نام

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب)

بابا نانک صاحب کا مذہب اسلام تھا

ہم احمدیوں کا عقیدہ ہے۔ کہ بابا نانک صاحب پکے مسلمان اور ولی اللہ تھے۔ اور اس کی بنیاد ہمارے آقا و پیشوا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ کشف ہے۔ جس میں حضرت بابا صاحب بحالت اسلام دکھلائے گئے (نزول المسیح صفحہ ۲۰۳) اور پھر وہ دلائل ہیں جو آپ نے بابا صاحب کے اسلام کے ثبوت میں ۱۸۹۵ئ میں کتاب ست بچن اور اس کے بعد چشمہ معرفت میں تحریر فرمائے علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کے علماء کی طرف سے بھی کئی ایک ٹریکٹ اور کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئی ہیں۔ ذیل میں ہم یکجائی طور پر بغیر کسی حاشیہ آرائی کے وہ امور درج کرتے ہیں جو اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

بابا نانک صاحب کے اسلام کا عقیدہ آپ کے زمانہ زندگی سے ہی مسلمانوں میں چلا آیا ہے۔ یعنی بابا صاحب کی زندگی میں مسلمان آپ کو ولی اللہ کہتے تھے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۲ و جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۰۱ و تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۰۱ و صفحہ ۲۴ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) بلکہ آپ کو ولی عارف یقین کرتے تھے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۱۰۳) اور نانک درویش کے نام سے پکارتے تھے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۶ و جنم ساکھی ولایت والی صفحہ ۲۴۵)

پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بنکر مکے میں حج کے لئے گئے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۱) اور ممالک اسلامی میں آپ کے مقامات کو نانک قلندر یا ولیٔ ہند کے دائرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۳۹۶) قلندر مسلمان فقیروں کے لئے مخصوص لفظ ہے۔ [illegible] تھا واں دا کوشش مصنفہ ماسٹر مہتاب سنگھ صاحب) اور گیانی گیان سنگھ صاحب نے لکھا ہے۔ کہ مکہ شریف میں بابا نانک صاحب کا مکان مسجد کی شکل پر بنا ہوا ہے۔ جو ولی ہند کے نام سے مشہور ہے۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۲۲) اور عرب میں بابا صاحب ولی ہند کے نام

سے مشہور ہیں اور آپ کے مکانات مسجدوں کی شکل پر بنے ہوئے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۴۳ و ناواں تے تھاواں دا کوش صفحہ ۳۵) اور بغداد کے مسلمان بابا صاحب کو مسلمان پیر خیال کرتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۹ مصنفہ گیانی گیان سنگھ مطبوعہ ۱۸۹۱ء) اور ہزارہ کے علاقہ میں ایسے لوگ آباد ہیں جو اپنے آپ کو نانک ولی کے مرید بتاتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۳۶۲)

بابا صاحب کی وفات پر بھی مسلمانوں نے پُرزور اصرار کیا کہ ہم آپ کی نعش مبارک کو جلانے نہیں دینگے اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ آپ پکے مسلمان اور حاجی ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۶۳ مصنفہ سندر سنگھ) سردار خزان سنگھ صاحب نے بھی مسلمانوں کے اس اصرار کی وجہ یہی بتلائی ہے۔ کہ وہ آپ کو مسلمان یقین کرتے تھے۔ (ہسٹری اینڈ فلاسفی آف دی سکھ ریلیجن مصنفہ سردار خزان سنگھ ای۔ اے۔ سی دہلی صفحہ ۱۰۶)

گوردوارہ ٹریبونل کے ججوں نے مقدمہ نانک کے فیصلہ میں لکھا ہے:۔

"کچھ لوگوں کا خیال ہے (دیکھو ہیوز صاحب کی ڈکشنری آف اسلام) کہ گورو نانک صاحب نے اپنے خاص اصول اسلام سے لئے ہیں۔ یہ بات پکی ہے کہ بابا صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کا مخالف ظاہر نہیں کیا اور اس نے ایک مسلمان فقیر کی شکل میں مکے کی یاترا کی۔" (اداسی سکھ نہیں صفحہ ۲۲)

بابا نانک صاحبؒ اور السلام علیکم کہنا

قرآن شریف میں لکھا ہے۔ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ یعنی نہ کہو اُس شخص کو جو تمہیں السلام علیکم کہے کہ تو مسلمان نہیں۔ اس ارشاد کے مطابق جو ہم کو سلام علیکم کہے گا ہم اُسے مسلمان سمجھنے پر مجبور ہیں۔ بھائی گورداس نے بھی لکھا ہے کہ آپس میں ملتے وقت سلام علیکی کہنا مسلمانوں کا کام ہے۔ (وار ۲۲ پوڑی ۲۰) اور یہ ثابت ہے کہ بابا نانک صاحب نے مسلمانوں کو ملتے وقت سلام علیکم کہا۔ جس کے جواب میں ہر دو فریق نے وعلیکم السلام کہا۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۰ و صفحہ ۲۴۶ و صفحہ ۲۵۴ و جنم ساکھی میکالف والی صفحہ ۱۴۳) اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان بابا صاحب کو مسلمان یقین کرتے تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔

بابا صاحب اور اذان

اذان کہنا بھی ایک پکے مسلمان کی علامت ہے اور جناب

بابا صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان کہی۔ (جنم ساکھی بالا و ص۲۰۲ والاں بھائی گورداس ص۱۳ و ص۱۴) اور مسٹر میکالف نے لکھا ہے کہ :-

"جب کبھی وقت آیا تو گورو نانک صاحب نے حضرت محمد صاحب کے ماننے والے پکے مسلمانوں کی طرح بانگ دی" (میکالف اتہاس ص۱۴۷)

اذان کہنے والا بلند آواز سے خدا تعالےٰ کی بزرگی اور آنحضرت صلعم کی رسالت کا اقرار کرتا ہوا مسلمانوں کو نماز کے لئے مسجد کی طرف بلاتا ہے۔ پس بابا صاحب کے اذان دینے سے ثابت ہوا کہ وہ رسالتِ محمدیہ کے مقر تھے۔ پھر نہ صرف یہ کہ بابا صاحب نے اذان دی بلکہ نماز کی پُرزور تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں :-

باباصاحب اور نماز

خصم کی ندر دے دیکھہ پسندے جن کر ایک دھیایا
رتیہہ کر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطان مت کٹ جائی

(گرنتھ صاحب ص۲۲ سری راگ محلہ ۱)

یعنی خدا کی نگاہ اور دل میں وہی لوگ پسندیدہ ہیں جنہوں نے اُس کو ایک جانا تیس روزے رکھے۔ پانچ نمازیں ادا کیں۔ علاوہ ازیں سری گورو گرنتھ صاحب میں بعض اور مقامات پر بھی نماز ادا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ بلکہ جنم ساکھیوں میں بابا صاحب نے تارک نماز کو لعنتی قرار دیا ہے۔ (جنم ساکھی بالا ص۲۲۲ و جنم ساکھی ولایت والی ص۲۴۷) اور جنم ساکھی منی سنگھ ص۱۰۰ میں بابا صاحب کا حکم نماز باجماعت ادا کرنے کا درج ہے۔

باباصاحبؒ اور زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں باباصاحبؒ کا ارشاد جنم ساکھی بالا ص۱۹۹ پر درج ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے اُن کا مال تباہ ہو جائے گا۔ نیز فرماتے ہیں۔ کہ زکوٰۃ نہ دینے والے پر لعنت برسے گی۔ (جنم ساکھی منی سنگھ ص۴۱۴ و تواریخ گورو خالصہ ص۴۱ میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم درج ہے۔

باباصاحبؒ اور روزہ و حج

باباصاحب نے روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا ہے (گرنتھ ص۲۲ و جنم ساکھی بالا ص۱۴۳ و ص۱۶۸)

پھر بابا صاحب کو الہام ہوا۔ کہ اے (حضرت) نانک تکے میں (جا) کر (جنم ساکھی بالا ص۱۳۶ و جنم ساکھی بالا اُردو ص۱۵۳) اور پھر بابا صاحب مردانہ کو مخاطب کر کے فرماتے

ہیں۔ کہ اگر ہمارے نصیب حج کعبہ ہے تو ہم بھی جائیں گے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۱) پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بن کر مکے کے حج کو حاضر ہوئے اور سورہ کلام (سورہ کلام سے مراد قرآن شریف کی کوئی سورۃ مراد ہے) کی صفت کرنے لگے (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۱) اور بابا صاحب فرماتے ہیں۔ جو صدق دل سے حج کرے اس کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور وہ ایسا ہوجاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بے گناہ بچہ۔ مردانہ خوب یاد رکھو! جو کوئی مکہ شریف کو نہ مانے وہ کافر ہے خواہ کوئی ہو (جنم ساکھی بالا اردو صفحہ ۱۶۳ و صفحہ ۱۶۷)

بابا صاحب نے حضرت نبی کریم صلعم پر درود بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ گرنتھ صاحب سری راگ محلہ میں لکھا ہے:۔

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درود

یعنی اُن لوگوں کو اگلے جہاں میں برکت ملے گی جو حضرت نبی کریم صلعم پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر آپ فرماتے ہیں:۔

ص۔ صلاحت محمدی مکھ تھیں آکھو نت
خاصہ بندہ رب دا سرمتراں ہوں مت

یعنی محمد رسول اللہ صلعم کی تعریف ہمیشہ زبان سے کرتے رہو۔ کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کے خاص بندے اور پیاروں سے پیارے ہیں۔ نیز ارشاد فرمایا:۔

م۔ محمد من توں من کتیباں چار
من خدائے رسول نوں سچا ای دربار

(جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا والی صفحہ ۲۴۷)

یعنی محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لاؤ کیونکہ اُن کا دربار سچا ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے آنحضرت صلعم کے معراج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ کہ حضور کو جبرائیل لے گیا۔ اور آپ پردہ میں خدا تعالےٰ سے ہم کلام ہوئے۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا اے پیغمبر! تیرا شیشہ صاف ہے جس میں میری شکل نظر آتی ہے (جنم ساکھی بالا صفحہ ۵۶، جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۲۲۲) پھر لکھا ہے کہ بابا صاحب نے مردانہ کو کہا۔ کہ "یہ مقام بزرگوں کا ہے۔ اس جگہ حضرت پیغمبر کی آیات لایا کرتا تھا جن میں ایک آیت یہ ہے لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ یعنی اے پیغمبر اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین آسمان پیدا نہ کرتا۔"

جنم ساکھی بھی سنگھ ص۱۴۲) اور پوراتن جنم ساکھی ص۱۱۱ میں باباصاحب کا قول درج ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم خدا تعالےٰ کے دربان ہیں۔

گرنتھ صاحب رام کلی محلہ ا ص۹۰۳ میں لکھا ہے "کل پردان کتیب قرآن" یعنی کلیگ میں خدا تعالےٰ نے دُنیا کی ہدایت کے لئے قرآن شریف کو منظور فرمایا ہے۔ اور ایک شخص کے سوال پر باباصاحبؒ فرماتے ہیں "قرآن کتیب کمایئے" یعنی قرآن شریف پر عمل کرو "کرپا نن صاحب ایلویں ملے" اُس سے جو روشنی پیدا ہوگی اُس میں خدا ملے گا جنم ساکھی سنگھ سبھا ص۱۶۹ وجنم ساکھی بالا ص۲۱۲) باباصاحب کا ایک قول یہ ہے:-

توریت انجیل زبور تریہہ پڑھ سُن ڈٹھے وید
رہیا فرقان کتیبڑے کل جُگ میں پردان

(جنم ساکھی بالا ص۱۴۷)

یعنی میں نے توریت انجیل زبور اور وید پڑھ اور سُنکر دیکھ لئے ہیں۔ قرآن کتاب ہی کلجگ کی ہدایت کے لئے خدا تعالےٰ نے منظور فرمائی ہے۔

آپ قیامت کے بھی قائل تھے۔ جیساکہ لکھا ہے:-

"آسمان دھرتی چل سی مقام وہی ایک
دن رو چلے نس سس چلے تار کا لکھ پلوٹے
مقام وہی ایک ہے نانک سچ بگوئے"

(سری راگ محلہ ا ص۶۰ گرنتھ صاحب آد)

یعنی آسمان اور زمین بھی فنا ہوجائیں گے۔ وہ ایک ہی ہمیشہ قائم رہے گا۔ دن اور سورج فنا ہوجائیں گے۔ رات اور چاند بھی فنا ہوجائیں گے اور لاکھوں ستارے بھی نیست ونابود ہوجائیں گے۔ وہ ایک ہی یعنی صرف ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ نانک سچ کہتا ہے نیز جنم ساکھی بالا ص۱۳۹ و ص۵۲ و ص۲۳۳ وجنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا والی ص۲۵ میں قیامت کو برحق تسلیم کیا گیا ہے۔

بابانانک صاحب نے اسلامی بہشت اور دوزخ کے عقیدہ کو بھی تسلیم کیا ہے دیکھو راگ ماجھ محلہ ا ص۱۳۱ وجنم ساکھی بالا ص۱۹ و ص۱۳۹ و ص۲۳۳ دگرنتھ صاحب آسا محلہ ا ص۴۳۴) جنم ساکھیوں اور گرنتھ صاحب میں عقیدہ شفاعت کو برحق یقین کیا گیا ہے۔ طوالت کے ڈر سے

صرف ایک حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔ باباناںک صاحبؒ نے فرمایا ہے:۔

عملاں والے نت دن ہوسن بے پرواہ
سبئی چھُٹّے نانکا حضرت جناں پناہ

(جنم ساکھی سنگھ سبھا والی صہ ۲۵)

یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جن کے اعمال نیک ہوں گے بے فکر ہوں گے۔ نانک کہتا ہے وہی لوگ نجات پائیں گے جن کی پشت پناہ حضرت نبی کریم صلعم ہوں گے۔

باباصاحبؒ نے حیات خان مسلمان کی لڑکی سے شادی کی اور اس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ (سکھاں دے راج دی وِتھیا صہ۱ مصنفہ پنڈت شردھارام۔ اجنم ساکھیوں کے قلمی نسخوں میں بھی یہ مضمون پایا جاتا ہے۔

چولہ صاحب اور باباصاحب کا مذہب

پھر ایک زبردست ثبوت باوا صاحب کے مسلمان ہونے کا آپ کا چولہ مبارک ہے۔ جو آج تک ڈیرہ بابانانک میں آپ کی اولاد کے پاس بطور یادگار چلا آتا ہے۔ اس چولہ مبارک پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ گرنتھ صاحب میں آپ کو بارگاہِ الٰہی سے خلعت ملنے کا ذکر مذکور ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

ڈھاڈی سچے محل خصم بلایا
سچی صفت صلاح کپڑا پایا

(راگ ماجھ محلہ۱ صہ۱۴۰ گرنتھ صاحب آد)

یعنی مالک (خداتعالیٰ) نے ڈھاڈی یعنی خداتعالیٰ کی تعریف کرنے والے نانک کو اپنے حضور بلایا اور سچی صفت اور تعریف کا بھرا ہوا کپڑا (لباس) عطا کیا۔ اور گرنتھ صاحب کی لغت جو سکھوں کی ایک مشہور "خالصہ ٹریکٹ سوسائٹی" نے شائع کی ہے میں بتایا گیا ہے: "کہ گوروگرنتھ صاحب میں گورونانک صاحب کو خداتعالیٰ کی درگاہ سے قبا ملنے کا ذکر ہے۔ (کوش گوروگرنتھ صاحب صہ۵۸) اور بھائی گورداس جن کی کلام کا مرتبہ گرنتھ صاحب کے بعد دوم درجہ پر بتایا جاتا ہے میں بھی بابانانک صاحب کو بارگاہِ خداوندی سے ایک خلعت پہنایا جانا لکھا ہے۔

چنانچہ بھائی صاحب لکھتے ہیں:۔

پہلاں بابے پایا بخش در پچھوں دے پھر گھال کمائی
ریت اک آہار کر روڑاں کی گور کری وچھائی
بھاری کری تپتیا بڈھے بھاگ ہر سیتو بن آئی
بابا پیدھا سچ کھنڈنوں ندھ نام غریبی پائی
(وار پہلی پوڑی ۲۴ صٓ۲۲)

ہم گیانی ہزارہ سنگھ صاحب کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں :یعنی گورو نانک صاحب کو پہلے ایشور کی درگاہ سے بخشش ہوئی۔ بعد میں آپ نے مجاہدے کئے۔ ریت اور آک کھا کر کنکروں کو اپنا بستر بنایا یعنی بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ بہت عبادت کی اور بہت خوش قسمتی سے خدا کے ساتھ بن آئی یعنی خداوند باری آپ پر بہت خوش ہوئے۔ گورو جی کو سچ کھنڈ (خدا کے دربار) سے ایک پوشاک ملی۔ پس صاف معلوم ہوگیا کہ یہ وہی پوشاک تھی جس کا ذکر گرنتھ صاحب میں کیا گیا ہے۔ اور اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ اور جنم ساکھی بھائی بالا صٓ۲۴۳ میں بھی مذکور ہے کہ خدا تعالےٰ نے بابا صاحب کو ایک خلعت یعنی چولہ عطا فرمایا۔

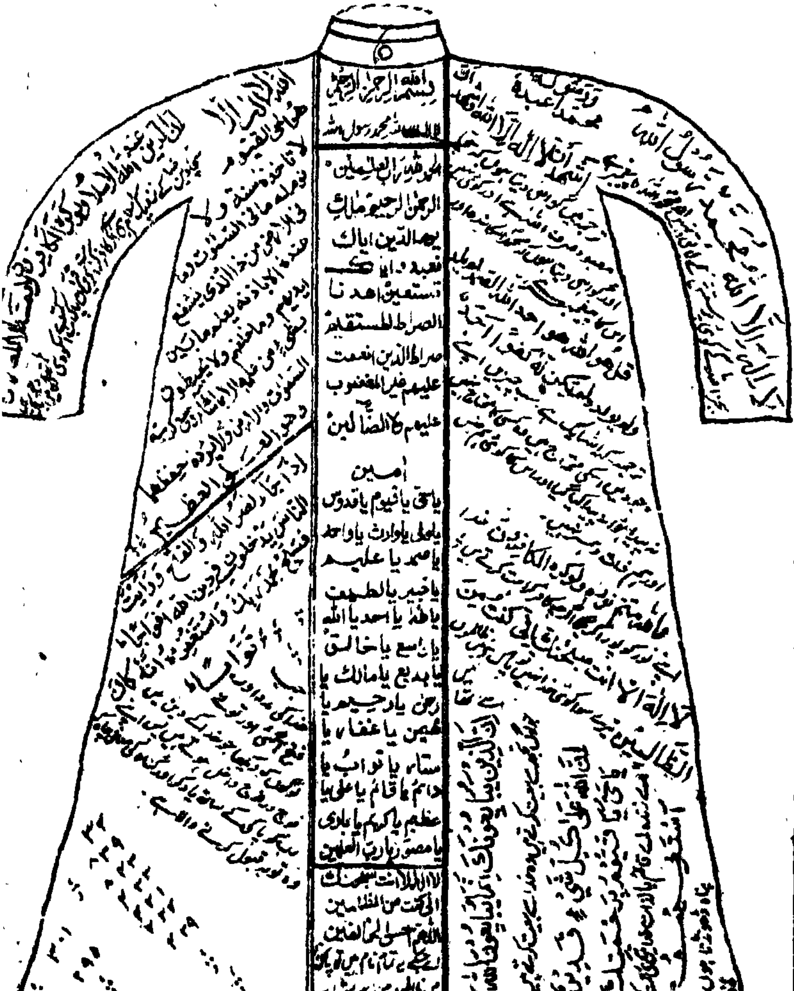
جنم ساکھی بالا صٓ۲۴۳ و نانک پرکاش مصنفہ بھائی سنتوکھ میں چولہ صاحب کے متعلق مرقوم ہے کہ جب بارگاہِ الٰہی سے بابا صاحب کو چولہ ملا تو آپ پہن کر شہر کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے بادشاہ کے حکم سے آپ کے گلے سے چولہ اتارنا چاہا۔ لیکن چولہ آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ اتارنے میں ناکام ہوئے وغیرہ۔ پس منی سنگھ کا بیان کردہ چولہ یہی ہے جو سری چند و لکھمی چند کے اٹھانے پر نہیں اٹھا۔

سکھوں کے اُداسی فرقہ کا بیان ہے کہ بابا نانک صاحب کی وفات کے بعد وہ عربی میں لکھا ہوا چولہ لکھمی چند کو پہنایا گیا (دیکھو جیونی سری چندر جی مہاراج صٓ۱۲) اور چولہ مبارک کی خصوصیت پر ہندو اور سکھ مصنفین کو اتفاق ہے۔ چنانچہ پنڈت میلا رام وفا لکھتے ہیں:۔

کہنا پڑتا ہے یہ سب کو تیرا چولا دیکھ کر
کی تھی پر قطع قدرت نے قبائے معرفت
(افضل انبیا صٓ۳۲ مصنفہ بھائی سیوا سنگھ)

اسی طرح جنم ساکھی بالا و نانک پرکاش و خورشید خالصہ مصنفہ باوا نہال سنگھ وغیرہ میں چولہ صاحب کو کرامت والا بتایا گیا ہے۔ جنم ساکھی بالا و نانک پرکاش وغیرہ میں بتایا گیا ہے

کہ چولہ صاحب پر علاوہ عربی حروف کے اور زبان کے حروف بھی لکھے ہوئے ہیں۔ خورشید خالصہ کے مصنف نے تسلیم کیا ہے کہ جو چولہ ڈیرہ بابا نانک میں ہے وہ جنم ساکھی کا بیان کردہ ہے۔ اور یہ کہہ کر کہ چولہ صاحب پر دیگر زبانوں کے حروف بھی درج ہیں چولہ صاحب کی حقیقت کو چھپانے کی کوشش کی ہے لیکن سردار کرتار سنگھ صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے جغرافیہ ضلع گورداسپور میں چولہ صاحب کا خاکہ شائع کر کے یہ حقیقت آشکار کر دی ہے کہ اس پر سوائے آیات قرآنی کے اور کسی زبان کا کوئی حرف نہیں ہے۔ اصل خاکہ درج ذیل ہے



بابا نانک صاحبؒ اور مسلمان

(۱) سب سے پہلے حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ

زندگی کے حالات پڑھیں تو اُن میں ایک مسلمان رئیس رائے بولار کا ذکر ملتا ہے۔ یہ علاقہ تلونڈی کے حاکم تھے۔ بابا نانک صاحب کے والد بزرگوار جناب کالوچند صاحب آپ کے ملازم تھے۔ رائے بولار کالوچند پر بہت مہربان تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کالوچند نے بابا صاحب کو کچھ رقم دیکر روانہ کیا کہ اس روپیہ سے نفع مند تجارت کرو۔ آپ روپیہ لیکر تجارت کے لئے روانہ ہوئے۔ جب چوہڑکانہ کے جنگل میں پہنچے تو ایک بھوکے فقیروں کا گروہ ملا۔ آپ نے یہ جان کر کہ اس سے زیادہ فائدہ مند اور کونسی تجارت ہوسکتی ہے ان بھوکے فقیروں کو کھانا کھلا دیا۔ واپس گھر لوٹنے پر والد صاحب کو واقعہ سنایا۔ تو وہ بہت ناراض ہوئے اور بابا صاحب کو بہت سخت سُست کہا اور پیٹا بھی۔ جب مسلمان رائے بولار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اُسی وقت کالوچند کے گھر آکر حال دریافت کیا۔ بابا صاحب نے کہا کہ والد صاحب نے حکم دیا تھا کہ اس رقم کا نفع مند سودا کرنا۔ میں نے نفع مند سودا کیا ہے۔ تب رائے بولار نے کالوچند سے کہا۔ مہتہ جی! میں نے پہلے بھی آپ کو کہہ رکھا ہے کہ اِس بچّہ سے ہرگز کوئی سخت کلامی نہ کرنا اور جو نقصان یہ لڑکا کرے مجھ سے وصول کر لیا کرو۔ نیز تاکید کی کہ جس قدر تمہارا روپیہ خرچ کیا کرے تم ہمارے خزانہ سے لے جایا کرو مگر اس کو رنج نہ پہنچاؤ۔ (تواریخ گوروخالصہ مصنفہ گیانی گیان سنگھ ص۳۴ و تواریخ گوروخالصہ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ)

رائے بولار اور بابا نانک کی دعوت

(۲) جنم ساکھی بالا میں مرقوم ہے کہ رائے بولار نے بابا صاحب کی دعوت کی۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

"اتے رائے آکھیا تپا جی رسوئی کیہی جیوندے ہو۔ تاں گورو نانک جی آکھیا رائے جی جو کرتار بھیجدا ہے سوئی جیوندے آہے۔ تاں رائے کہیا۔ ناں تپا میں ہور واسطے پوچھیا ہے۔ آکھیں اتے جے کھا دیں تاں بکرا سوراواں۔ تاں گورو نانک جی آکھیا۔ ایتھے فرمائش دی جاتے نہیں جو کچھ اپنی خوشی بھیجو سوئی اساں نوں اچھا ہے . . . تاں رائے کہیا او امیدا بکرا جب سوراؤ پرشاد کر تت ہو۔ تاں سُدا برہمن بھانڈے لے آیا۔ تب رائے نے کہا کہ پہلے کچھ میٹھا کرے ہواتے پچھوں سلونا کھاسن۔" (جنم ساکھی بالا ص۸۶)

یعنی رائے بولار نے کہا۔ اے نانک صاحب! آپ کھانا کیسا کھاتے ہیں۔ گورو صاحب نے جواب میں کہا۔ جو کچھ خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے وہی کھا لیتے ہیں۔ تب رائے بولار نے

کہا۔ کہ اسے نانک میں نے اس لئے پوچھا ہے کہ آپ حکم دیں اور کھائیں تو آپ کے لئے بکرا بنواؤں (ذبح کراؤں)۔ تب گورو نانک صاحب نے کہا۔ یہاں فرمائش کی جگہ نہیں۔ جو کچھ اپنی خوشی سے بھیجو ہم کو وہی اچھا ہے۔ تب رائے بولار نے اُمیدا نامی شخص کو حکم دیا کہ جلدی بکرا ذبح کرو۔ کھانا بنواؤ۔ تب کھانا پکانے کے لئے سُدا براہمن برتن لے آیا۔ اور رائے بولار نے کہا کہ اے سُدا پہلے کچھ میٹھا کھانا بنا لو آپ نمکین کھانا بعد میں کھائیں گے۔

بابا نانک کی شادی اور رائے بولار

(۳) بھائی سنتوکھ سنگھ صاحب اپنی کتاب نانک پرکاش مد۹۳ نمبر۱ میں بابا نانک صاحب کی شادی کے متعلق لکھتے ہیں کہ کالو چند صاحب رائے بولار کے پاس گئے۔ بہت تعظیم کے بعد عرض کی کہ آپ کے درس نانک کو بیاہنے کے لئے میں نے سلطان پور ریاست کپور تھلہ جانے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ کی اجازت لینے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ تب رائے بولار نے جواب دیا:۔

شومتا کھوئے اُدھارتا دھار کرو اُپ بیاہ سو کیرت کاری
مو ہے نکیت تے چاہے سولے وہ سو کارتھ آؤ دھن بھاری
لینے تُرنگم بھو کمن سُخت سُندر زین جنے چب چھائی
سُنیدن آدُ سکنے شُبھ ساج کے تنبو قنات لئے سمدائی

(نانک پرکاش ادھیائے (۲ مد۹۱ و مد۹۲ نمبر۱۷)

ترجمہ:۔ اے کالو! اچھی شان و شوکت سے شادی کرو۔ میرے گھر میں سے جو کچھ چاہو لے لو۔ اور روپیہ بھی جتنا ضرورت ہو لے لو۔ تب انہوں نے پالکی، رتھ، گھوڑے بمعہ ساز و سامان و خوبصورت زینوں کے، گدّے، خیمے، قناتیں اور دیگر اچھے سامان سب لے لئے۔

۴۔ ننکانہ صاحب گوردوارہ جنم استھان کے ساتھ رائے بولار نے جاگیر لگا دی چنانچہ لکھا ہے:۔

"اس دربار کے نام ۲۴۲۷ مربعہ زمین اور ۹۰۹۲ روپے سوا پندرہ آنہ کی جاگیر ہے۔ ننکانہ صاحب سارا ہی گوردوارہ کی ملکیت ہے۔ رائے بولار نے سارا علاقہ ہی گورو کے لئے نذر کر دیا۔"

(گوردھام دیدار مد۱۲۶)

۵۔ گوردوارہ بال لیلا کیساتھ رائے بولار نے جاگیر لگادی۔ لکھا ہے :۔
"اس جگہ گورو نانک صاحب چھوٹی عمر میں کھیلتے رہے ہیں۔ بڑا بھاری تالاب ہے۔ اس گوردوارہ کے ساتھ مسلمان رائے بولار نے ۱۲۰ مربعہ زمین اور ۱۳ روپے سالانہ جاگیر لگائی۔" (گوردھام دیدار ۱۲۷)

۶۔ جس جگہ گورو نانک صاحب بچپن میں بھینس چرایا کرتے تھے اس جگہ کے گوردوارہ کا نام مال جی صاحب ہے اس کے ساتھ رائے بولار نے ۱۹ مربعہ زمین اور مبلغ ۵۰ روپے سالانہ جاگیر لگادی۔ (گوردھام دیدار ۱۲۵)

۷۔ گوردوارہ کیارا صاحب کے نام ۴۵ مربعہ زمین رائے بولار کے وقت سے لگی ہوئی ہے۔ (گوردھام دیدار ۱۲۵)

۸۔ رائے بولار نے گوردوارہ بال لیلا کے ملحق ایک تالاب گورو نانک صاحب کے لئے بنوادیا۔ (خورشید خالصہ ۳۹ مصنفہ باوا نہال سنگھ)

نواب دولت خان لودھی اور بابا نانک صاحب

۹۔ آپ کا بھائی گورداس نے اس طرح ذکر کیا ہے :۔
"دولت خان لودھی بھلا ہوا جند پیر ابناسی" (وار ۱۱ پوڑی ۱۳)
یعنی دولت خان لودھی اچھا ہو گذرا ہے۔ وہ زندہ پیر اور غیر فانی تھا۔
بابا نانک صاحب کا بہنوئی جے رام نواب صاحب کا ملازم تھا۔ اُس نے سفارش کرکے بابا صاحب کو بھی آپ کی ملازمت میں رکھوا دیا۔ (ناواں تے تھاواں دا کوش ۵ مصنفہ متاب سنگھ)

۱۰۔ بابا صاحب کی شادی پر براتی موضع رائے بھوئے کی تلونڈی (ننکانہ صاحب) سے تیار ہوکر سلطان پور آئے تو آپ کے بہنوئی جے رام نواب دولت خان کے پاس برائے حصول امداد گیا۔ چنانچہ بھائی سنتوکھ سنگھ نے لکھا ہے کہ نواب صاحب نے[1] آپ کی شادی کے لئے ہاتھی بمعہ مہاریوں کے اور گھوڑے سواری کے لئے اور زیور سونے کے جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے جو بہت خوبصورت دکھاتی دیتے تھے اور اُونٹ بمعہ خیموں اور قناتوں کے بوجھ اٹھانے کے لئے دیئے اور اپنے خزانہ سے بہت سا روپیہ منگوا کر بخوشی دیا۔
(نانک پرکاش ۱۹۴ ادھیائے ۲۱ نمبر ۴۹)

[1] سوامی دیانند جی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ "بابا نانک کی شادی پر بہت سے

۱۱۔ خان قلات نے گورونانک صاحب کے گوردوارہ کے ساتھ جاگیر لگادی جواب تک موجود ہے۔ (سری گوردوارے درشن ص۵ مصنفہ ٹھاکر سنگھ گیانی)

۱۲۔ خواجہ شمس الدین صاحب نے گوردوارہ پنجہ صاحب کا تالاب پختہ بنوایا۔ (گوردھام سنگرہ ص۳۲ مصنفہ گیانی گیان سنگھ)

۱۳۔ گوردوارہ پنجہ صاحب کو حضرت امام جماعت احمدیہ نے مبلغ پانچصد روپیہ کی رقم عطا فرمائی اس کا ذکر کرتے ہوئے سکھ اخبار "شیر پنجاب" لاہور کے ایڈیٹر سردار امر سنگھ صاحب زیر عنوان "خلیفہ قادیان کا پنجہ صاحب کے لئے عطیہ" لکھتے ہیں:۔

"امرتسر ۲۰ فروری خلیفہ قادیان نے ۵۰۰ روپیہ گوردوارہ پنجہ صاحب کی عمارت کے لئے دیا" (اخبار شیر پنجاب ۳ مارچ ۱۹۳۵ء)

۱۴۔ ننکانہ صاحب گوردوارہ سری جنم استھان کے شمال مشرقی دروازہ کے دونوں جانب سنگِ مرمر کے دو سفید پتھر دیوار میں چسپاں ہیں۔ جن پر گورمکھی اور اردو حروف میں یہ عبارت مرقوم ہے:۔

"سیوا کرائی حکیم بھوئے خان موضع ڈڈ کا چک ۱۱ رکھ برانچ ضلع لائلپور یکم ہاڑ سمت ۱۹۸۶ بکرمی

سیوا کرائی بیگم دھرم پتنی حکیم بھوئے خان موضع ڈڑ کا چک ۱۱ رکھ برانچ ضلع لائل پور۔ یکم ہاڑ سمت ۱۹۸۶ بکرمی"

۱۵۔ جنم ساکھی بالا کا بیان ہے۔ کہ شیخ فرید صاحب (براہم صاحب) اور بابا صاحب نے مل کر ایک لمبا سفر اختیار کیا۔ علیحدگی کے وقت بابا صاحب نے کہا۔ اے شیخ صاحب! آپ کے اندر خدا صحیح ہے۔ تب فرید صاحب بوقت رخصت بابا نانک صاحب کے گلے میں بازو ڈال کر ملے۔ (جنم ساکھی بالا ص۲۶۵)

(باقی۔ باقی)

بقیہ حاشیہ ص۱۲۔ گھوڑے، رتھ، سونے چاندی، موتی، پنا (زمرد) وغیرہ جواہرات سے آراستہ تھے اور بے بہا جواہرات کا حد و حساب نہ تھا۔ بھلا یہ گھوڑے نہیں تو کیا ہیں" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۱ ص۴۷۷) یہ سوامی جی کی لاعلمی تھی۔ ہاتھی گھوڑے، رتھ، جواہرات، موتی، زمرد، یہ تمام مسلمانوں نے آپ کی شادی پر بطور تحفہ دیئے تھے۔

سوم

...داقت حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام

ازروئے قرآن کریم

بلحاظ دعویٰ کے بعد کی زندگی کے

(از جناب مولوی غلام احمد صاحب بدوملہوی معلم المجاہدین تحریک جدید)

...بیا رتم كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ (مجادلہ آخر) یعنی خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے اور فرض کر دیا ہے ...لہ میں اور میرے رسول ضرور غالب رہیں گے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ قوی اور غالب ہے۔

گویا انبیاء آتے ہیں۔ اُس وقت کے علماء، فقراء، اُمراء، غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگ ...ں کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔ دونوں فریق کا سخت مقابلہ ہوتا ہے۔ بالآخر خدا ...نے رسولوں کو غالب کر دیتا ہے۔

ہمارے سامنے قرآنی، تاریخی واقعات موجود ہیں۔ انبیاء کرام کو جو اپنے ...ل میں ظاہری غلبہ ہوا اس کی تفصیل یہ ہے:۔

(۱) وہ انبیاء جن کی ساری قوم مان گئی۔ جیسے یونس علیہ السلام کہ فرمایا۔ فَاٰمَنُوْا ...مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰی حِیْنٍ (صافات ۵ و نیز یونس رکوع)

(۲) وہ انبیاء جن کی مخالف قوم بالکل سب کی سب مٹا دی گئی۔ جیسے نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ ...یبؑ، لوطؑ علیہم السلام۔ (ملاحظہ ہو سورہ ہود و دیگر آیات قرآنیہ)

(۳) وہ انبیاء جو بڑی بڑی قوموں اور وسیع علاقوں میں آئے۔ اُن میں سے بعض انبیاء ...الی شان رکھنے کیوجہ سے ظاہری بادشاہت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جیسے داؤدؑ ...یمانؑ و نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مدنی زندگی میں۔

(۴) وہ انبیاء جو اپنے بدترین مخالفوں سے خود مع قوم کے محفوظ رہے اور شریر و معاند موت کے گھاٹ اُترے۔ جیسے موسیٰ و ہارون علیہم السلام۔

یہ ظاہری غلبہ کی مثالیں ہیں۔ مگر ان مذکورہ انبیاء کو اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کرام کو جو باطنی روحانی غلبہ (کہ حقیقی غلبہ وہی ہے) ہوا۔ وہ مندرجہ ذیل طریق سے ہوا

(۵) جانی دشمنوں، خون کے پیاسوں کی بدترین مخالفانہ کارروائیوں اور سازشوں کے باوجود اُن انبیاء کرام کی خیر و برکت دُنیا میں پھیلی، مقبولیت بڑھی، اولاد و دیگر ماننے والوں نے روحانی برکت حاصل کی۔ دُنیا میں اُن کی محبت کا دم بھرنے والے نام لیوا دن بدن بڑھتے ہی گئے اور دشمن مٹتے گئے۔ اور موتوا بغیظکم کے مصداق بنے۔ جیسے مثلاً حضرات ابراہیمؑ، زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ۔ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی کی زندگی میں۔

پس خداتعالےٰ کی نصرت، غلبۂ ظاہری، غلبۂ باطنی کا جو رنگ اِن انبیاء کرام میں قرار دیا جاوے وہی رنگ حضرت میرزا صاحب مسیح موعود علیہ السلام کے حالات میں بھی واضح طور پر نظر آئیگا۔ مثلاً:-

مخالفوں کے بد ارادوں سے محفوظ رہنا۔ خوارق کا ظہور۔ تقریری و تحریری مقابلہ میں نمایاں کامیابی۔ اپنی بات کو باوجود ہر طبقہ کی ہر قسم کی مخالفت کے دُنیا میں پھیلانا۔ اور لکھو کھا طبائع انسانی کو باوجود شدید مخالفت کے اپنی طرف لے آنا۔ اولاد اور اپنی عزت و وجاہت۔ دشمنوں کا مٹنا وغیرہ ذٰلک سبھی طرح۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

خدا کا ہم پہ بس لطف و کرم ہے ✤ وہ نعمت کونسی باقی جو کم ہے
زمینِ قادیاں اب محترم ہے ✤ ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے
ظہورِ عون و نصرت دم بدم ہے ✤ حسد سے دشمنوں کی پُشت خم ہے

ایک اور جگہ بطور تحدی فرماتے ہیں:-

ہے کوئی کاذب جہاں میں لاؤ لوگو کچھ نظیر ✤ میرے جیسی جس کی تائیدیں ہوئی ہوں بار بار

خداتعالیٰ کی فعلی شہادت مفتریوں کے لئے

عربی زبان کا ایک مقولہ ہے۔ جو ایک ناقابلِ تردید حقیقت کو واضح کرتا ہے۔ کہ وبضدھا تتبیّن الاشیاء یعنی صرف کسی چیز کی ذاتی خوبی کی وجہ سے ہی وہ چیز ممتاز نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے

مدمقابل و متضاد چیزوں کے حالات سے نمایاں فرق ہونے پر ہی اس کی قدر و قیمت نمایاں ہوتی ہے۔ اس امر کو فارسی شعر میں یوں بیان کیا گیا ہے ؎

گر نبودے درمقابل روئے مکروہ و سیاہ ✤ کس ندانستے جمالِ شاہد گلفام را

پس مذکورہ بالا معیارات میں مدعیانِ صادق سے خدا تعالیٰ کا جو سلوک واضح کیا گیا ہے ایک طرف اُسے مدنظر رکھتے ہوئے دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھیں کہ خدا تعالیٰ نے مفتریوں سے کس قسم کے سلوک کا وعدہ کیا ہے۔ کہ اس سلوک کے لحاظ سے بھی حضرت میرزا صاحب علیہ السلام کو پرکھ لیا جاوے۔ کہ چونکہ وہ سلوک اُن سے نہیں ہوا۔ لہٰذا وہ مفتریوں میں ہرگز ہرگز شمار نہیں ہو سکتے۔

ہشتم معیار

فمن اظلم ممن افترٰی علی اللّٰہ کذبًا او کذب بایٰتہ انہ لا یفلح الظّٰلمون۔ (انعام ۳) یعنی کون شخص زیادہ ظالم ہوگا بنسبت اُس شخص کے جس نے افترا اور جھوٹ باندھا خدا تعالیٰ پر۔ یا (بصورت بنسبت اُس شخص کے جس نے) جھٹلایا اُس کی نشانیوں کو۔ یقیناً ایسے ظالم ہرگز کامیاب نہیں ہوتے۔ انہٗ ضمیر شان لا کر قاعدہ کا اظہار کیا ہے کہ مفتری اور کسی سچے کا مخالف دونوں اپنے اپنے مقصد و مدعا میں کامیاب نہیں ہوتے محض ناکام و نامراد رہتے ہیں۔ مدعی مامور من اللہ اگر سچا ہے تو کامیاب ہوگا اور اس کا مخالف ناکام رہے گا۔ اور مدعی اگر مفتری ہے، خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو وہ خود ناکام رہے گا اور اُس کا مخالف کامیاب ہوگا۔ ایک اور جگہ فرمایا۔ انّ الّذین یفترون علی اللّٰہ الکذب لا یفلحون (نحل ۱۵)، کہ مفتری لوگ ہرگز ہرگز اپنے مقصد و مُدعا میں کامیاب نہیں ہوتے بلکہ محض ناکام رہتے ہیں۔

کامیابی کی تشریح

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری رأس المعاندین لکھتے ہیں۔ "کامیابی کے معنی ہیں جو انسان اپنا مقصد رکھتا ہو اس کو پورا ہوتا ہوا دیکھ لے۔ نہ دیکھے تو ناکامی۔" (اہلحدیث ۱۹ راگست ۱۹۱۰ء صفحہ ۶) ایک مدعی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگوں سے اپنی بات منوالے۔ دُنیا کو اپنی طرف جھکالے۔ اس کے مخالفین کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی بات نہ مانی جاوے اور دُنیا اس کی طرف نہ آئے۔

عقلی اقتضاء بھی یہی ہے کہ مفتری ہرگز ہرگز اپنا سلسلہ مستحکم نہ کر سکے اور اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو۔ ورنہ کاذب و صادق میں فرق کیا رہا؟

بالکل سچ ہے کہ ؎

مفتری ہوتا ہے آخر اِس جہاں میں روسیاہ ✤ جلد تر ہوتا ہے برہم افتراء کا کاروبار

علامہ ابوعبداللہ محمد طاہر گجراتی فرماتے ہیں۔ ولا یمکن مدعی النبوۃ فانہ ممکنۃ فلو مکن لا لتبس النبی بالمتنبی۔ یعنی مدعیٔ نبوت کاذبہ کو ہرگز استحکام نہیں بخشا جاتا۔ کیونکہ دعویٔ نبوت تو انسانی طاقت میں ہے اور ممکن الوجود ہے۔ پس اگر مدعیٔ نبوت کاذبہ کو بھی استحکام بخشا جاتا تو سچا نبی جھوٹے نبی سے مشتبہ ہوجاتا۔ (مجمع البحار جلد ۳ صفحہ ۲۹۴)

پس بموجب الحکم بالخواتیم نتیجہ پر حکم لگانا چاہئے۔ یعنی ہر مدعی کے متعلق دیکھنا چاہئے۔ کہ مقابلہ کی لمبی دَوڑ میں کون مقصد و مدعا میں کامیاب رہا۔ وہ مدعی یا مخالف لوگ؟ حضرت میرزا صاحب علیہ السلام کا ماننے والوں کے نزدیک جو مقصد ہو یا مخالفوں کے نزدیک جو آپ کا مقصد ہو دونوں صورتوں میں دونوں کے نقطۂ خیال سے حضرت میرزا صاحب علیہ السلام کو کامیابی و فلاح حاصل ہوئی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ یعنی ماننے والوں کے نزدیک آپ کا مقصد اصلاح خلق اللہ، قیام جماعت تھا جو آپ کے مشن کو چلائے۔ سو یہ مقصد پُورا ہو گیا۔ مخالفوں کے نزدیک آپ کا مقصد محض دوکانداری، دُنیا بٹورنا (معاذ اللہ) سو اُن کے خیال سے میرزا صاحب کو یہ بھی حاصل ہوگیا۔ کیونکہ وہی کہتے ہیں کہ لاکھوں روپیہ قادیان جاتا ہے۔ اور وہ روک نہیں سکتے۔ حضرت میرزا صاحب علیہ السلام نے اپنے مخالفوں کو توجہ دلائی ؎

دیکھو خدا نے ایک جہاں کو جھکا دیا ✤ گمنام پاکے شہرۂ عالم بنا دیا
جو کچھ مری مراد تھی سب کچھ دکھا دیا ✤ مَیں اک غریب تھا مجھے بے انتہا دیا
دُنیا کی نعمتوں سے کوئی بھی نہیں رہی ✤ جو اُس نے مجھے اپنی عنایات سے نہ دی
اک قطرہ اسکے فضل نے دریا بنا دیا ✤ مَیں خاک تھا اسی نے ثریا بنا دیا

نہم معیار خدا تعالےٰ نے افتراء علی اللہ کو قابل سزا گناہ قرار دیا ہے۔ فرمایا فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا او کذب بأیٰتہٖ اولٰئک ینالھم نصیبھم من الکتٰب (اعراف ۴) یعنی کون شخص زیادہ ظالم ہوگا بہ نسبت اُس شخص کے جس نے افتراء کیا خدا تعالیٰ پر یا بہ نسبت اس شخص کے جس نے خدا تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی (پھر بطور قاعدہ و قانون بتایا کہ) ایسے لوگوں کو ضرور پہنچیگا اُنکا

(عذاب الہی ولعنت ابدی کا) جو اُن کے لئے قرآن میں مقرر کیا گیا ہے۔
اسی صورت میں دوسری جگہ اس عذاب الہی اور افتراء کی سزا کا ذکر بایں الفاظ کر دیا ہے کہ
ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلۃ فی
الحیٰوۃ الدنیا وکذٰلک نجزی المفترین ہ (اعراف ۱۹)
(موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے گوسالہ پرستوں کی سزا کا ذکر کیا) یعنی تحقیق جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ مزدراں کو پہنچیگا غضب الہی اور ذلت اسی دُنیا میں اور یہی سزا ہم مفتریوں کو دیتے ہیں اور دیا کریں گے۔

معلوم ہؤا اسی دُنیا میں مفتری پر غضب الہی اور عظیم الشان ذلت ظاہری کی ایسی مار پڑتی ہے کہ ہر شخص کو اُس کے افتراء کا پتہ لگ جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بجائے اُس مدعی کے قریب جانے کے اُس سے دُور بھاگنا ہی بہتر جانتا ہے۔

عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے کہ بنی نوع انسان کے خالق و مالک ہادی اور رہنما ذلت کیطرف سے جھوٹے مدعی ماموریت پر ایسی قہری تجلی ہونی چاہئے کہ دوسروں کو بھی نصیحت ہو اور دُنیا ایسے مفتری سے نفرت کر کے گمراہی سے بچ جاوے۔

تاریخی طور پر ایک بھی ایسا مدعی نہیں ملتا جو حقیقتۃً تو مفتری ہو مگر الہی غضب اور ذلت و ناکامی کی مار سے بچ گیا ہو۔ یا تو جلدی ہی توبہ کر گئے ورنہ ضرور ہلاک کر دیئے گئے۔ کیا یہ جائے تعجب اور حیرت کا مقام نہیں کہ ایک طرف خود خداتعالیٰ ہی مفتری پر غضب اور ذلت کی مار مارنے کا اعلان فرما دے۔ پھر تمام دُنیا بھی مثلاً ایک مدعی کو کاذب سمجھکر اس کے درپئے آزار ہو۔ پھر بھی وہ مدعی اگر دن رات ترقی کرتا جائے اور ذلت کی بجائے عزت پاتا جاوے۔ تو باوجود اس کے ترقی پاتے جانے کے پھر بھی اُسے جھوٹا قرار دیا جاوے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حضرت میرزا صاحب علیہ السلام نے اپنے مخالفوں کو توجہ دلائی کہ ؎

آخر یہ بات کیا ہے کہ ہے ایک مفتری ؎ کرتا ہے ہر مقام میں اسکو خدا بری
جب دشمن اسکو ہیچ میں کوشش سے لاتے ہیں ؎ کوشش بھی اس قدر کہ وہ بس مر ہی جاتے ہیں
پھر بھی وہ نامراد مقاصد میں رہتے ہیں ؎ جاتا ہے بے اثر وہ جو سو بار کہتے ہیں
ذلت ہیں چاہتے یہاں اکرام ہوتا ہے ؎ کیا مفتری کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے؟

معیار دہم قرآن شریف نے ہر جگہ مفتری علی اللہ کو اظلم قرار دیا گیا ہے۔ سورہ ہُود میں مفتریوں کا ذکر کر کے فرمایا۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ یعنی ایسے ظالموں پر خدا تعالیٰ کی لعنت پڑتی ہے۔ اِسی جگہ اگلی آیت میں اس لعنت کا اثر بھی بیان فرما دیا ہے کہ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔ یعنی ان کا کوئی والی و مددگار بمقابل خدا کے نہیں ہوتا۔ گویا خدا اُن مفتریوں کا مخالف ہوتا ہے۔ خدا کے مقابل پر کوئی اُن مفتریوں کا والی و مددگار نہیں ہو سکتا۔ ایک اور جگہ پر کلیہ قاعدہ کے طور پر فرمایا وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا (نساء ۸) یعنی جس پر خدا تعالیٰ کی لعنت پڑتی ہے تو اُس کا یار و مددگار نہیں پائیگا۔

گویا مفتری اظلم ہوتا ہے۔ اُس پر خدا تعالیٰ کی لعنت پڑتی ہے۔ اس لعنت کا پتہ یُوں لگتا ہے کہ اس کا نام لیوا، عاشق زار، محب وفادار، خادم جان نثار کوئی بھی نہیں ہوتا۔ وہ مفتری جھوٹے دعوے کے ساتھ اپنی شہرت چاہتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ اس کو بے یار و مددگار رہی رکھتا ہے۔ سچ ہے ؎

لعنت ہے مفتری پہ خدا کی کتاب میں ٭ عزت نہیں ہے ذرہ بھی اسکی جناب میں

اس عظیم الشان اٹل قانون کی تصدیق تاریخی واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ مدعیان نبوت ہزاروں لاکھوں ہوئے۔ مگر بجز انبیاء صادقین کسی جھوٹے نبی کے نام لیوا دُنیا میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے۔

مولوی ثناءاللہ امرتسری لکھتے ہیں:-

"واقعات گذشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کبھی کسی جھوٹے نبی کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی اُمت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۶ مطبوعہ ۱۳۲۲ہجری)

حضرت مرزا صاحب علیہ السلام معاذ اللہ اگر مفتری ہوتے تو اُن سے بھی یہی سلوک ہونا چاہئے تھا جو اس مندرجہ بالا معیار میں بیان ہوا۔ مگر دوست و دشمن آج مشاہدہ کر رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام سے اس معیار کے خلاف دوسرا سلوک ہوا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

(الف)

میں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہنر ٭ کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اِس طرف کو ذرہ بھی نظر نہ تھی ! ٭ میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی !
اب دیکھتے ہو کیسا رجوع جہاں ہوا ٭ اک مرجع خواص یہی قادیاں ہوا

(ب) "و انظروا الی آثار رحمتہ و آیات قبولیتہ - انّ القوم یسعون لاعدامی و ھو یربّی عودامی و القوم یکرلقطع اصلی و ھدم بنیانی و ھو ینمی افنانی و اغصانی و القوم یرید اطرادی و تحقیری و ھو یکرمنی و یبشّرنی بمراتب و یدنیتی" (آئینہ کمالات اسلام ص۱)

یعنی اور دیکھو خدا تعالیٰ کی رحمت کے نشانات اور اسکے ہاں مقبول ہونے کی علامات کیونکہ قوم مخالف تو میرے معدوم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر وہ خدا تعالیٰ میری بڑھنے کی پرورش کرتا ہے۔ قوم مکر و فریب کر رہی ہے کہ میری اصل کو کاٹ دے اور میری بنیاد کو گرادے مگر وہ خدا میرے تنوں، میری شاخوں کو بڑھا رہا ہے۔ قوم مجھے دھتکارنا چاہتی اور میری تحقیر و توہین کے درپئے ہے۔ مگر وہ خدا میری عزت کر رہا، مراتب عُلیا کی بشارت دیتا اور اپنا مقرب کرتا ہے۔

معیار یازدہم افتراء بڑا جُرم ہے۔ فرمایا۔ انظروا کیف یفترون علی اللہ الکذب و کفٰی بہ اثمًا مبینًا (نساء) یعنی دیکھو کس طرح وہ خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں حالانکہ وہ کھلم کھلا ایک بڑا گناہ ہے۔ گویا افتراء قابلِ سزا فعل ہے۔ کوئی اس سے بچ نہیں سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا۔ قُل اِن افتریتہٗ فعلیّ اجرامی (ہود ۳) یعنی کہدو اگر میں مفتری ہوں تو مجھے اس جُرم کی سزا ملیگی۔ ایک اور جگہ اِس جُرم کی سزا بھی خود ہی بیان فرمادی کہ ویلکم لا تفتروا علی اللہ کذبا فیسحتکم بعذاب و قد خاب من افترٰی (طٰہٰ ۳) یعنی ہلاکت ہو تم پر اے لوگو! نہ افتراء کیا کرو خدا تعالیٰ پر ورنہ پیس دیگا وہ تم کو اپنے سخت عذاب سے اور یقیناً خائب و خاسر رہتا ہے (اپنے مقاصد میں) وہ شخص جو افتراء کرتا ہے۔

معلوم ہوا مفتری کا جُرم ایسا سخت ہے کہ خدا تعالیٰ کی قہری تجلّی اُسے بالکل نیست و نابود

اور فنا کر دیتی ہے۔ ایسا انسان نہ صرف اپنے مقاصد میں ہی نامراد رہتا ہے بلکہ خس کم جہاں پاک کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اگر یہ قرآنی اصل سچا اور اٹل ہے اور یقیناً ہے تو پھر حضرت مرزا صاحب علیہ السلام بھی ضرور ضرور سچے ہیں۔ کیونکہ خود آپ نے اپنے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ الہام فرمایا ہے کہ قل ان افتریتہ فعلیّ اجرامٌ شدید (تذکرہ ...) گویا آپ نے بانگ دُہل لوگوں کو توجہ دلائی کہ اے لوگو! اگر میں مفتری ہوں تو میں معترف و مقر ہوں کہ پھر واقعی بڑا مجرم ہوں اور اس جُرم کی ضرور مجھے سزا ملنی چاہئے۔ مگر باوجود اس کے خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنے فرمودہ (مفتریوں والے) سلوک سے محفوظ رکھا۔ فالحمد للہ! پس سوچنے والوں کے لئے یہ ایک بڑی بات ہے چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں ؎

یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں ؛ ایسے کاذب کیلئے کافی تھا وہ پروردگار
کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی ؛ خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار

معیار دوازدہم قُل اِن افتریتہٗ فلا تملکون لی من اللہ شیئًا (احقاف ۱) یعنی کہدو۔ اگر میں نے افتراء کیا ہے تو تم ہرگز مالک و قادر نہیں میرے لئے کسی بچاؤ کے خدا تعالیٰ کے عذاب سے۔

معلوم ہؤا خدا تعالیٰ کی طرف سے مفتری پر ایسی تباہی اور بربادی وارد ہوتی ہے کہ دُنیا کی کوئی حکومت، کوئی قوم، کوئی دوست و آشنا، کوئی برادری و جتھا اُسے اُس عذاب سے بچا نہیں سکتے۔

عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ جس طرح ظاہری گورنمنٹ جھوٹے افسر کو جلدی ہی سزا دیتی ہے۔ کہ دوسروں کو عبرت ہو۔ ویسے ہی خدا تعالیٰ بھی ضرور جھوٹے نبی کو تباہ و برباد کر دے کہ مخلوق بھی گمراہ نہ ہو اور دوسرے مفتری بھی عبرت پکڑیں۔ اسی بنا پر حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے اپنے مخالفوں کو توجہ دلائی اور فرمایا ؎

جسکے دعویٰ کی سراسر افتراء پر ہے بناء ؛ اس کی یہ تائید ہو پھر جھوٹ سچ میں کیا نکھار
کیا خدا بھولا رہا تم کو حقیقت مل گئی ؛ کیا رہا وہ بے خبر اور تم نے دیکھا حالِ زار

(باقی۔ باقی)

سرسید کے شکوک اور حضرت مسیح موعودؑ

(از جناب محمود احمد صاحب حیدرآباد دکن)

ایک طرف نیچرل سائنس نے سید صاحب کو متاثر کیا تو دوسری طرف فلسفۂ جدید نے محصور کیا۔ کہیں سائنس کے مفروضہ نظریات نے اُن کی آنکھوں کو چُندھیایا اور اُن کی عقل کو متحیر کیا، تو کہیں فلسفہ جدید کے فاسدات نے اُنہیں مرعوب اور مغلوب کیا، وہ ایسے کچھ گھبرائے کہ اُن کی زبان سے بے ساختہ نکلا :۔

"فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ پر ہوگا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ کا تاج سر پر۔"[1]

سید صاحب کے اسی رجحان نے اُنہیں کلام اللہ اور عقائد اسلام کی ایسی رکیک تاویلات کرنے پر آمادہ کیا کہ اُن کی تاویلات صحیح منشاءِ اسلامی کو فراموش کر گئیں اور وہ تعلیماتِ اسلامی کا ردّ ہو گئیں۔ تب مامور الٰہی نے ارشاد فرمایا :۔

"سید صاحب کے ہر ایک فقرہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نئے فلسفہ نے جو یورپ نے پیش کیا ہے ان کا دل کانپتا اور لرزتا ہے اور انکی رُوح اس کو سجدہ کر رہی ہے۔ ہم نے جس کسی ایسے مقام سے اُن کی تفسیر کو دیکھا جہاں اُنہیں قرآن کریم بریع فلسفہ موجودہ کے مخالف یا بظاہر نظر مخالف معلوم ہوتا تھا، وہاں یہی پایا کہ سید صاحب اقراری مدعا علیہ کی طرح فلسفہ کے قدموں میں گر پڑے ہیں، اور فلسفی تعلیمات کو بسر و چشم قبول کر کے تاویلاتِ رکیکہ کے ساتھ قرآن کریم کی طرف سے ایسی ذلت کے ساتھ صلح کا پیغام پہنچایا کہ جیسے عاجز اور مغلوب دشمن درماندہ ہو کر اور ہر طرف سے رُک کر چند کچے اور بیہودہ عذرات سے مصالحہ کا

[1] رسالہ جامعہ ستمبر ۱۹۳۸ء بحوالہ مضمون "علی گڑھ۔ ندوہ، جامعہ عثمانیہ"۔ سید صاحب نے ۱۸۹۴ء میں اہل جالندھر کے اُن کی خدمت میں ایڈریس پیش کرنے پر جواباً اور تقریراً فرمایا۔

طالب ہوتا ہے۔ ہم کو یہ شوق ہی رہا کہ سید صاحب کی کوئی ایسی تالیف بھی دیکھیں جس میں سید صاحب نے کوئی تیز تلوار فلسفہ موجودہ پر چلائی ہو۔ اور مخالفت کے موقع پر بغیر کسی تاویل کے قرآن کریم کا بول بالا ثابت کیا ہو مگر افسوس کہ یہ ہمارا شوق پورا نہ ہوا[۱]

"سید صاحب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ حال کی تحقیقاتوں کو ایسا مسلّم الثبوت اور یقینی مان لیا کہ گویا اُن میں غلطی ہونا ممکن ہی نہیں۔ حالانکہ اس نئے فلسفہ اور سائنس میں ایسی ہی غلطیاں نکلنا ممکن ہے کہ جیسے فلسفہ اور طبعی کی اب غلطیاں نکل رہی ہیں۔ سید صاحب اس مثل کو بھول گئے کہ پائے استدلالیاں چوبیں بود اور نئے فلسفہ کو وہ عزت دی جو خدا تعالےٰ کی پاک اور لاریب کلام کا حق تھا"[۲]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سید صاحب کی تاویلات کے متعلق فرماتے ہیں :۔

"سید احمد خانصاحب کے۔سی۔ایس۔آئی کی بعض تحریرات سے خصوصاً اُن کی تفسیر کے دیکھنے سے کچھ ایسے خیالات اُن کے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا ان کو اِس بات سے انکار ہے کہ سچ مچ کسی کو مخاطبہ اور مکالمہ الٰہیہ نصیب ہو سکے۔ اور مَیں اب تک یہی سمجھتا ہوں کہ وہ اُس وحی سے منکر ہیں جو بذریعہ جبرئیل علیہ السلام انبیاءؑ کو ملتی ہے۔ اور الٰہی طاقتوں، غیب گوئی اور دیگر خوارق کو اپنے اندر رکھتی ہے اور خالصاً آسمان سے نازل ہوتی ہے نہ کوئی فطرتی قوت۔ اگرچہ وہ بظاہر جبرئیل کو بھی مانتے ہیں مگر اُن کا جبرئیل وہ نہیں ہے جس کو بالاتفاق بیس کروڑ مسلمان دُنیا میں مان رہے ہیں۔ وہ کلام الٰہی کے بھی قائل ہیں، مگر اُس کلام کے نہیں جو خدا کا نور اور خدائی طاقتیں اپنے اندر رکھتا ہے۔ بلکہ صرف ایک ملکہ فطرت جو انسانی فطرت کے اندازہ پر فیض الٰہی قبول کرتا ہے۔ نہ وہ وحی جو خدائی کے چشمہ سے نکلی ہے۔ اور تعجب ہے کہ سید صاحب قرآن کو بھی منجانب اللہ مانتے ہیں اور اُن کے کاموں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام سے محبت بھی رکھتے ہیں اور مسلمانوں کے ہمدرد بھی ہیں اور اہل اسلام کی ذرّیت کی دنیوی حالت کے خیر خواہ بھی۔ مگر باوصف اس کے تعجب پر تعجب یہ کہ وہ کیوں بیّنات قرآن کریم کے برخلاف نہایت مجہول اور منکر رائیں

[۱] آئینہ کمالات اسلام مطبوعہ ۱۹۲۳ء صفحہ ۲۲۸،۲۲۷ حاشیہ۔ [۲] آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۳۰،۲۲۹ حاشیہ۔

ظاہر کر رہے ہیں" (صفحہ ۲۲۶ حاشیہ) .... "جو تاویلیں قرآن کریم کی نہ خدا تعالیٰ کے علم میں تھیں، نہ اُس کے رسول کے علم میں، نہ صحابہؓ کے علم میں، نہ اولیاء اور قطبوں اور غوثوں اور ابدال کے علم میں اور نہ اُن پر دلالت النص نہ اشارۃ النص وہ سید صاحب کو سوجھیں۔ زیادہ تر افسوس کا یہ مقام ہے کہ سید صاحب نے قرآن شریف کی اُن تعلیموں پر جو اصل اصول [illegible] وحی الٰہی [illegible] نام اسلام تھا خیر خواہی کی نیت سے پانی پھیر دیا۔ اور اپنی تفسیر میں آیات بیّنات قرآن کریم کی ایسی بعید از صدق و انصاف تاویلیں کیں کہ جنکو ہم کسی طرح تاویل نہیں کہہ سکتے بلکہ ایک پیرایہ میں قرآن کریم کی پاک تعلیمات کا ردّ ہے۔" (صفحہ ۲۲۷ حاشیہ)

پھر حضور علیہ السلام وحی الٰہی، الہامی پیشگوئیوں، مکاشفات اور مخاطبات الٰہیہ کے متعلق مدعیانہ طور پر سید صاحب کو مشاہدہ اور تجربہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"سید صاحب نے اپنے ایک دوست سے جو سیالکوٹ میں رہتے ہیں، اِس عاجز کی تالیفات کی نسبت لکھا تھا کہ وہ ایک ذرہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یعنی بکلی صداقت سے خالی ہیں اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایکدفعہ سید صاحب نے ایک اخبار میں چھپوا بھی دیا تھا کہ کسی سے الہامی پیشگوئیوں کا ظہور میں آنا یا مکاشفات و مخاطبات الٰہیہ سے مشرف ہونا ایک غیر ممکن امر ہے اور اگر کوئی ایسا دعوے کرے تو وہ مجانین میں سے ہے اور ایسے خیالات جنون کے مقدمات میں سے ہیں۔ اور اگر یہ خیالات دل میں راسخ ہو جائیں تو پھر وہ پورا پورا جنون ہے۔ اگرچہ کہ اِس وقت مجھ کو ٹھیک ٹھیک یاد نہیں کہ سید صاحب کے الفاظ کیا تھے مگر قریباً اُن کا خلاصہ یہی تھا۔ القصہ مجھے ایسے کلمات کے پڑھنے اور سننے سے بہت ہی رنج ہوا .... مجھے نہایت خوشی ہوتی اگر سید صاحب صرف اِسی قدر کفایت نہ کرتے کہ مخالفانہ اور غیر معتقدانہ باتیں کہہ کر اور مکالمہ الٰہیہ کے مدعی کو مجنون اور پاگل قرار دے کر چُپ ہو جائیں۔ بلکہ جیسا کہ داب حق پسندوں اور منصف مزاجوں کا ہے میرے دعاوی کی مجھ سے دلیل طلب کرتے۔ تا اگر مَیں غلطی پر تھا تو اُس غلطی کا صاف طور پر فیصلہ ہو جاتا۔ اور اگر حضرت آپ غلطی پر تھے تو اُن کو اپنے اقوال سے رجوع کرنے کا مبارک موقع ملتا۔ بہرحال

اِس تقریب سے پبلک کو ایک فائدہ پہنچتا اور آجکل جو انہی مسائل پر قلموں کی کشت خونی ہو رہی ہے یہ روز کے جھگڑے طے ہو جاتے۔ مگر مجھے بار بار افسوس آتا ہے کہ اِس طریق مستقیم کی طرف سید صاحب نے رُخ بھی نہ کیا۔ . . . .

. . . . سید صاحب کا الہامی پیشگوئیوں اور خوارق سے عام انکار ہے، جس سے انبیاءؑ بھی جیسا کہ مجھے آپ کی تالیفات کا منشاء معلوم ہوتا ہے باہر نہیں ہیں۔ پس کیا اچھا ہوتا کہ اِس موقعہ پر جو الہامی پیشگوئیوں پر نہ صرف ایمان میرا اعتقاد ہے بلکہ ان کا مجھ کو خود دعویٰ بھی ہے سید صاحب مجھ سے اپنے شکوک دُور کر لیتے اور اگر میں اپنے دعوے میں سچا نہ نکلتا تو جس سزا کو سید صاحب میرے لئے تجویز کرتے ہیں اُس کے بھگتنے کے لئے حاضر تھا۔ اور اگر میرا صدق کھل جاتا تو سید صاحب اِس وقت میں کہ ستارہ زندگی قریب الغروب ہے نہ صرف میری سچائی کے قائل ہوتے بلکہ اُن پاک اعتقادوں کو جو وحی نبوت کی نسبت ضایع کر بیٹھے ہیں پھر حاصل کر لیتے۔ عزیز من! ایک منادی کی آواز کو جو سچائی کی طرف بُلا رہا ہے نہ سُننا اور تحقیر کی نظر سے اُس کو دیکھنا، اور بے تحقیق اُس کی نسبت مخالفانہ بولنا اور ثابت شدہ صداقت کے برخلاف جمے رہنا ہلاک ہونے کی راہ ہے، مجھے آپ کے کلمات سے بُو آتی ہے کہ صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ اِس اُمت کو مرتبہ مکالمات الٰہیہ سے تہیدست خیال کرتے ہیں بلکہ آپ کسی نبی کے لئے بھی یہ مرتبہ تجویز نہیں کرتے۔ کہ خدا تعالےٰ کا زندہ اور خدا کی قدرتوں سے بھرا ہوا کلام اس پر نازل ہوا ہو۔ . . . .

. . . . اگر خدانخواستہ آپکا الٰہی کتابوں کی نسبت جیسا کہ میں نے اب تک سمجھا ہے یہی خیال ہے کہ وہ واقعی اور حقیقی طور پر خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور وحی سے مراد صرف ایک ملکہ ہے جو انبیاءؑ کی فطرت کو حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اُن کی فطرت کچھ ایسی ہی واقع ہوتی ہے کہ صداقت اور حکمت کی باتیں ان کے مُنہ سے نکلتی ہیں تو پھر میں آپ پر کُھلے کُھلے معارضہ کے ساتھ اتمام حُجت کرنا چاہتا ہوں تا لوگ آپ کی پیروی سے ہلاک نہ ہوں۔ اگر آپ اپنے قول سے رجوع کا اقرار کر کے مجھ سے اِس بات کا ثبوت چاہیں کہ کیونکر وحی فی الواقعہ

خدا تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے اور اخبار غیبیہ اور آئندہ اور گذشتہ کی خبروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ تو میں بڑی خوشی سے الہامی پیشگوئیوں کے نمونہ سے ثبوت دینے کو تیار ہوں۔ اور اس بات کے سننے سے کہ آپ نیک نیتی سے اس امتحان کے لئے مستعد ہو گئے ہیں مجھے اس قدر خوشی ہوگی کہ شاید ایسی خوشی کسی اور چیز سے نہ ہو سکے۔ اس لئے کہ آپکا اپنی مہلک غلطیوں سے باز آ جانا میرے نزدیک ایک قوم کی اصلاح سے کم نہیں۔"

"جب خدا تعالیٰ کو مدبر بالارادہ اور اپنی مرضی کے ساتھ منزل وحی یقین کرینگے اور وحی کو ایسی چیز سمجھیں گے جو اُسی سے نکلتی ہے اور اُسی کے اتارنے سے الٰہی قوت کے ساتھ دلوں پر اُترتی ہے تو اس صورت میں آپ اس کو ملکہ فطرت نہیں کہہ سکتے اور نہ اس کا نام فطرتی قوت رکھ سکتے ہیں۔ بلکہ ایک نور اللہ قرار دینگے جو خدا تعالیٰ کے ہاتھ سے اور اُس کے ارادہ سے اُسی وقت اُترتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔ ہاں وہ نور جو اُترتا ہے وہ فطرتِ قابلہ پر ہی اپنی روشنی ڈالتا ہے اور اپنا آنا اس کو جتلا دیتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ ہم اس طرح پر وحی کو مان نہیں سکتے کیونکہ عقلِ انسانی کے مافوق ہے۔ سو اس کا یہی جواب ہے کہ عقلِ انسانی اگر ایک ثابت شدہ صداقت کو اپنے فہم اور ادراک سے بالاتر سمجھے تو وہ صداقت صرف اِس وجہ سے رد کرنے کے لائق نہیں ٹھہرے گی۔ کہ عقل اس کی حقیقت تک نہیں پہنچتی۔ دُنیا میں بہتیرے ایسے خواص نباتات و جمادات و حیوانات میں پائے جاتے ہیں کہ وہ تجارب صحیحہ کے ذریعہ سے ثابت ہیں۔ مگر عقلِ انسان کے مافوق ہیں یعنی عقل اُن کی حقیقت تک پہنچ نہیں سکتی۔ اور اُن کی حقیقت بتلا نہیں سکتی۔ پس ایسا ہی وہ وحی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی اور پاک دلوں تک وہ علوم پہنچاتی ہے جو بشری طاقتوں سے بلند تر ہیں۔ پھر جبکہ یہ حال ہے کہ عقل بجائے خود کوئی چیز نہیں بلکہ ثابت شدہ صداقتوں کے ذریعہ سے قدر و منزلت پیدا کرتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وحی سماوی ایک ثابت شدہ صداقت ہے جو اپنے اعجازی قوت رکھتی ہے اور علوم

۵۱ آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۴ حاشیہ ۔

غیبیہ پر مشتمل ہوتی ہے اور ہم اِس دعویٰ کے ثابت کرنیکے ذمہ وار ہیں۔ پھر آزمائش کیلئے متوجہ نہ ہونا کیا اُن لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے جو حقیقی صداقتوں کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔" (ص ۲۲۳، ۲۲۹ حاشیہ)

ایک اصولی بات عقائد کے متعلق یہ ہے کہ ہر ایک عقیدہ علم ہندسہ یا علوم طبعی کی طرح معقولی طور پر ثابت ہونا ضروری نہیں اور اُسکے قبول کرنے میں یہ اعتراض کرنا کہ وہ عقلی طور پر سمجھ میں نہیں آسکا یا غلط ہے۔ ثبوت مشہودہ اور محسوسہ کے بعد نجات کیا معنی اور ثواب کیا معنی؟ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اگر .... وجود ملائک کا اشیاء مشہودہ محسوسہ کی طرح ہوتا مثلاً ایسا یقینی ہوتا کہ خدا تعالیٰ آپ کو کوئی فرشتہ پکڑا کر دکھا دیتا۔ اور آپ ملائک کو ہاتھوں سے ٹٹول لیتے اور آنکھوں سے دیکھ لیتے اور ایسا ہی بہشت کی نہریں اور حور اور غلمان آپ کو علیگڈھ میں بیٹھے ہوئے نظر آجاتیں اور شراب طہور کا کوئی پیالہ بھی پی لیتے اور دوزخ بھی سامنے نظر آتا۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان تمام کھلم کھلے ثبوتوں کے بعد آپ کا اٰمنّا وصدّقنا کہنا کیا وزن رکھتا۔" (ص ۲۴۷ حاشیہ)

علم اور مذہب کو بالکل ایک چیز کر دینا مثلاً عقائد مذہب کو ایسا علم بنانا جیسے کہ ہندسہ۔ یہ بھی غلط بات ہے۔ کیونکہ جیسا کہ حضور فرماتے ہیں:۔

"اگر علم دین اور دینی عقائد ایسے ہی علوم بدیہہ میں سے ہوتے کہ جیسے دو اور دو چار تو پھر کیا وجہ تھی کہ اُن کے ماننے اور تسلیم کرنے سے ہمیں نجات کا وعدہ دیا جاتا۔"

بریتِ آدمؑ

کیا آدمؑ نے گُناہ کیا؟

بنائے فاسد علی الفاسد

(از جناب صلاح الدین صاحب لائلپور)

مسئلہ کفارہ کی تمام تر بنیاد اِس بات پر ہے۔ کہ "آدمؑ" نے گناہ کیا اور "اسی کے سبب سے گناہ دُنیا میں آیا" (رومیوں ۵/۱۲) کیونکہ سب بنی نوع انسان بوجہ اس کی اولاد ہونے کے وراثتاً اِس گناہ کے حقدار ہیں۔

پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ آدمؑ نے گناہ کیا ہی نہیں تو مسئلہ کفارہ کی ساری بُنیاد باطل ہو جاتی ہے۔ سو اِس مضمون میں ہم اِس بات کی پڑتال کرتے ہیں کہ آیا واقعی آدمؑ نے کوئی گناہ کیا بھی یا نہیں۔ جو لوگ آدمؑ کو گنہگار ٹھہرانے کے درپے ہیں وہ لے دے کر اس کی نو سو تیس برس کی زندگی (پیدائش ۵/۵) میں سے صرف ایک ہی گناہ پیش کرتے ہیں اور وہ گناہ نیک و بد کے درخت کا پھل کھانا تھا۔ (پ ۳/۶) جس کے متعلق خدا تعالےٰ نے اسے حکم دے رکھا تھا کہ اسکو مت کھانا (پ ۲/۱۷)

۱۔ سو جاننا چاہیئے کہ گناہ کے لئے سب سے ضروری چیز نیّت اور علم ہے۔ مثلاً اگر خدا تعالےٰ حکم دیتا ہے کہ سؤر کا گوشت مت کھاؤ اور الف گوشت کا ایک ٹکڑا ایسے حالات میں کھا لیتا ہے جبکہ کوئی صورت اُس کے لئے یہ گمان کرنے کیلئے نہیں کہ یہ سؤر کا گوشت ہے۔ حالانکہ دراصل وہ سؤر ہی کا گوشت ہوتا ہے۔ تو عقلِ سلیم اِس فعل کو ہرگز گناہ سے تعبیر نہیں کرے گی۔ پس جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ آدمؑ نے دیدہ دانستہ نیک و بد کے درخت کا پھل کھایا۔ ہم کسی طرح یہ فتوے صادر

نہیں کرسکتے کہ اُس نے گناہ کیا۔

بائیبل کے بیان سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آدمؑ نے دیکھتے اور بُوجھتے ہوئے اُس درخت کا پھل کھایا۔ پیدائیش باب تین میں اِس قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ سانپ کے ورغلانے سے "عورت" نے "اس کے پھل میں سے لیا اور کھایا اور اپنے شوہر کو بھی دیا اور اسنے کھایا" (پ ۳/۶) اب اِس بیان سے اگرچہ یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ "عورت" نے یہ پھل دیدہ دانستہ سانپ کے ورغلانے سے کھایا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ کا پھل کھانا قطعاً دانستہ نہ تھا۔ کیونکہ عورت نے اُسے وہ پھل دیا اور اس نے کھا لیا۔ اُس بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ جو پھل مجھے آج میری رفیقہ اور محبوبہ دے رہی ہے وہ شجرۂ ممنوعہ کا پھل ہے۔ بلکہ اُس کو تو اس بات کا گمان بھی نہیں آسکتا تھا کہ وہ ہاتھ جو روز اُسے انواع و اقسام کے طیّب پھل کھلاتے تھے وہی ایک دن اُسے وہ پھل پیش کریں گے کہ جسکے کھانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اور وہی وجود جسے خدا تعالےٰ نے اُسے بطور "مددگار" (پیدائیش ۲/۱۸) کے دیا، ایکدن اس کے اور خدا کے درمیان حائل ہو جائیگا۔ آدم کی نیک نیتی کا ثبوت اِس بات سے بھی ملتا ہے کہ جب خدا تعالےٰ نے اس سے پُوچھا کہ "کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جسکی بابت مَیں نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا؟" (۳/۱۱) تو "آدم نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے۔ اُس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا۔ اور مَیں نے کھایا" (۳/۱۲) گویا آدم کو قطعاً اِس بات کا اقرار نہیں کہ اس نے دیدہ دانستہ اس پھل کو کھایا۔ بلکہ وہ اپنے عدم علم کو اپنی بریت میں پیش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ عورت جسے خود تو نے میرے ساتھ کیا وہ مجھے ممنوعہ پھل کھلا دیگی۔ مجھے تو اِس بات کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ تیری ساتھ کی ہوئی عورت میرے ساتھ یہ سلوک کریگی۔ چنانچہ خدا تعالیٰ آدم کے اِس عذر کو معقول سمجھکر اس کے بعد فوراً "عورت" کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے۔ کہ "تو نے یہ کیا کیا؟ (۳/۱۳) اور عورت جواب میں یہ کہتی ہے کہ "سانپ نے مجھے بہکایا تو مَیں نے کھایا" (۳/۱۳)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ عورت سے پُوچھا تو یہ گیا تھا کہ تو نے یہ کیا کیا کہ آدمؑ کو وہ پھل کھلا دیا اور وہ جواب میں بجائے یہ کہنے کے کہ آدم نے اس پھل کو دیدہ دانستہ کھایا اور وہ اپنے فعل کا خود جوابدہ ہے یہ کہتی ہے۔ "سانپ نے مجھ کو بہکایا تو مَیں نے کھایا" گویا وہ آدمؑ کے پھل کھانے کو اپنی ہی طرف منسوب کرتی ہے۔ کیونکہ آدم کو تو معلوم ہی نہیں تھا

کہ یہ نیک و بد کا پھل ہے لیکن عورت کو یہ خوب معلوم تھا۔ پس جب آدمؑ نے نادانستہ اس کے ہاتھوں یہ پھل کھایا تو جہاں تک اس کھانے میں سرکشی اور بغاوت کا تعلق ہے یہ پھل دراصل عورت ہی نے کھایا۔

اگر اس عبارت کے یہ سادہ اور صاف معنے نہ کئے جائیں تو سوال از آسمان جواب از ریسماں والا معاملہ بن جاتا ہے۔ کہ سوال تو یہ کیا گیا تھا کہ "تو نے یہ کیا کیا" کہ آدمؑ کو پھل کھلا دیا۔ اور جواب وہ یہ دیتی ہے کہ پھل میں نے کھایا ہے مگر سانپ کے بہکانے سے۔ پس اس جواب کو سوال سے کیا تعلق۔ سوائے اس کے کہ یہ سمجھا جائے کہ وہ آدمؑ کے کھانے کو اپنی ہی طرف لگاتی ہے اور اُسے اپنے ہی فعل کا ایک حصہ قرار دیتی ہے۔ جو کہ شیطان کے ورغلانے سے اس سے سرزد ہوا۔

اگر عورت آدمؑ کے نوٹس میں یہ بات لا چکی ہوتی کہ یہ شجرہ ممنوعہ کا پھل ہے تو اس بات کو اپنی صفائی میں پیش کرتی۔ لیکن اس معاملہ میں اس کی کامل خاموشی بلکہ اُس کا اقرار جرم کرنا کہ آدمؑ کا پھل کھانا بھی میرا ہی فعل ہے اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ آدمؑ نے دیدہ و دانستہ شجرہ ممنوعہ کا پھل نہیں کھایا۔[۱]

پیدائش کے طرزِ بیان سے یہ بات اس قدر واضح ہے۔ کہ پولسؑ رسول جیسے متعصب آدمی کو بھی اسے قبول کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ وہ تمیتھیس کے نام پہلے خط میں لکھتا ہے :۔

"آدمؑ نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔" (۲/۱۴)

۲۔ آدمؑ کی معصومیت کی ایک زبردست دلیل خدا تعالیٰ کی فعلی شہادت بھی ہے۔ کیونکہ جو گناہ "آدم کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اُس کی سزا تو یہ تھی۔ کہ "جس روز تو نے اُس میں سے کھایا تو مرا۔" (پ ۲/۱۷) لیکن آدمؑ اِس کے بعد آٹھ سوسے اوپر برس جیتا رہا۔ پس جب خود خدا تعالےٰ

---

[۱] اس جگہ یہ بیان کرنا خالی از فایدہ نہ ہوگا کہ قرآن کریم نے آدم کے فعل کو صرف ایک غیر ارادی فروگذاشت مانا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں و لقد عھدنا الیٰ ادم من قبل فنسی و لم نجد لہٗ عزماً (طٰہٰ ع۷) جہانتک نیت کا تعلق ہے پولس آدم کو اس سے مبرا قرار دیتا ہے لیکن واہ رے تعصب کہ باوجود اس کے بھی بھول کو نافرمانی قرار دیا جاتا ہے (رومیوں ۵/۱۴)

صل نے آدم کی بریت کر دی تو دوسرا کون ہے جو اُسے گنہگار ٹھہرائے۔
۳- پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ گناہ تو نیک و بد کی پہچان کے بعد ہوتا ہے۔ مثلاً کسی بے شعور
یا حیوان یا مجنون کے کسی فعل کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے گناہ کیا۔ کیونکہ شریعت
تعلق شعور سے ہے۔ اور جب تک شعور نہیں شریعت نہیں۔ پس اگرچہ آدم کا نیک و بد
پہچان کے درخت کو دیدہ دانستہ کھا لینا بھی فرض کر لیا جائے پھر بھی گناہ نہیں کہلا سکتا
نکہ جب تک آدم نے نیک و بد کی پہچان سے حصہ نہیں پایا تھا وہ شریعت کی حکومت
اد تھا۔ جب اُس کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ نیک و بد کیا ہوتے ہیں اور آیا خدا تعالےٰ کے حکم کو
ا بھی ایک بدی ہے یا نہیں تو کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کر کے
ہ کیا۔

یہی وجہ ہے کہ پیدائش میں آدم کی نافرمانی کو کہیں بھی گناہ کے لفظ سے تعبیر نہیں
لیا۔ سوال تو یہ ہے کہ جب آدم کو نیک و بد کی تمیز معلوم ہو گئی، کیا اُس کے بعد بھی اُس
اپنی بقیہ آٹھ سو سال کی زندگی میں کوئی گناہ کیا؟
اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو پھر اِس فعل کو کہ شعور جس کے بعد حاصل ہوا کیونکر گناہ کے
سے یاد کیا جا سکتا ہے۔

اور یہ جو خدا تعالےٰ نے اپنے فیصلہ میں فرمایا "چونکہ تو نے اپنی بیوی کی بات مانی اور
درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اُسے نہ کھانا اس لئے زمین
ے سبب سے لعنتی ہوئی ...." (پ ۳/۱۷) یہ سراسر انصاف کے خلاف اور ظلم ہے۔ آدم
پہ حکم تو تھا ہی نہیں کہ اپنی بیوی کی بات بالکل مت مانیو۔ بلکہ خدا تعالےٰ کا خود اُسے بطور
کے "مددگار" کے دینا (۲/۱۸) اس کے دماغ میں جائز طور پر یہ خیال پیدا کرتا تھا کہ یہ مجھے کسی
بدراہ نہیں لگائیگی جو ہلاکت اور بربادی کی راہ ہو۔ پس صرف بیوی کی بات ماننا جُرم کو
ت کرنے کے لئے قطعاً ناکافی ہے۔ تاوقتیکہ یہ ثابت نہ ہو کہ بیوی کی بات ماننے
س نے دانستہ خدا کی بات رد کر دی۔ اور جیسا کہ ہم مفصل بحث کے بعد اُوپر ثابت کر
ہ ہیں "مثل" سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آدم نے دانستہ خدا کی بات کو چھوڑا۔
بات دراصل یہ ہے کہ جس طرح متبد حکومتیں ایسے لوگوں کو کہ جنکو وہ حکومت کے لئے
مجھتی ہیں جھوٹے جُرم لگا کر سزا دے دیتی ہیں اسی طرح خدائے بائیبل نے آدم کو دائمی

اس وجہ سے سزا نہیں دی کہ اُس نے کوئی گناہ کیا۔ بلکہ یہ تو ایک بہانہ بنا لیا گیا۔ ورنہ اصل میں سزا دینے کی وجہ یہ تھی۔ کہ "خداوند نے کہا۔ دیکھو انسان نیک و بد کی پہچان میں ہم میں سے ایک کی مانند ہو گیا۔ اب کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنا ہاتھ بڑھائے اور حیات کے درخت سے بھی کچھ لیکر کھائے اور ہمیشہ جیتا رہے۔ اِس لئے خداوند خدا نے اس کو باغ عدن سے باہر کر دیا۔" (پیدائش ۳/۲۲،۲۳)

مگر افسوس صرف اتنا ہے کہ خداوند خدا کو آدمؑ کو باغ عدن سے نکالنے کے لئے دھوکہ بازی اور بدمزاقی کی راہ کے علاوہ اور راہ نہ ملی۔ پہلے تو ایک قابلِ ستائش فعل یعنی نیک و بد کی پہچان کو جُرم قرار دیا یعنی شجرہ ممدوحہ کو شجرہ ممنوعہ بنایا اور پھر زبردستی کے طریق سے ایک ناکردہ گناہ کو ماخوذ کیا اور خواہ مخواہ اُس پر سرکشی اور نافرمانی کا فردِ جُرم عائد کر کے اُسے خانہ بدر کر دیا۔ مگر یہ اللہ کی شان سے بعید ہے۔

آدمؑ کے ساتھ جو دُوراز انصاف معاملہ خداوند خدا نے کیا یہ کوئی استثنائی فعل نہیں بلکہ ناکردہ گناہوں کی سزا دینا اُس کا عام وطیرہ ہے۔ چنانچہ وہ "باپ دادا کی بدکرداری کا بدلہ اُن کے بعد اُن کی اولاد کے دامن میں ڈال دیتا ہے۔" (یرمیاہ ۳۲/۱۸) اور سزا دینے کے شوق میں وہ اس قدر مغلوب الغضب ہو جاتا ہے کہ آدمؑ کے ایک مفروضہ گناہ کے عوض اس نے سب بنائے آدم کو کشتنی اور گردن زدنی قرار دے دیا۔

پس جب اس کے قانون کے مطابق خود ساری نسلِ انسانی ایک موہومہ اور ناکردہ گناہ کے بدلے "گنہگار ٹھہرائی جا سکتی ہے اور خداوند خدا کا یہی انصاف ہے تو پھر ہم ضعیف البنیان اس سے کیونکر جواب طلبی کر سکتے ہیں کہ اے آقائے سخت پسند تو نے "جدِ امجد" کو ناکردہ گناہ کے بدلے کیوں پکڑا۔ ان کے ہاں توریت ہی یہی ہے اگر وہ بے چون و چرا آدمؑ کے ایک نادانستہ فعل کے بدلے ساری نسلِ انسانی کو ماخوذ گردان سکتا ہی تو کیوں عورت کے دانستہ گناہ کے بدلہ آدم کو سزا نہیں دے سکتا خصوصاً جبکہ وہ دونو ایک تن ہوں۔ (پیدائش ۲/۲۴)

بہر حال ہمارے بیان سے یہ امر متحقق ہو گیا کہ آدمؑ نے کوئی گناہ نہیں کیا اگرچہ خدائی انصاف کے مطابق جس کا کمال کہ کفارہ میں نمودار ہوا۔ عورت کے گناہ کی سزا اس کو ضرور ملی۔ اور جب آدمؑ نے گناہ نہیں کیا تو کفارہ کی بُنیاد سراسر باطل ہو گئی۔ وھو المراد ؛

قرآن مجید اور علوم سائنس!

(قسط چہارم)

(از جناب شیخ عبدالقادر صاحب لائلپور۔)

قرآن مجید میں لاسلکی پیام رسانی کا ذکر

قرآن مجید میں جہاں اور عظیم الشان سائنٹیفک حقائق بیان کئے گئے۔ وہاں عصر حاضر کے کرشمہ ہائے سائنس کا بھی ذکر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جلیل القدر کتاب "شہادۃ القرآن" میں ایسی امثلہ بیان فرمائی ہیں۔ اس وقت میں صرف لاسلکی نشر (یعنی بے تار برقی پیام رسانی) کے متعلق قرآن مجید کی ایک پیشگوئی کا ذکر کرتا ہوں۔

قبل اس کے کہ میں وہ پیشگوئی آپ کے سامنے رکھوں میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ آواز دنیا کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک بغیر تار برقی کے کیسے پہنچ جاتی ہے۔

پہلے تو آپ یہ غور کریں کہ ہم ایک دوسرے کی بات کیسے سن پاتے ہیں۔ فرض کیجئے کہ میں آپ کو آواز دیتا ہوں۔ یہ آواز جب میرے منہ سے نکلتی ہے تو گرد و پیش کی ہوا کو دھکا دیتی ہے۔ یعنی جس طرح دریا میں ایک پتھر ڈالنے سے لہریں پیدا ہونے لگتی ہیں اسی طرح میری آواز کی چوٹ سے ہوا میں بھی لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ لہریں بڑھتے بڑھتے آپ کے کانوں کے پردے تک پہنچ جاتی ہیں۔ جو ایک تنی ہوئی جھلی کی طرح پھیلا رہتا ہے۔ اور بہت ذکی الحس ہوتا ہے۔ یہ فوراً ان لہروں کے اثر کو محسوس کرتا ہے۔ یعنی خود اس میں بھی ایسی ہی تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی ہے جو میری آواز کی ضرب سے ہوا میں تھرتھراہٹ پیدا ہوئی۔ اور اس طرح آپ میری آواز سن پاتے ہیں۔ لیکن اس طریق سے ایک تھوڑے سے فاصلہ پر آپ میری آواز سن سکتے ہیں۔ دور دور آواز پہنچانے اور سننے کے لئے بالکل اسی اصول پر ٹیلیفون ایجاد ہوا۔ لیکن اس کے لئے بھی تار برقی کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ

ہماری آواز کے ارتعاش بجلی کی رَو میں دوسری جگہ پہنچتے ہیں۔ لیکن ہمیں تو بغیر تار کے اپنی آواز کو ساری دُنیا میں پہنچانا ہے۔ اس کے لئے ہمیں فضائے عالم میں ایک ایسی شئے کی ضرورت ہے جو اشارہ پاتے ہی اپنی موجوں کو دُور دراز فاصلے تک پہنچا سکے۔ آپ خوش ہوں گے کہ فضائے عالم میں ایسی شئے موجود ہے۔ اس لطیف شئے کا نام علمائے سائنس کے نزدیک ایثر یا ایتھر[۵] ہے۔ جس سے فضائے عالم پُر ہے۔ اسی ایثر میں یہ "بے تار برقی" موجیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جس طرح ایک تالاب میں پتھر پھینکنے پر ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک موجیں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اسی طرح بحرِ ایثر میں لاسلکی ارتعاشات پھیلتے ہیں اور سارے عالم میں محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ اگر دہلی کی فضائے ایثر لاسلکی موجوں کے ذریعہ مرتعش ہو تو ساری دُنیا کی فضائے ایثر میں ارتعاشات دَوڑنے لگیں گے۔ اور آپ ہر جگہ ان ارتعاشات کو محسوس کرسکیں گے۔ اگر ماسکو کی فضائے ایثر میں ذرا جنبش ہو تو وہی جنبش امریکہ محسوس کیجاسکتی ہے۔ لندن محسوس کی جاسکتی ہے۔ غرضیکہ ہر جگہ محسوس کی جاسکے گی۔ غور کیجئے کہ فضائے ایثر میں کتنا اتحاد، ہم آہنگی اور یگانگت ہے۔ کہ جیسے ساز کے ایک کونہ میں ساز بجانے والا گویا مضراب لگاتا ہے تو ساز کی سب تاریں مرتعش ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کسی ایک جگہ پیدا ہونیوالا ایک ذرا سا ارتعاش ساری فضائے ایثر کو بے چین کر دیتا ہے۔

مختصر یہ کہ جس طرح آواز ہوا کے ذریعہ کانوں تک پہنچتی ہے۔ یا فون میں تار برقی کے ذریعہ آواز کے ارتعاش ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں۔ اسی طرح لاسلکی موجیں ایثر کے ذریعہ پھیلتی ہیں۔ یہاں ہوا یا تار برقی کی خدمت عالمگیر ایثر انجام دیتا ہے اب لاسلکی نشر کی مختصر داستان سُنیے۔

لاسلکی نشر کیونکر ہوتا ہے!

یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ جن آلات سے ہم نشر شدہ تقریریں سُنتے ہیں وہ صرف

---

۵ فضائے عالم میں ایثر کا وجود ابھی تک محض ایک مفروضہ ہے۔ لیکن اس کے مانے بغیر چارہ بھی نہیں۔ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں کہ جس سے لاسلکی موجیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکیں۔ ایثر کا وجود ہو یا نہ ہو بہرحال سے "بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر" لاسلکی نشر کی تشریح کے لئے اس کا ذکر ضروری ہے۔

آواز وصول کرنے کی غرض سے بنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ یعنی ریڈیو سیٹ۔ اسی لئے اسکو آوازگیر یعنی آواز وصول کرنے والا آلہ کہتے ہیں۔ اس سے ہم دوسروں کی سُن سکتے ہیں مگر اپنی نہیں سُنا سکتے۔ آواز نشر کرنے یا دوسری جگہ پہنچانے کا کام ایک دوسرے آلے کا ہوتا ہے جو کہ آلہ نشر (ٹرانس مٹر) کہلاتا ہے۔ نشرگاہوں میں جو پروگرام ہوتا ہے اُسے ایک "مائیکروفون" حاصل کرتا ہے۔ یہ آلہ آواز کی طاقت کو برقی قوت یعنی بجلی کی لہروں میں تبدیل کرکے آلات نشر تک پہنچا دیتا ہے۔ آلاتِ نشر مرتعش ہوکر ان لہروں کو "ایریل" یعنی ٹرانس مٹر کے بلند وبالا کھمبے کے ذریعہ فضائے ایثر میں چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس میں لاسلکی موجیں پیدا کر دیتے ہیں۔ یہ موجیں خارج ہوتے ہی چاروں طرف دوڑتی ہیں۔ لیکن جونہی یہ موجیں زمین سے ایک خاص بلندی پر پہنچتی ہیں کسی خاص سبب سے پیچھے ہٹتی ہیں اور زمین کی طرف پلٹ جاتی ہیں۔ سائینسدانوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ زمین کے بہت اوپر ایک پرت برقائے ہوئے (ionised) گیس کا موجود ہے۔ جو ریڈیو کی شعاعوں کے لئے آئینہ کا کام دیتا ہے۔ اور پھر انکو زمین کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ اسی طرح مختلف پرت دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں سے سب سے نیچے کے پرت کا نام (D) رکھا گیا ہے جو زمین سے ۲۵، ۳۰ میل کی بلندی پر ہوتا ہے۔ یہ پرت عموماً صبح کے وقت خاص طور سے کام کرتا ہے۔ اور ریڈیو کی طویل لہروں کو روک کر زمین کی طرف واپس کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بیشتر موجیں اس پرت سے پار ہو جاتی ہیں۔ لیکن اُوپر کا کوئی اور پرت اِن کو بھی لَوٹا دیتا ہے۔ بہرکیف یہ لہریں کسی آسمانی پرت سے واپس لَوٹ کر ہمارے ریڈیو کے ہوائی تاروں (Aerials) پر گرتی ہیں۔ اِن کے ذریعہ یہ موجیں ہمارے ریڈیو سٹ میں اثر کرتی اور بجلی کی رَو پیدا کر دیتی ہیں۔ یہ رَو بہت خفیف ہوتی ہے ریڈیو کے بکس میں جو صمام (Valves) لگے ہوتے ہیں وہ اِس کی افزائش کرتے ہیں۔ پھر یہ مختلف آلات سے گذر کر آلۂ نشرِ صوت (لاؤڈ سپیکر) میں داخل ہوتی ہے۔ اور پھر سے آواز بن کر لوگوں کے کانوں تک پہنچتی ہے۔ (اقتباس از سیرِ کائنات و معلوماتِ سائنس)

لاسلکی لہروں کی ایک خصوصیت

لاسلکی موجیں فضائے ایثر میں پھیل جانے کے باوجود بھی یہ خصوصیت رکھتی ہیں کہ وہ انہی مخصوص آوازگیروں کو چھُوتی ہیں جو اُن کے لئے خاص طور پر ملائے جاتے ہیں۔ اور یہ کہ مختلف

آلاتِ نشر سے نکلی ہوئی مختلف طُول کی فضا میں بکھری ہوئی موجیں ایک دوسرے سے تعرض نہیں کرتیں اور اپنے مخصوص آواز گیروں (یعنی ریڈیو مشینوں) میں ہی داخل ہوتی ہیں۔ اور اِن موجوں کے طُول میں کہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر فرق پڑ جاتا تو ناممکن تھا کہ ہم کسی ایک ریڈیو سٹیشن کو بھی سُن سکتے (معلومات سائنس باب لاسلکی)

خُلاصہ

لاسلکی نشر کی مختصر داستان جس کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱)

پہلے آواز کو بجلی کی رَو میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ یہ بجلی کی رَو آلاتِ نشر تک پہنچتی ہے۔ آلاتِ نشر مُرتعش ہو جاتے ہیں اور عموماً ایک بلند و بالا مینار کے ذریعہ فضائے ایتھر میں یہ ارتعاش پھیلا دیتے ہیں۔ اِسی ارتعاش کا نام لاسلکی (بے تار برقی) موج ہے۔

(۲)

یہ موجیں خارج ہوتے ہی چاروں طرف دَوڑتی ہیں اور اوپر کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ فضائی بلندیوں کا کوئی گیسیلا پرت اِن موجوں کو زمین کی طرف واپس لَوٹا دیتا ہے اور یہ موجیں ایریل (ہوائی تار) پر گِر کر ہمارے ریڈیو بکس میں پہنچتے ہوئے مختلف آلات سے گذر کر پھر سے آواز بن کر ہماری سمع نوازی کے لئے باہر نکلتی ہیں۔

(۳)

اِن موجوں کی تیز رفتاری کا یہ حال ہے کہ روشنی کی رفتار (۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ) سے تمام عالم میں پھیل جاتی ہیں۔ گویا یہ موجیں ایک ثانیہ میں ہماری دُنیا کے گرد سات مرتبہ چکر لگا سکتی ہیں۔

(۴)

اِن لہروں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنا فرق و امتیاز قائم رکھتی ہیں۔ ایک دوسرے سے تعرض نہیں کرتیں بلکہ ممیز رہتی ہیں۔ اگر کہیں فرق پڑ جاتا اور یہ لہریں خلط ملط ہو جاتیں، تو ناممکن تھا کہ ہم اِن کے ذریعہ کوئی پروگرام سُن سکتے۔

(۵)

آخری مرحلہ یہ ہے کہ ریڈیو مشین کو جس نشرگاہ سے پروگرام سُننا مطلوب ہو اُس سے ملا دیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجئے کہ "لاسلکی آلہ منتشر" اور آواز گیر (ریڈیو) کو اِس طرح ہم آہنگ کیا جائے کہ آخرالذکر صرف اُسی موج کو محسوس کر سکے جو اوّل الذکر بھیج رہا ہو مختصر یہ کہ پہلے آواز کو نشرگاہ میں برقی قوت میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ اور فضاء میں پھیلا دیا جاتا ہے۔ اور پھر ان برقیات کو فضاء سے اخذ کر کے ریڈیو مشین میں لاؤڈسپیکر کے ذریعہ از سرِ نو آواز کی شکل دی جاتی ہے۔

"قرآن مجید میں لاسلکی پیام رسانی کا ذکر"

لاسلکی نشر کے مذکورہ پانچ مراحل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب قرآن مجید کی وہ پیشگوئی جس میں لاسلکی نشر کا ذکر ہے ملاحظہ ہو۔ سورہ مرسلات میں فرمایا۔

(۱) وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۙ[۱]

(۱) گواہ ہیں وہ (پیام رساں لہریں) جو بلندی میں چھوڑی گئیں

(ب) یا گواہ ہیں بلند و بالا پیام رساں لہریں۔

(۲) فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۙ

پھر وہ نہایت تیز رفتاری سے چلنے لگتی ہیں۔

---

[۱] اس آیت میں دو لفظ ہیں۔(۱) مُرسلات (۲) عُرفٌ۔ مرسلات کے معنی پیغام رسانوں کے ہیں جیسے رسول یا مُرسَل وہ ہے جو کوئی پیغام اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُس کی مخلوق کی طرف لائے اِسی طرح مُرسَل ایلچی یا پیغامبر کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ اُس کے ذمہ پیام رسانی کا کام ہوتا ہے جیسے ملکہ سبا کا قول ہے بما یرجع المُرسلون۔ کہ میں دیکھتی ہوں کہ ایلچی کیا جواب لاتے ہیں۔ پس مُرسلات پیام رساں لہریں ہیں۔ (ب) عُرفٌ ا ہر ایک بلند و مرتفع مقام یعنی اونچی جگہ کو کہتے ہیں۔ ایسا ہی جو بلند زمین ہو وہ بھی عُرف کہلاتی ہے۔ ہواؤں اور بادلوں کے اعراف وہ ہیں جو پہلے آئیں اور جو بلند ہوں لغت میں اعراف کے معنی موجوں کے بھی لکھے ہیں من الرّیاح اعالیہا یعنی اعراف ہواؤں کی بلند لہریں یا بالائی ہوائیں ہیں (قاموس) قرآن مجید میں بھی اصحٰب الاعراف آیا ہے یعنی بلندیوں والے۔ پس والمرسلٰتِ عرفًا کے معنے یہ ہوئے۔ گواہ ہیں بلند و بالا پیغام رساں لہریں۔

(۳) وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝

اور وہ دُور دُور پھیل جاتی ہیں۔ یا آواز کو دُور دُور نشر کر دیتی ہیں۔

(۴) فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝

پھر وہ مکمل طور پر فرق کرنیوالی ہیں۔ یعنی وہ باہم فرق و امتیاز قائم رکھتے ہوئے ایکدوسرے سے ممیز رہتی ہیں۔

(۵) فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝

پھر وہ بات کو لاڈالتی ہیں۔

ناظرین کرام! آپ پڑھ چکے ہیں لاسلکی نشر کے یہی مرحلے ہیں جو قرآن مجید نے گنوائے۔ اوّل یہ کہ لاسلکی موجیں بلندی سے چھوڑی جاتی ہیں۔ اور بلندی کی طرف صعود کرتی ہیں۔ بلندی سے ان موجوں کا خاص تعلق ہے۔ میں بتا چکا ہوں کہ یہ موجیں نشر ہوتے ہی بلندی کی طرف جاتی ہیں اور بلندی کی مختلف پرتوں سے ٹکرا کر واپس لوٹتی ہیں۔ اور پھر یہ موجیں عموماً ٹرانس مٹر کے بلند و بالا مینار کے ذریعہ فضاء میں چھوڑی جاتی ہیں۔ گویا یہ لہریں ایک بلند مقام سے بلندی میں چھوڑی جاتی ہیں۔ بلندی کی طرف چڑھتی ہیں اور بلندی سے واپس لوٹتی ہیں۔ پس مُرسَلاتِ عرفًا (بلند و بالا پیام رساں لہریں) یہی لاسلکی موجیں ہیں۔

دوئم۔ پھر دوسرے مرحلہ میں یہی مرسلات (پیام رساں لہریں) نشر گاہ سے منتشر ہوتے ہی عاصفات بن جاتی ہیں۔ یعنی برق رفتاری سے چلتی ہیں۔

سوئم۔ پھر انہی لہروں کو ہم ناشرات کہیں گے۔ کیونکہ یہ سارے عالم میں پھیل جاتی ہیں یا آواز کو دُور دُور نشر کر دیتی ہیں۔

چہارم۔ اور یہی موجیں ہیں کہ جن کا نام فارقات ہے۔ کیونکہ یہ باہم مکمل رنگ میں فرق کرنیوالی ہیں۔ اور ہر جگہ اور ہر حالت میں اپنا فرق و امتیاز قائم رکھتی ہیں۔

پنجم۔ آخری مرحلہ میں پہنچکر یہی موجیں مُلقیات بن جاتی ہیں یعنی بات کو لا ڈالتی ہیں چنانچہ یہ موجیں ریڈیو مشین میں آکر آواز میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

اس کے آگے زمانہ جنگ میں لاسلکی لہروں سے جو بڑے بڑے کام لئے جاتے ہیں اُن کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "الفضل" جلد ۳۰ نمبر ۲۱۹، ۲۲۰ میں راقم الحروف کا مضمون

"قرآن کریم میں لاسلکی نشر اور آتشیں جنگ کا ذکر"

قارئینِ کرام! اب آپ غور کریں کہ یہ قرآن کریم کی کتنی زبردست پیشگوئی ہے۔ جو کہ حرف بحرف پوری ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں کسی نے لاسلکی نشر کا اچھی طرح مطالعہ کرکے اس کے سب مراحل کا ذکر کیا ہے لیکن جب ہم پر یہ کھلتا ہے۔ کہ یہ پیشگوئی آج سے ساڑھے تیرہ صد سال قبل ایک اُمّی، بادیہ نشین (نبی عربی صلے اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہونے والے کلام پاک میں موجود ہے تو اِس اعجاز کے سامنے زبان گنگ ہو جاتی ہے اور نطق بے لیساط اور بے اختیار دل سے اُس مخبرِ صادق کے لئے درُود وسلام نکلتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(ختم شد)

اطّلاع

مندرجہ ذیل احباب کی طرف سے حسب ذیل رقوم ۲۵ رفروری لغایت ۱۶ اپریل ۱۹۴۲ء وصول ہوئی ہیں جو ان کی اطلاع کیلئے شائع کی جاتی ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء :- مینجر ـــ

نام	رقم	نام	رقم
پیر عبدالحمید صاحب دارالفضل	عہ/	محمد شریف چغتائی نئی دہلی	[illegible]
سید محمود الحسن صاحب آئی، سی، ایس	ے/	بابو قطب الدین صاحب نئی دہلی	[illegible]
ڈاکٹر عبدالرحیم صاحب دہلوی دارالفضل	ے/	ملک عبدالمجید اینڈ برادرز گجرات	[illegible]
مرزا محمد صفدر صاحب مزنگ لاہور	عہ/	اجرت طباعت اشتہار رسالہ فروری ۱۹۴۲ء	[illegible]
محمد امین صاحب امیر جماعت فیروزپور برائے محمد جمیل صاحب	مہ/	محمد رحیم الدین صاحب احمدی دارالفضل	عہ/
ایم عبدالعزیز صاحب اڑیسہ	ے/	میسرز باوا پردمن سنگھ اینڈ سنز امرتسر	[illegible]
محمد حنیف صاحب دندان ساز سہارنپور	ے/	محمود احمد صاحب عارف لنڈی کوتل	[illegible]
قاضی عبدالسلام صاحب بھٹی ممباسہ	[illegible]	حوالدار علی محمد صاحب معرفت ۱۲ ایڈونس	عـہ
ڈاکٹر بشیر احمد صاحب ۱/۱۲ پنجاب رجمنٹ	ے/	Ahmad Zudullah Bhanov	[illegible]

عبدالرحیم و عبدالکریم صاحب دانہ ضلع ہزارہ	ے۳/	غلام رسول صاحب مدرس منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ	ے/
نوراحمد خانصاحب سالٹ انسپکٹر کالاباغ	ے۳/	محمد صدیق صاحب امام الصلوٰۃ کھوکھر غربی گجرات	عگ/
نانک علی محمد صاحب ۲۰ ایڈوانس بیس پوسٹ آفس	ے/	شہاب الدین صاحب اپیل نویس مردان	سے/
شیخ محمد کرم الٰہی صاحب پٹیالہ	ے/	ڈاکٹر اختر محمود صاحب	ے/
محمد بدرالدین صاحب گنج مغلپورہ لاہور	عہ/	نذیر احمد ولد رشاد الدین صاحب امرتسر	ے/
ڈاکٹر محمد الدین صاحب " " "	۴/	محمد تقی صاحب سنور پٹیالہ	عہ/
لفٹننٹ ڈاکٹر عبدالکریم ملتان	ے/	حکیم محمد اسمٰعیل صاحب ڈھاک ضلع شیخوپورہ	عگ ۴/
ملک شیر محمد صاحب مجوکہ	۸/	سید علام الدین صاحب	عہ/
مرزا محمد حسین صاحب نئی دہلی	ے/	ناصر احمد حوالدار کلرک بنوں	ے/
ایچ۔ایم مرغوب اللہ صاحب مالاکنڈ	۸/	میسرز بادا پردمن سنگھ امرتسر	عے/
محمد جمیل خانصاحب فیروزپور	۸/	بابو محمد بخش صاحب سب پوسٹماسٹر سنور	عگ ۸/
سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد	عہ/	مولوی محمد رحیم الدین صاحب سہارنپوری	للعہ/
ڈاکٹر محمد حسین صاحب پنشنر دارالعلوم	عہ/	محمد احمد صاحب پانی پت طالبعلم مدرسہ احمدیہ	عگ ۸/
محمد بدرالدین صاحب مغلپورہ	عہ/	مرزا محمد صفدر صاحب مزنگ لاہور	عہ/
سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب باب الانوار	ے/	غلام محمد صاحب سمیٹریال	ے/
ملک رسول بخش صاحب	ے/	محمد صدیق بیگ صاحب قصور	عہ/
چوہدری عنایت الٰہی صاحب سب پوسٹماسٹر کچہری گورداسپور	عہ/	ملک برکت اللہ صاحب جھانسی	۸/
مولوی قدرت اللہ صاحب محمدآباد اسٹیٹ	ے/	صدرالدین صاحب سیکرٹری مال شورکوٹ	ے/
عبدالغنی صاحب احمدی شیرانوالہ گیٹ لاہور	ے/	عبدالرحمٰن صاحب سٹروعہ	ے/
غلام محی الدین صاحب سیلون کمانڈ	عے/	خدابخش صاحب خانیوال	۸/
چوہدری بشارت احمد صاحب احمدی وائرلیس سٹیشن بمبئی	ے/	عبدالجلیل خانصاحب مزنگ لاہور	عگ/
چوہدری خورشید احمد صاحب بٹ	ے/	عبدالغنی صاحب سٹنوگرافر جھنگ	عہ/
مولوی نورالحق صاحب سیکرٹری دی سنٹرل مسلم	ے/	شاہ محمد صاحب	سے/
علی محمد صاحب انور ڈیرہ پور بنگال	ے/	عبدالمنان خان صاحب کاٹھ گڑھ	ے/
عبدالعزیز صاحب مدرس پاٹھریا نوالی گجرات	للعہ/	شیر محمد صاحب مجوکہ ملتان	۴/

وصیتیں

نوٹ:۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں۔ کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

نمبر ۷۳۰۴ :۔ منکہ قربان حسین شاہ ولد حسین علی شاہ صاحب قوم سید پیشہ ملازمت عمر اٹھائیس ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن ٹبہ بوسے شاہ ڈاکخانہ و ضلع گجرات صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ ماہ فروری ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری اس وقت کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد نہیں کیونکہ بفضلہ تعالیٰ میرے والد مکرم ابھی زندہ ہیں۔ اس وقت میرا گذارہ ماہوار تنخواہ پر ہے جو مبلغ اکتالیس ۴۱/- روپیہ ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اپنی اس آمد کا ۱/۱۰ حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں ہر ماہ داخل کرتا رہوں گا۔ اگر میرے مرنے کے بعد میری کوئی جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ قربان حسین شاہ ولد حسین علی شاہ موضع ٹبہ بوسے شاہ ڈاکخانہ و ضلع گجرات حال ہیڈ کنسٹیبل ۱۰۵ تھانہ پولیس کوئٹہ بلوچستان۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد انسپکٹر کلالہ کوئٹہ۔ قائم مقام امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ۔ گواہ شد:۔ احمد دین کیفی سٹڑلی کوئٹہ بلوچستان ÷

نمبر ۷۲۸۹ :۔ منکہ عبد الرحمٰن ولد میاں محمد عالم قوم بٹ پیشہ ملازمت عمر ۴۲ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن ناگڑیاں ڈاکخانہ ناگڑیاں ضلع گجرات صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۷ فروری ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت کوئی جائیداد نہیں ہے۔ میرا گذارہ ماہوار تنخواہ پر ہے جو اسوقت مبلغ ستر (۷۰/-) روپیہ ہے۔ میں تازیست ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت جسقدر جائداد ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عبد الرحمٰن ارشد احمدی پارسل کلرک ریلوے اسٹیشن کوئٹہ۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد ایم۔اے۔ انسپکٹر کلالہ کوئٹہ قائم مقام امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ۔ گواہ شد:۔ قربان حسین شاہ ہیڈ کنسٹیبل ریلوے پولیس کوئٹہ بلوچستان ÷

نمبر ۷۴۲۰ :۔ منکہ محمد ضیاء الحق احمدی ولد میاں نبی بخش صاحب احمدی ساکن کنیاں کلاں ڈاکخانہ جنگل انبیاء۔ تحصیل نکودر ضلع جالندھر۔ حال در ملٹری فائننس ڈیپارٹمنٹ نئی دہلی آج مورخہ ۱۲/۲/۴۲ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ اپنی مندرجہ ذیل جائیداد کی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ عرض ہے کہ میں نے اسوقت تک کوئی جائیداد نہیں پیدا کی۔ صرف مبلغ ساٹھ روپیہ ۶۰/-

ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ جس کا ۱/۱۰ حصہ ماہوار خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کرتا رہونگا۔ اسکے علاوہ اگر میری زندگی میں یا میرے مرنے پر میری کوئی جائیداد ثابت ہو تو اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی اور صدر انجمن احمدیہ قادیان کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ جائیداد کا ۱/۱۰ حصہ میرے ورثا سے وصول کر لیں۔ نیز اگر اس پیدا کردہ جائیداد یا جدی جائیداد جو اگر مجھے میرے والد صاحب کی طرف سے ملے گا کوئی حصہ اپنی زندگی میں ادا کر دونگا تو ادا کردہ رقم حصہ وصیت میں سے منہا سمجھی جائے گی۔ علاوہ ازیں تنخواہ کی کمی بیشی کی اطلاع سیکرٹری بہشتی مقبرہ کو کرتا رہونگا۔ العبد: محمد ضیاء الحق احمدی ملٹری فائننس (او۔۴) نئی دہلی۔ گواہ شد: عزیز احمد (بی۔اے) کلرک ملٹری فائننس (او۔۲) نئی دہلی گواہ شد: نذیر احمد فائننس ڈیپارٹمنٹ سپلائی نئی دہلی۔

نمبر ۹۱۲ : منکہ ظہور احمد ولد محمد مراد قوم کھرل راجپوت پیشہ ملازمت عمر قریباً ۱۸ سال تاریخ بیعت جلسہ سالانہ ۱۹۳۹ء ساکن جاکا بھٹیاں ڈاکخانہ اجنیانوالہ ضلع گوجرانوالہ صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹ مارچ ۱۹۴۳ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائیداد نہیں۔ کیونکہ بفضل خدا میرے والد صاحب زندہ ہیں۔ البتہ میرے مبلغ ایک صد چالیس ۱۴۰ روپیہ نصف جنکے ستر ۷۰ روپیہ ہوتے ہیں (بمد امانت ذاتی خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان) جمع ہیں۔ لیکن میرا گذارہ میری آمد پر ہے جو کہ ۱۸ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ماہوار ادا کرتا رہوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اپنی ماہوار آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دفتر متعلقہ کو دیتا رہوں گا۔ اور یہ بھی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں کہ میری وفات پر جس قدر میری جائیداد ثابت ہو اس پر بھی یہ وصیت جاری و حاوی ہوگی۔ البتہ میں جو حصہ جائیداد بمد وصیت ادا کر کے رسید حاصل کرونگا وہ حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ العبد: لانس نائک ظہور احمد خان ۲۳۲۵۶ ہیڈ کوارٹر کمپنی ۱۵/۱۰ پنجاب رجمنٹ ملٹری کیمپ پل گاؤں ضلع وردہ علاقہ سی۔پی۔ گواہ شد: عاجز محمد امیر احمدی سیکرٹری تبلیغ جاکا بھٹیاں ڈاکخانہ اجنیانوالہ ضلع گوجرانوالہ برادر موصی۔ گواہ شد: سلطان احمد احمدی سکنہ حافظ آباد محلہ قلعہ گرلہ بقلم خود موصی ۲۲۶۔

نمبر ۹۱۴ : منکہ زین الحسن خان احمدی ولد منشی اشرف خان مرحوم قوم پٹھان پیشہ زمیندارہ عمر قریباً ساٹھ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۶/۲/۱۷ ساکن دیبو گرام ڈاکخانہ ٹپرا (Tipperah) صوبہ بنگال بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹ تبوک ۱۳۲۲ ہش مطابق ۹ ستمبر ۱۹۴۳ء

حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ ۱۔ سکنی زمین معہ از رہائشی مکان کے ۵ گنڈے دو کرشے۔ ایک کاگ جنگی موجودہ قیمت تخمیناً مبلغ یکصد پچیس ۱۲۵/ روپے ہے۔ ۲۔ زراعت زمین کل چھ کانی چھ گنڈے تیس کڑ ایکڑ کاگ جنگی موجودہ قیمت تخمیناً -/۹۲۱ روپیہ ہے۔ کل قیمت -/-/۱۰۴۶ روپے جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میرے مرنے پر جو جائیداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ زین الحسین خان۔ گواہ شد:۔ مظفر الدین جمعداری دیپو گرام۔ گواہ شد:۔ رشید الدین احمدی ؛

نمبر ۷۴۱۹ :۔ منکہ محمد عبد اللہ ولد میاں محمد یامین صاحب قوم راجپوت پیشہ زرگری عمر ۳۵ برس۔ تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن پنڈی چری ڈاکخانہ سید والہ ضلع شیخوپورہ صوبہ پنجاب۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۳ اپریل ۱۹۴۴ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد اس وقت حسب ذیل ہے۔ سونا ڈیڑھ تولہ قیمتی -/-/۱۲۵ روپیہ۔ کمیٹی تعاونی -/-/۴۰۔ ادسط آمد ماہانہ -/-/۲۰ روپیہ۔ اس تمام جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اگر اپنی زندگی میں کوئی اور جائیداد بناؤں تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی اور بوقت وفات جو جائیداد ثابت ہووے اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ محمد عبد اللہ۔ گواہ شد:۔ عبد الرحیم احمدی پنڈی چری۔ گواہ شد:۔ محمد یوسف آفندی ۲۳/۴/۴۴ ؛

نمبر ۷۱۹۸ :۔ منکہ نجات احمد ولد مولا بخش صاحب قوم جٹ وڑائچ پیشہ زمیندارہ عمر ۲۵ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن پکیواں ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۳/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد چھ کنال زمین ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم دیدوں تو منہا کر دیجائے گی نیز میرے مرنے کے بعد جو جائیداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد:۔ نجات احمد موصی پکیواں۔ گواہ شد:۔ محمد عنایت اللہ سیکرٹری انجمن احمدیہ پکیواں۔ گواہ شد:۔ محمد منشی خاں مبلغ مقامی تبلیغ ؛

نمبر ۷۳۸۴ :۔ منکہ مالی لوہار ولد رحیم بخش قوم لوہار پیشہ مزدوری عمر ۶۲ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن ننگل باغباناں ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۵/۴/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ ایک مکان جس کا رقبہ اڑھائی مرلہ ہے اور اسکی موجودہ صورت میں اندازاً قیمت مبلغ -/۳۰۰

[illegible]

بچاس روپے ہے۔ میں مذکورہ بالا جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان بقائمی ہوش وحواس کرتا ہوں۔ یہ میری واحد ملکیت ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا حصہ نہیں ہے۔ مجھے آجکل سوا دو روپے یومیہ مزدوری ملتی ہے۔ مزدوری کا بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں کمی بیشی کی اطلاع دیتا رہونگا۔ ان کے علاوہ میری اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔ اگر میرے مرنیکے بعد کوئی جائیداد ثابت ہو تو اس کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱/۱۰ حصہ کی مالک ہوگی۔ العبد:۔ مالی لوہار سکنہ ننگل نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ عزیز دین۔ گواہ شد:۔ اللہ دتا امام الصلوٰۃ۔

نمبر ۴۲۱۶ :۔ منکہ شیخ عبدالغنی ولد محمد بخش صاحب مرحوم قوم ککے زئی کشمیری پیشہ ملازمت عمر ۷۴ سال پیدائشی احمدی ساکن دھرمکوٹ بگہ ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۳/۴/۱۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ ایک مکان پختہ وخام رہائشی قیمت تقریباً ایکہزار روپیہ۔ تنخواہ ماہوار ۲۵/- روپے۔ ایک بھینس۔ اس جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ میں اپنی ماہوار آمد کا بھی دسواں حصہ تازیست داخل خزانہ کرتا رہونگا۔ العبد:۔ عبدالغنی۔ گواہ شد:۔ محمد شریف۔ گواہ شد:۔ عبدالرحمن برادر موصی۔ گواہ شد شیخ جلال الدین۔

نمبر ۴۲۱۷ :۔ منکہ عائشہ زوجہ منشی عبدالغنی قوم ککے زئی کشمیری عمر قریباً ۴۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۶ء ساکن دھرمکوٹ بگہ ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۴ اپریل ۱۹۲۳ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱) چوڑیاں طلائی ایک جوڑی۔ (۲) کانٹے طلائی ایک جوڑی۔ (۳) مُرکیاں طلائی ایک جوڑی۔ کل وزن ۱/۲ ۷ تولہ۔ (۴) مہر مبلغ یکصد روپیہ۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ میں اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ بھی تازیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی رہونگی۔ نوٹ:۔ میں انشاء اللہ بفضل خدا ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ مہر میرا ابھی وصول نہیں ہوا۔ اس جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ العبد:۔ عائشہ زوجہ منشی عبدالغنی۔ گواہ شد:۔ جلال الدین پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ دھرمکوٹ بگہ۔ گواہ شد عبدالرحمن دھرمکوٹ بگہ۔ گواہ شد:۔ عبدالغنی خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ چوہدری محمد شریف دھرمکوٹ بگہ۔

نمبر ۴۲۹۰ :۔ منکہ امینہ بی بی زوجہ میاں عبدالکریم صاحب قوم شیخ عمر ۳۲ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۲۳ء ساکن پوربندر حال مقیم بھاؤنگر ضلع کاٹھیاواڑ ریاست کاٹھیاواڑ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۳/۴/۲۶ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرے پاس اسوقت ۱۲۵/- جو کہ میرا حق مہر ہے اور مبلغ ۴۱/- ۵ روپے نصف جنکے ۲۷/-۴/- ہوتے ہیں نقد موجود ہیں اور زیور چاندی مبلغ ۱۰ روپے کا ہے اور ۱۰۰/- روپیہ کی سلائی کی مشین ہے۔ اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتی ہوں۔ اور میرے مرنیکے

کوئی اور جائیداد نکلے تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی - الامۃ ۔ امینہ بی بی موصیہ بھاؤنگر - گواہ شد ۔ عبدالکریم خاوند موصیہ بھاؤنگر - گواہ شد ۔ حکیم شریف احمد حال بھاؤنگر ۔

نمبر ۷۴۱۱ :- منکہ صفیہ صادقہ عفت بنت قاضی محمد رشید صاحب قوم شیخ انصاری عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن دارالرحمت قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں - میرے پاس اس وقت صرف یکصد روپیہ نقد موجود ہے جو مجھکو اپنے والد صاحب کی طرف سے ملا ہے اس کے علاوہ نہ میری اور کوئی جائیداد ہے اور نہ آمدنی - میں اس موجودہ جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں - اور اگر میرے مرنیکے بعد اور کوئی جائیداد اسکے علاوہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی - الامۃ ۔ صفیہ صدیقہ عفت بقلم خود - گواہ شد ۔ محمد عبداللہ بوتالوی گواہ شد ۔ عبدالرحمٰن انور ۔

نمبر ۷۴۱۰ :- منکہ شمس النساء بیگم بنت سید صادق علی شاہ صاحب قوم سید پیشہ تعلیم عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالعلوم بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں - میری اسوقت کوئی جائیداد غیر منقولہ نہیں ہے - میرا گذارہ بذمہ والد صاحب محترم ہے میرے پاس صرف دو طلائی زیور ہیں - کانوں میں طلائی کوکے دو عدد وزنی دو ماشہ قیمتی -/۱۳ - ایک چمپا کلی گلے میں وزنی دو تولے قیمتی -/۱۴۰ روپے ہے - میں دونوں زیوروں کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں - اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو یہ رقم حصہ وصیت کردہ سے منہا سمجھی جائیگی - اگر اس وصیت کے بعد خدا اپنے فضل سے مجھے کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ عطا فرمائے تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہونگی - اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی - نیز میرے مرنیکے وقت جسقدر میری جائیداد ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی - الامۃ ۔ شمس النساء بیگم بقلم خود - گواہ شد ۔ سید محبوب عالم نانا موصیہ - گواہ شد ۔ سید صادق علی مہاجر موصی والد موصیہ ۔

نمبر ۷۴۱۲ :- منکہ عبدالجلیل عشرت ولد شیخ غلام قادر صاحب مرحوم قوم ککے زئی پیشہ ملازمت سرکاری عمر ۲۰ ۱/۲ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن بٹالہ ڈاکخانہ بٹالہ ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۳ اپریل ۱۹۳۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں - میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے جس کی کل قیمت -/۱۰۰ روپے ہے لیکن میرا گذارہ صرف اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اسوقت -/۱۵ روپے ماہوار ہے - میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ

صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ادا کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کردیا جائیگا۔ (۱) نقد تقریباً ۴۰۰/- روپیہ۔ (۲) ایک قطعہ زمین سکنی ایک کنال واقعہ محلہ رحمٰن پورہ (نزد واچھرو) لاہور مخصوصہ ملک (خود پیدا کردہ میرے نام رجسٹری شدہ) قیمت خرید ۴۴۰/- روپے۔ (۳) ایک مکان واقعہ محلہ پلال ہاتھی دروازہ بٹالہ ضلع گورداسپور رجدی۔ اس میں ہم تین بھائیوں کا حصہ ہے اسکی قیمت اندازاً ۵۰۰/- ہے۔ تیسرا حصہ ۱۶۷/- روپے ہے کل ۱۰۰۷/- روپے۔ اس جائیداد کا دسواں حصہ ۱۰۱/- روپے۔ اگر خدا نے توفیق دی تو کوشش کرونگا کہ انشاء اللہ یہ ۱۰۱/- روپیہ اپنی زندگی میں ادا کروں۔ العبد۔ عبد الجلیل عشرت احمدی بی اے (آنرز) حال اکونٹنٹ سپلائی ڈویژن وزیر آباد۔ گواہ شد۔ فضل حق بقلم خود مسر موصی۔ گواہ شد۔ افتخار الحق خان بیرسٹر ایٹ لاء ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور ⁂

نمبر ۴۲۱۵ :۔ منکہ عفت النساء بیگم زوجہ عبد الجلیل صاحب عشرت قوم ککے زئی عمر ۲۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن بٹالہ ڈاکخانہ بٹالہ ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۳ر اپریل ۱۹۴۳ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ (۱) میری وفات کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۲) اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردیجائیگی۔ (۳) میری جائیداد اسوقت حسب ذیل ہے۔ (۱) مہر ۵۰۰/- جو میرے خاوند نے مجھے ادا کردیا ہے (۲) زیور جسکی موجودہ قیمت تقریباً ۱۵۰۰/- ہے کل جائیداد ۲۰۰۰/- روپے (دو ہزار روپیہ) اس کا ۱/۱۰ حصہ ۲۰۰/- ہے۔ اگر خدا نے توفیق دی تو کوشش کروں گی کہ یہ ۲۰۰/- روپیہ اپنی زندگی میں ادا کردوں۔ الامتہ۔ عفت النساء زوجہ عبد الجلیل صاحب عشرت بی اے (آنرز) حال اکونٹنٹ ملٹری سپلائی ڈویژن وزیر آباد۔ ۲۳ر اپریل ۱۹۴۳ء۔ گواہ شد۔ فضل حق بقلم خود والد موصی۔ گواہ شد۔ عبد الجلیل عشرت خاوند موصیہ ⁂

نمبر ۴۲۲۴ :۔ منکہ بشیر احمد ولد میاں علی محمد صاحب قوم راجپوت بھٹی پیشہ نوکری عمر ۱۹ برس پیدائشی احمدی ساکن ککھانوالی ڈاکخانہ پھلورہ ضلع سیالکوٹ صوبہ پنجاب۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ یکم مئی ۱۹۴۳ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میں فی الحال کسی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کا وارث نہیں ہوں میں اسوقت فوجی ملازم ہوں اور میری ماہوار تنخواہ ۱۸/- روپے ہے اور ماہوار الاؤنس ۴۷/- روپے ہے۔ کل ماہوار آمد مبلغ ۶۵/- روپے ہے جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت صدر انجمن احمدیہ قادیان کے حق میں کرتا ہوں۔

جسکو انشاء اللہ ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا اور میری وفات کے بعد جس قدر بھی میری جائیداد ہوگی اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ پر صیغہ ہذا کو اختیار رہیگا۔ یہ میری پختہ وصیت ہے اور تاحین حیات اس وصیت کا پابند رہونگا۔ اگر آیندہ کوئی اور جائیداد مزید پیدا کروں یا مزید ذریعہ آمد پیدا ہوجائے تو بھی اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ العبد: بشیر احمد بہادر مولوی محمد احمد مولوی فاضل سیالکوٹی قادیان۔ گواہ شد: موصی لیس نائک صدیق احمد صادق۔

گواہ شد: موصی وصحابی علی محمد انسپکٹر وصایا موضع لکھا نوالی حال وارد قادیان ؛

نمبر ۷۴۳۴: عظمت اللہ ولد خادم محی الدین قوم شیخ قانونگو پیشہ تجارت عمر ۲۹ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالامان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۰/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو کہ کل مبلغ تین ہزار روپیہ نقد تجارت میں لگایا ہوا ہے۔ اسکے سوا اور کوئی جائیداد نہیں ہے اگر اسکے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اس جائیداد پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس تجارت کی آمد پر ہے جو کہ بعد حساب کتاب ادا کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ اس جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ کاتب شیخ محمد اکرام موصی دارالفضل۔ العبد: شیخ عظمت اللہ تاجر دارالفضل۔ گواہ شد: شیخ قدرت اللہ تاجر دارالفضل۔ گواہ شد: علی محمد موصی اصحابی انسپکٹر وصایا ؛

نمبر ۷۴۳۳: منکہ سلطان صلاح الدین فاتح ولد ڈاکٹر گوہر دین صاحب قوم اعوان پیشہ ملازمت عمر ۲۱ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری کوئی جائیداد نہیں البتہ میں فوج میں ملازم ہوں اور میری تنخواہ اسوقت مبلغ -/۳۸۰ روپے ماہوار ہے اسکا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو دیتا رہوں گا۔ اور اگر میری وفات بعد کوئی جائیداد ثابت ہوئی تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر میں جائیداد کے حساب میں کوئی رقم ادا کروں تو وہ مجرا کی جائیگی۔ العبد: سلطان صلاح الدین موصی۔ گواہ شد: محمد اسحاق ساقی جامعہ احمدیہ۔ گواہ شد: علاء الرحمن محرر نظارت بیت المال ؛

نمبر ۷۴۳۲: منکہ سلیمہ بیگم زوجہ بابو محمد حسین صاحب صوبیدار قوم سید عمر ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالفضل بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۵/۴۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ سنگر سیونگ مشین -/۱۷۰ کانٹے طلائی ۹ ماشہ للعہ انگوٹھی طلائی ۳ ماشہ لچھیاں نقرئی تیلی سونا ۶ رتی

بذمہ خاوند -/۵۰۰ میزان کل -/۹۷۷ مندرجہ بالا مہر و زیور قیمتی ۴۷۷ روپے میں سے ۱/۱۰ حصہ -/۹۷ کی وصیت کرتی ہوں میرے مرنے پر اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی میری یہی وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ: وسیلہ بیگم سید محمد حسین شاہ سیکرٹری دعا یاد دار الفضل۔ گواہ شد:۔ محمد حسین صدر دار الفضل۔ گواہ شد:۔ سید محمد حسین شاہ والد موصیہ ؛

نمبر ۷۴۲۳ :۔ منکہ اقبال بیگم زوجہ شیخ محمد خورشید صاحب قوم ککے زئی عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن دھرمکوٹ حال قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴/۴/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرا حق مہر ایکہزار روپیہ ہے جو کہ بذمہ خاوند ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ علاوہ کوئی میری ذاتی جائیداد بصورت زیور یا کوئی اور صورت میں موجود نہیں ہے سوائے ایک عدد سلائی مشین قیمتی -/۱۵۰ روپے کے۔ لہٰذا چندہ ۱۵ روپے میں سے اگر کوئی رقم اپنی زندگی میں داخل خزانہ کردوں تو مجرا ہوگی۔ اس جائیداد کے علاوہ اگر کوئی اور جائیداد میرے مرنے پر ثابت ہو تو اسکا بھی ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن کو وصول کرنیکا اختیار ہوگا۔ الامۃ :۔ اقبال بیگم زوجہ محمد خورشید صاحب پٹواری قادیان دار الفضل۔ گواہ شد:۔ محمد خورشید پٹواری خاوند موصیہ گواہ شد :۔ عبد الرحمٰن مبشر۔ گواہ شد :۔ (ڈاکٹر) ظفر حسن صوبیدار دار الفضل قادیان ؛

نمبر ۷۴۲۹ :۔ منکہ نذیر احمد ولد احمد الدین قوم مغل پیشہ درزی عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی۔ ساکن لالہ موسیٰ ڈاکخانہ خاص ضلع گجرات صوبہ پنجاب۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ اپریل ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی جائیداد نہیں۔ جائیداد ہونے پر ۱/۱۰ حصہ جائیداد کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اس وقت میری کوئی معین آمد نہیں ہے۔ درزی کا کام کرتا ہوں۔ جو آمد ہوگی اس کا ۱/۱۰ حصہ باقاعدہ ادا کرتا رہونگا۔ اور جب میرے مرنے پر کوئی جائیداد ہوگی تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد :۔ نذیر احمد ولد احمد الدین مرحوم۔ گواہ شد اللہ دتا احمدی فائرمین برادر موصی ریلوے انجن شیڈ صالووال قادیان۔ گواہ شد :۔ عبد العزیز احمدی سیکرٹری دعوۃ سکنہ نوشہرہ حال وارد قادیان ؛

نمبر ۷۴۲۶ :۔ منکہ برکت بی بی بیوہ نور محمد صاحب عمر ۵۰ سال قوم شیخ تاریخ بیعت ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء ساکن قادیان محلہ دار السعۃ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۳/۴۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد اس وقت صرف تین صد روپیہ نقد ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور کوئی جائیداد نہیں۔ اگر کوئی جائیداد میرے مرنے پر اور میری ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی الامۃ :۔ برکت بی بی موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد :۔ فضل دین پسر موصیہ۔ گواہ شد :۔ محمد ابراہیم ولد اللہ دتہ ؛

لا اله الا الله محمد رسول الله

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله

ریویو آف ریلیجنز

(ماہنامہ اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳ | ماہِ رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ماہِ جولائی ۱۹۴۴ء | عدد ۷

فہرستِ مضامین

موعودِ اقوام اور اس کا مقام

یہ عجیب بات ہے کہ دُنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی کتبِ مقدسہ میں بعض پیشگوئیاں آخری زمانے کے ایک مصلح کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ تقریباً ہر ایک مذہب کے بانی نے اپنے بعد آنیوالے ایک ایسے ریفارمر کا ذکر کیا ہے۔ جو آخری زمانے میں ظاہر ہونے والا تھا، اور جس کے متعلق ایک عظیم الشان اصلاح کا کام بتلایا گیا ہے۔ ہر ایک مذہب بعد میں اپنی تعلیمات کے لحاظ سے بگڑ کر خواہ کچھ کا کچھ بن گیا ہو۔ لیکن ایسی پیشگوئی یا پیشگوئیاں جو آخری زمانے کے مصلح کے متعلق کیگئی تھیں، اللہ تعالےٰ کی مشیت نے اُن کو اب تک برقرار رکھا ہے۔ اور وہ کم و بیش اپنی اصلی شکل میں ضرور اُن کتبِ مقدسہ میں پائی جاتی ہیں۔

اسلام کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، ہندو مذہب، بُدھ دھرم اور پارسی کتب میں اس قسم کی پیشگوئیاں پائی جاتی ہیں، کہ آخری زمانے میں ایک کلنکی اوتار، ایک بدھ، مہدی یا مسیح آنیوالا ہے۔ اور اصلاحِ مفاسد کا وہ عظیم الشان کام جو اس کے ہاتھ پر سر انجام پانے والا ہے۔ اس کی اِن کتب میں صاف صاف خبر دی گئی ہے۔ اور بعض کتب میں تو اس کے آنے کا زمانہ بلکہ سن تک بھی بتایا گیا ہے۔ اور ایسی ایسی عجیب نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔ کہ ان کو دیکھ کر اور پڑھ کر حیرت آتی ہے۔ کہ اِن بانیانِ مذاہب نے اپنے کشوف کیسے صاف صاف بیان کئے ہیں۔ اور چونکہ وہ علامات آج ہمارے زمانے میں پوری ہو رہی ہیں۔ اس لئے ان تمام کشوف کو جو ان بزرگوں نے بیان کئے ہیں صحیح اور درست ماننے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔

نیز آخری زمانے کے فسادات اور خرابیاں اپنی نوعیت کے لحاظ سے اس قدر حدِ انتہا کو پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ اور اپنی شدت کے لحاظ سے اس قدر زیادہ اور خطرناک نظر آتی ہیں، کہ ہر ایک نبی اپنی اُمت کو ان فتنوں سے ڈراتا اور اُن سے بچنے کی تلقین کرتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ بھاگوت گیتا میں جو ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب ہے لکھا ہے۔ کہ :-

"کلجگ میں لوگ سچائی اور دھرم چھوڑنے کی وجہ سے کمزور ہوں گے اور عمر

کم ہوگی۔ اور کرم دہرم سب چھوٹ جائیں گے۔ اور لوگ تھوڑی عمر ہونے پر بھی آپس میں فساد اور جھگڑا کریں گے۔ اور اپنا دہرم چھوڑ کر جھوٹی سوگند (قسم) اور جھوٹی گواہی پیسے کی خاطر دیں گے۔ پاپ اور پُن کا خیال اور نیک و بد کی پہچان جاتی رہیگی۔ . . . بادشاہ چوروں سے بلکہ رعیت کا مال و زر چھین لیا کریں گے . . . . . اور کلجگ میں تین حصے پاپ اور ایک حصہ پُن رہ جاتا ہے۔ اس لئے کلجگ میں تھوڑا اسادان اور سچائی رہ جاتی ہے۔ مگر اخیر میں وہ بھی چھوڑ دیں گے۔"

اور عیسائیوں کی کتب میں لکھا ہے کہ:۔

"لیکن یہ جان رکھ کہ اخیر زمانے میں بُرے دن آئیں گے۔ کیونکہ آدمی خود غرض، زردوست، شیخی باز، مغرور، بدگو، ماں باپ کے نافرمان، ناشکر، ناپاک طبعی محبت سے خالی، سنگدل، تہمت لگانیوالے، بے ضبط، تندمزاج، نیکی کے دشمن، دغاباز، ڈھیٹ، گھمنڈ کرنیوالے، خدا کی نسبت عیش و عشرت کو زیادہ دوست رکھنے والے ہوں گے، وہ دینداری کی وضع تو رکھیں گے، مگر اس کے اثر کو قبول نہ کرینگے۔"

(موعود اقوام عالم مؤلفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر)

اور حدیث شریف میں آتا ہے . . . . . "یاتی علی الاسلام زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ۔ مساجدھم عامرۃ وھی خراب من الھدیٰ علماءھم شر من تحت ادیم السماء ومن عندھم تخرج الفتنۃ وفیھم تعود۔" (مشکوٰۃ۔ کتاب العلم ص۲ مطبع احمدی)

یعنی لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آنیوالا ہے کہ اسلام صرف نام کا رہ جائے گا اور قرآن شریف صرف رسم کے طور پر رہ جائے گا۔ مسجدیں ان کی بظاہر آباد ہوں گی، مگر ہدایت سے خالی ہوں گی۔ ان کے علماء بدترین خلائق ہوں گے۔ اُن ہی میں سے فتنے نکلیں گے اور انہی میں لوٹ کر جائیں گے۔

اور پھر لکھا ہے کہ آخر زمانے میں عابد جاہل ہوں گے، قاری لوگ فاسق ہوں گے گانے والیاں ظاہر ہوں، باجے بجیں، پچھلی امت اگلی امت پر لعنت کرے گی، . . . . عالم اسلئے علم سیکھیں گے کہ روپیہ پیسہ پیدا کریں۔ قرآن کو تجارت ٹھہرا دیں گے . . . . . ان کی پونجی ان کا شتر ہوگا۔ ان کا قبلہ ان کی عورتیں ہوں گی، خطباء بہت ہوں گے، امر معروف کم ہوگا، قرآن کو مطلّے یعنی آراستہ کریں گے، مسجدوں میں نقش و نگار کریں گے، عورت

شوہر کی تجارت میں شریک ہوگی، مرد عورتوں کی شکل بنائیں گے، عورتیں مرد کی ہم شکل بنیں گی، ظلم کو فخر جانیں گے، طبلے، باجے، مزامیر بجائیں گے۔"

اور حضرت بابا نانک صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:-

"ایسا ظلم و ستم کا زمانہ آنیوالا ہے کہ ہندو مسلمان سب اپنے اپنے دہرم دین کو چھوڑ دیں گے، سب ایک ہی رنگ میں رنگین ہوں گے۔ اخلاق بھی بگڑ جائیں گے۔ نانک یہ سب خدا کی باتیں ہیں جو پوری ہو کر رہیں گی۔"

(حوالہ جات از "موعود اقوام عالم" مصنفہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب مبشر)

ان حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری زمانہ میں خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور دین کا کچھ بھی اثر باقی نہیں رہے گا۔ ظاہر میں دین کی ایک صورت نظر آئے گی لیکن دلوں میں ایمان نہ ہوگا۔ زر و مال کی محبت دُنیا کے لالچ اور نفسانی خواہشات کو ہی لوگ اپنا معبود اور مقصود قرار دے لیں گے۔ اخلاق کی پستی اپنی انتہاء کو پہنچ جاوے گی۔ اور روحانیت کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ ایمان ثریا پر چلا جائیگا۔ لوگ قرآن پڑھیں گے، مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اُترے گا یعنی دلوں پر قرآن کی حکومت نہیں ہوگی جو کچھ لوگ کریں گے، دُنیاداری اور جاہ طلبی کے لئے کریں گے

اب ظاہر ہے، کہ آخری زمانہ میں جب فسادات اپنے کمال کو پہنچ چکے ہوں گے اور بدی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہوگی، تو ایسے مفاسد کی اصلاح کے لئے جو شخص مامور کیا جائے گا وہ بھی نہایت ہی عظیم الشان انسان ہوگا؛ نہ کہ کوئی معمولی مصلح اور ریفارمر۔ کام جتنا عظیم الشان مشکل اور اہم ہوتا ہے اس کو سرانجام دینے کے لئے جو شخص مقرر کیا جاتا ہے وہ بھی بہت بڑی شخصیت کا مالک ہوتا ہے اولوالعزمی عالی ہمتی، استقلال، دلیری اور جرأت ایسی صفات کا اس میں ہونا ضروری ہے۔ تب جا کر وہ کام سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ وائسرائے کے عہدے کو سنبھالنے کے لئے بہت بڑی شخصیت کی ضرورت ہے لیکن ڈپٹی کمشنر کا کام سرانجام دینے کے لئے ہر ایک شخص جس نے آئی۔سی۔ایس کا امتحان پاس کر لیا ہو منتخب کیا اور لگایا جا سکتا ہے۔ پس آخری زمانہ کی اصلاح فسادات کے لئے جس مصلح کے آنے کی خبر تمام مذاہب میں دی گئی ہے، وہ مصلح اپنے کام کی نسبت کے لحاظ سے ایک عظیم الشان شخصیت کا مالک ہوگا، جتنا اہم اس کا کام ہے، اسی قدر اعلیٰ اس کا مقام ہے۔ اور اُدھر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی کل راس مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا کہ اس امت کی اصلاح مفاسد کے لئے

ہر ایک صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ ایک مجدّد بھیج دیا کریگا۔ جو دین کی تجدید اور اصلاح کر دیا کرے گا۔ اور جو کمزوریاں یا غلطیاں اُمت محمدیہ میں پیدا ہوا کریں گی۔ ان کی وہ اصلاح کر دیا کریگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تیرہ سو سال کے اندر ہر صدی کے سر پر مجدّد آتے رہے ہیں اور جس قسم کا نقص اور فساد دین متین میں پیدا ہو جاتا رہا ہے۔ اس کی اصلاح مجدّدین کر دیتے رہے ہیں۔ زمانۂ نبوت کے قریب کی صدیوں میں جب مفاسد معمولی تھے اور عقائد میں زیادہ فتور نہیں آیا تھا۔ صرف اعمال میں نقائص پیدا ہو گئے تھے۔ تو اُمت محمدیہ کے مجدّد بھی بہت بڑے دعووں کے ساتھ نہیں آئے۔ لیکن جوں جوں زمانہ زیادہ گذرتا گیا اور نورِ نبوت بوجہ بُعد کے کم ہوتا گیا۔ اور مفاسد شدت اختیار کرتے گئے۔ تو مجددین بھی اپنے کام کی نوعیت کے لحاظ سے اعلیٰ روحانی مقامات کے وارث آنے شروع ہوئے۔ چنانچہ حضرت سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے پیشرو مجددین کے مقابلے میں بہت ہی ارفع شان رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

قدمی هذه علی رقبة کل ولی الله۔ یعنی میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ یعنی مجھ سے پہلے جس قدر اولیاء اللہ گذر چکے ہیں۔ میرا مقام ان سب سے بڑھ کر ہے۔ حضرت سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں۔

اور حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ جو ساتویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

دم بدم رُوح القدس اندر معینے مے دمد
من نمے دانم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

ان کے بعد الف ثانی کے شروع میں حضرت شیخ احمد صاحب سرہندی نے مجدّد ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے آپ کو پہلے تمام مجددین کے مقابلے میں اعلیٰ اور افضل بتایا اور اس پر دلیل یہ دی کہ جس طرح ہزار کو سو پر فضیلت ہے۔ اسی طرح مجھ کو جو الف اوّل کے سر پر آیا ہوں، پہلے تمام مجددوں پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اب تو تیرھویں صدی گذر رہی تھی؛ اور چودھویں کا آغاز ہونے والا تھا۔ اور آخری زمانہ جس میں یاجوج ماجوج کی جنگ ہونیوالی تھی، آ پہنچا تھا اور وہ جس کے آنے کا صدیوں سے انتظار ہو رہا تھا، اب ظاہر ہونیوالا تھا۔ وہ موعود اقوام جس کے متعلق کتب سابقہ میں پیشگوئیاں کی گئی تھیں۔ آخر حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے وجود باجود میں ظاہر ہوا ؎

سب کے آخر میں وہ اقوام کا نوشہ آیا ؛ قتلِ دجّال کو وعدے کا مسیحا آیا
کِشتیٔ احمدِ مرسل کا کھویا آیا ؛ گوپیاں دیکھ کے بولیں وہ کنھیا آیا

اٹھو اٹھو کہ پڑھیں اُس پہ درود اور سلام
دیر سے آیا ہے اور دُور سے وہ ماہِ تمام

باغِ اسلام میں پھر بادِ بہاری آئی ؛ بُوئے گل بن کے بُوئے مشکِ تتاری آئی
غمگساری کے عوض بادہ گساری آئی ؛ پڑگئی دھوم کہ احمد کی سواری آئی

غمِ ملت میں جو تھے مضطرب و زار و نزار
چشمِ نرگس کی طرح ہو گئے دم میں بیدار

(از مطلع انوار)

ضرور تھا کہ چودھویں صدی کا مجدّد جو آدم کے بعد ساتویں ہزار میں آنے والا تھا اپنے پہلے تمام مجدّدین سے اپنی شان میں اعلیٰ اور ارفع ہو اس کا کام تمام دُنیا کی اصلاح ہے۔ وہ مسلمانوں کیلئے مہدی ہے اور عیسائیوں کے لئے علیٰ اور ہندوؤں کے لئے کرشن اور بدھوں کے لئے بدھ۔ اس کے کام کے لحاظ سے خدا نے اس کو "جری اللہ فی حُلل الانبیاء" کہا۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا پہلوان ہے جو تمام نبیوں کے حُلّوں (لباسوں) میں آیا۔ اور خدا نے اس کو بذریعہ الہام بتایا کہ وہ "آریوں کا بادشاہ" ہے۔ گویا ایک زمانہ ہندو قوم پر ضرور ایسا آنے والا ہے جب یہ قوم "غلام احمد کی جے" پکارے گی۔ اور اسلام میں داخل ہو جائے گی۔ اگرچہ اسوقت یہ بات انہونی معلوم ہوتی ہے۔ اور کسی کے قیاس میں بھی نہیں آسکتا، کہ ہندو قوم مسلمان ہو جائے گی، لیکن خدا کا کلام کہتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک دن "آریوں کا بادشاہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور ہندو اپنے قومی نعرہ کے ساتھ "غلام احمد کی جےؔ" پکاریں گے۔

اور حدیث شریف میں آتا ہے۔ کیف انتم اذا نزل فیکم ابن مریم و امامکم منکم۔ یعنی تمہارا کیا حال ہوگا جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تم میں سے ہی تمہارے امام ہونگے۔ اور دوسری حدیث میں آتا ہے لا مھدی الا عیسیٰ کہ مہدی عیسےٰ سے الگ کوئی وجود نہیں، بلکہ مہدی اور عیسےٰ ایک ہی شخص کے دو نام ہیں، اور وہ ایک ہی وجود ہے جو مسلمانوں کے لئے مہدی ہوگا اور عیسائیوں کے لئے عیسےٰ ہوگا۔ صرف دونوں قوموں کے اعتقادات کی رُو سے مہدی اور مسیح کہلائیگا۔ اور نیز سورہ جمعہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ھو الذی

ؔ یاد رہے کہ ہندو راجپوتوں میں یہ دستور پایا جاتا تھا کہ جب کبھی انکو کوئی فتح حاصل ہوتی تھی تو وہ "جے" یعنی فتح کا نعرہ لگایا کرتے تھے۔ یہ دستور مسلمان راجپوتوں میں بھی اب تک چلا آتا ہے، اور ان کی بیاہ شادیوں کے موقع پر کلیان کرنے کے بعد "جے" کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔

بعث فی الامیین رسولا منهم ..... الی آخر۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بعثتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی بعثت وہ تھی جب آپؐ ملک عرب میں مبعوث ہوئے اور آپؐ نے عرب قوم کی تعلیم اور تربیت فرمائی۔ اور ان کو حکمت کے بے بہا خزانے دیئے۔ یہی وہ تربیت یافتہ قوم تھی جس نے مشرق و مغرب میں اسلام کی تعلیم کو پہنچایا اور بھولی بھٹکی دنیا کو خدا کے راستے پر چلایا اور خدائے خالق و مالک کا سکہ مخلوق کے دل پر بٹھایا۔ دنیا کے پردے سے جہالت کو دور کیا اور اس کی جگہ تہذیب و تمدن کو رائج کیا۔ یہ حالت تقریباً ایک ہزار سال تک چلی گئی۔ اور اسلام کی ظاہری شان و شوکت دنیا پر اپنا تسلط کئے رہی۔ یہاں تک کہ فیج اعوج کا زمانہ آگیا۔ اور اسلام میں ضعف کے آثار نمایاں ہونے لگ گئے۔ ظاہری شان و شوکت میں بھی فرق آنے لگا۔ یہاں تک کہ اسقدر فتنے اٹھے، کہ اسلام ایک عاجز مسکین کی مانند رہ گیا۔ غیر قوموں نے اس پر حملے شروع کر دیئے۔ کیا عیسائی، کیا ہندو اور کیا دیگر لوگ سب نے اسلام کو ایک لاوارث چیز سمجھکر اس پر حملے شروع کر دیئے۔ اور خود مسلمانوں نے اپنی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں سے اسلام کو اندر سے کھوکھلا کرنا شروع کر دیا ؎

بے کسے شد دینِ احمدؐ ہیچ خویش و یار نیست
ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست

تیرہویں صدی تک حالت یہاں تک پہنچ گئی، کہ اگر اسلام کی بروقت خبرگیری نہ کی جاتی، اور خدا کی طرف سے اس کو سنبھالنے کے سامان پیدا نہ ہو جاتے، تو قریب تھا کہ اسلام دنیا سے رخصت ہو جاتا لیکن چونکہ خدا تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون۔ اس لئے خدا نے اپنے وعدے کے مطابق اپنے دین کی حفاظت کے سامان پیدا کر دیئے اور حضرت میرزا غلام احمد صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا اور تجدید دین کا کام حضورؑ کے سپرد فرمایا۔ اور اپنے تازہ نشانوں سے جو زمین اور آسمان دونوں میں ظاہر ہوئے اپنے پیارے مذہب اسلام کی تائید فرمائی۔ اور اپنے پیارے رسول محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور قرآن شریف کا منجانب اللہ ہونا روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا۔ اور یہ ہمارا کلجگ کا زمانہ کچھ ایسی گمراہی کا زمانہ تھا کہ صرف اسلام پر ہی مخالفین نے حملے نہیں کئے، بلکہ خدا، اس کے ملائکہ، آسمانی کتب اور سلسلۂ انبیاء غرض کہ مذہب کی ہر ایک چیز پر تبر رکھ دیا اور دہریت کی آندھیاں اس قدر زور سے چلیں اور مادیت کا حملہ اس قدر زبردست ہوا، کہ آج تک چشم فلک نے ایسا نظارہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے یا تو آج سے تیرہ سو سال پیشتر روحانیت کی دنیا قحط سالی کی بلا میں گرفتار تھی۔ اور

ظھر الفساد فی البرّ والبحر کا نظارہ پیش کر رہی تھی، یا آج ہمارے ہمارے اس زمانے میں وہی نظارہ دیکھنے میں آیا۔ اسی واسطے خدا تعالےٰ نے خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری خلیفے کو پہلے تمام انبیاء کا قائم مقام کر کے بھیجا، اور اُس کے ہاتھ پر اسی طرز کے نشان دکھائے جس طرح پہلے انبیاء کے ہاتھ پر دکھائے تھے۔ حضور فرماتے ہیں ؎

میں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں ؎ نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اس زمانہ کے مفاسد کے مد نظر اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت، قرآن شریف کی حقانیت اور تمام انبیاء کی صداقت اور عفت کی حفاظت کے پیش نظر ضروری تھا کہ آپ کو منہاجِ نبوت پر قائم کر کے مبعوث کیا جاتا۔ کیونکہ جن مفاسد کی اصلاح پیشِ نظر تھی وہ اس قدر اہم تھے، کہ سوائے ایک نبی اور رسول کے اصلاح کا کام کسی دوسرے سے ہونا ناممکن تھا۔ اسی واسطے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

چوں مرا نورے پئے قوم مسیحی دادہ اند

مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

نیز اللہ تعالےٰ سورۂ جمعہ میں فرماتا ہے۔ ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم .... الخ۔ یعنی ہم نے اہلِ مکہ کی طرف ان کی اصلاح کے لئے ایک رسول مبعوث فرمایا، جو ان کا تزکیہ نفس کرتا، انکو علم و حکمت کی باتیں سکھاتا اور قرآن کریم کے معارف سمجھاتا ہے۔ یعنی جب کسی بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح مدنظر ہوتی ہے تو ایسی اصلاح ایک نبی اور رسول کے ذریعہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ پس حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ دوسری بعثت بھی حضورؐ کے ایک ایسے جانشین اور خلیفہ کی مقتضی تھی جو مقامِ نبوت پر کھڑا کیا جائے۔ اور منہاجِ نبوت پر اس کا دعویٰ ہو۔ اور ضرور تھا کہ اس کے ہاتھ پر نشان ظاہر ہوں۔ جیسا کہ انبیاءِ سابقین کے ہاتھ پر نشان ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ اور ضرور تھا کہ اس کے ذریعے سے اظہار علی الغیب یعنی پیشگوئیاں بھی کی جائیں جیسا کہ انبیاء پیشگوئیاں کرتے چلے آئے ہیں۔

پس امام آخر الزمان کو اللہ تعالےٰ نے منہجِ نبوت پر قائم کر کے اُس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو پہلے انبیاء سے وہ کرتا چلا آیا ہے۔ یعنی اسکو غیب پر اطلاع دی گئی اور اس کے ذریعہ سے عظیم الشان پیشگوئیاں کرائی گئیں۔ اور جو پوری ہو کر دشمنانِ دین کے لئے حُجتِ بالغہ ثابت ہوئی ہیں اور اس کے ہاتھ پر زمین اور آسمان کے اندر نشان دکھائے گئے ؎

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمین
ایں دو شاہد از پئے تصدیق من استادہ اند

طوفانِ نوح کا نظارہ لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، زلزلوں سے زمین کو تہ وبالا ہوتا انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مکانوں کو گرتے اور شہروں کو ویران ہوتے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، آسمان سے فوجوں کو اُترتے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ رود بار کے پانیوں کو خون سے سُرخ ہوتے انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کیا یہ تمام نشانات اسکی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ثبوت نہیں ہیں؟ وگرنہ کیا معنے ہیں اس آیت کے کہ فلا یظہر علیٰ غیبہ احداً الا من ارتضیٰ من رسول۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مجھے اس قدر نشان دیئے گئے، کہ اگر ان کو ایک ہزار نبیوں پر بھی تقسیم کر دیا جائے تو ان کی نبوت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن ہمارے پیغامی دوست بھی عجیب ذہنیت کے مالک واقع ہوئے ہیں کہ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں۔ مگر ایک ہی رٹ لگائے جاتے ہیں، کہ حضرت مرزا صاحب مجددوں میں سے صرف ایک مجدد ہیں۔ اس سے بڑھکر کچھ بھی نہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ چودھویں صدی کے مجدد نے جن مفاسد کی اصلاح کرنی تھی وہ کس قدر اہم اور خطرناک مفاسد ہیں۔ خدا تعالےٰ اور اس کے انبیاء کی عزت پر حملے ہو رہے ہیں، مادیت اور دہریت اور دجالیت اپنے آخری ہتھیار بھی استعمال کر رہی ہے، اور یاجوج ماجوج کی یہ خطرناک جنگ ہے۔ اور شیطان اور رحمان کا آخری مقابلہ ہے۔ اور بطلِ اسلام ان تمام دشمنوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو رہا ہے۔ اور یہ لوگ اس کو معمولی حیثیت کا انسان قرار دے رہے ہیں، اور خدا نے اس کو جن ناموں سے پکارا ہے وہ نام لینے سے گھبراتے ہیں۔

پیغامی لٹریچر اپنا سارا زور اس امر پر خرچ کر رہا ہے۔ کہ کسی طرح حضرت مرزا صاحبؑ کی نبوت ثابت نہ ہو جائے اور لوگ حضورؑ کو نبی کہنا شروع نہ کر دیں۔ بیشک نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو حضورؑ کو نبی کا خطاب دیں، خود اللہ تعالےٰ بھی حضورؑ کو نبی کہہ کر پکارے، اگر پیغامیوں کی زبان سے نبی اور رسول کا لفظ اگر نکل جائے گا تو گویا قیامت ہی آجائے گی۔ حضورؑ کے درجے کو گھٹانا، اور حضورؑ کو ایک معمولی حیثیت کا مصلح پیش کرنا آجکل اہلِ پیغام کا سب سے اعلیٰ نصب العین بنا ہوا ہے اور ان کی ساری توجہ اسی نکتہ پر جمع ہو رہی ہے۔ اور غیر احمدی مسلمانوں کو خوش کرنا اور انکی خوشنودی

حاصل کرنا ان کا سب سے بڑا مقصد ہے۔ وہ اپنے مخصوص عقائد کو چھوڑ کر غیر احمدیوں میں شامل ہونیکو اپنے لئے باعثِ عزت و افتخار سمجھتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی جماعت کو غیر احمدیوں سے الگ کر لیا، ان کے پیچھے نماز پڑھنا بند کر دیا، ان کے جنازے پڑھنے بند کر دیئے، ان کو لڑکیاں دینا بند کر دیا۔ تا ایک پاک جماعت تیار کی جائے جو دوسروں کی اصلاح کا موجب بن سکے۔ مگر ہمارے پیغامی حضرات غیر احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے، جنازہ پڑھنے اور لڑکیاں دینے کو جائز قرار دیئے جا رہے ہیں۔ اور غیر احمدیوں میں ملتے چلے جا رہے ہیں۔ اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مسلک پر قائم ہیں، اور حضور کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، ان کو مطعون کرنا اور اپنے نئے ارباب کی نظروں میں گرانا اور ذلیل کرنا، اور ان کے عقائد کو ایک نیا مذہب قرار دینا فرضِ اولین سمجھے بیٹھے ہیں۔

ہم ان حضرات سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ خود ہی بتلائیں، کہ حضرت صاحب کے درجے کو وہ کیوں گھٹا رہے ہیں۔ کیا حضور نے نہیں فرمایا کہ۔ تمہارے پر حرام بلکہ قطعی حرام ہے کہ تم کسی مکفر، مکذب، متردد کے پیچھے نماز پڑھو۔ کیا غیر احمدی مکفر، مکذب نہیں ہیں۔ کیا وہ حضرت کے دعوے کی تائید کرتے ہیں؟ اور اگر وہ خاموش ہیں تو کیا وہ متردد نہیں ہیں۔ پھر ان کے پیچھے نماز کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ کیا حضرت صاحب نے نہیں فرمایا، کہ تم کسی غیر احمدی کا جنازہ نہ پڑھو کیا خود حضرت صاحب نے مرزا فضل احمد صاحب اپنے سگے بیٹے کا جنازہ نہ پڑھ کر ہمیں عملی نمونہ نہیں دیدیا؟ کیا حضرت صاحب نے نہیں فرمایا، کہ تم غیر احمدیوں کو لڑکیاں نہ دو؟ اب آپ ہی بتلائیں کہ جسکو آپ لوگ طنز اور حقارت سے اپنے غیر احمدی بھائیوں کی طرح "قادیانی" کہتے ہیں حضرت صاحب کے مسلک پر ہیں یا آپ ہیں؟ آپ حضور کی تعلیم کے خلاف بھی کریں تو آپ مخلص بلکہ حضرت صاحب کے صحیح مسلک پر چلنے والی پاک جماعت، اور ہم جو حضور کے اصل درجے کو پیش کریں تو ہم قادیانی اور آپ لوگوں کی نظروں میں مشرک اور بدعتی۔ سوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است!

رہی یہ بات کہ اہلِ پیغام کو غیر احمدیوں سے ملجانیکا شوق کب سے چرایا، اور کیوں وہ اپنی خصوصیات کو مٹا کر غیروں میں گھسنا چاہتے ہیں، ضرورت ہوئی تو اسپر پھر کسی اگلی اشاعت میں روشنی ڈالی جائیگی۔ اگرچہ یہ علیحدہ بات ہو کہ خود غیر احمدی اہلِ پیغام کو اپنے میں سے نہیں سمجھتے، اور نہ اپنے ساتھ انکو ملانا چاہتے ہیں جبتک "احمدیہ" کا نام اہلِ پیغام کیساتھ لگا ہوا ہے۔ اور اگر وہ اس لفظ کو بھی ترک کر دیں اور "انجمن اشاعت اسلام" لاہور کے ممبر اپنے کو ظاہر کریں تو غیر احمدی آج ان سے بغلگیر ہو جائیں۔ اور انکو اپنے مقاصد کی تکمیل میں بہت کچھ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بطل اسلام کی حیثیت میں

(از جناب شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر اسسٹنٹ ایڈیٹر الفضل)

انیسویں صدی کے واقعات پر گہری نظر ڈالنے سے یہ بات صاف طور پر دکھائی دیتی ہے۔ کہ اس کے آخری نصف میں یورپ اور امریکہ میں نئی نئی ایجادات اور اختراعات ظہور میں آرہی تھیں صنعت و حرفت کے ساتھ تجارت کو فروغ حاصل ہو رہا تھا۔ رسل و رسائل کے ذرائع وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔ اور دنیا ایک ملک بلکہ ایک شہر کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ اس کیساتھ ہی ایک خصوصیت اس دور کی یہ ہے کہ مشرق و مغرب دونوں میں مذہبی لحاظ سے بھی ایک انقلاب پیدا ہو رہا تھا۔ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ایک تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر ملت کے لوگ اپنے غیر معقول مذہبی اعتقادات اور توہمات کے جوئے کو اتار پھینکنے کے لئے بے چین تھے۔ میڈم Blavatsky نے کرنل Oleatt کی معیت میں عیسائیت کے خلاف ایک باقاعدہ بغاوت کا علم بلند کر دیا تھا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب مسز اینی بیسنٹ نے امریکہ میں تھیاسوفیکل سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ جو درحقیقت عیسائیت کے بنیادی عقاید کے خلاف ایک صریح بغاوت ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کے گروہ کے گروہ اس باغیانہ جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ اور اس سوسائٹی کے بانیوں کو غیر معمولی ترقی حاصل ہونے لگی اور یورپ و امریکہ کے قریباً ہر قابل ذکر شہر و قصبہ میں تھیوسافیکل لاجز قائم ہو گئیں۔ جس کے نتیجہ میں عیسائیت کو نقصان پہنچنا لازمی تھا۔ نیز ہم دیکھتے ہیں، کہ عیسائیوں کے اندر مذہبی لحاظ سے وسعتِ نظر اور آزادی کے ساتھ مذہبی امور پر غور و فکر کا مادہ بھی پیدا ہونے لگا۔ مسز ایڈی بیکر نے امریکہ کے شہر بوسٹن میں کرسچن سائنس سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ یہ انیسویں صدی کے ربع آخر کا واقعہ ہے۔

ہندوستان میں بھی مذہبی بیداری پیدا ہو رہی تھی۔ اس سلسلہ میں راجہ رام موہن رائے کی مساعی قابلِ ذکر ہیں۔ ان کی تحریک دراصل ہندو ازم میں آزاد خیالی کی تحریک تھی۔ اس لئے قریباً پچاس سال بعد

مسٹر کیشب چندر سین نے برہمو سماج کی بنیاد رکھی۔ جو تھیوسافیکل سوسائٹی کی طرح تمام مذاہب کی خوبیوں کو اپنے اندر جمع کرنے کی مدعی تھی۔ آریہ سماج کی بنیاد جو سوامی دیانند صاحب نے رکھی، بھی اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ ابتدا تو یہ تحریک ہندو مذہب کی بعض سوشل خرابیوں کے خلاف ایک بغاوت کی حیثیت رکھتی تھی لیکن آہستہ آہستہ اس نے جارحانہ پوزیشن اختیار کر لی۔ اور دوسرے مذاہب پر دل آزار حملے کرنا اس کا اہم جزو قرار پا گیا۔ اور مختلف مذاہب میں اختلافات کی خلیج میں اس نے بہت زیادہ وسعت پیدا کر دی۔ مذہبی مناقشات کی آگ جس نے عرصہ سے ہندوستان کی سیاسی حالت کو مخدوش کر رکھا ہے اس تحریک کی وجہ سے پوری شدّت کے ساتھ بھڑکنے لگی تھی۔

اس زمانہ میں مرزا حسین علی نے ایران میں ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی۔ جس نے ایران میں کافی بیداری پیدا کر دی۔ اور مغرب میں بھی بہت سے لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کر لیا۔ بہت ہی تھوڑے عرصہ کے بعد یہ مذہب قریبًا مُردہ ہو گیا۔ گو اس وقت بھی ہندوستان کے علاوہ امریکہ اور انگلینڈ میں بعض اچھے اچھے متمول لوگ اپنے آپ کو بہاء اللہ اور ان کے لڑکے عباس آفندی کے ناقابلِ عمل اصول کے ساتھ منسلک سمجھتے ہیں۔ گو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بہائیت مذاہب کی منڈی میں کوئی جگہ حاصل کرنے میں قطعًا ناکام رہی ہے۔ بہائیت کو تھیوسافیکل سوسائٹی کے مقابلہ میں بھی ناکامی کا مُنہ دیکھنا پڑا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تھیوسافی تحریک کی سرگرمیاں تو صرف یہیں تک محدود تھیں کہ مختلف مذاہب کی بعض خرابیوں کو انہی کے پیشکردہ رنگ میں پیش کر دیا جائے۔ لیکن اس کے بالمقابل بہائیت ایک خدائی مذہب ہونیکی مدعی تھی۔ باقاعدہ سوشل اور روحانی قوانین کا ایک ضابطہ پیش کرتی تھی۔ نیز اس کی اشاعت کیلئے اس کے مشنریوں کے اختیار کردہ ذرائع دیانتدارانہ نہیں تھے۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

مشرق نے تو اپنی رُوحِ حیات کو مغرب کی غلامی کے باعث کھو دیا۔ اور مغرب نے اپنے مادّی نظریات کا شکار ہو کر اس جوہر کو کھو دیا، جو دُنیا میں انسانیت کے جوہر کے قیام و بقاء اور نشوو ارتقا کے لئے ضروری ہے۔ گویا وہ نور جو خدا تعالیٰ کے انبیاء نے روشن کیا تھا وہ انسانی خون کے چھینٹوں کی وجہ سے بجھ گیا تھا۔ اور دُنیا میں ہر طرف ضلالت و گمراہی کا دَور دَورہ تھا۔

گویا مادّی طاقتوں اور قوتوں کی پُوری شدّت کے ساتھ قلب انسانی پر محیط ہوتے جانے کے ساتھ ساتھ مذہبی زندگی میں بھی انقلاب پیدا ہو رہا تھا۔ اور جو لوگ اپنے ماحول کے زیر اثر مذہب

کو ایک ضروری چیز سمجھتے تھے، وہ اسے معقولیت کے معیار پر پرکھ رہے تھے۔ اور جب کوئی بات اس معیار پر پوری نہ اُترتی تو اُن کے طبائع میں ایک غلجان اور تشویش پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا۔ اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے، کہ یہ زمانہ مذاہب کے لئے شدید کشمکش اور خدشات کا زمانہ تھا مذاہب اور مادیات کے تقابل کی ایک جنگ تھی جو قلوب میں برپا ہو چکی تھی۔ اور ہر مذہب کے ماننے والے اس کا شکار ہو رہے تھے۔ اور کئی دردمندانِ انسانیت اس کوشش میں تھے کہ بنی نوعِ انسان کو اس کشمکش سے نجات دلائیں۔ ان میں سے بعض نے تو اس سلسلہ میں اپنی کوششوں کو اپنے اپنے مذاہب میں اصلاح اور معقولیت کا رنگ دینے تک محدود رکھا۔ اور بعض نے پرانی حدود اور قیود کو توڑ کر نئے دوائر قائم کرنے کی کوشش کی۔ اور اوپر کی پیشکردہ مثالوں میں دونوں قسم کی کوششوں کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ زمانہ اسلام کے لئے بے حد مشکلات اور مصائب کا زمانہ تھا۔ عیسائی مشنریوں کا جال ہندوستان بلکہ تمام اسلامی دُنیا میں پھیلتا جا رہا تھا۔ اور سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں کلمہ گو حلقہ بگوش عیسائیت ہوتے جارہے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی، کہ دانایانِ مغرب کی نئی نئی ایجادات اور اختراعات کا رُعب دلوں پر بیٹھ رہا تھا۔ اور علمی موشکافیاں دلوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کی افسوسناک کمی تھی، اور علماء کہلانیوالوں نے اپنی کم علمی اور جہالت کو چھپانے کے لئے عوام میں یہ خیال پیدا کر رکھا تھا، کہ علمی تحقیقاتیں اسلام کی سپرٹ کے منافی ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ معقول پسند طبائع مذہب اسلام سے ہی متنفر ہوتی جارہی تھیں۔ اور اسے نعوذ باللہ جہالت کا مذہب اور علمی ترقیات کی راہ میں سنگِ گراں سمجھ کر اس سے بیزار ہوتی جارہی تھیں۔ ایسی صورت میں عیسائی مشنریوں اور اہلِ علم لوگوں نے نہایت بددیانتی سے کام لیتے ہوئے اسلام کی تعلیم کو نہایت بھونڈے رنگ میں دُنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔ اور اچھے بھلے واقعات کو توڑ مروڑ کر اور ایسی ایسی رنگ آمیزیوں کے ساتھ پیش کرنے لگے، کہ وہ نہایت بھیانک صورت میں نظر آنے لگے۔ اور علمی روشنی و اخلاقی ترقیات کے سامنے قابلِ شرم دکھائی دینے لگے۔

مسلمانوں میں علم تو تھا نہیں، کہ وہ ان اعتراضات کا جواب دے سکتے، اور تعلیمِ اسلام کے روشن چہرہ کو ان بدنما دھبوں سے پاک و صاف کر کے دکھا سکتے۔ اس لئے وہ اسلام سے بدظن ہو کر عیسائیت کی طرف جھکنے لگے۔ پھر مسلمانوں کا افلاس اور اقتصادی پستی بھی اسلام کے لئے

سخت مضر ثابت ہو رہی تھی۔ عیسائی مشنریوں کی زرپاشی ان میں سے بہتوں کو اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور وہ قبولِ عیسائیت کو اپنی مالی مشکلات کے حل کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھ رہے تھے۔ ایک طرف تو عیسائیوں کے اسلام پر اعتراضات ان کے نزدیک ایسے پتھر تھے جن کو دُور کرنا ناممکن تھا اور دوسری طرف عیسائیت کو اختیار کرنے سے دُنیوی لحاظ سے فراغت اور آسائش کے امکانات تھے۔ اور یہ دونوں چیزیں بلکہ اسلام کو سخت نقصان پہنچا رہی تھیں۔

جو لوگ مغربی نظریات کی روشنی میں نئے نئے مذہبی ادارے اور سوسائٹیاں قائم کر رہے تھے، ان کا وجود بھی مسلمانوں پر اثر انداز ہو رہا تھا، اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا کر رہا تھا کہ کسی ایسے مذہبی ادارے سے وابستگی ضروری ہے، جو زمانۂ حال کے نظریات اور خیالات کے مطابق ہو۔ مختصر یہ ہے کہ یہ زمانہ ہندوستان بلکہ تمام دُنیا میں مذہبی بیداری کا زمانہ ہے مسلمانوں کے لئے بالخصوص سخت نازک تھا۔ مذہب کیساتھ ان کی وابستگی اور عقیدت کم بلکہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔ دنیوی لحاظ سے بھی وہ ملک میں درخورِ اعتنا نہ تھے۔ تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے حکومت کے اداروں میں کوئی دخل نہ تھا۔ اور اقتصادی زبوں حالی انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی۔ تجارت، صنعت و حرفت اور ترقی کے دوسرے میدان ان سے یکسر خالی تھے۔ وہ نہایت ذلّت اور پستی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور یوں نظر آتا تھا کہ ان کا وجود مٹ جائے گا اور وہ دوسری قوموں میں مدغم ہو کر رہ جائیں گے۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ مسلمان خود اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے۔ اور وہ اپنے آپ کو دفاع کے ناقابل پاتے تھے۔ اور یہی غنیمت سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے رہیں۔ اور بطور مسلمان شمار ہوں۔

مولانا الطاف حسین صاحب حالی اپنی مشہور مسدس میں مسلمانوں کی حالت کا نقشہ بالفاظِ ذیل کھینچتے ہیں ؎

ملے کوئی ٹیلہ اگر ایسا اونچا! ٭ کہ آتی ہو واں سے نظر ساری دُنیا
چڑھے اس پہ پھر اک خردمند دانا ٭ کہ قدرت کے دنگل کا دیکھے تماشا

تو قوموں میں فرق اس قدر پائیگا وہ
کہ عالم کو زیر و زبر پائیگا وہ

وہ دیکھے گا ہر سُو ہزاروں چمن واں ٭ بہت تازہ تر صورتِ باغِ رضواں
بہت ان سے کمتر پہ سرسبز و خنداں ٭ بہت خشک اور بے طراوت مگر ہاں

نہیں لائے گو برگ و باراں کے پودے
نظر آتے ہیں، ہونہاراں کے پودے

پھر اک باغ دیکھیگا اُجڑا سراسر ٭ جہاں خاک اُڑتی ہے ہر سُو برابر
نہیں تازگی کا کہیں نام جس پر ٭ ہری ٹہنیاں جھڑ گئیں جس کی جل کر

نہیں پھول پھل جس میں آنے کے قابل
ہوئے رو کھ جس کے جلانے کے قابل

جہاں زہر کا کام کرتا تھا باراں ٭ جہاں آکے دیتا ہے رو ابرِ نیساں
تردّدسے جو اور ہوتا ہے ویراں ٭ نہیں راس جس کو خزاں اور بہاراں

یہ آواز پیہم وہاں آ رہی ہے!
کہ اسلام کا باغ ویراں یہی ہے!

ایسے نازک زمانہ میں بعض دردمندانِ قوم نے مسلمانوں کی اس حالت میں تبدیلی کی کوشش کی، اور انہوں نے اس کے لئے جو محنت کی اور مشقتیں اٹھائیں اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ نہایت ہمت کے ساتھ میدان میں اُترے، اور پورے زور کے ساتھ مسلمانوں کو اوپر اُٹھانے کی کوشش کی لیکن ان کی کوششوں پر ایک نگاہ ڈالنے سے ہی یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ ان کی تمام مساعی مسلمانوں کو ایک معزز اور باوقار قوم بنانے تک محدود تھیں۔ اسلام کا دفاع اور اسے دیگر ادیانِ عالم پر اس رنگ میں افضل ثابت کرنا کہ ان سے تعلق رکھنے والوں کے لئے اسلام جاذبِ نظر اور موجبِ کشش ثابت ہوسکے۔ یہ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا مسلمانوں کو بیدار کرنے اور دوسری اقوام کے ساتھ ساتھ میدان ترقی میں بڑھنے کے قابل بنانے تک محدود تھا۔ اسلام کا دفاع جس حد تک انہوں نے کیا وہ یہیں تک محدود تھا، کہ مسلمانوں کے اندر مخالفین کے اعتراضات نے جو مایوسی پیدا کر دی ہے وہ دور ہو اور مسلمانوں کے اندر ایک احساسِ خودداری پیدا ہو جائے اور ذلت وپستی کا احساس جو بہت حد تک اپنے مذہب کی پستی کے احساس سے وابستہ تھا مٹ جائے۔ ورنہ مذہب اسلام کو دیگر ادیان پر غالب ثابت کرنا اُن کے پیشِ نظر نہ تھا۔ اور نہ ہی اس وقت کی کیفیت کے لحاظ سے اس کی وہ جرأت کرسکتے تھے۔ انہوں نے اسلام پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دینے کی گو کوشش کی، مگر وہ کوشش اپنی ذات میں اپنی کمزوری کے اعتراف پر دلالت کرتی ہے۔ مثلاً جن

مسائل پر اعتراضات کا وہ جواب نہ دے سکے، ان مسائل کو ہی غلط قرار دے دیا۔ اور اقرار کر لیا کہ اس زمانہ کے لحاظ سے وہ نامناسب اور ناقابلِ عمل ہیں۔ اور اس طرح ان کی مساعی کے لئے اپنے دل میں انتہائی احترام کے جذبات رکھنے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں، کہ وہ گو مسلم قوم کے جلیل القدر فرزند تھے، اپنی قوم کے بے حد ہمدرد اور بہی خواہ تھے، قوم کے لئے قربانیاں کرنیوالے تھے، لیکن اسلام کی خدمت کا جذبہ اور اس کے فضائل کا اظہار ان کے پیشِ نظر نہ تھا۔ اور وہ اسلام کے بطل اور پہلوان نہ تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے لئے گو بہت کچھ کیا، لیکن اسلام کے لئے کچھ نہیں کیا۔

ایسے لوگوں میں سر سید احمد خاں، سید جمال الدین افغانی، نواب اعظم یار جنگ، مولوی محمد چراغ علی، سید امیر علی، پروفیسر صلاح الدین، خدا بخش تو بہت زیادہ نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ مولوی رحمت اللہ صاحب، مولوی آل حسن صاحب، مفتی محمد عبدہ مصری، جلال الدین حسینی آف ایران، مہدی سوڈانی وغیرہ۔ بعض اور لوگ بھی ہیں۔ جو اگرچہ بہت زیادہ معروف نہیں ہیں، مگر انہیں نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ان سب لوگوں نے اپنے اپنے رنگ اور حالات زمانہ کے مطابق کام کیا۔ اور بعض نے قابلِ قدر کام کیا۔ لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے یہ دعویٰ کیا ہو، کہ وہ اسلام کی صداقت کو دیگر ادیان پر ثابت کر سکتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو پُر حکمت ثابت کر سکتا ہے۔ اور قرآن کریم کی فضیلت آج بھی دُنیا پر واضح کر سکتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے کوئی ایسا دعوےٰ نہیں کیا، بلکہ ان کے عقیدتمندوں نے بھی ان کی طرف کوئی ایسا دعویٰ منسوب نہیں کیا۔ یہ لوگ اپنے اپنے رنگ میں جذبۂ ملی سے متاثر ہو کر کام کرتے رہے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کی طرف سے کوئی ایسی آواز بلند نہیں کیگئی جس میں غیر اسلامی دُنیا کو عام چیلنج دیا گیا ہو، کہ اسلام کی صداقت اور دیگر ادیان پر اسکی فضیلت میں شک کرنیوالوں کو مطمئن کرنے کا ذمہ وار ہے۔ پھر ایک اور نقص یہ ہے کہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں، جس نے صداقت و حقانیت اسلام اور دُنیا میں اس کی اشاعت کا انتظام کرنے کے لئے کسی مستقل ادارہ کی بُنیاد رکھی ہو۔ یا اپنے پیچھے کوئی ایسی جماعت چھوڑ گئے ہوں جو اس کام کو جاری رکھ سکے۔ یہ خصوصیت صرف اور صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود علیہ السلام کو ہی حاصل ہے کہ آپ نے اپنی زندگی صداقت و حقانیت اسلام اور قرآن کریم کی فضیلت کے اثبات کے لئے وقف کر دی۔ اور پھر نہایت مستحکم بُنیادوں پر ایک ایسی جماعت

قائم کر گئے۔ جو آپ کے بعد آپ کے مقدس مشن کو جاری رکھ رہی ہے۔ اور اس لئے آپ اس بات کے اہل ہیں، کہ اسلام کے پہلوان اور بطلِ جلیل کا لقب پا سکیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ یہ کام کوئی انسان جب تک کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور نہ ہو۔ اور اُسی کی تائید سے کھڑا نہ ہو، سرانجام دے ہی نہیں سکتا۔ خدا تعالیٰ نے یہ کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا انّا نحن نزلنا الذکر وانّا لہٗ لحافظون۔ اور حسب فرمودہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہ ہر صدی کے سر پر ایسے امور و مجدد مبعوث کرتا رہا ہے۔ جو اس مقدس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔ اور دُنیا میں اسلام کے غلبہ کے سامان کرتے ہیں۔ اور اس صدی کے سر پر مبعوث ہونیوالے مجدد کا چونکہ اپنی شان اور کام کے لحاظ سے بہت بلند مرتبت ہونا مقدر تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ خالص اسلامی رنگ میں کسی کو خدمات اسلام کی توفیق مل سکے، اس لئے کئی ایسے لوگ پیدا کئے جنہوں نے مسلمانوں کے اندر بیداری پیدا کی اور انہیں خوابِ غفلت سے جگانے کی کوششیں کیں، مگر خالص اسلام کی خدمت وہ بجا نہ لا سکے۔ یہ کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ہی مقدر تھا۔ اور آپ کے ذریعہ ہی انجام پذیر ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی پر اگر نظر ڈالی جائے، تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ خدمت اشاعت اسلام اور اسے دیگر ادیان پر غالب کرنے کے لئے وقف تھی۔ اپنی بعثت کی آپ نے یہی غرض قرار دی ہے۔ اور تمام عمر اسی میں لگے رہے۔ آپ کی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات صاف دکھائی دیتی ہے، کہ ایک طرف تو آپ اسلام کی حقانیت، قرآن کریم کی فضیلت اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے عقلی و نقلی، الزامی و تحقیقی جوابات دینے میں مصروف ہیں، تو دوسری طرف ان مخالفین کو جو اس میں شک رکھتے ہیں، یہ ان کے مقابلہ میں للکار رہے ہیں۔ ایک طرف آپ ایسے لوگوں سے مقابلہ کر رہے ہیں تو دوسری طرف اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے دلائل و براہین اور معجزات و مشاہدات کے انبار لگا رہے ہیں۔ آپ کی زندگی ایک ایسے پہلوان کی ہے جو یکہ و تنہا ہر مدمقابل کا مقابلہ نہایت مردانگی سے کر رہا ہے۔ ہر طرف سے مخالفتوں کے طوفان اٹھتے، اور تیز آندھیاں چلتی ہیں، مگر یہ مردِ میدان نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ ایک کو وقار بن کر کھڑا رہا ہے اور ہر ایک سامنے آنے والے کو زیر کر رہا ہے۔ آپ کی زندگی کا مقصد یہ نہیں کہ مسلمان تعلیم کی طرف متوجہ ہو جائیں، یہ نہیں کہ تمام عالم کے مسلمان ایک سیاسی رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور مغربی استعماریت کا مقابلہ کریں۔ انگریزوں سے مسلمانوں کی

دوستی یا دشمنی آپ کی غرض و غایت نہیں، اور نہ ہی آپ کا مقصد یہ ہے کہ چند ایک ایسی کتب تصنیف ہو جائیں جن میں مخالفین اسلام کے بعض اعتراضات کے جوابات آجائیں، بلکہ آپ کو یہ آرزو بے چین اور مضطرب کر رہی ہے کہ اسلام کی صداقت ہر دل پر نقش ہو جائے۔ اور دُنیا اس بات پر ایمان لے آئے۔ کہ اِس سے بہتر مذہب اور کوئی نہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم افضل ترین رسول، اور قرآن پاک بے نظیر کتاب ہے۔ اپنے مذہب کی خوبیاں اور دوسرے مذاہب کی کمزوریاں تلاش کرنے کی لگن ہے۔

عیسائی مشنری اور آریہ سماجی جو مسلمانوں پر چھائے ہوئے تھے، اور جن سے عالمِ اسلامی مرعوب ہو چکا تھا آپ کے خاص شکار تھے۔ اور جہاں کہیں کوئی ایسا شخص نظر آتا، جو اسلام کی صداقت کو مشتبہ کرنیوالا ہو آپ نہایت جرأت اور بہادری کے ساتھ اُس کی طرف خود بڑھتے، اُسے للکارتے اور بچاروں شانے چت گرا کر دُنیا پر واضح کر دیتے، کہ مذاہب کے میدان میں اسلام کا مقابلہ کرنیوالا کوئی نہیں۔ وہ عیسائی مشنری جو مسلمانوں کو صیدِ زبوں خیال کرتے تھے اور وہ آریہ سماجی اپدیشک جو انہیں دبائے چلے جا رہے تھے، آپ اور آپ کے خدام کے سامنے آنے سے کترا تے تھے اور اب تک کتراتے ہیں۔ اور عیسائی مشنریوں کو تو حکم مل چکا ہے کہ اس جماعت کا مقابلہ نہ کریں۔ اور جو مقابل پر آئے اُسے مُنہ کی کھانی پڑتی ہے۔ غرضیکہ آپ نے مذہبی دُنیا میں ایسا سکہ قائم کیا کہ ہر کس و ناکس آپ کا لوہا ماننے پر مجبور ہے۔

اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے آپ نے مدافعانہ اور جارحانہ دونوں طریق اختیار کئے یعنی اسلام پر وارد ہونے والے تمام اعتراضات کے تحقیقی جوابات دیئے۔ اسلام کے ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کی حکمت بیان فرمائی اور ثابت کیا، کہ یہ کوئی سزا نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے ایک انعام ہے۔ آپ نے یہ نہیں کیا کہ اعتراضات سے بچنے کے لئے کسی اسلامی مسئلہ ہی کو ترک کر دیا ہو، بلکہ ہر مسئلہ کی خوبیاں بیان فرما کر اعتراضات کو باطل ثابت کیا۔ پھر آپ نے اسلام کی خوبیوں کیساتھ غیر مذاہب پر جرح کر کے اور ان کی کمزوریوں کو مؤثر طور پر پیش کر کے ان پر اسلام کی فضیلت کو ثابت کیا۔ اور اس طرح اسلام کی اشاعت کا دروازہ کھول دیا۔ کجا وہ وقت تھا، کہ اسلامی ممالک کے مسلمان عیسائیت کا شکار ہو رہے تھے، اور کجا یہ حالت کہ آج عیسائی ممالک میں مساجد قائم ہیں، مشن کھلے ہوئے ہیں اور بڑے بڑے متعصب عیسائی اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

آپ نے نہ صرف اپنی تمام زندگی اِس کام کے لئے وقف کر دی اور شب و روز اِسی میں

لگے رہے، بلکہ اسے جاری رکھنے کے لئے ایک جماعت قائم کی اور اس کا مقصد بھی یہی قرار دیا اور ایسے رنگ میں اس کی تنظیم کی، کہ یہ کام مستقل طور پر باقاعدگی کے ساتھ جاری رہ سکے اور ایسے احکام و ہدایات جاری فرمائیں کہ آپ کی جماعت دوسروں سے ممتاز رہے۔ اور ان کے ساتھ ملکر انہی کی طرح جمود و غفلت کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ موضوع اپنی ذات میں ایک مستقل موضوع ہے جس پر اس وقت بحث کرنا ہمارا مقصد نہیں۔

گزشتہ صفحات میں ہم نے دوسرے مسلم زعماء کے متعلق یہ بتایا ہے کہ ان کا مقصد زندگی کیا تھا اور اس کے حصول میں وہ کس حد تک کامیاب ہوئے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقصد اور آپ کی زندگی کا مدعا خود آپ کے الفاظ میں پیش کر کے ہم بتلاتے ہیں کہ آپ کے مخالفین کی آپ کے کام اور اس میں کامیابی کے متعلق کیا رائے ہے۔ اپنی زندگی کے مقصد کے متعلق حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اے دانشمندو! اس سے تعجب مت کرو، کہ خدا نے اس ضرورت کے وقت میں اور اس گہری تاریکی کے دنوں میں ایک آسمانی روشنی نازل کی۔ اور ایک بندہ کو مصلحتِ عام کے لئے خاص کر کے بغرض اعلائے کلمۂ اسلام و اشاعتِ نور حضرت خیر الانام اور تائید مسلمانوں کے لئے اور نیز ان کی اندرونی حالت کے صاف کرنے کے ارادہ سے دنیا میں بھیجا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگر تم ایماندار ہو، تو شکر کرو اور شکر کے سجدات بجالاؤ، کہ وہ زمانہ جس کا انتظار کرتے کرتے تمہارے بزرگ آباء گذر گئے اور بے شمار رُوحیں اس کے شوق میں ہی سفر کر گئیں وہ وقت تم نے پالیا اب اس کی قدر کرنا یا نہ کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا یا نہ اٹھانا تمہارے ہاتھ میں ہے میں اس کو بار بار بیان کروں گا اور اس کے اظہار سے میں رُک نہیں سکتا، کہ میں وُہی ہوں جو وقت پر اصلاح خلق کے لئے بھیجا گیا۔ تا دین کو تازہ طور پر دلوں میں قائم کر دیا جائے۔" (رسالہ فتح اسلام)

پھر فرماتے ہیں:۔

"اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ، جو یہ کہتا ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی۔ یاد رکھو، کہ وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گذر گیا اب وہ زمانہ آگیا، جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ کہ وہ رسول محمد عربی جس کو گالیاں

دی گئیں، جس کے نام کی بے عزتی کی گئی، جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانے میں لکھ کر شایع کر دیں، وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔ اس کے قبول کرنے میں حد سے زیادہ انکار کیا گیا۔ مگر آخر اسی رسولؐ کو عزت کا تاج پہنایا گیا۔ اس کے غلاموں اور خادموں میں سے ایک میں ہوں، جس سے خدا مکالمہ و مخاطبہ کرتا ہے اور جس پر خدا کے غیبوں اور نشانوں کا دروازہ کھولا گیا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی ص۲۷)

پھر فرماتے ہیں:-

"غرض قرآن شریف کی زبردست طاقتوں میں سے ایک یہ طاقت ہے۔ کہ اس کی پیروی کرنے والے کو معجزات اور خوارق دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ دُنیا اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ میں بھی یہی دعویٰ رکھتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں، کہ اگر دُنیا کے تمام مخالف کیا مشرق کے اور کیا مغرب کے ایک میدان میں جمع ہو جائیں۔ اور نشانوں اور خوارق میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہیں تو میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اور توفیق سے سب پر غالب رہونگا۔ اور یہ غلبہ اس وجہ سے نہیں ہوگا، کہ میری رُوح میں زیادہ طاقت ہے، بلکہ اِس وجہ سے ہوگا کہ خدا نے چاہا ہے کہ اس کے کلام قرآن شریف کی زبردست طاقت اور اسکے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت اور اعلیٰ مرتبت کا میں ثبوت دوں۔ اور اس نے محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہُنر سے مجھے یہ توفیق دی ہے کہ میں اُس کے عظیم الشان نبی اور اس کے قوی الطاقت کلام کی پیروی کرتا ہوں، اور اس سے محبت رکھتا ہوں۔ اور وہ خدا کا کلام جس کا نام قرآن شریف ہے، جو ربّانی طاقتوں کا مظہر ہے، اس پر ایمان لاتا ہوں۔ اور قرآن شریف کا یہ وعدہ ہے کہ لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدّنیا اور یہ وعدہ ہے ایّدھم بروحٍ منہ اور یہ وعدہ ہے کہ و یجعل لکم فرقانًا۔ اس وعدے کے موافق خدا نے یہ سب مجھے عنایت کیا ہے۔"

(چشمۂ معرفت کے ساتھ کا مضمون مطبوعہ ۱۹۰۸ء ص۳۱۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی مشہور عالم تصنیف براہین احمدیہ کے شروع میں

جو تمام کی تمام حقانیتِ اسلام، فضیلتِ قرآن کریم اور صداقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق مضامین سے پُر ہے، ایک انعامی اشتہار دیا ہے۔ جو دراصل تمام ادیان کے زعماء کے نام ایک چیلنج ہے۔ اِس میں حضور تحریر فرماتے ہیں :-

"مَیں جو مصنّف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں، یہ اشتہار اپنی طرف سے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ بمقابلہ جمیع ارباب مذہب اور ملّت کے جو حقانیت فرقان مجید اور نبوت حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے منکر ہیں اتماماً للحجۃ شائع کرکے اقرار صحیح قانونی اور عہد جائز شرعی کرتا ہوں، کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے مشارکت اپنی کتاب کی فرقان مجید اور صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم اسی کتاب مقدس سے اخذ کرکے کیں ہیں، اپنی الہامی کتاب میں سے ثابت کرکے دکھلادے یا اگر تعداد میں اُن کے برابر پیش نہ کرسکے تو نصف ان سے یا ثلث ان سے یا رُبع ان سے یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے، یا اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو، تو ہمارے دلائل کو نمبروار توڑ دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین منصف منقولہ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کردیں کہ ایفاد شرط جیساکہ چاہیئے تھا، ظہور میں آگیا۔ مَیں مشتہر ایسے مجیب کو بلا عذرے وحیلتے اپنی جائیداد قیمتی دس ہزار روپیہ پر قبض و دخل دیدوں گا"

(اشتہار انعامی ملحقہ براہین احمدیہ)

پھر فرماتے ہیں :-

"طالب حق کے لئے کہ جو اسلام کے قبول کرنے پر دلی سچائی اور روحانی صدق اور خالص اطاعت سے رغبت ظاہر کرے۔ ہم ہی اس طور پر اس کی تسلی کا ذمہ اٹھاتے ہیں۔ وان کان احد فی شك من قولی فلیرجع الینا بصدق الکلم واللہ علیٰ ما نقول قدیر وھو فی کلِّ امر نصیر" (حاشیہ براہین احمدیہ ۲۱۲-۲۱۳)

"سو اب ہم برہمو لوگوں اور دوسرے مخالفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں، کہ جو کچھ ہم نے الہام کی نسبت بیان کیا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ اب بھی اُمّت محمدیہ کے کامل افراد میں پایا جاتا ہے۔ اور انہیں سے مخصوص ہے۔ ان کے غیر میں یہ

ہرگز پایا نہیں جاتا۔ یہ بیان ہمارا بلا ثبوت نہیں۔ بلکہ جیسا بذریعہ تجربہ ہزارہا صداقتیں دریافت ہو رہی ہیں ایسا ہی یہ بھی تجربہ اور امتحان سے ہر ایک طالب پر ظاہر ہو سکتا ہے۔ اور اگر کسی کو طلب حق ہو تو اس کا ثابت کر دکھانا بھی ہمارا ہی ذمہ ہے بشرطیکہ کوئی برہمو یا اور کوئی منکر دین اسلام کا طالب حق بن کر اور بصدق دین اسلام قبول کرنے کا وعدہ تحریری مشتہر کر کے اخلاص اور نیک نیتی اور اطاعت سے رجوع کرے۔ فان تولوا فان اللہ علیمٌ بالمفسدین۔" (حاشیہ براہین احمدیہ ۲۱۶)

"اس زمانے کے پادری اور پنڈت اور برہمو اور آریہ اور دوسرے مخالف چونک نہ اٹھیں، کہ وہ برکتیں کہاں، وہ آسمانی نور کدھر ہیں۔ جن میں امت مرحومہ حضرت خاتم الانبیاء کی مسیح اور موسیٰ کی برکتوں میں شریک ہے۔ اور ان نوروں کی وارث ہے، جن سے اور تمام قومیں اور تمام اہل مذاہب محروم اور بے نصیب ہیں۔ اس وسوسے کے دور کرنے کے لئے بارہا ہم نے اس حاشیے میں لکھ دیا ہے کہ طالب حق کے لئے کہ جو اسلام کے فضائل خاصہ دیکھ کر فی الفور مسلمان ہونے پر مستعد ہے۔ اس کا ثبوت دینے کے ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں۔" (حاشیہ براہین احمدیہ ص۲۴۷)

آپ کے دعاوی اور مقاصد کے متعلق یہ اقتباسات پیش کرنے کے بعد اب ہم آپ کے مخالفین کے بیانات سے ہی یہ بتاتے ہیں، کہ آپ کو اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی۔ اور کہ ان کے نزدیک واقعی آپ اس دعوے میں راستباز تھے۔ اور جب مخالفوں کی یہ رائے ہو، تو پھر اس کے اثبات کے لئے کسی دوسرے شاہد کی کوئی حاجت نہیں رہ جاتی۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ الفضل ما شہدت بہ الاعداء۔

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی شہادت

ہر شخص جانتا ہے کہ مولوی صاحب حضور کے شدید ترین مخالف تھے۔ آپ ہی نے سب سے قبل حضور علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا لیکن حضور کی خدمات اسلامی کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات سے جس قدر ہم واقف ہیں۔ ہمارے معاصرین میں ایسے کم نکلیں گے۔ ...... ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں

عمومی۔ (اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹)

"اس کا مؤلف اسلام کی مالی ، جانی ، قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت کم پائی گئی ہے۔ ہمارے الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم از کم ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہمو سماج سے اِس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔ اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے ، جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ نصرت حالی کا بیڑا اٹھایا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدّی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو ، کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو ، وہ ہمارے پاس آکر اُس کا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اس تجربہ و مشاہدہ کا غیر اقوام کو مزہ بھی چکھا دیا ہو" (اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ نمبر ۶ صفحہ ۱۶۹)

پھر لکھا ہے :۔

"مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ لی ہے۔ اور مخالفین اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدّی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کردی ہے ، کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اُس کی صداقت دلائلِ عقلیہ قرآنیہ و معجزاتِ نبویہ محمدیہ بچشم خود دیکھ لے"

(اشاعۃ السنّۃ جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۳۴۴)

مرزا حیرت دہلوی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت کے مخالفین میں سے تھے ، مگر حضور کی وفات پر آپ نے لکھا :۔

"مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں۔ اس نے مناظرے کا بالکل رنگ ہی بدل دیا۔ اور ایک جدید لٹریچر کی بُنیاد ہندوستان میں قائم کردی کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔ جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی ہیں ، اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے ہیں ،

آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا ...... آج سارے پنجاب، بلکہ بلندئی ہند میں بھی اِس قوت کا لکھنے والا کوئی نہیں .... واقعی اس کی بعض بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے ..... اس نے ہلاکت کی پیشگوئیوں، مخالفتوں اور نکتہ چینیوں کی آگ میں سے ہو کر اپنا راستہ صاف کیا، اور ترقی کے انتہائی عروج تک پہنچ گیا۔ اس کے ہر دعوے پر اس کے مریدوں کی طرف سے اٰمنّا و صدّقنا کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ اور ان آوازوں سے ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ مرحوم کو اس کی زندگی میں کتنی کامیابی نصیب ہو گئی تھی۔"

(کرزن گزٹ یکم جون ۱۹۰۸ء)

اخبار وکیل نے جو اُن دنوں پورے عروج پر تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر لکھا:۔

"وہ شخص، بہت بڑا شخص، جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ، اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے تھے۔ اور جس کی مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دُنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شورِ قیامت ہو کر خفتگانِ خوابِ ہستی کو بیدار کرتا تھا...... ایسے نازکش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دُنیا میں انقلاب کر کے دکھا جاتے ہیں۔ مرزا صاحبؐ کی رحلت کے ساتھ مخالفینِ اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار رفعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے۔ تاکہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے عرصہ تک ہمارے دشمنوں کو پست و پامال بنائے رکھا آئندہ بھی جاری رہے...... مرزا صاحبؐ کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابل پر اُن سے ظہور میں آیا قبولِ عام کی سند حاصل کر چکا ہے۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جبکہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑی ہے اسلئے

کردہ وقت ہرگز لوحِ قلب سے نسیاً منسیاً نہیں ہو سکتا جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا۔ اور مسلمان کچھ نہ کرتے تھے۔ یا نہ کر سکتے تھے .... مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبارِ احسان رکھیگی۔ کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنیوالوں کی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرضِ مدافعت ادا کیا، اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا۔ جو اسوقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے، اور حمایتِ اسلام کا جذبہ ان کے شعارِ قومی کا عنوان نظر آئے، قائم رہے گا۔ اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحبؒ نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ ...... آپ بانیٔ آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ریفارمر کا چڑھا ہوا ملمع اتارنے میں آخر عمر تک مصروف رہے۔ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے، ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظرانداز کی جا سکیں ...... ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے۔ اور اس میں کلام نہیں کہ مرزا صاحبؒ میں ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی مخصوص قابلیت تھی۔ آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو، جو اپنی اعلےٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مقابلہ میں صرف کر دے۔"

سار علیگڈھ انسٹیٹیوٹ نے لکھا کہ :-

"مرحوم نے شمشیرِ قلم عیسائیوں، آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف خوب چلایا۔ آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں نکلی۔ جس کے جواب کے لئے آپ نے دس ہزار روپیہ انعام رکھا تھا ...... بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔"

ولوی ممتاز علی صاحب آن تہذیبِ نسواں نے لکھا کہ :-

"مرحوم نہایت باخبر عالم، بلند ہمت، معصوم اور پاک زندگی کا نمونہ تھے۔ ہم انہیں مثیلِ مسیح موعود نہیں مانتے۔ لیکن ان کی ہدایت، راہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی۔"

صادق الاخبار ریواڑی نے لکھا:-

"مرزا صاحب نے اپنی پُر زور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کے ان لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لئے ساکت کر دیا ہے۔ اور ثابت کر دکھایا ہے کہ حق حق ہی ہے۔ اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کما حقہٗ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ایسے اولو العزم حامئ اسلام اور معین المسلمین، فاضل اجل، عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس ہے۔"

اخبار وکیل نے ایک اور پرچہ میں لکھا:-

"غیر مذاہب کی تردید اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے لکھیں، ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اترا ہے۔ ان کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا۔ اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جو مجاہیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔" (۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

جماعت احمدیہ کی شدید ترین مخالف مجلس احرار کے صدر چودھری افضل حق صاحب نے لکھا ہے کہ:-

"آریہ سماج کے معرض وجود میں آنے سے پیشتر اسلام جسد بیجان تھا جس میں تبلیغی حس مفقود ہو چکی تھی۔ سوامی دیانند کی مذہب اسلام کے متعلق بدظنی نے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لئے چوکنا کر دیا مگر حسب معمول جلدی خواب گراں طاری ہو گئی۔ مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں تو کوئی جماعت تبلیغی اغراض کے لئے پیدا نہ ہو سکی۔ ہاں ایک دل مسلمانوں کی غفلت سے مضطرب ہو کر اٹھا، ایک مختصر سی جماعت اپنے گرد جمع کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے بڑھا۔ اگرچہ مرزا غلام احمد صاحب کا دامن فرقہ بندی کے داغ سے پاک نہ ہوا تاہم اپنی جماعت میں وہ اشاعتی تڑپ پیدا کر گیا جو نہ صرف مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے لئے قابل تقلید ہے، بلکہ دنیا کی تمام اشاعتی جماعتوں کے لئے نمونہ ہے۔"

(فتنہ ارتداد اور پولیٹیکل قلابازیاں صفحہ ۴۶)

پادری والٹر ایم۔ اے سیکرٹری وائی۔ ایم۔ سی۔ اے لاہور نے اعتراف کیا ہے کہ:-

"میں نے قادیان میں ایک ایسی جماعت دیکھی جس میں مذہب کے لئے وہ سچا اور زبردست جوش ہے جو ہندوستان میں عام مسلمانوں میں آج کل مفقود ہے۔"

امریکہ کے مشہور پادری ایچ کو ئیر ۱۹۳۱ء میں قادیان آئے تھے۔ اسے دیکھنے کے بعد انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا:۔

"ہندوستانی مسلمانوں پر عام طور پر مایوسی کا عالم طاری ہے۔ برخلاف اس کے جماعت احمدیہ میں نئی زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی تمام توجہ اور طاقت تبلیغ اسلام پر خرچ کر رہے ہیں۔ وہ اسلام کو سیاسی نقطۂ نگاہ سے نہیں دیکھتے، بلکہ اس کو محض صداقت اور خالص حق سمجھ کر تبلیغ کے لئے کوشاں ہیں۔ مسلمانوں میں صرف یہی ایک جماعت ہے، جس کا واحد مقصد صرف تبلیغ اسلام ہے...... ان لوگوں میں قربانی کی روح اور تبلیغ اسلام کا جوش اور اسلام کے لئے سچی محبت کو دیکھکر بے تحاشا صدا آفرین نکلتی ہے...... یہ لوگ اسلام کے لئے جوش اور اس کی آئندہ کامیابی کی امیدوں سے سرشار ہیں۔ اور وہ اسلام کی محبت میں اس قدر اندھے اور مجنون ہو رہے ہیں، کہ جسقدر انسانی قلب کے لئے ممکن ہے۔" (مسلم ورلڈ بابت اپریل ۱۹۳۱ء)

اخبار تیج ۲۷ر جولائی ۱۹۲۷ء نے لکھا تھا۔ کہ:۔

"تمام دنیا کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ ٹھوس، مؤثر اور مسلسل تبلیغی کام کرنے والی طاقت احمدیہ جماعت ہے۔ آج تک ہم نے اس خوفناک جماعت کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اور اگر ہے تو فی الحال ہم اسے سمجھ نہیں سکے۔ بلا مبالغہ احمدیہ تحریک ایک خوفناک آتش فشاں پہاڑ ہے، جو بظاہر اتنا خوفناک معلوم نہیں ہوتا، لیکن اس کے اندر ایک تباہ کن اور سیال آگ کھول رہی ہے جس سے بچنے کی کوشش نہ کی گئی، تو کسی وقت موقع پاکر ہمیں بالکل جھلس دیگی۔"

اگرچہ اس قسم کے حوالوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے مقصد و مدعا کے اثبات کے لئے یہ بالکل کافی ہیں۔ سلسلہ کے شدید

معاندین اعتراف کر چکے ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسلام کے زبردست پہلوان اور بطلِ جلیل تھے۔ اور دشمن کی شہادت کے بعد کسی اور شہادت کی ضرورت باقی نہیں رہتی

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۰

واقعۂ صلیب پر اناجیلِ مروّجہ کی روشنی میں ایک نظر

(از جناب مبارک احمد خاں صاحب ایمن آبادی)

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کے متعلق اسلام کی تعلیم از روئے قرآن شریف و احادیثِ صحیحہ یہی ہے، کہ وہ دیگر انبیاء کی طرح وفات پا چکے ہیں۔ اُن کے آسمان پر جانے کا عقیدہ از روئے عقل و نقل غلط ہے۔ مدّعیانِ حیاتِ مسیحؑ کے پاس سوائے تاویلاتِ بعیدہ کے کوئی یقینی ثبوت حضرت مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے یا آسمان پر جانے کا نہیں۔ ہم حضرت مسیح علیہ السّلام کو ان معانی کے رُو سے زندہ اور آسمان پر مانتے ہیں، جن کی رُو سے ہر ایک نبی، صدیق، شہید اور صالح آسمان پر ہے۔ اور جس زندگی میں ہمارے سید و مولیٰ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ہر ایک نبی کو معراج میں آسمان پر دیکھا۔

اور سب نبیوں سے بڑھ کر زندہ نبی تو ہمارے سید و مولےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں، جن کی زندگی کے نور سے ہر زمانہ میں ہزاروں اولیاء، صلحاء ہوتے رہے اور ہوتے رہینگے یہودیوں اور عیسائیوں کا جھگڑا قریباً دو ہزار سال سے چلا آتا ہے۔ اور دونوں قومیں یعنی یہود اور نصاریٰ اِس امر پر متفق ہیں، کہ فی الحقیقت حضرت مسیح علیہ السلام کو ہی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ ان کی جگہ کسی دوسرے شخص کو صلیب دیئے جانے کا اُن کی کتب میں کوئی ذکر نہیں لیکن نہ معلوم فیج اعوج کے مسلمانوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو چھت پھاڑ کر آسمان پر لیجانا اور کسی اور شخص کو حضرت مسیحؑ کے مشابہ بنا دینا اور اس کا صلیب پر چڑھایا جانا کہاں سے لے لیا۔

بہرحال مسلمانوں کا یہ عقیدہ قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ کی رُو سے بالکل باطل ہے۔ اور جماعت احمدیہ کے زبردست دلائل کی عام اشاعت کی وجہ سے نہ صرف عام طور پر اب اِس عقیدے سے مسلمان متزلزل ہو رہے ہیں، اور مولوی کہلانیوالے بھی اِس موضوع سے بچنے لگے ہیں، بلکہ مسلمانوں کی مشہور قدیمی یونیورسٹی جامعہ ازہر مصر کے علماء بھی صاف اور واضح الفاظ میں یہ فتویٰ صادر کر چکے ہیں۔ کہ "حضرت عیسےٰ کے بارے میں قرآنی آیات بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالےٰ

نے اُن کو وفات دینے، رفع کرنے اور کافروں کے شر سے بچانے کا وعدہ فرمایا تھا، اور یہ وعدہ یقیناً پورا ہو چکا ہے، اور حضرت عیسٰےؑ آسمان پر جسم خاکی کے ساتھ زندہ نہیں بلکہ دوسرے انبیاءؑ کی طرح وفات پانے کے بعد اس جسم کثیف سے علیحدہ ہو کر دوسرے انبیاء کے ساتھ ابدی حیات کے وارث ہو چکے ہیں۔" یہ مفصّل فتویٰ جس کا ملخص ہم نے درج کیا ہے، مصر کے اخبار الرسالۃ مورخہ ۱۱ رمئی ۱۹۴۳ء میں شائع ہو چکا ہے جس کی نقل مطابق اصل دفتر نظارت دعوۃ و تبلیغ قادیان سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

قرآن مجید اور احادیث کی رُو سے اِس غلط اور بے بنیاد عقیدہ کی تردید میں گو بیسیوں دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن اِس وقت محض اناجیلِ مروّجہ کے رُو سے واقعۂ صلیب پر روشنی ڈالنا ہمارا مقصود ہے۔

۱۔ اولاً یہ امر قابلِ غور ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجا گیا۔" (متی باب ۱۵ آیت ۲۴)

۲۔ اپنے خاص شاگردوں کو منادی کرنے کی ہدایات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا، بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔" (متی باب ۱۰ آیت ۵)

۳۔ "میری اور بھی بھیڑیں ہیں جو اِس بھیڑ خانے کی نہیں۔ مجھے ان کا لانا بھی ضرور ہے۔ اور وہ میری آواز سُنیں گی۔" (یوحنا باب ۱۰ آیت ۱۵، ۱۶)

یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے کہ بنی اسرائیل کے وہ دسؔ فرقے جن کو شاہ لنذر شاہ اسور سامریہ سے مسیحؑ سے سات سَو اکیس برس پہلے اسیر کر کے لے گیا تھا، وہ ہندوستان اور اس کے نواحی ممالک میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ مشہور فرانسیسی سیاح ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ کی جلد دوم میں کئی محققوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ "کشمیر کے باشندے دراصل یہودی (بنی اسرائیل) ہیں۔ کہ جو تفرقہ شاہ اسور کے زمانہ میں اس مُلک میں آ گئے تھے۔"

حضرت مسیحؑ کے وقت میں یہود کے جو فرقے فلسطین میں موجود تھے۔ وہ "کھوئے ہوئے" نہ تھے۔"

اگر اُن کو رُوحانی طور پر بھی کھویا ہوا مان لیا جائے تو جو مذکورہ دس فرقے دُور دراز کا

میں جلاوطن ہو چکے تھے وہ تو جسمانی اور روحانی دونوں طرح سے کھوئے ہوئے تھے اور اُن کو بچانا حضرت مسیح علیہ السلام کا اوّلیں فرض تھا۔ کیونکہ وہ مشرقی ممالک کی "کھوئی ہوئی بھیڑیں" اپنے گلہ بان کی منتظر بھی تھیں۔ اور جب اُن کے ممالک میں مسیح کی پیدائش کا ستارہ نظر آیا، تو وہ یورپ (مشرقی ممالک سے یروشلم کو گئیں، تاکہ اس کی زیارت کریں۔ (متی باب ۲ آیت ۲)

مشرقی ممالک کے جلاوطن شدہ یہود کے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ تعلق کا مختصر تذکرہ کرنے کے بعد اب ہم دیکھتے ہیں، کہ حضرت مسیح کب اور کس طرح شام سے ان "کھوئی ہوئی بھیڑوں" کے پیچھے آئے۔

فلسطین کے یہودیوں نے اُن کی سخت مخالفت کی اور اُن پر بدکار (یوحنا ۹/۲۴) اور حکومتِ وقت کا باغی ہونے اور حکومت کو ٹیکس دینے سے رعایا کو روکنے کا الزام لگایا۔ (لوقا باب ۲۳ آیت ۱ تا ۳) اور اُن سے کوئی نشان مانگا، جس پر حضرت مسیح علیہ السلام نے اُن کو جواب دیا:۔

"اِس زمانے کے بُرے اور زناکار لوگ نشان طلب کرتے ہیں۔ مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائے گا، کیونکہ جیسے یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسے ہی ابنِ آدم (مسیح) تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔" (متی باب ۱۲ - آیت ۳۹ تا ۴۱)

ظاہر ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں فوت نہیں ہوئے تھے، بلکہ زندہ داخل ہوئے اور اس کے پیٹ میں زندہ ہی رہے۔ حتیٰ کہ اس حالت میں خدا سے اپنی سلامتی کے لئے دُعا بھی کرتے رہے۔ "یونس تین دن رات مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ تب یونس نے مچھلی کے پیٹ میں خدا سے دُعا مانگی۔" (یونا ۱/۱۷ و ۲/۱)

اگر حضرت مسیح مصلوب ہو کر مُردہ لاش کی صورت میں قبر میں رکھے جاتے، تو حضرت یونس علیہ السلام سے آپ کی مشابہت درست نہ ٹھہرتی۔ پس ضروری تھا، کہ حضرت مسیح یونس علیہ السلام کی طرح زندہ ہی قبر میں رکھے جاتے۔ اور وہاں زندہ ہی رہتے اور پھر زندہ ہی نکلتے۔ اور جس طرح حضرت یونس علیہ السلام کے لئے مَوت کے اسباب جمع ہو جانیکے باوجود مَوت واقع نہ ہوئی، ایسے ہی حضرت مسیح کا باوجود اسباب مَوت کے جمع ہو جانیکے زندہ

سلامت رہنا ضروری تھا۔

پس حضرت مسیح علیہ السلام کے اس کلام کا مطلب یہی تھا، کہ میں صلیب پر لعنتی موت نہیں مروں گا، بلکہ حضرت یونس علیہ السلام کی طرح صرف تین دن رات غشی کی حالت میں رہوں گا۔ چنانچہ صلیب کے واقعہ کا تذکرہ اس حقیقت کو اچھی طرح آشکار کرتا ہے لکھا ہے۔ کہ یہودیوں کے پکڑوانے پر حاکم سمجھ گیا کہ "انہوں نے اُس کو حسد سے پکڑوایا ہے" (متی ۲۷ باب ۱۸)

گویا کہ حاکم پر یسوع کی بے گناہی ثابت تھی" اور جب وہ تختِ عدالت پر بیٹھا ہُوا تھا تو اس کی بیوی نے اُسے کہلا بھیجا، کہ اس راستباز سے کچھ کام نہ رکھ۔ کیونکہ میں نے آج خواب میں اسکے سبب سے بہت دُکھ اٹھایا ہے" (متی باب ۲۷۔ آیت ۱۹)

پس حاکم کی بیوی پر جب خواب میں مسیح کی بے گناہی ثابت کی گئی، تو اُس نے حضرت مسیح کو راستباز اور بے گناہ سمجھ کر اس کی رہائی کی ترغیب دی۔ چنانچہ "پیلاطس (حاکم) اُسے چھوڑنے کی کوشش کرنے لگا" (یوحنا باب ۱۹۔ آیت ۱۲) لیکن جب یہودیوں نے اصرار کیا، تو حاکم نے انہیں یوں مخاطب کیا:۔

"یسوع کو جو مسیح کہلاتا ہے کیا کروں؟ سب نے کہا کہ صلیب دی جائے۔ اُسنے کہا کیوں اِسنے کیا بُرائی کی ہے؟ مگر وہ اور بھی چلاّ چلاّ کر بولے، کہ اِس کو صلیب دی جائے جب پیلاطس (حاکم) نے دیکھا کہ کچھ بن نہیں پڑتا، بلکہ اُلٹا بلوا ہُوا جاتا ہے تو پانی لیکر لوگوں کے روبرو اپنے ہاتھ دھوئے اور کہا (اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِنْ دَمِ هٰذَا الْبَارِّ اَبْصِرُوْا اَنْتُمْ) کہ میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں تم جانو۔ سب لوگوں نے جواب دیکر کہا۔ کہ اِس کا خون ہماری اور ہماری اولاد کی گردن پر" (متی باب ۲۷۔ آیت ۲۲ تا ۲۵)

بالآخر وہ دو چوروں کے ہمراہ صلیب پر کھینچا گیا۔ (متی باب ۲۷۔ آیت ۳۸ تا ۴۴)

صلیب پر مسیح کو فسح کی تیاری۔ کے دن چھٹے گھنٹے کے قریب چڑھایا گیا" (یوحنا باب ۱۹ آیت ۱۴)

صلیب پر چڑھائے جانے کے وقت یعنی فسح کی تیاری کے چھٹے گھنٹے سے لیکر نویں گھنٹے تک ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا۔ (متی باب ۲۷۔ آیت ۴۵)

نویں گھنٹے کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلاّ کر کہا ایلی ایلی لما سبقتانی۔ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا!! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا" (متی باب ۲۷۔ آیت ۴۶)

اِس سے پہلی رات وہ بہت تضرع اور زاری کے ساتھ خدا کے حضور سلامتی کے لئے دعائیں کرتا رہا

لکھا ہے کہ:-

"وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین پر گر کے (مُنہ کے بل) دُعا مانگنے لگا کہ اگر ہو سکے تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے۔ اور کہا۔ اے ابا۔ اے باپ تجھ سے سب کچھ ہو سکتا ہے اس پیالے (صلیبی موت) کو میرے پاس سے ہٹا لے۔" (مرقس باب ۱۴۔ آیت ۳۵-۳۶)

اور لکھا ہے کہ:-

"اُس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پکار کر اور آنسو بہا بہا کر اُس سے دُعائیں کیں جو اُس کو موت سے بچا سکتا تھا۔ اور خدا ترسی کے سبب اُس کی سُنی گئی۔" (عبرانیوں ۵/۷)

یہ ساری چیخ و پکار اور آہ و زاری کیوں تھی؟ کیا خدا کا پیارا مسیح اور اللہ کا اولوالعزم نبی موت سے ڈرتا تھا اور اس دنیا فانی بیدار اور بے ثبات گھر کی جدائی کا خیال اُسے خون کے آنسو رُلا رہا تھا۔ اور فانی دُنیا کی محبت اُس سے آہ و زاری کرا رہی تھی؟ نہیں، اور ہرگز نہیں، خدا کے پیارے موت سے دلگیر نہیں ہوتے۔ اور نہ ہی خدا کی راہ میں کسی بڑی سے بڑی تکلیف سے خوف کھاتے ہیں۔ خدا کا پیارا مسیح بھی موت اور صلیب کی تکلیفوں کے خوف سے چیخیں مار مار کر آہ و زاری نہ کر رہا تھا اور نہ ہی سچے مومن اور اللہ کے پیارے کبھی اس طرح خوفزدہ ہوتے ہیں۔ اللہ کے پیارے نبی حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت (جو لعنتی موت سمجھی جاتی تھی) کا ڈر تھا۔ اُسے خوف تھا تو اس امر کا کہ یہودیوں کی کتابوں میں لکھا تھا کہ:- "جو صلیب پر مارا جائے وہ لعنتی ہوتا ہے۔" (گلتیوں ۳/۱۳) اور "مصلوب خدا کا ملعون ہوتا ہے۔" (استثنا ۲۱/۲۳) اس لئے اس نے رو رو کر بڑی دل سوزی سے دُعائیں کیں۔ حتیٰ کہ "وہ عجز و انکسار کے وقت اس کا پسینہ گویا خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین پر ٹپکتا تھا۔" (لوقا باب ۲۲ آیت ۴۴)

پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے مسیح کی آہ و زاری کو سُنا اور اُس کی دُعاؤں کو قبول کیا۔ (عبرانیوں ۵/۷) اور اللہ تعالیٰ نے اُسے صلیبی موت سے بچا لینے کے لئے غیب سے اسباب مہیا فرما دیئے۔ چنانچہ صلیب پر چڑھانے کے بعد یہودیوں نے اس خیال سے کہ لاشیں سبت کے دن صلیب پر نہ رہ جائیں، کیونکہ وہ دن اُن کے نزدیک بڑا مبارک تھا اور عید کی تیاری کا دن تھا۔ حاکم پیلاطس سے کہا کہ ان کی ٹانگیں توڑی اور لاشیں اتار لی جائیں۔ تب سپاہیوں نے آ کر پہلے اور دوسرے چوروں (جو اُس کے ساتھ صلیب دیئے گئے تھے) کی ٹانگیں توڑیں لیکن جب

انھوں نے یسوع کی طرف آکے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے تو اس کی ٹانگیں نہ توڑیں۔ (یوحنا باب ۱۹ آیت ۳۳)
گویا حضرت مسیح کی بے ہوشی کو موت سمجھ لیا گیا۔ جس پر پیلاطس نے متعجب ہوکر کہا کہ وہ ایسا جلد مر گیا؟ (مرقس باب ۱۵۔ آیت ۴۴)

ظاہر ہے، کہ صلیب کے کیل (میخیں) ایسے اعضائے رئیسہ میں نہیں لگائے جاتے تھے جن پر زندگی کا مدار ہوتا ہے۔ صرف ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونکی جاتی تھیں۔ اس لئے مجرم عموماً کم از کم تین دن تک مجرم صلیب پر لٹکا رہتے۔ لیکن اس عرصہ میں بھی وہ مرتا نہ تھا۔ اس لئے جلد مار دینے کے لئے اس کی صلب کی ہڈی اور ٹانگیں توڑتے تھے۔ چونکہ اصل قلت غائی یعنی موت صلب کی ہڈیاں توڑنے سے حاصل ہوتی تھی، اس لئے اسکو صلیب کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے۔
حضرت مسیح کو تین گھنٹے کے اندر ہی بغیر کسی ہڈی توڑنے کے اتار لیا گیا تھا۔ پھر صلیب سے اتارے جانے کے بعد اُن کی زندگی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے۔ کہ "دو سپاہیوں میں سے ایک نے بھالے سے اُس کی پسلی چھیدی اور فی الفور اُس سے لہو اور پانی نکلا" (یوحنا باب ۱۹۔ آیت ۳۴)
اس موقعہ پر ایک بہت بارسوخ اور اس علاقے کا بڑا رئیس شخص یوسف مشیر نامی سے جو نیک اور ممتاز تھا اور یہودیوں کی مجلس منتظمہ کا سرکردہ رکن تھا اور اُن کی (حضرت مسیح کی) قتل کی تجویز کا دل سے مخالف تھا۔ اور وہ یسوع کا شاگرد تھا۔ لیکن یہودیوں کے خوف سے خفیہ طور پر (لوقا $\frac{19}{51}$) جیٹھیوں کے ڈر سے پیلاطس سے ملا اور یسوع کی لاش لے جانے کی اجازت چاہی۔ پیلاطس نے اجازت دیدی۔ (یوحنا $\frac{19}{38}$)
یوسف مشیر نے یہ دیکھ کر کہ ابھی خدا کا پیارا مسیح زندہ ہے۔ صلیب دینے کی جگہ کے قریب ہی ایک باغ میں ایک قبر میں رکھا اور اس کے منہ پر ایک پتھر لڑھکا دیا۔ (مرقس $\frac{15}{46}$)
یہ قبر ایک کمرہ کی مانند تھی، جس میں کھڑکی بھی تھی اور پیلاطس کے مشورہ سے صلیب گاہ کے پاس ہی یوسف رئیس نے بنوائی تھی، تاکہ اس میں فوراً حضرت مسیح کو رکھا جا سکے۔ اس میں اور آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش بھی تھی۔ جیسا کہ لکھا ہے:۔

"قبر کے اندر جا کے انہوں نے (دو عورتوں) ایک جوان کو سفید جامہ پہنے ہوئے دہنی طرف بیٹھے دیکھا" (مرقس باب ۱۶۔ آیت ۵)

چونکہ کئی ایک شاگرد مرد اور عورتیں اُس قبر سے واقف تھیں۔ اس لئے یہودیوں پر راز فاش ہو جانے کے خیال سے یوسف نے رات کے وقت حضرت مسیح کو اس قبر سے نکال لیا جب مسیح کے

شاگرد وہاں گئے، تو سوائے سُوتی کپڑوں اور رومال کے وہاں کچھ نہ پایا۔
چونکہ خاص حکمتِ عملی کو کام میں لائے بغیر حضرت مسیح کی جان کا بچانا محال نظر آتا تھا اسلئے یہودیوں کے جوشِ غیظ و غضب سے بچنے کے لئے عام طور پر مسیح کو مُردہ مشہور کر دیا گیا، تاکہ وہ لاش کی گمشدگی پر زیادہ تحقیقات کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ اس لئے جو شاگرد مرد اور عورتیں قبر پر آئی تھیں اور آپ کی لاش وہاں نہ پاکر متعجب تھیں اُن سے دو شخصوں نے کہا تم کیوں زندہ کو مُردوں میں ڈھونڈتی ہو (لوقا باب ۲۴۔ آیت ۵)۔ یعنی حضرت مسیح تو زندہ ہیں اور تم انہیں قبر میں تلاش کر رہی ہو۔

اِس کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام اپنے شاگردوں کو مختلف اوقات میں پوشیدہ طور پر ملتے رہے۔ اور بعض شاگردوں نے جب یہ گمان کیا، کہ شاید یہ حضرت مسیح کی رُوح ہی ہو تو حضرت مسیح علیہ السلام نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا۔

"اُس نے اُن سے کہا، تم کیوں گھبراتے ہو؟ اور کس واسطے تمہارے دل میں شک پیدا ہوتے ہیں؟ میرے ہاتھ اور میرے پاؤں دیکھو کہ مَیں ہی ہوں۔ مجھے چھو کر دیکھو کیونکہ رُوح کے گوشت اور ہڈی نہیں ہوتی، جیسا مجھ میں دیکھتے ہو۔ اور یہ کہکر اُسنے انہیں اپنے ہاتھ اور پاؤں دکھائے۔" (لوقا باب ۲۴۔ آیت ۳۸ تا ۴۱)

صلیب سے بچکر آپ نے تین دفعہ اپنے شاگردوں سے ملاقات کی اور باغبان کے بھیس میں۔ (یوحنا ۲/۱۵)

یروشلم سے نکلکر گلیل پہنچے۔ جو کہ اوّل الذکر سے سَو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ (متی ۲۸/۱۶)۔
حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیبی زخموں پر مرہم عیسیٰ جس کا دوسرا نام مرہم حوارین یا شلیخا ہے لگائی گئی۔

شلیخا کے معنے ہیں بارہ ۱۲۔ یہ لفظ حضرت مسیح کے بارہ حواریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔
مرہم عیسیٰ کا نسخہ طب کی اُن صدہا کتابوں میں مذکور ہے جو حضرت مسیح کے زمانہ کے قریب ہی لکھی گئیں۔ جن کے مؤلف یہودی، عیسائی، مجوسی ہیں اور مسلمان علماء نے بعد میں اُن کے تراجم شائع کئے۔ اِن سب کی کتابوں میں یہ مرہم اِسی نام سے موسوم ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کو بجز اِس خاص واقعہ صلیب کے اور کبھی موقع پر مرہم کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ جسے حواریوں نے تیار کیا۔

ملک شام کے شاگردوں سے علیحدہ ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام "بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں" کی تلاش میں یورپ کے ممالک کی طرف نکلے۔ اور بموجب وعدہ قرآنی وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ (سورہ مومنون ع) ہم نے مسیح اور اس کی ماں کو نشان بنایا۔ اور ان دونوں کو مصیبت کے بعد ہم نے پناہ دی ایک ایسی جگہ کی طرف جو بہت بلند تھی اور جس میں چشمے بہتے تھے" حضرت مسیح نے افغانستان سے ہوتے ہوئے کشمیر جنت نظیر میں قیام فرمایا۔ اور پٹھان اور کشمیری قبائل (جو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں تھے) کو خدا کا پیغام سنایا۔ کشمیر کا لفظ بھی اس طرف اشارہ کر رہا ہے۔ کاشمیر کا لفظ کاف اور شمیر سے مرکب ہے۔ جو کاشیر کا بگڑا ہوا ہے یعنی ملک شام کی طرح" کا علاقہ۔ یہ نام اس ملک کا بنی اسرائیل نے ہی رکھا۔

اور علاوہ ازیں لفظ مسیح کے معنے ہی اس ہجرت کی دلیل ہیں۔ لغت کی مشہور کتاب لسان العرب میں لکھا ہے۔ سُمِّيَ عِيسَىٰ بِمَسِيحٍ لِأَنَّهُ كَانَ سَائِحًا فِي الْأَرْضِ لَا يَسْتَقِرُّ (صفحہ ۲۲) یعنی علیٰ کا نام مسیح اس لئے رکھا گیا کہ وہ زمین میں سیر کرتا رہتا تھا۔ اور کہیں اور کسی جگہ اس کو قرار نہ تھا۔ تاج العروس شرح قاموس میں بھی یہ معنے لکھے ہیں۔

پھر ایک حدیث میں مذکور ہے کہ أَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَىٰ إِلَىٰ عِيسَىٰ أَنْ يَا عِيسَىٰ انْتَقِلْ مِنْ مَكَانٍ إِلَىٰ مَكَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُؤْذَىٰ۔ یعنی اللہ تعالے نے عیسٰی علیہ السلام کو وحی کی۔ کہ اے عیسٰی تو ایک جگہ سے دوسری جگہ کو نکل جا۔ ایسا نہ ہو کہ تو پہچانا جائے۔ اور تو تکلیف میں ڈالا جائے" (کنز العمال جلد دوم صفحہ ۳۴)

یہ حدیث بالصراحت صلیب کے بعد کے حالات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ اس وقت خوف تھا کہ اگر یہودیوں کو پتہ لگ گیا تو وہ پھر شرارت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

نیز حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سب سے پیارے خدا کی جناب میں غریب ہیں۔ عرض کیا گیا۔ کہ غریب کے کیا معنے ہیں۔ فرمایا۔ وہ لوگ جو عیسے مسیح کی طرح دین لے کر اپنے ملک سے بھاگتے ہیں" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۵۱)

پس حضرت مسیح ہجرت کر کے کئی ملکوں سے ہوتے ہوئے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس کشمیر پہنچے جو شہر سری نگر میں وفات پاکر محلہ خانیار میں دفن ہوئے۔ جہاں ان کی قبر اب تک موجود ہے اور جسے عوام یوز آسف نبی یا شہزادہ نبی کی قبر کہتے ہیں۔ یوز آسف دراصل یسوع یا جیزز کا بگڑا

ہوا ہے۔ اور یوز آصف کے معنے بھی کشمیری زبان میں ڈھونڈنے والے کے ہیں۔

نبی کا لفظ صرف عربی اور عبرانی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک حضور سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آیا۔ اس لئے بہرصورت یہ نبی پہلے انبیاء میں سے تھا۔ شاہزادہ نبی کا لفظ حضرت مسیح کے متعلق بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ اناجیل کا بیان ہے کہ آپ کا نسب نامہ حضرت داؤد بادشاہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ انجیل متی کے ابتداء میں ہی لکھا ہے "یسوع ابن داؤد ابن ابراہیم کا نسب نامہ" پھر متی ۹/۲۷ مرقس ۱۰/۴۷ لوقا ۱۸/۳۸ میں ایک اندھے کا پکارنا کہ "اے ابن داؤد مجھ پر رحم کر" غرض انجیلوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے۔ کہ حضرت مسیحؑ ابن داؤد کہلاتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ یروشلم میں یہودیوں کے بادشاہ اور کشمیر میں شاہزادہ نبی مشہور ہوئے۔ کشمیریوں اور افغانوں کا بنی اسرائیل ہونا بڑے بڑے یورپین محققین نے مان لیا ہے۔ اِس حقیقت پر کسی پادری یا مولوی کی بے سروپا باتیں پردہ نہیں ڈال سکتیں۔

غرض حضرت مسیح صلیب پر چڑھائے گئے۔ پھر غشی کی حالت میں ایک خاص الخاص شاگرد کو دیے دیئے گئے اور مرہم عیسےٰ کے استعمال سے شفا پاکر اپنے شام کے شاگردوں سے تین چار دفعہ خفیہ ملاقاتیں کرنے کے بعد ہجرت کر کے اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں ہندوستان پہنچے۔ اور نیپال، تبت تک آئے۔ واپسی پر حسب وعدہٗ قرآنی کشمیر ٹھہرے۔ تبت سے کچھ عرصہ ہوا، قدیم عبرانی زبان کی ایک بہت پرانی انجیل ملی ہے۔ اِس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح تبت تک پہنچے اور پھر کشمیر سرینگر میں فوت ہو کر محلہ خانیار میں مدفون ہوئے ؎

ابنِ مریمؑ مر گیا حق کی قسم
داخلِ جنت ہوا وہ محترم
(المسیح الموعودؑ)

اِن واقعات کی موجودگی میں حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کا قصہ عیسائیوں اور اُن سے متاثر ہو کر مسلمانوں کی محض قیاس آرائی سے بڑھکر نہیں۔ جس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی۔

اطلاع

مندرجہ ذیل احباب کی طرف سے حسب ذیل رقوم ۱۸؍ مارچ لغایت ۲۹؍ اپریل ۱۹۴۲ء وصول ہوئی ہیں جوان کی اطلاع کے لئے شایع کیجاتی ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء :-
منیجر ——

نام	رقم	نام	رقم
غلام رسول صاحب منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ	سے/	عبدالرحمٰن صاحب سیٹھ وعہ	سے/
محمد صدیق صاحب امام الصلوٰۃ کھوکھر غربی گجرات	عصہ/	خدابخش صاحب خانیوال	۸/
شہاب الدین صاحب اپیل نویس مردان	سے/	عبدالجلیل خانصاحب مزنگ لاہور	[illegible]
ڈاکٹر اختر محمود صاحب	سے/	عبدالغنی صاحب سٹینوگرافر جھنگ	عہ/
نذیر احمد ولد شادالدین صاحب امرت سر	سے/	شاہ محمد صاحب سٹیشن حکیم	سے/
محمد تقی سٹور پٹیالہ	عہ/	عبدالمنان خانصاحب کاٹھ گڑھ	سے/
حکیم محمد اسمٰعیل صاحب ڈاک ضلع شاہ پور	[illegible]	شیر محمد صاحب بجوکہ ملتان	۱۲/
سید علاؤالدین صاحب کیمبلپور	عہ/	ڈاکٹر محمد دین صاحب گنج لاہور	۱۲/
ناصر احمد حوالدار کلرک بنوں	سے/	اللہ دتہ حمزہ غوث سیالکوٹ	[illegible]
میسرز باوا پردمن سنگھ امرت سر	[illegible]	چوہدری فضل احمد کراچی	عہ/
بابو محمد بخش صاحب سب پوسٹماسٹر سنور	[illegible]	سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد	[illegible]
مولوی محمد رحیم الدین صاحب سہارنپوری	عہ/	ہدایت اللہ منصور دہلی	[illegible]
محمد احمد صاحب پانی پت طالب علم مدرسہ احمدیہ	[illegible]	محمد ظفر الاسلام صاحب بمبئی	سے/
مرزا محمد صفدر مزنگ لاہور	عہ/	جمال الدین صاحب ڈگری گھمناں	سے/
غلام محمد صاحب کرڈیال ضلع امرتسر	سے/	ڈاکٹر مرزا اکبر بیگ صاحب لنگروال	سے/
محمد صدیق بیگ صاحب قصور	عہ/	بابو غلام رسول صاحب گڈس کلرک	سے/
ملک برکت اللہ صاحب جھانسی	۸/	منشی احمد حسین صاحب احمدی دہلی	[illegible]
صدرالدین صاحب سیکرٹری مال شورکوٹ	سے/	دفتر بہشتی مقبرہ ماہ اپریل ۱۹۴۲ء	[illegible]

نام	رقم	نام	رقم
غلام رسول صاحب شیخ درسال رعیتہ	سعہ	سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب سکندرآباد	صہ ر
پنڈت شنٹ احمد یہ شدھی شٹن الیوسی ایشن امرتسر	عیہ	صاحبزادہ مرزا خلیل احمد صاحب قادیان	سعہ
لیجا یم و غنب اللہ صاحب مالاکنڈ	۸ر	مولوی رحیم الدین صاحب دارالفضل	۸ر
مسٹر شیر محمد صاحب سب جج پاکپٹن	سعہ	صوفی علی محمد صاحب بحساب سید مبارک علی شاہ صاحب	سعہ
سیٹھ اسمٰعیل آدم آف بمبئی	سعہ	شیخ خورشید احمد صاحب دھوری پٹیالہ	عیہ ر

وی پی!

اِس ماہ بعض خریداروں کو وی ۔ پی کئے گئے ہیں ۔ اُن کا اخلاقی اور قومی فرض یہ ہونا چاہیئے کہ وہ وی ۔ پی وصول فرما کر مشکور فرماویں ۔ اور جن خریدار اصحاب کا چندہ یکم جولائی سے پہلے کسی تاریخ کو ختم ہو چکا ہے وہ منتظر رہیں ۔ اُن کو انشاء اللہ دوسرا پرچہ وی ۔ پی آئے گا ۔ بہتر ہوگا کہ وہ ۱۳ر جولائی سے قبل اپنا بقایا صاف کر دیں ۔ تا دفتر کو وی ۔ پی کرنے کی ضرورت پیدا نہ ہو ۔

مینجر

وصیتیں!

نوٹ:۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو دفتر کو اطلاع کردے۔
(سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

نمبر ۷۴۸۲:۔ منکہ سلطان احمد لبرا ولد چوہدری غلام رسول صاحب قوم لبرا جٹ پیشہ زمیندارہ عمرہ ۳۵ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن چک ۹۹ شمالی۔ ڈاکخانہ سرگودھا بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۴؍۴؍۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں۔ کیونکہ میرے والد صاحب بفضلِ خدا زندہ ہیں۔ اور میرے تمام اخراجات کے ذمہ وار میرے والد صاحب ہیں۔ اور میں مشترکہ طور پر اپنے بھائیوں اور والد صاحب کے ساتھ زمیندارہ کرتا ہوں۔ اور حسب ضرورت اپنے اخراجات کیلئے والدین سے حاصل کرلیتا ہوں جسکی کوئی معین صورت نہیں ہے۔ میں تازیست اپنی غیر معین آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی جائیداد اسکے بعد پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا۔ اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو اسکا بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ سلطان احمد لبرا موصی۔ گواہ شد:۔ غلام احمد موصی
گواہ شد:۔ محمد سعید انسپکٹر بیت المال؛

نمبر ۷۴۸۳:۔ منکہ سلطان احمد طاہر ولد پیر محمد قوم مانگر پیشہ ملازمت عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن مانگٹ اونچے (حال دارالفضل قادیان) ڈاکخانہ حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ۔ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۴۴؍۴؍۱ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت ایک کنال زمین محلہ دارالسعۃ میں ہے جو میں نے مبلغ تین صدروپیہ میں خریدی ہے۔ اس میں مبلغ دوصد روپیہ ادا کرچکا ہوں۔ یکصد روپیہ ابھی میرے ذمہ ہے۔ میں اپنی اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ میرا گذارہ اس وقت ماہوار آمد پر ہے۔ جو کہ اس وقت ۳۴/۵ روپے تنخواہ -/۹ روپیہ جنگ الاؤنس۔ کل مبلغ -/۴۸ روپے ہے۔ میں تاحینِ حیات اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے پر اسکے علاوہ اگر میری کوئی جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان وارث ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کردوں تو اسقدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کردیا جائیگا۔ العبد:۔ سلطان احمد طاہر کارکن ایم۔ این سنڈیکیٹ محلہ دارالفضل قادیان۔ گواہ شد:۔ ملک صلاح الدین ایم۔ اے کارکن جامعہ احمدیہ۔ گواہ شد:۔ محمد الدین معلم

وصیت ــــــــــــــــــ ایں

نوٹ :۔ وصایا منظوری سے قبل بغرض اشاعت شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

نمبر ۴۲۷ :۔ منکہ مسماۃ بھاگو زوجہ جہان خاں صاحب قوم راجپوت پیشہ زمیندارہ عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۶ء ساکن صالح نگر ڈاکخانہ کا گاؤں ضلع آگرہ صوبہ یو۔پی بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۳ ۔ ۳ ۔ ۴۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرے پاس اسوقت از قسم زیور صرف ایک عدد ہنسلی نقرئی ہے جو وزنی ۵۶ تولے ہے جو ایک روپیہ آٹھ آنہ تولہ کے حساب سے اسکی قیمت ۸۴/۔ روپے ہے۔ ایک عدد مکان جسکی قیمت ۱۰۰/۔ روپے ہے۔ کل رقم ۱۸۴/۔ ہوتی ہے جسکے ۱/۱۰ حصہ کی قیمت ۱۸/۶/۔ ہوتی ہے۔ جو میں اپنی زندگی میں ادا کر دونگی۔ اگر اس کا کچھ حصہ ادا نہ کرسکوں تو میرے تین لڑکے مخلص احمدی ہیں وہ ادا کر دینگے۔ اور مبلغ چار صد روپیہ اعلان وصیت اور شرط اول ادا کر دیا ہے۔ میں اپنی جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر اسکے علاوہ بھی میرے مرنیکے بعد کوئی جائیداد ثابت ہوگی تو اسکے ۱/۱۰ حصہ پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ تحریر کنندہ سید محمد لطیف انسپکٹر بیت المال۔ الامۃ :۔ بھاگو اہلیہ جہان خاں موصیہ۔ گواہ شد :۔ عبدالرحیم ملکانہ پسر موصیہ۔ گواہ شد :۔ بشیر احمد مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ علاقہ ملکانہ +

نمبر ۴۳۶ :۔ منکہ عزیزہ بیگم زوجہ چوہدری عبدالرحمن صاحب قوم ارائیں۔ عمر ۲۲ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن بشن پور ڈاکخانہ نندا چور ضلع ہوشیار پور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ ۔ ۴۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ ۱۔ میری وفات کے وقت جسقدر میری جائیداد ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ ۲۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائیگی۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ ۱۔ دس مرلہ زمین برائے مکان جو کہ میرے والد صاحب نے مجھے دی ہے جسکی قیمت بحساب ۔/۔ [illegible] ۲۱/۲/۔ [illegible] نقرئی قیمتی ۱۲ روپے

کلپ طلائی ایک تولہ قیمتی -/۷۵ ۔ انام طلائی یک تولہ قیمتی -/۷۵ روپے ۔ منرو دیا نقرئی قیمتی -/۱۰ روپے اور حق مہر مبلغ دو صد روپیہ ۔ جو بذمہ خاوند ہے ۔ یعنی میری کل جائیداد مبلغ -/۴۳۱/۲ بنتے ہیں ۔ جسکا ۱/۱۰ حصہ مبلغ -/۴۳/۲ ہوتا ہے ۔ الامۃ ۔ عزیز بیگم موصیہ بقلم خود ۔ گواہ شد ۔ فتح محمد ہیڈ ماسٹر چک ۹۶ خسر موصیہ ۔ گواہ شد ۔ عبدالرحمن ٹرینیں کلرک سول سنٹر گورنمنٹ ہائی سکول ملتان ۔

نمبر ۴۴۷۲ ۔ منکہ حافظ قاری فتح محمد ولد چوہدری چراغ دین صاحب قوم راجپوت ٹھاکر پیشہ تعلیم قرآن عمر ۴۶ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۴ء ساکن ننگل الا تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹۲۴ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ میری اس وقت کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد نہیں ۔ البتہ میری ماہوار آمد اسوقت سولہ روپے ہے ۔ اگرچہ یہ آمد مستقل طور پر معین نہیں ۔ میں اس آمد کا ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں ادا کرتا رہونگا ۔ اگر میری آمدنی میں کمی بیشی ہوگی تو اس کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو کرتا رہونگا ۔ اسکے علاوہ وفات کے وقت اگر کوئی جائیداد میری ثابت ہو تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ العبد ۔ حافظ قاری فتح محمد غفرلہ الصمد نشان انگوٹھا ۔ گواہ شد ۔ میرزا غلام نبی چغتائی قصور ۔ گواہ شد ۔ محمد صدیق بیگ سینٹری انسپکٹر قصور ۔

نمبر ۴۴۷۳ ۔ منکہ سردار اختر زوجہ رشید احمد صاحب ارشد قوم بھٹی راجپوت ۔ عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن محلہ اراضی یعقوب شہر سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹۲۴ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں ۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے ۔ کڑے طلائی دو عدد ۵ تولہ ۔ ہار طلائی ۵ تولہ ۔ زنجیر طلائی ۱/۲ تولہ ۔ کنگنیاں ۲ عدد یکتولہ ۔ انگوٹھی طلائی ۴ عدد ۱/۲ تولہ ۔ کلپ طلائی تین عدد ۱/۲ تولہ ۔ کانٹے دو جوڑی ۳/۴ ۱ تولہ ۔ کل میزان ۱۵ تولہ ۔ نیز زر مہر مبلغ ہزار روپیہ جو کہ میرے خاوند کے ذمہ ہے ۔ کل جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں ۔ اسکے علاوہ اگر میری زندگی میں کوئی اور جائیداد ہوئی تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ اگر اپنی زندگی میں اس رقم کا کوئی حصہ ادا کر دیا تو اسقدر رقم حصہ وصیت سے منہا کر دیجائیگی ۔ اور باقی رقم کی ادائیگی کے ذمہ وار میرے وارث ہونگے اور کسی قسم کی ہیتل نہیں کر سکینگے ۔ الامۃ ۔ سردار اختر بقلم خود موصیہ ۔ گواہ شد ۔ رشید احمد ارشد خاوند موصیہ ۔ گواہ شد

نمبر ۲۰۶۸ :- سلطان احمد ولد حسین بخش صاحب قوم جٹ پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال

تاریخ بیعت ۱۹۲۱ء ساکن پیرو والی ڈاکخانہ پھگلانیں ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۰/۹/۲۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں - میری جائیداد اسوقت کوئی نہیں میری ماہوار آمد مبلغ ۱۸/- روپے ہے - میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ داخل کرتا رہونگا - اور اسکے علاوہ اگر کوئی اور جائیداد پیدا کروں یا میری آمد میں کمی بیشی ہو تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہونگا اور اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی نیز میری وفات کے بعد جسقدر میری جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہوگی اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی - العبد سلطان احمد سپاہی ۱۹۹۸۵ پلاٹون ۱۰ بی کمپنی ۱/۱۵ پنجاب رجمنٹ حال کاکول ضلع ہزارہ -

گواہ شد :- حوالدار ظہور الدین باجوہ - گواہ شد جمعدار محمد اشرف ؛

نمبر ۲۴۰۲ :- بھاگن بی بی زوجہ شیخ دین محمد صاحب احمدی قوم شیخ عمر ۵۰ سال ساکن موگا ڈاکخانہ خاص ضلع فیروزپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱/۲۲/۳۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں - میری جائیداد اسوقت بالیاں نقرئی وزنی ۱/۲ تولہ قیمتی ۱/۱۰/- مہر بذمہ خاوند مبلغ ۲۲/۶/۰ - کل ۲۴/۰/- روپے لیکن چونکہ عورت کی وصیت کا معیار کم از کم یکصد روپیہ کی مالیت ہے اسلئے میں یکصد روپیہ کی مالیت کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں - یہ کمی میں اپنے بچوں سے لیکر پوری کرتی ہوں - اور یکصد روپیہ کے ۱/۱۰ حصہ یعنی ۱۰/- روپے نقد ادا کرتی ہوں - اسکے علاوہ اگر بوقت وفات میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی اور اگر مجھے اپنی زندگی میں کسی قسم کی آمد ہوئی تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی ادائیگی کرتی رہونگی - الامتہ بھاگن بی بی زوجہ شیخ دین محمد احمدی موگا - گواہ شد :- شیخ لعل محمد احمدی پسر موصیہ وکاتب وصیت - گواہ شد :- نشان انگوٹھا شیخ دین محمد خاوند موصیہ - گواہ شد :- محمد بشیر بھٹی زیرہ ؛

نمبر ۲۰۹۵ :- شیخ عبد الحمید ولد مولوی وزیر الدین احمد صاحب مرحوم قوم صدیقی پیشہ ملازمت عمر ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن موضع جگاؤں ڈاکخانہ پورینی ضلع بھاگلپور صوبہ بہار بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۴/۲/۳۰ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں - میری اسوقت جو کچھ جائیداد ہے وہ ہم چار بھائیوں اور دو بہنوں میں مشترکہ ہے جسکی تفصیل کا مجھے اسوقت علم نہیں لیکن میرا

کی ہے اس جائیداد میں مجھ کو ہی شامل ہونا ہے جو مشترکہ ہے چونکہ میں اپنے والد صاحب کے ساتھ مکمل شامل ہوں کرکے تقریباً ۔/۲۴۰ روپیہ ہے جس میں مستقل مشاہرہ ۔/۲۰ روپیہ ہے میں اپنی جائیداد موجودہ کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ جو کہ میں تا زیست ہر ماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اسکے علاوہ میرے مرنے پر جو جائیداد ثابت ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں حصہ جائیداد کی قیمت صدر انجمن احمدیہ قادیان کے خزانہ میں داخل کرکر رسید حاصل کرلوں تو وہ حصہ وصیت کو منہا کر دیا جائیگی۔ العبد ۔ عبدالمجید موصی بقلم خود ۔ گواہ شد ۔ بشیر احمد چغتائی نائب امیر جمشید پور۔ گواہ شد ۔ علی ابن عبدالقادر ۔

نمبر ۹۴۶۷ ۔ میں مسماۃ جلال بیگم بیوہ میاں نظام الدین صاحب قوم اعوان عمر ۹۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن قادیان دارالرحمت بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹ جنوری حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد اور بروئے فیصلہ محکمہ قضا قادیان بروئے تقسیم میرے حصہ میں آئی ہے حسب ذیل ہے۔ (۱) مکان پختہ دو منزلہ واقع محلہ دارالرحمت جس میں سے بالاخانہ سالم اور نچلی منزل سے صحن معہ درختان و کمرہ مشرقی میرے اور میری دختر احمدی میرے پسر ہر دو نابالغان کے حصہ میں آچکا ہوا ہے جس کی قضا میں موجود ہے۔ ایک دکان معہ برآمدہ معہ بالاخانہ واقع آبادی قادیان متصل مکان ہذا جو میرے اور لڑکا اور لڑکی ہر دو نابالغان کے حصہ میں آچکا ہوا ہے مسل قضا میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ میری جائیداد منقولہ مبلغ ۔/۲۰۰ روپیہ میرا حق مہر ہے جس میں سے ۔/۲۳۰ روپیہ واجب الوصول ہے۔ اسکے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں ہے میں مذکورہ بالا جائیداد کے ۱/۹ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر اسکے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہونگی۔ میں محنت مشقت کرکے اپنا اور بال بچوں کا گزارہ کرتی ہوں جو تقریباً نو روپے ماہوار ہوتی ہے جس کی ۱/۹ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اسکے علاوہ اگر میری وفات پر کوئی اور جائیداد پائی جاوے تو اسکے بھی ۱/۹ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں جائیداد کی وصیت میں سے ادا کر دوں اور خزانہ کی رسید دکھا دوں تو اتنی رقم وصیت میں سے منہا سمجھی جائیگی۔ نشان انگوٹھا ۔ جلال بیگم موصیہ ۔ گواہ شد ۔ علی محمد بھائی دروغہ مہمان خانہ ۔ گواہ شد ۔ عنایت اللہ خان عفی عنہ ۔ گواہ شد ۔ لعل خان بھرتی مشیر قانونی ۔

نمبر [illegible] مسکہ اللہ بخش ولد چوہدری غلام قادر صاحب قوم راجپوت پیشہ
کاشتکاری عمر ۴۰ سال پیدائشی احمدی ساکن شکار ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس
بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت جائیداد آجکل کے نرخ
کے مطابق قریباً دو ہزار روپیہ کی بصورت زمین رہن و بیع ہے۔ یعنی ملکیت و رہن جو میرے
لی ہوئی ہے۔ اسکی میں ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اسکے علاوہ چندہ
کا بھی باقاعدہ ادا کرتا ہوں۔ اسکی آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی وصیت کرتا ہوں نیز حضرت اقدس ایدہ اللہ
کی طرف سے مجھے مبلغ [illegible] روپیہ ماہوار مدرسہ تحریک جدید شکار سے منظور ہوئے ہیں انکی بھی ۱/۱۰ حصہ کی
وصیت کرتا ہوں۔ جو ہر ماہ ادا ہوا کریگی۔ مبلغ دو ہزار کا حصہ جائیداد مبلغ دو سو روپیہ قسط وار
ادا کر دونگا۔ اگر میری کوئی جائیداد اسکے علاوہ ثابت ہو یا خدا تعالیٰ مجھے دیدے تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی
وصیت ادا کر دونگا اور صدر انجمن احمدیہ کو اختیار ہوگا کہ اگر میں اپنی جائیداد کا حصہ مد وصیت
اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا تو بعد میرے مرنے کے میری جائیداد سے وصول کر لے نیز میری وفات
پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد اللہ بخش موصی شکار۔
گواہ شد دین محمد موصی پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ شکار۔ گواہ شد۔ گواہ شد فضل دین زرگر شکار۔
گواہ شد بشیر محمد مدرس مدرسہ تحریک جدید شکار۔

نمبر ۷۴۴۷ مسکہ دین محمد ولد جہنڈے خاں قوم راجپوت پیشہ کاشتکاری عمر [illegible] سال
تاریخ بیعت ۱۹۱۱ء ساکن شکار ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ
آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت جائیداد غیر منقولہ مبلغ ۵۰۰ کی ہے جو
میری ملکیت ہے۔ اور پانصد روپیہ کی رجسٹری عبد الرحیم صاحب والی میرے پاس رہن ہے اور پانصد
روپیہ کی اور زمین میرے پاس رہن ہے ایکسو ساٹھ روپیہ کی اور ایک سو بیس روپیہ کی زمین
[illegible] آج محلہ دار الرحمت قادیان ہے۔ مبلغ یکصد روپیہ بطور امانت بذمہ چوہدری خدا بخش صاحب
ساکن شکار ہے۔ مبلغ دس روپیہ اپنے پاس موجود ہیں۔ کل میزان جائیداد بصورت قیمت دو ہزار روپیہ
جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ کر دی ہے اور اقرار کرتا ہوں کہ اپنی زندگی میں [illegible]
ادا کرتا رہونگا [illegible] ۱/۱۰ حصہ ادا کیا کرونگا اگر خدانخواستہ میں اپنی زندگی میں مبلغ مذکورہ

اور مذکور نکا تصفیہ انجمن احمدیہ کو اختیار ہوگا۔ میرے ورثاء دستخط کننے میری اسوقت ...
... بچے ہیں اور ایک لڑکی ہے جو نابالغ ہیں۔ اگر کوئی اور جائیداد میری وفات پر ثابت ہو تو
اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد۔ نشان انگوٹھا دین محمد ماہی پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ
شکار۔ العبد۔ خدا بخش سیکرٹری مال شکار۔ گواہ شد۔ میلا دین شکار۔ گواہ شد۔ شیر محمد ... سیالکوٹ

نمبر ۴۷۵۲ ۔ منکہ دولت بی بی زوجہ ملک گل محمد صاحب قوم اعوان عمر ۴۲ سال
تاریخ بیعت ۱۹۲۹ء ساکن قادیان دار الامان ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا
جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۴/۳/۸ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے (۱) تعویذ
طلائی وزن دس تولہ (۲) کڑا طلائی ۲ تولہ چھ ماشہ (۳) انگوٹھیاں طلائی وزن ½ ۲ تولہ۔ (۴) چوڑیاں
طلائی وزن ۴ تولہ۔ (۵) ڈنڈیاں طلائی یکتولہ ۴ ماشہ (۶) سونا ۳ ماشہ ۵ رتی (۷) چاندی ۱۵ تولہ۔
مہر اسمیں شامل ہے۔ اور کوئی جائیداد نہیں۔ میں اس مذکورہ بالا جائیداد کے دسویں حصہ کی وصیت
بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میری وفات پر اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو
تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامتہ۔ دولت بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ ملک گل محمد خاوند
موصیہ۔ گواہ شد۔ محمد اسمٰعیل خان قادیان ◆

نمبر ۴۷۵۳ ۔ منکہ خورشید احمد خاں ولد احمد حسن خاں قوم راجپوت پیشہ تجارت عمر
تقریباً ۴۰ سال تاریخ بیعت فروری ۱۹۳۸ء ساکن دھوری ڈاکخانہ خاص ضلع بسی ریاست پٹیالہ
بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۴/۳/۱۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری مقبوضہ
جائیداد ایک مکان واقعہ منڈی دھوری ریاست پٹیالہ ہے جسکی قیمت اندازاً -/۱۲۰۰ روپے۔ اس کے
۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اسوقت میں کاروبار تجارت کرتا ہوں
جسکی اندازاً آمد فی مبلغ لعہ روپیہ ماہوار ہے۔ اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت انشاء اللہ ادا کرتا
رہونگا۔ آمد کے کم و بیش ہونیکی اطلاع سیکرٹری بہشتی مقبرہ کو دیتا رہونگا۔ حصہ وصیت جائداد
مبلغ -/۱۲۰ روپے میں سے ... اسوقت ادا کرتا ہوں۔ اور بقایا ... روپے انشاء اللہ اپنی زندگی
میں ادا کرنیکا وعدہ کرتا ہوں۔ اور میرے مرنیکے بعد علاوہ اس مکان کے جو بھی میری جائیداد ثابت
ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میرے ورثاء چونکہ تمام غیر احمدی ہیں

اسلئے میرے مرنیکے بعد اگر کوئی متنازعہ کیں تو صدر انجمن احمدیہ قانونی کاروائی کرکے وصول کر سکتی ہے۔ العبد۔ خورشید احمد خاں موصی دھوری ریاست پٹیالہ۔ گواہ شد۔ شیخ عبدالغنی سیکرٹری مال جماعت احمدیہ دھوری۔ گواہ شد۔ شیخ صدیق احمد دھوری ؛

نمبر ۴۵۲ :۔ منکہ اُمِّ مسعود امجد زوجہ محمود امجد خاں صاحب جنجوعہ قوم جنجوعہ عمر قریباً ۵۰ سال۔ تاریخ بیعت ۱۹۳۶ء ساکن ڈنگہ حال سرگودھا۔ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائداد کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے ۔ میں اسکے دسویں حصے کی وصیت کرتی ہوں۔ میرے مرنیکے بعد اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اسکے دسویں حصہ کے وصول کرنیکی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان حقدار ہوگی۔ میں نے حق مہر اپنے خاوند سے وصول کر لیا ہوا ہے۔ الامۃ :۔ ام مسعود امجد موصیہ۔ گواہ شد۔ محمد اشرف خاں جنجوعہ ڈنگہ حال سرگودھا۔ گواہ شد۔ محمد صادق جنجوعہ ڈنگہ حال سرگودھا۔ گواہ شد۔ محمود امجد خاں جنجوعہ بیرسٹر سرگودھا خاوند موصیہ ؛

نمبر ۴۷ :۔ منکہ حشمت بی بی زوجہ مستری محمد عبداللہ صاحب قوم راجپوت عمر ۳۵ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالرحمت ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد میرا مہر مبلغ چارصد روپیہ ہے اور مبلغ یکصد روپیہ کا زیور تھا جو میرے خسر نے اپنے اخراجات میں خرچ کر لیا ہے ان کے ذمہ ہے۔ اسلئے میری کل جائیداد پانچصد روپیہ ہوئی۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اسپر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامۃ :۔ حشمت بی بی موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد :۔ عطار محمد حمید کلرک صدر انجمن احمدیہ گواہ شد۔ مستری علیم اللہ خسر موصیہ ؛

نمبر ۴۵ :۔ منکہ امینہ بی بی بیوہ چوہدری محمد خاں صاحب چیمہ قوم چیمہ عمر ۲۵ سال پیدائشی احمدی ساکن حافظ آباد ڈاکخانہ خاص ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرا حق مہر جو مبلغ ۲۲/- روپیہ تھا اپنے خاوند سے وصول کر چکی ہوں اسوقت میری کوئی جائداد منقولہ و غیر منقولہ سوائے مبلغ تین صد روپیہ کے کچھ نہیں۔ میں اپنا پیسہ کے

۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر میرے مرنے کے وقت میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ پر یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد۔ سائیں [illegible] موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ چوہدری عنایت اللہ خان چک [illegible] لائل پور۔ گواہ شد:۔ سید عنایت حسین چک [illegible]

نمبر ۴۵۷ :۔ منکہ امۃ القدیر بنت عبد الغفور صاحب قوم احمدی عمر ۱۵ سال پیدائشی احمدی ساکن سنور ریاست پٹیالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں تفصیل جائداد حسب ذیل ہے۔ کانٹے طلائی یکتولہ۔ انگوٹھیاں ۹ ماشہ پہنچیاں [illegible] ماشہ کل وزن دو تولہ ایک ماشہ قیمتی [illegible] مشین سنگر سیکنڈ ہینڈ [illegible] کل [illegible] مندرجہ بالا جائیداد منقولہ کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اور انشاء اللہ اپنی زندگی میں [illegible] ادا کرنے کی کوشش کرونگی۔ اگر خدا نخواستہ ادا نہ کر سکی تو صدر انجمن احمدیہ کو اختیار ہوگا کہ میری جائداد سے وصول کر لے۔ نیز یہ بھی وصیت کرتی ہوں کہ اگر میں اپنی زندگی میں اور جائداد پیدا کر لی تو اس کی اطلاع بھی صدر انجمن احمدیہ کو دیتی رہوں گی۔ نیز یہ کہ اگر مشین سے سلائی کے کچھ پیسے وصول ہوا کرینگے تو ان کا ۱/۱۰ حصہ بھی ادا کرتی رہونگی۔ انشاء اللہ نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد۔ امۃ القدیر بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد تقی امیر جماعت احمدیہ سنور۔ گواہ شد:۔ عبد الغفور احمدی والد موصیہ

نمبر ۴۵۸ :۔ منکہ اقبال بیگم زوجہ مرزا نذیر علی صاحب قوم مغل عمر ۲۵ سال تاریخ بیعت خلافت ثانیہ ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اسوقت میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ کانٹے طلائی وزن یکتولہ۔ [illegible] طلائی وزن یکتولہ۔ نقد ۵۰/- روپیہ۔ حق مہر بذمہ خاوند مبلغ ۲۲/- روپے۔ میں اس کل جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اسکے علاوہ اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی میری یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے پر جسقدر میری جائیداد [illegible] اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ اقبال بیگم موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ محمد یوسف احمدی مولوی فاضل۔ گواہ شد:۔ مرزا نذیر علی کلرک دفتر مقبرہ بہشتی [illegible]

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ریویو آف ریلیجنز
(ماہنامہ اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳ | ماہ شعبان ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۴ء | عدد ۸

فہرست مضامین

پیغامی تحریک

(از جناب سید احمد علی صاحب سیالکوٹی مولوی فاضل)

ا۔ مسئلہ نبوّت!

جماعت احمدیہ اور اہل پیغام کے درمیان جو اختلافات ہیں ان میں سے "مسئلہ نبوت" کی نسبت مولوی محمد علی صاحب جو اہل پیغام کے لیڈر اور "پریذیڈنٹ" ہیں، لکھتے ہیں کہ:۔

"ہمارے درمیان جو اختلافِ مسائل ہے۔ اس کی اصل جڑھ مسئلہ نبوت ہے۔"
(ٹریکٹ ۳ مئی ۱۹۱۵ء)

اس بارہ میں میں غیر مبایعین کا اختلاف کے بعد کا عقیدہ پیش کرتا ہوں۔ مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں:۔

"دوئم جو شخص اس امت میں سے دعویٰ نبوت کرے وہ کذاب ہے۔ سوئم نبوت تشریعی اور غیر تشریعی یکساں بند ہیں۔" (النبوۃ فی الاسلام ص۱۱۵ مطبوعہ ۱۹۱۵ء)

مگر ہمارا یعنی جماعت احمدیہ کا اعتقاد یہ ہے کہ مسئلہ نبوت کے بارہ میں غیر مبایعین نے مارچ ۱۹۱۴ء کے بعد اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر لی ہے۔ اور اس سے قبل جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات سے بھی ثابت ہے، اکابر غیر مبایعین وہی کچھ مانتے رہے، جو ہم اب تک مان رہے ہیں۔ فرق صرف یہ کہ ہم تو مارچ ۱۹۱۴ء کے بعد بھی انہی عقائد پر قائم رہے جو پہلے تھے، مگر غیر مبایعین ان سے پھر گئے ہیں۔

(الف) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمان دربارہ نبوّت:۔

قرآن سے استدلال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ خدا اور اسکے رسولؐ کی طرف سے حَکَم وعدل قرار دیا گیا ہے، اس لئے آپؑ کے ماننے والوں کے مابین ہر اختلافی مسئلہ میں حضورؑ کا فرمان ہی فیصلہ کن امر ہو سکتا ہے۔ سو حضرتؑ فرماتے ہیں:۔

(۱) "سنت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا پھر یہ کیا بات ہے، کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبتناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اے غافلو! تلاش تو کرو۔ شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہو جس کی تم تکذیب کر رہے ہو"

(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۹ مرقومہ ۱۹۰۶ء)

(۲) "اس آیۃ میں صور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے۔ کیونکہ خدا کے نبی اس کی صور ہوتے ہیں" (چشمۂ معرفت صفحہ ۷۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

(۳) "یہ آیت (وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ ناقل) آخری زمانہ میں **ایک نبی** کے ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے۔ ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ایسے لوگوں کا نام **اصحاب رسول اللہ** رکھا جائے، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہونے والے تھے۔ جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۷ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

ان تینوں حوالوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید سے مسیح موعود کے نبی و رسول ہونے کا ثبوت پیش فرمایا۔ اور اپنے آپ کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔

صحف انبیاء و احادیث

قرآن کریم کے علاوہ صحف انبیاء اور احادیث میں بھی مسیح موعود کے نبی و رسول ہونے کی پیشگوئی کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اس طرف ہماری راہنمائی کی اور فرمایا:۔

"صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور انجیل اور دانیل اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں بھی جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے وہاں میری نسبت **نبی** کا لفظ بولا گیا ہے" (اربعین ۳ حاشیہ صفحہ ۲۵۔ ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ صفحہ ۲۴۔ جو دونوں ۱۹۰۰ء میں لکھی گئیں)

الہامات

علاوہ قرآن کریم و صحف انبیاء و احادیث کے خدا کے اس کلام کی شہادت ہے، جو مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ اس میں بھی آپ کو نبی اور رسول قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً فرماتے ہیں:۔

(۱) "عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو جو الہام ہوا ہے، اکثر دفعہ ان میں **رسول** یا **نبی** کا لفظ آ گیا ہے۔ جیسا کہ یہ الہام ہُوا هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى

ودین الحق .... اور جیسا کہ یہ الہام ہوا جری اللہ فی حلل الانبیاء اور جیسا کہ الہام ہوا دُنیا میں ایک نبی آیا مگر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا۔ ایسے ہی بہت سے الہام ہیں جن میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے۔" (خط حضرت اقدس مندرجہ الحکم ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء ص۷)

(۲) ۸ فروری ۱۹۰۶ء کو الہام ہوا "زمین کہتی ہے یا نبی اللہ کنت لا اعرفک اے اللہ کے نبی میں تجھے نہیں پہچانتی تھی" (اخبار بدر ۹ فروری ۱۹۰۶ء ص۲ وحقیقۃ الوحی ص۸۹)

(۳) جلسہ سالانہ ۱۹۰۷ء کے ایام میں جبکہ بعض مہمان بھوکے رہ گئے تھے حضور کو الہام ہوا:۔

"یایھا النبی اطعموا الجائع والمعتر۔ اے نبی بھوکوں اور سوالیوں کو کھانا کھلاؤ" (اخبار بدر ۹ جنوری ۱۹۰۸ء ص۱)

اپنی تحریرات

قرآن کریم، صحف انبیاء، احادیث اور اپنے الہامات کے بعد حضور کی تحریرات سے بھی ثابت ہے کہ آپ نبی و رسول تھے۔ فرماتے ہیں:۔

(۱) "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں" (اخبار بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء ص۲)

(۲) "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں، اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو میں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں اُس وقت تک جو اس دُنیا سے گذر جاؤں" (خط بنام اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء از اخبار بدر ۱۱ جون ۱۹۰۸ء ص۱)

پھر اسی برس نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے کہ میں اس کی طرف سے ہوں اس قدر نشان دکھلائے ہیں کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو ان کی بھی ان سے نبوت ثابت ہو سکتی ہے" (چشمہ معرفت ص۳۱۷ مطبوعہ ۱۹۰۸ء)

مگر افسوس! کہ اہلِ پیغام کے نزدیک اِس قدر نشانات کے باوجود حضور کی اپنی نبوت ان سے ثابت نہیں ہوتی۔ تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ

ازالۂ شبہ

غیر مبایعین مغالطہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض ایسی عبارتیں پیش کیا کرتے ہیں کہ جن میں حضور نے نبوت سے انکار کیا ہے۔ سو اس کے لئے حضور کا اپنا یہ جواب یاد رکھنا چاہئے۔ جو کہ دونوں قسم کی تحریرات میں تطبیق

دینے والا ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے، صرف ان معنوں سے کیا ہے کہ میں مستقل طور پر کوئی شریعت لانیوالا نہیں ہوں اور نہ میں مستقل طور پر نبی ہوں۔ مگر ان معنوں سے کہ میں نے اپنے رسول مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لئے اس کا نام پا کر اس کے واسطے سے خدا کی طرف سے علم غیب پایا ہے، رسول اور نبی ہوں مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔ اس طور کا نبی کہلانے سے میں نے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔ سو اب بھی میں ان معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا۔" (ایک غلطی کا ازالہ نومبر ۱۹۰۱ء)

حضور کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ نبی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ (۱) صاحب شریعت نبی جیسے موسےٰ علیہ السلام (۲) مستقل نبی جو بغیر شریعت کے آتے ہیں اور بغیر کسی نبی کی اتباع کے مقام نبوت ان کو دیا جاتا ہے جیسے حضرت ہارونؑ وغیرہ۔ (۳) اور تیسرے وہ جو کسی نبی کی طفیل و فیض سے مقام نبوت پائیں۔ یعنی اُمتی نبی۔

اور چونکہ ایسے فیض عام والے کامل نبی دُنیا میں صرف خاتم النبیین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہوئے ہیں اس لئے اس تیسری قسم کی نبوت صرف آپ کی اُمت میں حضرت مسیح موعودؑ کو حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ خاتم النبیین کے معنے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں یہ ہیں کہ :۔

خاتم النبیینؐ کے معنی!

"آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ روحانی **نبی تراش** ہے۔ اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی۔"

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۷ مطبوعہ ۱۹۰۷ء)

مولوی محمد علی صاحب کا سابقہ و موجودہ عقیدہ

ان تصریحات کے بعد مناسب ہے جو یہ بھی بتا دیا جائے کہ یہی چیز غیر مبایعین کے اکابر بھی مانتے تھے۔ چنانچہ جناب مولوی محمد علی صاحب اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ :۔

(۱) اگر خدا وہ مدارج جو منعم علیہ لوگوں کو ملے کسی دوسرے کو دے سکتا ہی نہ تھا۔ تو پھر ہمیں یہ دُعا سکھلانے کے کیا معنی؟ مخالف خواہ کوئی ہی معنے کرے مگر ہم تو اسی بات

پر قائم ہیں کہ خدا نبی پیدا کر سکتا ہے۔ صدیق بنا سکتا اور شہید اور صالح کا مرتبہ عطا کر سکتا ہے۔ مگر چاہیئے مانگنے والا۔" (اخبار الحکم ۱۰ر جولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

(۲) ۱۳ر مئی ۱۹۰۴ء کو مولوی محمد علی صاحب نے عدالت میں یہ حلفیہ بیان دیا کہ:۔

"مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہے۔"

(۳) پھر ۱۶ر جون ۱۹۰۴ء کو بیان میں حلفاً کہا کہ:۔

"مرزا صاحب دعویٰ نبوت کا اپنی تصانیف میں کرتے ہیں۔ یہ دعویٰ نبوت اس قسم کا ہے کہ میں نبی ہوں لیکن کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔ ایسے مدعی کا مکذب قرآن شریف کی رُو سے کذاب ہے۔"

مگر افسوس! کہ مارچ ۱۹۱۴ء کے بعد یہی مولوی صاحب اپنے قلم سے تحریر کرتے ہیں کہ "جو شخص اس اُمت میں سے دعوئے نبوت کرے وہ کذاب ہے۔ سوم نبوت تشریعی اور غیر تشریعی یکساں بند ہیں۔" (النبوۃ فی الاسلام صفحہ ۱۱۵)

ان تمام بیانات سے ظاہر ہے کہ ۱۹۰۸ء تک جو عقیدہ جماعت احمدیہ کا نبوت کے بارہ میں تھا غیر مبایع تو اس سے انحراف کر گئے ہیں مگر ہم اس پر قائم ہیں۔

۲۔ کفر منکرین کا مسئلہ

مسئلہ نبوت کے بعد جناب مولوی محمد علی صاحب فرماتے ہیں:۔

"اسی مسئلہ نبوت پر مسئلہ تکفیر اہل قبلہ کی بھی بنیاد ہے۔" (دیباچہ النبوۃ فی الاسلام مطبوعہ ۱۹۱۵ء)

سو جب قرآن کریم، صحف انبیاء، احادیث، الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور تحریرات حضرت اقدس کے علاوہ مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نبی و رسول ہونا ثابت ہو گیا تو لازماً یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ آپ کے منکرین یقیناً اسی طرح کافر ہیں جیسے پہلے نبیوں کے منکر کافر ہیں۔ تاہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فیصلہ بھی پیش کر دیا جاتا ہے۔

الہامات:۔ سب سے پہلے تو اس بارہ میں خدائی فیصلہ ہے۔ کہ آپ کے الہامات میں منکرین کو کافر کہہ کے پکارا گیا ہے۔ مثلاً:۔

(۱) "وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامة" (الاستفتاء عربی صـ۳۰)

(۲) "قل جاءکم نور من اللہ فلا تکفروا" (ایضاً صـ۱۸)

(۳) "قل یایها الکفار انی من الصادقین" (ایضاً صـ۲۳)

اِن الہامات میں آپؑ کے منکرین کو کافر کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

تحریرات :۔ پھر تحریرات حضرتؑ کی بھی ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں :۔

(۱) "خیر الرسلؐ کی روحانیت نے اپنے ظہور کے کمال کے لئے اور اپنے نور کے غلبہ کے لئے ایک مظہر اختیار کیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کتاب مبین میں وعدہ فرمایا تھا۔ پس مَیں وہی مظہر ہوں۔ پس ایمان لاؤ اور کافروں میں سے مت ہو۔" (خطبہ الہامیہ صـ۱۷۷/۱۷۸ مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

(۲) پھر آئینہ کمالاتِ اسلام مطبوعہ ۱۸۹۳ء (صـ۲۵۶) میں تو فرماتے ہیں کہ :۔
"مَیں جانتا تھا کہ مسلمانوں سے ملاعنہ جائز نہیں۔ مگر اب مجھ کو بتلایا گیا کہ جو مسلمان کو کافر کہتا ہے اور اس کو اہلِ قبلہ اور کلمہ گو اور عقاید اسلام کا معتقد پاکر پھر بھی کافر کہنے سے باز نہیں آتا وہ خود دائرہ اسلام سے خارج ہے۔"

اور دوسری طرف حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے صـ۱۶۳ کی عبارت کو پڑھیں۔ فرمایا :۔
"یہ عجیب بات ہے کہ آپ کافر کہنے والے اور نہ ماننے والے کو دو قسم کے انسان ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ خدا کے نزدیک ایک ہی قسم ہے۔"

اِس سے ظاہر ہے کہ کفر کا فتویٰ آپؑ پر لگانے والے اور نہ ماننے والے دونوں ایک ہی قسم میں داخل ہونے کی وجہ سے خود کافر بلکہ آئینہ کمالاتِ اسلام کے رُو سے "دائرہ اسلام سے خارج" ہیں۔

(۳) پھر ایک خط میں ۷ دسمبر ۱۹۰۱ء کو تحریر فرماتے ہیں کہ :۔
"**مسیح موعود کا آنا** جو بغیر قید نزول کے ہے وہ ضرور **ایمانیات میں داخل ہے**۔ کیونکہ نہ وہ محض حدیث سے بلکہ قرآن سے ثابت ہے۔ اس لئے **اسکا انکار کفر ہے**۔ **اور جو شخص اِس اُمّت کے آخری مسیح کا منکر ہے وہ قرآن کا منکر ہے**۔ اور گو بیٹے کا آنا ان سے حقیقت اسلام سے کچھ تعلق نہیں رکھتا مگر اِس اُمّت میں سے آخری زمانہ میں ایک مسیح خاتم الخلفاء پیدا ہونا اسلام

سے تعلق رکھتا ہے۔ بلکہ جزو اسلام کا ہے۔ کیونکہ اس کے انکار سے سورہ نور کا تمام بیان باطل ٹھہرتا ہے۔" (اخبار الحکم ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۱ء صہ۔ یہ ورق ونکال ۷ار دسمبر کے پرچہ میں ہے)

اس عبارت میں صاف طور پر مسیح موعود کے انکار کو کفر قرار دیا گیا ہے۔

(۴) پھر ایک شخص کے اعتراض کے جواب میں ۱۹۰۳ء میں حضور تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"رہی یہ بات کہ ایسا شخص جو نماز پڑھتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے۔ وہ مسیح موعود کے نہ ماننے سے ایماندار رہے یا کافر؟ اس کا جواب یہی ہے کہ خدا کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی نہ ماننا **موجب کفر ہے**۔ ۔ ۔ ۔ ۔ **اسی طرح مسیح موعود سے انکار کرنا اس وجہ سے کفر ہے** کہ اس میں خدا اور رسول کے وعدہ اور متواتر پیشگوئی سے انکار ہے۔" (البدر ۲۶ جون ۱۹۰۳ء صلہ)

(۵) ۱۹۰۶ء میں ڈاکٹر عبدالحکیم خاں مرتد پٹیالوی کو تحریر فرمایا کہ:۔

"خدا تعالےٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے، کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا ہے **وہ مسلمان نہیں ہے** اور خدا کے نزدیک قابل مؤاخذہ ہے۔" (الذکر الحکیم ۴ ص۲۳ نیز حقیقۃ الوحی ص۱۶۳)

(۶) حقیقۃ الوحی مطبوعہ ۱۹۰۷ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ ایک شریعت کا مسئلہ ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا آخر کافر ہو جاتا ہے۔ پھر جبکہ قریباً دو سو مولوی نے مجھے کافر ٹھہرایا اور میرے پر کفر کا فتویٰ لکھا گیا۔ اور انہیں کے فتویٰ سے یہ بات ثابت ہے کہ مومن کو کافر کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور کافر کو مومن کہنے والا بھی کافر ہو جاتا ہے۔ تو اب اس بات کا سہل علاج ہے کہ اگر دوسرے لوگوں میں تخم دیانت اور ایمان ہے اور وہ منافق نہیں ہیں تو ان کو چاہئیے کہ ان مولویوں کے بارہ میں ایک لمبا اشتہار ہر ایک مولوی کے نام کی تصریح سے شائع کر دیں کہ یہ سب کافر ہیں کیونکہ انہوں نے ایک مسلمان کو کافر بنایا۔ تب میں ان کو مسلمان سمجھ لوں گا بشرطیکہ ان میں کوئی نفاق کا شبہ نہ پایا جائے۔ اور خدا کے کھلے کھلے معجزات کے مکذب نہ ہوں۔" (ص۱۶۴ [illegible])

یہ حوالہ نہایت واضح، صاف اور فیصلہ کن ہے۔ پس جب تک غیر احمدی لوگ حضرت پر فتوے دینے والوں کے کفر کا اشتہار نہ دیدیں تب تک حضور ان کو ہرگز مسلمان نہیں سمجھتے۔ یہ سہل علاج حضور نے بارہا الحکم اور بدر اخبار میں بھی پیش کیا ہے۔ مگر آج تک اس طریق کو کسی نے اختیار نہیں کیا اور

نہ اہلِ پیغام ہی غیر احمدیوں سے ایسا اشتہار دلوا سکے ہیں، جو اُن کے مسلمان ہونے پر بڑا زور دیتے اور نہ آئندہ ایسا اشتہار دلوا سکیں گے۔

جماعت کا عقیدہ :۔

گو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کے بعد جماعت کے کسی آدمی کی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی، تاہم اس امر کے صاف کرنے کے لئے کہ ان تحریرات سے جماعت بھی یہی سمجھتی تھی کہ آپ کے منکر کافر ہیں۔ ذیل میں چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ (۱) حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"اگر اسرائیلی مسیح رسول کا منکر کافر ہے تو محمدی مسیح رسول کا منکر کیوں کافر نہیں" (الحکم ۲ مارچ ۱۹۰۸ء)

(۲) حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کی نسبت ان کی وفات پر جو مرثیہ کہا گیا جسے حضرت مسیح موعودؑ نے پسند فرمایا اس میں لکھا ہے کہ ؎

مسیحا کو جو مانے اسکو وہ مومن سمجھتا تھا • مسیحائی کا منکر شخص نزدیک اسکے کافر تھا

(اخبار الحکم ۱۰ جنوری ۱۹۰۶ء صلا۔ بدر ۹ مارچ ۱۹۰۶ء صک)

(۳) اخبار بدر مورخہ ۹ مارچ ۱۹۰۶ء صک پر یہ سوال کیا گیا کہ:۔

"حضرت مرزا صاحبؑ کو مسیح موعود نہ ماننے والے کو کافر کہنا چاہیئے؟"

جواباً صک پر شائع ہوا کہ:۔

"خدا تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا شرائطِ اسلام میں داخل ہے۔ ایک شخص آدمؑ سے لیکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک سب پر ایمان لاتا ہے، درمیان میں سے ایک رسول کو بالفرض مسیح ابن مریمؑ ہی کو نہیں مانتا۔ کہتا ہے وہ تو کافر تھا۔ بتلاؤ وہ شخص یہودی کہلائے گا یا مسلمان۔ حضرت مرزا صاحبؑ بھی اللہ تعالیٰ کے **رسولوں** میں سے ایک **رسول** ہیں۔ جو خدا کے رسولوں میں سے ایک کا انکار کرتا ہے اُس کا کیا حشر ہوگا آپ ہی بتلایئے مگر انصاف شرط ہے۔"

(۴) حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"مرزا صاحبؑ کے نہ ماننے والے ہمارے نزدیک بلکہ کل اہلِ اسلام کے نزدیک **کافر** ہیں..... حضرت کو نعوذ باللہ کافر سمجھتے ہیں۔ مومن کو کافر کہنے والا خود کافر ہے حضرت مرزا صاحبؑ نبی اللہ ہیں اور نبی کا منکر کافر ہے۔ بالاتفاق" (الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء صلا)

(۵) الحکم ۱۳ جنوری ۱۹۰۶ء صلا پر بھی ایسا ہی مضمون موجود ہے۔

ان حوالوں میں اور بھی کئی دلائل سے حضورؑ کے منکروں کو کافر ثابت کیا گیا ہو مگر اختصاراً اتنا ہی

نقل کر دینا مناسب ہے۔

عام مسلمانوں کا عقیدہ:-

علاوہ ازیں عام مسلمانوں کا بھی عقیدہ ہے کہ آنے والے مسیح موعودؑ اور مہدی معہود کا منکر کافر ہے۔ حدیث میں لکھا ہے:۔ "قال رسول اللہ صلعم من کذب بالمھدی فقد کفر"۔ (حجج الکرامۃ صفحہ ۲۵۱) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ امام مہدی علیہ السلام کا مکذب یقیناً کافر ہے۔

الغرض قرآن، حدیث، الہامات و تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور صحابہؓ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیانات کے رُو سے امام مہدی مسیح موعودؑ نبی اللہ کا منکر یقیناً کافر ہے مگر باوجود ان تصریحات کے اہلِ پیغام غیر احمدیوں کے ایمان و اسلام پر زور دیئے چلے جا رہے ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

۳۔ مسئلہ خلافت

(۱) چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی اور رسول ہیں۔ اور آنحضرت صلعم کا یہ صاف ارشاد ہے:۔ "ماکانت نبوۃ قط الا تبعھا خلافۃ" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹) کہ کبھی کوئی نبوت ایسی نہیں ہوئی جس کے بعد خلافت نہ ہوئی ہو۔ اس لئے حضورؑ کے بعد بھی خلافت کا سلسلہ لازمی تھا۔ اور آنحضرت صلعم کا یہ فرمان مسئلہ خلافت کے ثبوت کے لئے کافی دلیل ہے۔

(۲) یہی نہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی فرما چکے ہیں:۔

(الف) "خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اُس کو دُور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔" (الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۹)

(ب) "جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دُنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے، مگر خدا کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔"

(الحکم ۱۴ر اپریل ۱۹۰۸ء صفحہ ۲)

یہ دونوں حوالے اس وجہ سے کہ حضرت مسیح موعودؑ بھی نبی اللہ ہیں آپؑ کے بعد خلافت

کے قیام کی زبردست دلیل اور پیشگوئی ہیں۔

(ج) پھر حضورؑ نے ازروئے احادیث یہ پیشگوئی بھی فرما دی کہ:۔

"فیثبت ان المسیح الموعود او احدٌ من خلفائہٖ یسافر من ارض و ینزل بدمشق فی وقت من الاوقات"

(تحفہ بغداد صٓ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

(د) اور پھر فرمایا:۔

"قد اشیر فی بعض الاحادیث انّ المسیح الموعود والدجّال المعہود مظہران فی البلاد المشرقیۃ یعنی فی ملک الھند۔ ثم یسافر المسیح الموعود او خلیفۃ من خلفآئہٖ الی ارض دمشق" (حمامۃ البشریٰ صٓ مطبوعہ ۱۸۹۴ء)

اِن دونوں عبارتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مسیح موعودؑ یا آپؑ کے خلیفوں میں سے کوئی خلیفہ سفر کرتا ہوا دمشق بھی جائے گا۔

کیا اِس سے واضح نہیں ہو جاتا کہ آپؑ کے بعد بھی یکے بعد دیگرے خلفاء ہوں گے اور ایک وہ خلیفہ ہوگا جو دمشق بھی کسی موقعہ پہ جائے گا۔

(ھ) پھر اپنی وفات سے قبل جماعت کے لئے جو "وصیت" شائع فرمائی۔ اس میں بھی صاف طور پر فرمایا کہ:۔

"یہ سنّت اللہ ہے کہ خدا تعالیٰ دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔ اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے ۔۔۔۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے ۔۔۔۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی ۔۔۔۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا ۔۔۔۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا ۔۔۔۔ ایسا ہی حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا ۔۔۔۔ سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے ۔۔۔۔ سو اب ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت کو ترک کر دیوے ۔۔۔۔ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری

ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دیگا۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی ..... میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں۔ اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے" (رسالہ الوصیت مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

یہ "وصیت" "حکم وعدل مسیح موعودؑ کی" "وصیت" کتنی واضح اور صاف ہے کہ خدا تعالےٰ دو قدرتیں ظاہر کرتا ہے۔ ایک انبیاءؑ کی اور دوسری خلفاء کی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰؑ، حضرت نبی کریمؐ، حضرت عیسےٰؑ اور میں خدا تعالیٰ کی مجسم قدرت ہیں۔ اسی طرح یوشع بن نون، ابو بکرؓ اور حضرت عیسیٰؑ کے خلفاء کی طرح میرے بعد بھی دوسری قدرت یعنی خلفاء ہوں گے۔ اور جب تک میں نہ جاؤں انکا وجود ظہور پذیر نہیں ہوسکتا۔ بہر حال اس جگہ مثالوں سے بھی بتایا گیا، کہ میرے بعد خلفاء کا یکے بعد دیگرے سلسلہ جاری ہوگا۔

۳۔ جماعت کا عمل :-

یہ تو پیشگوئیاں تھیں۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تیار کی ہوئی اور تربیت یافتہ جماعت صحابہؓ نے اس سے اور دیگر پیشگوئیوں سے کیا نتیجہ نکالا اور کیا سمجھا؟ سو وہ اس سے ظاہر ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال ہوگیا، تو صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے اس کے سیکرٹری جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے حسب ذیل اعلان اخبار بدر و الحکم میں شائع کرایا :-

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقرباء حضرت مسیح موعودؑ بہ اجازت حضرت اُم المؤمنین کل قوم نے ...... جناب حکیم نور الدین صاحب سلّمہ کو آپؑ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا۔ اور آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی" اخبار بدر ۲ رجون ۱۹۰۸ء ص ۱)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر یہ صحابہ کرام کا پہلا اجماع تھا کہ رسالہ الوصیت کے فرمان کے بموجب حضورؑ کا جانشین ایک وقت میں ایک خلیفہ ہونا چاہئے نہ کہ "انجمن" مگر اب وہی اکابر

غیر مبایعین یہ کہہ رہے ہیں کہ "ہم لوگ تو سرے سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلافت کے ہی قائل نہیں۔" (اخبار پیغام اسلام لاہور ۵ ر مارچ ۱۹۴۲ء صفحہ ۶) مگر یہ ظاہر ہے کہ دونوں فریقوں میں سے حق پر کون ہے؟

۵.۴ حقیقتِ اختلاف اور انجمن کی جانشینی کا سوال

مسئلہ نبوت کے بارہ میں مختصراً بیان کر کے ثابت کیا جا چکا ہے، کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی اور رسول ہیں اور نبی کا منکر کافر ہوتا ہے لہٰذا سابقہ ہی میں دلائل سے کفر منکرین کو ثابت کر چکا ہوں۔ اور جب حضور نبی ہوئے تو نبوت کے کاموں کی سُنّت اللہ کے مطابق تکمیل کیواسطے خلافت کا وجود ضروری تھا۔ اور اس بارہ میں بھی کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ اور حتی الوسع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصانیف سے ہی ہر بات کا ثبوت پیش کیا گیا ہے۔ تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر غیر مبایعین کے اختلاف کی بنا کیا تھی۔ اور وہ کیوں الگ ہو گئے؟

سو یاد رکھنا چاہیئے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا تینوں مسائل کے اثبات سے ثابت ہے! درحقیقت یہ اختلاف مذہبی نہ تھا۔ پہلے یہ صرف دُنیوی اختلاف تھا؛ اور بعد میں ان لوگوں نے عوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے اور اصل بات کو چھپانے کی خاطر اسے مذہبی مسائل کی لپیٹ میں لانا شروع کر دیا۔ ورنہ اصل بات یہ تھی کہ صدر انجمن احمدیہ کے بعض ممبروں کا (جو درحقیقت موجودہ اختلاف کے بانی مبانی اور لاہوری جماعت کو ٹیڑہ لگا بیٹھے ہیں۔) یہ خیال تھا کہ حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کو خلافت کا کوئی حق نہ تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحیح جانشین اور قائم مقام صدر انجمن ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں بعض ثبوت درج ذیل ہیں:۔

(الف) غیر مبایعین نے جو رسالہ "الوصیت" شائع کیا تو اگست ۱۹۱۴ء میں اس کے اوپر اپنی طرف سے بعض حواشی اور نوٹ درج کئے ہیں۔ ان میں مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں:۔

(۱) "درحقیقت سوائے اس انجمن کے اور کوئی آپ (مسیح موعود علیہ السلام ناقل) کا جانشین نہیں۔ حقیقی معنوں میں جانشین انجمن ہے۔" (صفحہ ۱۷)

(۲) "انجمن ہی خدا کے مقرر کردہ خلیفے یعنی مسیح موعود کی جانشین ہے۔" (ایضاً)

(ب) دوسری بات یہ لکھی گئی کہ:۔

"الوصیت کے رُو سے احمدیوں کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وہ بار بار بعض اشخاص کی

بیعت کیا کریں۔ ساری وصیت میں ایک لفظ بھی نہیں جو تحریروں کے لئے حضرت مسیح موعود کی بیعت کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت کو ضروری اور لازمی قرار دیتا ہو"

(رسالہ مذکور صٓ)

(ج) تیسری بات جو دوسری کے مترادف ہے۔ اور جو دوسری بات کی طرح ہی پہلی کی شاخ اور فرع ہے بیہ بتائی گئی۔ کہ (۱) "انجمن پر کسی شخص کو حاکم قرار نہیں دیا گیا" (صٓ۲۲) (۲) "کوئی شخص واحد حضرت مسیح موعودؑ کی وصیت کے مطابق انجمن کا مطاع نہیں ہو سکتا" (رسالہ مذکور صٓ۲۳)

پس اصل بنائے اختلاف تو یہ تھی، مگر جن کے دل میں یہ گندے خیالات نشوونما پا رہے تھے وہ اوّل تو اُن تازہ بتازہ اعلانات سے خوفزدہ تھے جو حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کی بیعت کے وقت کئے گئے تھے اور دوسرے خلیفۂ وقت کا خدائی رعب تھا۔ اس لئے کوشش یہ کی گئی کہ یہ بڈھا ہے چند سال صبر کرو اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ لہٰذا وہ پھوڑا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا مارچ ۱۹۱۴ء میں اس کا مواد پھوٹ کر لاہور چلا گیا۔ (ان حقائق کو مفصل دیکھنے کے لئے اہل پیغام کے ۱۹۱۳ء کے گمنام ٹریکٹ وخط پڑھئے)

اختلاف کی اس حقیقت کے بیان کرنے کے بعد اب میں بتاتا ہوں کہ آیا غیر مبایعین کی طرف سے مندرجہ بالا پیش کردہ تینوں امور کی کیا حقیقت ہے۔ اور کیا وہ قابلِ قبول نظریے ہیں؟ یا کوئی اور تو اور خود ان امور کے بانیان بھی اس کے خلاف تسلیم کر چکے ہیں۔ اور در اصل اس چیز کو مخفی رکھنے کی خاطر اعوام کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے بعد میں بعض مذہبی امور کو بنائے اختلاف بنا لیا گیا۔

(۱) سو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال پر تمام حاضر الوقت احمدیوں اور صحابیوں نے پہلا اجماع جس بات پر کیا اور جس کا سلسلہ کے اخبار بدر ۲ر جون ۱۹۰۸ء میں اعلان کیا گیا وہ غیر مبایعین کے مندرجہ بالا تینوں امور کا پورا پورا رد ہے۔ یعنی

(الف) اس وقت حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جو درخواست پیش کی گئی اس میں لکھا گیا کہ:-

"مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے متفق ہیں کہ اوّل المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے علم و تقویٰ میں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ آپ کے شعر ؎

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نوردیں بودے ✦ ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

سے ظاہر ہے۔ کے ہاتھ پر احمد کے نام پر **تمام احمدی جماعت موجودہ و نئے ممبر** بیعت کریں۔ اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا **فرمان ہمارے واسطے آیندہ ایسا ہی ہو** جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔" (بدر ۲ رجون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶)

اس درخواست کے نیچے اہلِ پیغام کے اکابرین سے ذیل کے نام بھی تھے۔ (۱) "رحمت اللہ (۲) "سید محمد احسن امروہی" (۳) "سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن لاہور" (۴) "محمد علی ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز" (۵) "خواجہ کمال الدین" (۶) "ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ" (۷) "مرزا خدا بخش" (۸) "ڈاکٹر بشارت احمد اسسٹنٹ سرجن بھیرہ" وغیرہم۔

(ب) پھر اسی اخبار بدر ۲ رجون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱ میں "خواجہ کمال الدین پلیڈر سیکرٹری انجمن احمدیہ" کی طرف سے تمام جماعتوں کے نام جو "اطلاع از جانب صدر انجمن" بھیجی گئی اس میں لکھا تھا کہ :-

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے **آپؑ کے وصایا مندرجہ الوصیت کے مطابق** حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقرباء حضرت مسیح موعود و بہ اجازت حضرت اُمّ المومنین **کل قوم** نے . . . . جناب حکیم نور الدین صاحب سلمہ کو آپؑ کا جانشین اور **خلیفہ قبول کیا**، اور آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی . . . . . یہ خط بطور اطلاع سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اِس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت **خلیفۃ المسیح والمہدی** کی خدمت بابرکت میں بذاتِ خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر **بیعت کریں**۔"

(ج) حضرت مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے بیعت سے قبل تقریر کی جس میں کھلے الفاظ میں پوچھا کہ :-

"ممکن ہے بعض باتیں جو میں منواتا ہوں وہ کسی کی مرضی کے برخلاف ہوں۔ پس اگر تم تیار ہو کہ میرا کہنا ہر امر میں مانو تو میں اسے منظور کرتا ہوں۔ تم پھر سوچ لو۔" (بدر ۲ رجون ۱۹۰۸ء صفحہ ۶ کالم ۲)

مگر اس کے جواب میں مرقوم ہے کہ :-

"اس پر سب نے بالاتفاق کہا۔ کہ ہم آپؓ کے احکام مانیں گے۔ آپؓ ہمارے امیر

بنیں اور ہمارے مسیح کے جانشین ہوں" (صہ کالم ۱)

ان تینوں حوالجات کا مطلب واضح ہے کہ اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جانشین اور "خلیفہ" ایک وقت میں ایک ہی ہو۔ اور اس وقت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ ہوں نہ کہ انجمن جانشین ہو بلکہ انجمن بھی ان کے تابع ہوگی۔ دوئم یہ کہ خلیفۂ وقت کی بیعت تمام احمدیوں پر خواہ وہ نئے ہوں یا پُرانے دوبارہ کرنا ضروری ہے۔ سوئم یہ کہ خلیفۂ وقت تمام جماعت کا "مطاع" ہوگا اور جماعت اس کی مطیع ہوگی اور "ہر امر میں "تابعدار ہوگی۔ اور لطف یہ کہ سب امور" رسالہ الوصیت کیمطابق" قرار دیئے گئے ہیں۔ جیساکہ اعلانات سے ظاہر ہے۔ گویا صدر انجمن احمدیہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرام" کا یہ پہلا اجماع حسب اعلان رسالہ "الوصیت" کے مطابق تھا! غیر مبایعین کے بنیادی عقیدہ کی تار و پود کو اُدھیڑ رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ عقیدہ وہی صحیح اور درست ہو سکتا ہے جو کہ خدا کے مامور کے زمانہ سے قریب کے صحابہ کا اور خصوصاً اکثر صحابہ کا ہو، بلکہ صدر انجمن احمدیہ کے ممبران کی اکثریت کا ہو۔ کیونکہ بعد زمانہ سے تغیر ہونا تو فطری امر ہے، مگر یہ کہ حضور کی وفات کے معاً بعد معاذ اللہ ساری جماعت گمراہی کے راستہ پر چل پڑی تھی؟ ایسا خیال کرنے والا خود ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قوت قدسیہ پر الزام دینے والا اور شیعوں کی طرح آنحضرت صلعم پر بہتان لگانیوالوں کا حامی اور گمراہ ہے۔ اور پھر جو چیز تمام جماعت احمدیہ کے نزدیک مئی ۱۹۰۸ء میں حق و راست تھی وہ مارچ ۱۹۱۴ء میں کیونکر ناجائز ہوگئی؟ اِس سے ظاہر ہے کہ جماعت احمدیہ جہاں عقائد کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحیح عقائد پر گامزن اور قائم ہے وہاں اِس اختلافی بنیاد میں بھی حق پر قائم ہے۔ مگر غیر مبایعین اِس سے پھر گئے ہیں۔

(۲) پھر ۴ر دسمبر ۱۹۱۳ء کے اخبار "پیغام صلح" میں غیر مبایعین کے امیر مولوی محمد علی صاحب نے ایک اعلان کیا جس پر مولوی صدرالدین صاحب و سید محمد حسین شاہ صاحب ڈاکٹر کے بھی دستخط ہیں، اس میں حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ عنہ کی نسبت اقرار کیا کہ "آپ کو اللہ تعالیٰ نے احمدی قوم کا امام ہونے کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ تو باوجودیکہ **ساری قوم کے آپ مطاع ہیں اور سب ممبران مجلس معتمدین آپ کی بیعت میں** داخل ہیں اور آپ کے فرمانبردار ہیں .... جن امور میں آپ حکم کرتے تو کوئی انکار کرنیوالا نہ تھا" (اخبار پیغام صلح ۴ر دسمبر ۱۹۱۳ء صہ)

(۳) بلکہ اختلاف پیدا ہو چکنے کے بعد بھی اپریل ۱۹۱۴ء میں ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اِس حقیقت کا صاف اعتراف کرتے ہیں کہ: "اس میں شک نہیں کہ حضرت **خلیفۃ المسیح** مرحوم کو کل ممبران

انجمن نے اپنا مطاع تسلیم کر لیا تھا۔ اور اس لئے وہ صدر انجمن کے بھی مطاع تھے۔" (رپورٹ [illegible] ۱۹۱۲ء [illegible]) [illegible] اور جماعت احمدیہ کے عقائد کی صحت کا کھلا ثبوت نہیں ہے!

(۴) اس کے علاوہ یہ امر بھی روشن رہے کہ گذشتہ حصہ مضمون سے مسئلہ "خلافت" کے زیر عنوان دلائل کیا یہی ثابت کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی "انجمن" جانشین ہو گی یا کسی فرد واحد خلیفہ کی شخصیت کو؟ اور رسالہ "الوصیت" میں جب حضور نے انبیاء کے بعد جو "قدرت ثانیہ" کی مثال دی اور حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کی مثالیں دیں، تو کیا وہاں کوئی "انجمن" جانشین ہوا کرتی تھی یا کہ شخص واحد؟ ۔ پس یہ تمام چیزیں بتاتی ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام جہاں نبی ہیں وہاں آپ کے بعد بھی یکے بعد دیگرے خلفاء ہوں گے! جو کل قوم کے "مطاع" ہوں گے ۔ اور "انجمن" صرف ایک خاص حصے یعنی مال کے حصہ میں یا انتظامی امور میں جانشین ہے ۔ مگر کس کی جانشین؟ خلیفۂ وقت کی جانشین ۔ پس "انجمن" جیسے پہلے حضرت مسیح موعود کی زندگی میں حضور کے ماتحت تھی اور حضور کے بعد حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے ماتحت تھی اور تمام جماعت اور انجمن کا خلیفۂ وقت "مطاع" تھے، اسی طرح اب بھی وہی طریق عمل ہے اور سابقہ سنت پر گامزن ۔ اے کاش! خدا تعالےٰ ہمارے ان بھائیوں کی آنکھیں کھولے اور ان پر حق کی کرنیں وارد کرکے اپنے قرب کا دروازہ ان پر کھول دے اور ضد و عداوت اور حسد سے ان کو نجات دیوے۔ آمین ثم آمین ۔

۶ ۔ دیگر اختلافی مسائل کا اجمالی تذکرہ ۔

یہ حقیقت ہے کہ جب انسان ایک واضح صداقت اور اصل کا انکار کر دے تو اس کے باعث اُسے کئی اور صداقتوں کا بھی رفتہ رفتہ انکار کرنا پڑتا ہے ۔ چنانچہ اکابر غیر مبایعین نے جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد رسالہ "الوصیت" کے مطابق آپ کی خلافت کا اقرار کیا اور خلیفہ کو "مطاع" مانا، مگر بعد میں اس سے روگردانی شروع کر دی گئی، تو نتیجہ یہ ہوا کہ وہی مسائل جن سے وہ نہ صرف خود کوئی اختلاف نہ رکھتے تھے، بلکہ وہ خود ان کو دھڑلے سے پیش کیا کرتے تھے۔ [illegible] کی نبوت کا معاملہ ہے تو انہوں نے اس سے بھی انکار کر دیا ۔ اور اب [illegible] کی وجہ سے ہوتے ہوتے کئی امور میں اختلاف شروع ہو گیا جن کا مختصر ذکر درج ذیل ہے۔

اِبْنِ پِسر موعود یعنی مصلح موعود

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کے اشتہار میں ایک عظیم الشان لڑکے کی پیدائش کی خبر دے رکھی ہے۔ جسے "پسرِ موعود" یا "مصلح موعود" کے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ اور اس کی تعیین اور علامات کے لئے حضورؑ نے فرمایا ہے کہ:۔

(۱) "ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الٰہی نو برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا۔" (اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء) گویا مصلح موعود کی ولادت ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء سے نو برس کے اندر اندر ہوگی۔

(۲) مصلح موعود کے ناموں میں فرمایا:۔ "مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا اور نیز دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اس کا بشیر ثانی بھی ہے۔ اور ایک الہام میں اس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔" (سبز اشتہار حاشیہ ص۲۱)۔ اس میں بتا دیا کہ مصلح موعود جس کا نام محمود ہے وہ حضرت عمر کی طرح ایک نبی کا دوسرا خلیفہ ہوگا۔

(۳) اور یہ بھی وضاحت فرمائی، کہ بشیر اوّل متوفّی کے بعد "بلا توقف" پیدا ہوگا۔ چنانچہ فرمایا:۔

"بشیر اوّل جو فوت ہو گیا ہے بشیر ثانی کے لئے بطور ارہاص تھا۔" (سبز اشتہار حاشیہ ص۲۱)

الغرض اس قسم کے بہت سے نشان "مصلح موعود" کی تعیین کے ہیں جن سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ مصلح موعود جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاں فرزند پیدا ہونا تھا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں۔

چنانچہ جب ایک مرتبہ ۱۹۱۳ء میں حضرت پیر منظور محمد صاحب نے حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اشتہارات کے رُو سے میاں محمود احمد صاحب مصلح موعود ثابت ہوتے ہیں تو آپؓ نے فرمایا کہ:۔

"ہمیں تو پہلے ہی سے معلوم ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم میاں صاحب کے ساتھ کس خاص طرز سے ملا کرتے ہیں اور ان کا ادب کرتے ہیں۔" اور ان الفاظ کی آپؓ نے اپنے دستِ مبارک سے بالفاظ ذیل تصدیق بھی کی کہ:۔ "یہ لفظ میں نے برادرم پیر منظور محمد سے کہے ہیں۔ نورالدین ۱۰ ستمبر ۱۹۱۳ء"

(دیکھو مفصل رسالہ تشحیذ الاذہان بابت ماہ مئی ۱۹۱۴ء ص۲۸ مع عکس الفاظ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ)

مگر ان تمام تصریحات کے باوجود جن کا کسی قدر بطور نمونہ یہاں ذکر کیا گیا ہے، غیر مبایعین حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کے "پسرِ موعود" ہونے سے منکر اور مصلح موعود کے لئے چوتھی صدی میں ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ اب کہاں ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء سے نو برس کے اندر اندر پیدائش اور کہاں چوتھی صدی

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن - ع ببیں تفاوتِ رہ از کجا است تا بکجا۔

۲- مرتبہ الہام و وحی حضرت مسیح موعود علیہ السلام

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے الہامات اور وحی پر کس قدر یقین تھا۔ فرماتے ہیں:-

(الف) "مجھے اپنی وحی پر ایسا ہی ایمان ہے جیسا کہ توریت اور انجیل اور قرآن کریم پر"
(اربعین نمبر۴ صفحہ ۱۹ بار اول سنہ ۱۹۰۰ء)

(ب) "میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں ان الہامات پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جیسا کہ قرآن شریف پر اور خدا کی دوسری کتابوں پر۔ اور جس طرح میں قرآن شریف کو یقینی اور قطعی طور پر خدا کا کلام جانتا ہوں، اُسی طرح اس کلام کو بھی جو میرے پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام یقین کرتا ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۱)

مگر افسوس ہے، کہ غیر مبایعین نے اس چیز سے بھی مخالفت کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر افتراء کرتے ہوئے مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں کہ:-

"خود حضرت صاحبؑ نے لکھا ہے کہ میں اپنے الہامات کو کتاب اللہ اور حدیث پر عرض کرتا ہوں اور کسی الہام کو کتاب اللہ اور حدیث کے مخالف پاؤں تو اسے کھنگار کی طرح پھینک دیتا ہوں۔" (شناخت مامورین صفحہ ۲)

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہیں نہیں لکھا۔ اور باوجود ہمارے مطالبہ کے وہ اس کا ثبوت نہیں دے سکے۔

اسی طرح مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے پیغامی ہونے کے بعد تحریر کیا کہ:-

"میرے نزدیک **حدیث ضعیف** بھی اقوال و **الہامات** (مسیح موعود ناقل) سے مقدم ہے۔ بشرطیکہ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ سے مخالف نہ ہو۔ یہ میرا مذہب اس لئے ہے کہ اول تو سلسلہ احمدیہ کے ثبوت حقیقت کا دارو مدار احادیث سے ہی ہوا ہے اور قرآن مجید سے تو صرف استنباطات ہوئے ہیں نص کوئی موجود نہیں ہے۔"
(القول الممجد فی تفسیر اسمہ احمد ٹائٹیل صفحہ ۱)

حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس بارہ میں رسالہ اعجاز احمدی میں فیصلہ فرما چکے ہیں کہ:-

"ہم اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے اس دعویٰ کی

حدیث بنیاد نہیں، بلکہ قرآن اور وہ وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں۔ اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔ اگر حدیثوں کا دُنیا میں وجود بھی نہ ہوتا تب بھی میرے اس دعویٰ کو کچھ حرج نہ پہنچتا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۰، ۳۱ نومبر ۱۹۰۲ء)

اب حضرت صاحبؑ کے ارشادات اور غیر مبایعین کے بیانات دربارہ الہامات و وحی ملاحظہ کریں کہ دونوں میں کس قدر اختلاف ہے۔ کیا یہی تابعداری اور اتباع ماموریں ہوا کرتی ہے؟

۳۔ مسئلہ ولادت مسیحؑ بلا باپ

از روئے قرآن سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیسیوں مقامات پر فرما چکے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ مثلاً فرمایا کہ:۔

"**ہمارا ایمان اور اعتقاد یہی ہے کہ حضرت مسیحؑ بے باپ تھے**۔ اور اللہ تعالیٰ کو سب طاقتیں ہیں۔ نیچری جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ ان کا باپ تھا وہ بڑی غلطی پر ہیں۔ ایسے لوگوں کا خدا مُردہ خدا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی دُعا قبول نہیں ہوگی۔ جو خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے باپ پیدا نہیں کر سکتا۔ **ہم ایسے آدمی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں**۔" (اخبار الحکم ۲۴ جون ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۱)

پر لطف یہ کہ یہی امر مولوی محمد علی صاحب رسالہ ریویو اردو بابت جنوری ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں مان کر شائع کر چکے ہیں کہ:۔ "مسیحؑ کی پیدائش ایک ایسے اعجازی رنگ میں ظاہر ہوئی تھی کہ جس میں باپ کا دخل نہ ہوا۔" مگر وہی امر کہ جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنا ایمان اور اعتقاد بتایا ہے ردّ کرتے ہوئے امیر غیر مبایعین اختلاف کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

"نہ صرف قرآن کریم میں ہی یہ ذکر نہیں کہ حضرت مسیحؑ بن باپ پیدا ہوئے بلکہ کوئی حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی ایسی نہیں ملتی۔" (رسالہ حقیقۃ المسیح صفحہ ۹)

اور اخبار پیغام صلح ۱۵ مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۳ پر تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقرار تسلیم کرتے ہوئے انکار کیا گیا ہے۔ چنانچہ مرقوم ہے کہ:۔

"ولادت مسیحؑ کے مسئلہ میں جہاں تک حضرت مسیح موعود کی تحریرات سے پتہ چلتا ہے۔ آپ کا یہ عقیدہ ضرور تھا کہ مسیح علیہ السلام بن باپ تھے لیکن قرآن کریم کی کسی آیت سے آپ نے اس کو ثابت نہیں کیا۔ اور نہ ہی اس بارہ میں کوئی ایسا فیصلہ دیا

کہ جسے حقیقۃً فیصلہ کہا جا سکے "

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن - یہ ہے حکم و عدل کے فیصلجات کیساتھ غیر مبایعین کا سلوک!

۴- غیر احمدیوں کی اقتداء میں نماز

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :-

" یاد رکھو، جیساکہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے - تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے ، کہ کسی مکفر اور مکذب یا متردد کے پیچھے نماز پڑھو - بلکہ چاہیئے کہ تمہارا امام وہی ہو جو تم میں سے ہو - اسی کی طرف حدیث بخاری کے ایک پہلو میں اشارہ ہے - کہ امامکم منکم یعنی جب مسیح نازل ہوگا تو تمہیں دوسرے فرقوں کو جو دعویٰ اسلام کرتے ہیں بکلی ترک کرنا پڑے گا - اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا پس تم ایسا ہی کرو - کیا تم چاہتے ہو کہ خدا کا الزام تمہارے سر پر ہو اور تمہارے عمل حبط ہو جائیں اور تمہیں کچھ خبر نہ ہو "

(اربعین ۳ حاشیہ ص۲۸ مطبوعہ بار اوّل و ضمیمہ تحفہ گولڑویہ حاشیہ ص۲۷ بار دوم)

اور باوجود خلافت ثانیہ سے انکار کے مولوی محمد علی صاحب ۱۹۱۴ء میں کہہ چکے اور مان چکے ہیں کہ :-

(الف) " میں غیر احمدی مسلمانوں کے پیچھے نماز کو صرف ان ممالک میں جائز سمجھتا ہوں ..... جہاں غیر احمدیوں کی طرف سے احمدیوں پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا گیا " (ضمیمہ اخبار پیغام صلح ۲۴ مارچ ۱۹۱۴ء ص)

(ب) اور اپنے قلم سے بھی مولوی محمد علی صاحب لکھ چکے ہیں کہ :-

" غیر احمدیوں کے پیچھے میں ایسی جگہ جہاں احمدیوں پر کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتا " (پیغام صلح ۲۴ مارچ ۱۹۱۴ء ص۲)

مگر یہ کتنا اندھیر اور ظلم ہے کہ باوجود حضرت مسیح موعودؑ کے حکم صریح کے اور اپنے اقرار کے گذشتہ سال مولوی محمد علی صاحب نے حیدرآباد دکن میں ایک غیر احمدی مولوی کے پیچھے نماز پڑھ لی - (دیکھو اخبار الفضل ۱۴ مارچ ۱۹۴۲ء)

۵- جنازہ غیر احمدیاں

جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کے مامور و نبی ہیں - تو اب جو آپ کا انکار کرکے فوت ہو جائے اسکے لئے مغفرت کی دعا کے کیا معنی ؟ سو لکھا ہے کہ :-

" ایک صاحب نے پوچھا کہ ہمارے گاؤں میں طاعون ہے اور اکثر مخالف مکذب مرتے

ہیں ان کا جنازہ پڑھا جائے کہ نہ ؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر کنبہ میں سے ایک آدمی بھی چلا جائے تو ہو جاتا ہے۔ مگر اب یہاں ایک تو طاعون زدہ ہے کہ جس کے پاس جانے سے خدا روکتا ہے دوسرے وہ مخالف ہے۔ خواہ مخواہ مداخل جائز نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دو۔ اگر وہ چاہے گا تو انکو خود دوست بنا دے گا۔ یعنی وہ مسلمان ہو جائینگے۔ خدا نے منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو چلایا ہے۔ مداہنہ سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ اپنا حصہ ایمان کا بھی گنواؤ گے۔" (اخبار البدر ۱۵ر مئی ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۳۱) اسی لئے حضور نے اپنے صاحبزادہ مرزا فضل احمد صاحب غیر احمدی کا جنازہ نہیں پڑھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد حضور کی عین حیات میں حضور کے اکابر صحابہ کا عمل بھی ملاحظہ ہو۔ حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی فرماتے ہیں :-

"میرا حقیقی بھائی جوان مرگیا۔ میں اس کے جنازہ میں شریک نہ ہوا تو اس (اعتراض کرنے والے۔ ناقل) نے کہا کہ تم نے جنازہ کیوں نہیں پڑھا۔ میں نے کہا وہ احمدی نہ تھا" (بدر ۱۶ر اپریل ۱۹۰۸ء)

علاوہ ازیں حضرت خلیفہ اول فرماتے ہیں کہ :-

"ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا کہ احمدی کس طرح غیر احمدی کا جنازہ پڑھ سکتا ہے۔"

(اخبار بدر ۲۲ر اگست ۱۹۱۲ء)

مگر اس کے باوجود بھی غیر مبایعین غیر احمدیوں کے جنازہ کے جواز کے معتقد اور قائل ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

۱۸۔ حَکَم وعدل

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حَکَم وعدل قرار دے کر آپ کے ارشادات کو واجب القبول اور فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :-

"جو شخص مجھے دل سے قبول کرتا ہے وہ دل سے اطاعت بھی کرتا ہے۔ اور ہر حال میں مجھے حَکَم ٹھہراتا ہے۔ اور ہر ایک تنازع کا مجھ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ مگر جو شخص مجھے دل سے قبول نہیں کرتا اس میں تم نخوت اور خود پسندی اور خود اختیاری پاؤ گے۔ پس جانو کہ وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ وہ میری باتوں کو جو مجھے خدا سے ملی ہیں عزت سے نہیں دیکھتا اسلئے آسمان پر اس کی عزت نہیں۔" (اربعین ۴ صفحہ ۲۸ حاشیہ و ضمیمہ تحفہ گولڑویہ بار دوم)

لیکن چونکہ غیر مبائعین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کئی فیصلجات سے رُوگردانی اختیار کرلی اور غایت کار اس بارہ میں یہی ایک دلیل ان کے خلاف ہوسکتی تھی۔ کہ تم لوگ حکم وعدل ہونے کے باوجود حضورؑ کے فیصلوں کو کیوں رَد کرتے ہو۔ اس لئے اپنے لئے راہ صاف کرنے کے لئے (۱) جناب مولوی محمد علی صاحب نے کھلے الفاظ میں اخبار پیغام صلح جلد ۳ ۵ میں لکھدیا کہ:-

"اگر امام بھی ہم سے وہ بات منوانی چاہے جس کی قرآن وحدیث میں سند نہیں تو ہم اسے نہیں مانیں گے۔۔۔۔ اس قرآن اور حدیث کو کہاں جا رکھیں۔ کیا مرزا صاحب کو لے کر قرآن اور حدیث کو جواب دیدیں؟"

(۲) ایڈیٹر صاحب "پیغام صلح" نے مسئلہ ولادت مسیح کے ذکر کے سلسلہ میں اعلان کیا کہ:-

"حکم عدل کے یہ معنی نہیں کہ ہر بات اور ہر ایک اسلامی مسئلہ میں آپ حکم عدل ہیں اگر ایسا مانا جائے تو پھر تو امن ہی اُٹھ جاتا ہے"۔ (پیغام صلح ۱۵/۱۲ مئی ۱۹۱۸ء ص۳)

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ غیر مبائعین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کسی قول والہام کو نہیں مانیں گے جب تک کہ وہ کتاب وسنت کی کسوٹی پر اپنے علم کے مطابق نہ پرکھ لیں۔ گویا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم عدل قرار نہیں دیا۔ بلکہ حکم عدل غیر مبائعین ہیں۔ جسے وہ صحیح کہہ دیں اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام یا قول کی صحت کو جماعت یا دوسرے لوگ قبول کرلیں۔ اور جسے وہ ناقابلِ قبول یا مردود کہہ دیں تو مسیح موعود علیہ السلام کا وہ قول یا الہام معاذ اللہ نامقبول ہوگا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

ہے یہ محمود کی دشمنی کا وبال ❊ رائے بالیقین یہ ہماری ہے

ان حقائق سے ظاہر ہے کہ غیر مبائعین کا قدم جادۂ حق سے کس قدر دُور جا پڑا ہے۔ مولا کریم سے دُعا ہے کہ وہ پھر سے اُن کو قبولِ حق اور حکم وعدل کے فیصلوں کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی توفیق دے۔ آمین

اور بہت سے امور بھی اختلافی ہیں۔ مگر اس مضمون کے لئے پندرہ صفحات کی شرط کے لحاظ سے اسی پر اکتفار کرنے پر مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز تحریر کو کسی متلاشی حق کے لئے موجب ہدایت اور ثواب کا باعث کرے۔ آمین ثم آمین ❊ مؤرخہ ۲-۵-۱۹۴۴

شیعہ تحریک

حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل نہیں تھے!

(از جناب خورشید احمد صاحب شاد مولوی فاضل)

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکّننّ لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم ولیبدّلنّھم من بعد خوفھم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون ○

شیعہ تحریک آنحضرتؐ کے تمام احباب خصوصاً خلفاء ثلاثہ کو منافق، کافر اور مرتد قرار دیتی ہے۔ بدیں وجہ کہ حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے بعد آپ کے وصی اور خلیفہ بلافصل تھے اور ان کو خدا نے خلیفہ بنایا تھا۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ یکے بعد دیگرے جناب علیؓ سے خلافت غصب کرتے چلے گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ بعدہٗ حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کے منشاء اور اسی کے فضل کے مطابق ہوئی ہے۔ سو اس امر کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ آیا واقعی حضرت علیؓ آنحضرتؐ کے معاً بعد خلیفہ برحق تھے یا کہ حضرت ابوبکرؓ؟ ہم قرآن کریم کی اس آیت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ آیت خلافت کے بارہ میں نص صریح کے طور پر وارد ہوئی ہے۔ اور اس کا انکار صریح کفر و فسق ہے۔ (من کفر بعد ذٰلک فاولٰئک ھم الفاسقون ○) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے چار وعدے کئے ہیں۔

(۱) وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم و عملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنّھم فی الارض۔ کہ مومن اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو زمین میں خلیفہ بناؤں گا۔

(۲) کما استخلف الذین من قبلھم۔ ہم ان کو خلیفہ بنائیں گے اسی طرح کہ جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔

(۳) ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضٰی لھم۔ ضرور بالضرور ہم ان مومنوں یعنی خلیفہ بننے والوں کے دین کو قوت اور غلبہ دیں گے۔ وہ دین کہ جو خدا نے ان کے لئے پسند کیا ہے۔

(۴) ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا۔ ضرور بالضرور خدا تعالےٰ انکے خوف کو دُور کر کے جو کہ زمانہ خلافت میں انہیں پہنچے گا۔ انکو امن دیگا۔

سو خدا تعالےٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ ہم مومن اور اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو ہی آنحضرتؐ کے بعد خلیفہ بنائیں گے۔ اسی طرح کہ جس طرح موسٰےؑ کے بعد اُن کی امت میں خلفاء بنائے۔ کیونکہ مطابق آیت انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولاً اُمتِ محمدیہ و اُمتِ موسویہ میں باہمدگر مشابہتِ تامہ ہے۔ سو کیا وجہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد حضرت علیؓ جو بقول شیعیان آپؐ کے وصی اور آپؐ کے بعد خلیفہ بلا فصل تھے اور جن کو خدا نے ازل سے دو ہزار برس قبل پیدائش خلق اسی امر کے لئے مخلوق کیا تھا۔ بلکہ تمام جہان کو آنحضرتؐ کی نبوت اور علیؓ کی خلافت کیلئے بنایا تھا۔ جیسا کہ مُلا باقر مجلسی فرماتے ہیں:۔

"بسندِ معتبر حضرت صادق سے منقول ہے کہ محمدؐ و علیؓ دونوں نزدیک حق تعالیٰ کے تھے۔ دو ہزار سال قبل ایجادِ خلائق۔ پس جب ملائکہ نے یہ دونوں نور دیکھے۔ ایک کو اصل پایا اور اُس سے ایک شعاع لامع و ساطع تھی۔ کہ وہ اس کی فرع تھی۔ پس عرض کیا کہ یہ نور کس کا ہے۔ ارشاد جنابِ باری ہُوا کہ یہ نور میرے نور سے ہے۔ کہ اصل اس کی پیغمبری اور فرع اس کی امامت ہے۔ پس پیغمبری محمدؐ صلعم سے ہے کہ وہ بندہ اور رسول میرا ہے۔ اور امامت علیؓ سے ہے کہ وہ محب اور خلیفہ میرا ہے۔ اور اگر یہ نور نہ ہوتے تو میں کوئی خلق پیدا نہ کرتا۔" (جلاء العیون ص۱۱)

وہ تو خلافت سے محروم کر دیئے جائیں اور ایک کافر، بدعتی اور منافق شخص اللہ، ملائکہ، رسول اور جمیع مومنین کی مرضی کے خلاف خلافت چھین لے۔ حالانکہ یہ تمام ہستیاں حضرت علیؓ کی خلافت کی گواہ اور ضامن ہوئی تھیں۔ جیسا کہ یہ گواہی اس عبارت سے واضح ہو جاتی ہے۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وصیت و عہد و پیمان محمدؐ بن عبداللہ بحکم الٰہی جانب جناب صاحبت پناہ علیؓ بن ابی طالب امیر مومناں سے ہے۔ اور آخر وصیت میں لکھا تھا کہ جبرائیلؑ و

میکائیل و اسرافیل اس وصیت پر جو کہ محمدؐ نے علیؓ کو کی ہے گواہ ہوئے اور علیؓ نے اس وصیت کو قبول کیا اور ضامن ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے۔ اس پر عمل کریں جس طرح کہ ضامن ہوئے یوشع بن نون واسطے موسےٰ بن عمران کے اور شمعون بن حمون واسطے عیسےٰ بن مریم کے۔ اور جس طرح ضامن ہوئے اولیاء پہلے ان کے واسطے پیغمبروں کے باوجودیکہ محمد صلعم بہترین پیغمبران اور علی بہترین اوصیاء ہیں۔ اور محمد (صلعم) نے علی کو ولی امر خلافت کیا۔ اور عہد کیا کہ بعد محمد صلعم کے کوئی پیغمبر نہ ہوگا۔ نہ واسطے علی کے اور نہ واسطے اوروں کے۔ اور خدا اس سب پر گواہ ہے۔" (جلاء العیون ص۵۵)

کیا ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے خلافت چھینتے وقت خدا تعالیٰ سو گیا تھا۔ یا اس نے اپنے وعدہ کے خلاف کیا۔ یا ان منافق اور کافر لوگوں سے علی حسب دستور شیعیاں اس نے بھی تقیہ کیا اور ان لوگوں سے ڈر کر ذرا بھی ان سے باز پرس نہ کی۔ اور اپنے رسولؐ کے عہد اور وصیت اور پھر اس پر گواہی کو بھی ذرا وقعت نہ دی یا یہ کہ خدا مومنوں کا دشمن اور کافروں اور منافقوں کا دوست ہوگیا؟ اگر تو یہی بات ہو تو پھر ہم کہیں گے کہ شیعوں کا کوئی اور خدا ہوگا۔ اور وہ ایسا ہی ضعیف اور کس مپرس خدا ہے جیسا کہ عیسائیوں کا۔ ہمارا خدا جس کو قرآن اور اسلام اور نبی کریمؐ کی تعلیم پیش کرتی ہے وہ تو ان صفات کا مالک ہے اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم لہ ما فی السمٰوٰت و ما فی الارض من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شآء وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض ولا یئودہ حفظھما وھو العلی العظیم" وہ دشمنوں کو ہلاک اور دوستوں کو فائز المرام کرنے والا ہے۔ اور" اذا قضی امرًا فانما یقول لہ کن فیکون" اس کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ لیکن حیرت تو یہ ہے کہ حضرت علی بھی باایں ہمہ دعویٰ کراری وجراری وشیر خدائی کے اور باوجود عہد و میثاق کے ان غاصبوں سے کوئی جہاد نہ کریں۔ العجب ثم العجب

پھر دوسری بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے خلافت محمدیہ کو خلافت موسویہ کے مشابہ قرار دیا ہے جس طرح کہ آیت اور مندرجہ بالا حوالہ سے بھی ظاہر ہو چکا ہے "جس طرح ضامن ہوئے یوشع بن نون واسطے موسےٰ بن عمران کے"۔ گویا حضرت علی بھی آنحضرتؐ کے اسی طرح خلیفہ اور وصی ہیں جس طرح یوشع بن نون تھے۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ موسےٰ کے بعد یوشع بن نون خلیفہ ہوئے اور انہوں نے قوم کے اندر روحانی ترقی

کی رُوح پھونکی جس سے انھوں نے بہت سی فتوحات کیں۔ اور کوئی شخص ان کی خلافت پر غالب نہیں آسکا اور یہی امر ان کی خلافتِ حقّہ پر شاہد ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی خلافت پر تو ایک مومن بھی نہیں بلکہ بقول انکے بے دین لوگ قابض ہو گئے۔ اور پھر جب خدا خدا کر کے ان کے ہاتھ میں خلافت آئی بھی تو اُس وقت اُمّتِ محمدیہ کا شیرازہ اس قدر پراگندہ ہوا کہ آج تک مجتمع ہونے میں نہ آیا۔

تیسرا وعدہ جو اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ مومنوں کو خلیفہ کر کے میں انکے دین کو جو میں نے ان کے لئے پسند کیا ہے خوب تمکنت دوں گا۔ چوتھا وعدہ یہ کہ ان کو جو خوف خدا کی راہ میں پہنچے گا ہم اس کو دُور کر کے ان کو امن دیں گے۔ یہ دونوں امور حضرت علیؓ کی زندگی میں مفقود تھے دین میں تمکنت تو کجا خوارج وغیرہ فرقہ انہیں کے زمانہ میں پیدا ہوا اور غیروں پر دین کو غالب کرنا تو الگ رہا اپنے لوگوں کے دلوں میں بھی اس کی کوئی وقعت نہ تھی جس کی حضرت علی بار بار شکایت کرتے رہے (جس کو ہم انشاءاللہ کتب شیعہ سے ہی کسی اور مضمون میں واضح کریں گے) اور خوف بھی انہیں اس قدر لاحق ہوا کہ شیعوں کو تقیہ کا مسئلہ گھڑنا پڑا۔ اور یہ خوف اس قدر طول پکڑ گیا کہ بارہ اماموں کے زمانہ تک نہ ہٹا۔ یہاں تک کہ آخری امام کو بچپن میں ہی بمعہ قرآن جیسی نعمتِ عظمےٰ کے غائب ہونا پڑا۔ اور آج تک ان کا وہ خوف زائل نہیں ہوا کہ دوبارہ دُنیا میں آکر لوگوں کی اصلاح کریں۔ چنانچہ امام حسنؓ فرماتے ہیں :-

"لیکن ہم اہلبیت جس دن سے رسول خدا نے دُنیا سے رحلت کی اب تک ہمیشہ خائف ومظلوم رہے ہے۔ پس خدا ہمارے اور ان کے درمیان حکم کرے۔ جنہوں نے ہم پر ظلم کیا۔ اور ہمارا حق غصب کیا۔ اور ہمیں مجبور کیا اور لوگوں کو ہم پر مسلط کیا" (جلاء العیون صفحہ ۳۴۲)

گویا امام حسنؓ خود اقرار کرتے ہیں کہ ہم ہمیشہ خائف رہے اور دوسرے لوگ ہم پر مسلط رہے۔ پس کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اگر حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بلافصل تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اپنے وعدے پورے کیوں نہ کئے۔ اور ان لوگوں کو جنہوں نے خلافت کو غصب کیا اور رسولِ خدا کی نافرمانی کی اور علیؓ اور اہلبیت پر تمام عمر مظالم وستم ہائے قبیحہ روا رکھے اور دین کو تبدیل کر ڈالا بجائے عذاب دینے کے کیوں ان کی یاوری و مددگاری کرتا رہا اور کیوں اس نے سارے وعدے جو مومنوں سے کئے تھے (اس مضمون کو بھی انشاءاللہ کسی اور وقت بالوضاحت بیان کر دیا جائے گا۔) ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ منافق مذہبی اور کافروں کے ساتھ پورے کئے حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد۔ لا تحسبن اللہ مخلف وعدہٖ۔ لا تبدیل لکلمٰت اللہ۔ کہ خدا وعدہ کے خلاف نہیں کیا کرتا اور جو وہ کہدے وعدہ کے رنگ میں اس کو کبھی تبدیل نہیں کرتا۔ نیز وہ خدا جس

نے وعدہ فرمایا ہے کہ "اِنَّ اللّٰہ معَ الّذین اتّقوا والّذین ھم محسنون"۔ خدا متقی اور محسن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیوں وقت پر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھیوں کا مددگار نہ ہوا۔ کیا حضرت علیؓ کے اندر تقویٰ اور مادۂ احسان مفقود تھا یا شیعوں کے علی ہی کوئی اور تھے یا یہ کہ خدا نے ہی وعدہ خلافی کی یا حضرت علی کا خدا ہی الگ خدا تھا۔ جس کے وعدے مومنوں کے ساتھ کسی اور رنگ میں پورے ہوا کرتے ہیں۔ ان کا سلسلہ تباہ ہو تو ہو، کافر اور منافق ان کو تمام عمر ایذا پہنچائیں، تو بے دریغ وہ اس کے نبیؐ کے لائے ہوئے دین کو تبدیل کر دیں تو کوئی پرواہ نہیں لیکن اس خدا میں ذرا بھی حرکت اور جنبش پیدا نہیں ہوتی۔ وہ خدا جو قرآن کریم میں فرماتا ہے "ما کان اللّٰہ لیذر المؤمنین علیٰ ما انتم علیہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطّیّب"۔ اس نے حضرت علیؓ کو ان کافروں اور منافقوں کے مقابلہ میں باوجود ان کے طیّب ہونے کے کامیاب وکامران کیوں نہ کیا۔ اس کا فرض تھا کہ مومنوں اور کافروں میں فرق بیّن کر کے تمام لوگوں پر اپنی حجت پوری کرتا۔ لیکن ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان تمام وعدوں کو پورا کیا۔ آنحضرت صلعم کے بعد حضرت ابو بکرؓ بمنشاء الٰہی خلیفہ ہوئے اُن کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد ارتداد کا طوفان بپا ہوا۔ مختلف اطراف سے مختلف لوگوں نے دعویٰ نبوت کر کے مسلمانوں کی طاقت کو کمزور کرنا چاہا۔ اور یہود و نصاریٰ نے لشکر کشی کی۔ غرضیکہ اسلام اس وقت اس کس مپرسی کی حالت میں تھا کہ دشمن ہر لحظہ اس کی عمارت کے گرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ مگر خدا نے ابو بکرؓ کی مدد کی اور تمام باغی سرکش یا تو دوبارہ مسلمان ہو گئے اور یا مارے گئے اور ان کے زمانہ میں اسلام عرب کے باہر دیگر ممالک میں پھیلا۔ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں کی ایک آواز تھی۔ قرآن جیسی نعمت عظمیٰ انہیں کے ہاتھوں ہم تک پہنچی پس اگر ہم حضرت اصحاب ثلاثہؓ کو خلیفہ نہ مانیں تو ہمیں تسلیم کرنا پڑیگا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی خلافت نہیں ہوئی۔ اور نعوذ باللہ آپؐ کی قوتِ قدسیہ اپنی اُمت کے اندر اتنی بھی روحانیت اور ایمان پیدا نہ کر سکی جتنی کہ پہلے چھوٹے سے چھوٹے نبی پیدا کرتے چلے آئے۔ کیونکہ ایک معترض کی نظر میں خلفاء ثلاثہ بوجہ واسب ہونے کے خلیفہ نہ ٹھہرے۔ اور ان کے ہاتھوں جو فتوحات اور قوت و غلبہ اسلام کو حاصل ہوا، وہ بھی بہ بیان کے کفر کے اسلام کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضرت علیؓ گو عند الشیعہ خلیفہ بلا فصل تھے لیکن ان کے ذریعہ وہ وعدے پورے نہ ہوئے جو خدا نے خلفاء سے کئے ہیں۔ اور آیاتِ قرآنیہ:۔

(۱) "یثبت اللّٰہ الّذین اٰمنوا بالقول الثّابت فی الحیٰوۃ الدّنیا و فی الا [illegible] یضل الظّٰلمین و یفعل اللّٰہ ما یشآء (۲)"

ترجمہ:۔ کہ خدا مومنوں کو تو ہر حجت کے ساتھ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی غالب اور ثابت قدم رکھتا ہے اور ظالم لوگوں کو ان کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دیتا۔

(۲) "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ"

ترجمہ:۔ جو لوگ مومن اور متقی ہیں اُن کو دُنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔

کے مفہوم کے ماتحت بھی حضرت علیؓ خلیفہ نہیں ہو سکتے (ایک معترض کی نظر میں) تو کس قدر افسوسناک امر ہے کہ جہاں شیعہ لوگ خلافت کو خیرباد کہتے ہیں وہاں حضرت علیؓ کو خلیفہ بلافصل تو کیا ان کو مومن بھی نہیں رہنے دیتے۔

ایک زبردست ثبوت اس امر کا کہ حضرت علیؓ خلیفہ بلافصل نہیں تھے یہ ہے کہ حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کے بعد لوگوں نے جب خلیفہ بنانا چاہا تو انہوں نے بار بار انکار کیا یہاں تک کہ لوگوں نے انکی باصرار بیعت کی۔ چنانچہ صاحب منار الہدیٰ حضرت علیؓ کا خطبہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"حتّٰی اذا نقمتم علی عثمان اتیتموہ فقتلتموہ ثم جئتمونی لتبایعونی فابیت علیکم و امسکت یدی فنازعتمونی وبسطتم یدی فکففتھا و مددتموھا فقبضتھا وازدحمتم علیّ حتّٰی ظننت ان بعضکم قاتل بعض او انکم قاتلی فقلتم بایعنا لا نجد غیرک ولا نرضٰی الّا بک بایعنا لا نفترق ولا نختلف فبایعتکم ودعوت النّاس الی بیعتی فمن بایع طوعًا قبلتہ ومن ابٰی لم اکرھہ وترکتہٗ" (منار الہدیٰ صـ۳۷۳ـ)

ترجمہ:۔ کہ اے لوگو! یہاں تک کہ تم نے عثمانؓ سے بدلہ لیا اور اس کو قتل کر ڈالا۔ اسکے بعد تم میرے پاس میری بیعت کرنے کے لئے آئے مَیں نے انکار کر دیا۔ اور اپنے ہاتھ کو روکے رکھا۔ لیکن تم نے میرے ساتھ منازعت کی اور میرا ہاتھ پھیلایا۔ لیکن مَیں نے اس کو سمیٹ لیا۔ اور تم نے اس کو بڑھایا لیکن مَیں نے کھینچ لیا۔ اور تم میری طرف گروہ در گروہ آئے۔ یہاں تک کہ مَیں نے یقین کر لیا کہ تم آپس میں لڑ پڑو گے یا پھر مجھے قتل کر دو گے۔ اور تم نے کہا اے علی! ہماری بیعت لو۔ ہم تیرے سوا خلافت کا کسی کو اہل نہیں پاتے اور تیرے سوا کسی پر ہم راضی نہیں۔ ہماری بیعت لیجئے۔ ہم کوئی

افتراق اور اختلاف نہیں کریں گے۔ پس میں نے تمہاری بیعت قبول کی اور دوسرے لوگوں کو بھی بیعت کی دعوت دی۔ پس جس نے بخوشی قبول کیا، کیا۔ اور جس نے میری بیعت کو ناپسند کیا اسکو مجبور نہیں کیا گیا بلکہ چھوڑ دیا۔

تعجب ہے کہ جب خدا نے انہیں ازل سے خلیفہ مقرر کیا ہوا تھا، انہیں تو فوراً ہی لوگوں میں اپنی خلافت اور بیعت کا اعلان کرنا چاہیئے تھا۔ کہ اے لوگو! مجھے خدا نے خلیفہ بنایا ہے اور میرے سوا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور خلیفہ اول، ثانی و ثالث کے زمانہ میں بھی انہیں اپنے فرض تبلیغ سے سبکدوش ہونے کے لئے لوگوں میں اپنی خلافت کا اعلان کرنے کے لئے ان کافروں کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے تھا لیکن معاملہ اسکے برعکس ہے۔ لوگ انہیں خلیفہ بنانے کے لئے اصرار کرتے ہیں۔ اور وہ انکار کئے جاتے ہیں۔ آخر جب اپنے قتل کا خوف دامنگیر ہوتا ہے اسوقت انکی بیعت قبول کرتے ہیں۔

علاوہ اسکے حضرت علیؓ نے خلفاءِ ثلاثہ کے زمانہ میں لوگوں کو اپنی خلافت کیطرف دعوت نہیں دی اور نہ ہی اسکے خلاف جہاد کیا اور نہ ہی انکی بیعت سے اجتناب کیا جس طرح کہ امام حسینؓ نے کیا بلکہ وہ ان تینوں کافروں منافقوں کیساتھ ملحق رہے۔ انکی بیعت کی اور انکے افعال کی تعریف کرتے رہے۔ جیسا کہ آپؓ فرماتے ہیں:۔

"فتولّی ابوبکر تلک الامور وسدد وقارب واقتصد وصحبته مناصحًا واطعته فیما اطاع اللہ فیه جاهدًا وما طمعت ان لو حدث به حدث وانا حیّ ان یردّ الی الامر الذی بایعته فیه طمع مستیقن ولا یئست منه یأس من لا یرجوه۔" (منار الہدیٰ صـ۳۷۲)

ترجمہ: (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے انہوں نے خوب اصلاح کی اور میانہ روی اختیار کی اور میں انکے ساتھ بنیتِ خیر خواہی رہا۔ اور ان کی امورِ معروفہ میں پیروی کی۔ اور اس امر کی کبھی طمع نہ کی کہ اگر یہ صاحبؓ میرے جیتے جی مر گئے تو یہ خلافت میرے ہاتھ ضرور ہی آجائیگی۔ اور نہ ہی میں اس شخص کی طرح جس کو خلافت کی امید ہی نہ ہو اس سے مایوس ہوا۔

معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے وہم و گمان میں بھی خلیفہ بلا فصل کا خیال نہ تھا۔ وگرنہ ان کا بوقتِ خلافت اِس قسم کے تذبذب کا اظہار کرنا اور ابوبکرؓ کی بیعت کے بعد فرمانا کہ میں نے کبھی اس کی طمع نہیں کی تھی کہ ضرور ہی خلافت مجھے مل جائے گی جبکہ خدا نے انہیں پیدائشِ خلق سے قبل ہی خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصی بھی تھے کیا معنے رکھتا ہے۔ فتدبروا!

باقی

مرکزِ سلسلہ قادیان ۔ اسکی اہمیت اور ضرورت

(از جناب عبدالحئی صاحب واقفِ زندگی)

کسی مقام کی اہمیت کو سمجھنے سے قبل یہ ایک ضروری امر ہے کہ ہم اس کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کی حقیقت سے آگاہ ہوں۔ اِسی طرح سے سلسلہ احمدیہ کے مرکز قادیان کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہمیں پہلے یہ دیکھنا چاہئے، کہ اِس مرکز کے ساتھ تعلق رکھنے والی جماعت کا کیا منصب مقرر کیا گیا ہے، اور خدا تعالےٰ نے اِس جماعت کو اِس زمانہ میں کیوں چُنا ہے۔ جتنا جتنا جماعت اور اس کے بانیؑ کی اہمیت ہمیں معلوم ہوگی، اسی قدر اُس کے مرکز کی اہمیت کا احساس ہمارے دلوں کے اندر پیدا ہوگا۔

اِس بات سے کوئی بھی حقیقی احمدی ناواقف نہیں ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالےٰ نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے اور دُنیا میں اسلام کو صحیح معنوں میں قائم کرنے کے لئے مبعوث کیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ مسلمانوں میں چند نقائص کو دُور کرنے کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے، حضورؑ چند عقائد کی غلطی ہی کی اصلاح کے لئے کھڑے نہیں کئے گئے، حضورؑ صرف چند لوگوں کو ہی اپنے گرد اکٹھا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے، اور حضرتؑ صرف ایک قوم کی طرف ہی ہادی بنا کر نہیں بھیجے گئے بلکہ حضورؑ اسلام کو اپنی پوری شوکت کے ساتھ دُنیا میں قائم کرنے اور روحانیت کو از سرِ نو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کئے گئے ہیں۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے اپنے اِس محبوب کے متعلق فرمایا۔ یقیم الشریعۃ و یحیی الدین (تذکرہ صفحہ ۲۱۸)۔ کہ شریعت کو قائم کریگا اور دین کو زندہ کرے گا۔ پھر فرمایا "ہم ایک نیا نظام اور نیا آسمان اور نئی زمین چاہتے ہیں" (تذکرہ صفحہ ۱۹۶) پھر حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان بنایا وہ اپنی اِس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دے گا اور حجت اور بُرہان کی رُو سے سب پر ان کو غلبہ بخشیگا وہ دِن آرہے ہیں بلکہ قریب ہیں کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اِس مذہب اور اِس سلسلہ میں نہایت درجہ فوق العادت برکت ڈالیگا۔

اور پھر ہر ایک کو جو اسکے معدوم کرنیکی فکر رکھتا ہے نامراد رکھیگا۔ اور یہ غلبہ ہمیشہ رہیگا۔ یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔۔۔۔۔۔ اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا۔ اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین ۶۴،۶۵)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مقام کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالےٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے۔ اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں۔ مَیں آدمؑ ہوں، مَیں شیثؑ ہوں، مَیں نوحؑ ہوں، مَیں ابراہیمؑ ہوں، مَیں اسحاقؑ ہوں، مَیں اسمٰعیلؑ ہوں، مَیں یعقوبؑ ہوں، مَیں یوسفؑ ہوں، مَیں موسیٰؑ ہوں، مَیں داؤدؑ ہوں، مَیں عیسیٰؑ ہوں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مَیں مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالےٰ نے فرمایا "جری اللہ فی حلل الانبیاء" یعنی ہمارا یہ مرسل تمام گذشتہ نبیوں کے لباس میں اور ان کی صفات سے متصف ہو کر آیا ہے (تذکرہ ص۹۵)

اس الہام کی تشریح میں حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"آخری زمانہ کے لئے خدا نے مقرر کیا ہوا تھا کہ وہ ایک عام رجعت کا زمانہ ہوگا تا یہ امت مرحومہ دوسری امتوں سے کسی بات میں کم نہ رہے۔ پس اُس نے مجھے پیدا کرکے ہر ایک گذشتہ نبی سے اس نے مجھے تشبیہ دی۔۔۔۔ گویا تمام انبیاءِ گذشتہ اِس امت میں دوبارہ پیدا ہوگئے" (نزول المسیح ص۴)

پھر فرماتے ہیں:۔

"مبارک وہ جس نے مجھے پہچانا۔ مَیں خدا کی سب راہوں میں سے آخری راہ ہوں۔ اور اس کے سب نوروں میں سے آخری نور ہوں۔ بدقسمت ہے وہ جو مجھے چھوڑتا ہے کیونکہ میرے بغیر سب تاریکی ہے۔" (کشتی نوحؑ ص۵۶)

"مَیں اپنے رب کی طرف سے اُس مقام پر نازل ہوا ہوں جس کو انسانوں میں سے کوئی نہیں جانتا اور میرا بھید اکثر اہل اللہ سے بھی پوشیدہ اور دُور تر ہے قطع نظر اس کے کہ عام لوگوں کو اس سے اطلاع ہو۔۔۔۔۔۔ پس مجھے کسی دوسرے کے ساتھ قیاس مت کرو اور نہ کسی دوسرے کو میرے ساتھ۔" (ترجمہ از عربی عبارت خطبہ الہامیہ ص۱۹)۔

جس جماعت کا مقصد اس قدر بلند ہو جس کا بانی اس بلند مقام پر ہو۔ اس کے مرکز کی اہمیت کا اندازہ لگانا ہمارے لئے نہایت ہی آسان ہو جاتا ہے۔ کوئی احمدی جس میں معمولی سی بھی سمجھ ہو اور جس کے دل میں تھوڑا سا اخلاص بھی باقی رہ گیا ہو، مندرجہ بالا عبارتوں کو پڑھنے کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ جس جماعت کو خدا تعالے نے اس بلند مقام پر کھڑا کیا ہے، جس انسان کے ذریعہ سے خدا نے دُنیا میں انقلاب برپا کرنے کا ارادہ کیا ہے جس کے ذریعہ سے خدا نے نئی زمین اور نیا آسمان بنانے کا تہیہ کیا ہے، اور جس کو خدا نے اپنی عظیم الشان نعمتوں اور فضلوں سے نوازا ہے اُس کا مرکز کوئی معمولی مرکز نہیں ہو سکتا۔

جس مقام پر خدا کا یہ نور نازل ہوا جس مقدس جگہ پر خدا نے اپنے مسیح کو ان الفاظ میں مخاطب کیا کہ تو "جری اللہ فی حلل الانبیاء" ہے۔ کیا وہ مقام کوئی معمولی مقام ہے؟ پس قطع نظر اور دلائل کے ایک عاقل کے لئے صرف یہی دلیل مرکز احمدیت یعنی قادیان کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ خدا نے اس جماعت کو ایک خاص مقصد کے لئے چُنا ہے جو اس مقام سے تعلق رکھتی ہے لیکن ہمارے پاس صرف یہی دلائل نہیں، بلکہ خدا کی وحی نے صاف اور واضح الفاظ میں اس مقام کی عظمت کو ظاہر کیا۔ اور جس طرح سورج کو دیکھکر صرف اندھا ہی اس کے وجود سے انکار کر سکتا ہے اس طرح سے خدا کی اس پاک وحی کو پڑھنے یا سننے کے بعد ایک روحانی بینائی سے محروم ہی قادیان کی عظمت سے انکار کر سکتا ہے۔

قادیان کا نام وحی مقدس میں

اللہ تعالے نے حضور پر وحی نازل فرمائی "انا انزلناہ قریباً من القادیان۔ وبالحق انزلناہ و بالحق نزل۔ صدق اللہ و رسولہ وکان امراً مفعولا"۔ یعنی ہم نے ان نشانوں اور عجائبات کو اور نیز اس الہام پر از معارف و حقائق کو قادیان کے قریب اتارا ہے۔ اور ضرورت حقہ کیساتھ اتارا ہے۔ اور بضرورت حقہ اترا ہے۔ خدا اور اس کے رسول نے خبر دی تھی کہ جو اپنے وقت پر پوری ہوئی اور جو کچھ خدا نے چاہا تھا وہ ہونا ہی تھا"

"یہ آخری فقرات اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو اس شخص کے ظہور کے لئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حدیث . . . . . . میں اشارہ فرما چکے ہیں اور خدا تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں اشارہ فرما چکا ہے چنانچہ وہ اشارہ حصہ سوم کے الہامات میں درج ہو چکا ہے۔ اور قرآنی اشارہ اس آیت میں یہ ہے۔ ھوالذی ارسل

رسولہٗ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہٖ ۔
(براہین احمدیہ صفحہ ۴۹۸)

پھر فرمایا:۔

"کشفی طور پر مَیں نے دیکھا کہ میرے بھائی صاحب مرحوم مرزا غلام قادر صاحب میرے قریب بیٹھکر با آوازِ بلند قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور پڑھتے پڑھتے انہوں نے ان فقرات کو پڑھا۔ کہ انّا انزلناہ قریبًا من القادیان۔ تو مَیں نے سن کر بہت تعجب کیا۔ کہ کیا قادیان کا نام بھی قرآن شریف میں لکھا ہؤا ہے۔ تب انہوں نے کہا کہ یہ دیکھو لکھا ہؤا ہے۔ تب مَیں نے نظر ڈالکر جو دیکھا تو معلوم ہؤا کہ فی الحقیقت قرآن شریف کے دائیں صفحہ میں شاید قریب نصف کے موقعہ پر یہی الہامی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ تب مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ ہاں واقعی طور پر قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے۔ اور مَیں نے کہا کہ تین شہروں کا نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج کیا گیا ہے۔ مکہ اور مدینہ اور قادیان" (ازالہ اوہام صفحہ ۷۶-۷۷)

حضرت مسیح موعودؑ اس کی تشریح میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"اب اِس رسالہ کی تحریر کے وقت (خطبہ الہامیہ۔ ناقل) میرے پر یہ منکشف ہؤا کہ جو کچھ براہین احمدیہ میں کشفی طور پر مَیں نے دیکھا یعنی یہ کہ اُس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ در حقیقت یہ صحیح بات ہے کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ قرآن شریف کی یہ آیت کہ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حولہ معراج مکانی و زمانی دونوں پر مشتمل ہے۔ اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سَیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سَیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانے سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا برکاتِ اسلامی کے زمانے تک جو مسیح موعودؑ کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اِس پہلو کی رُو سے جو اسلام کے انتہا زمانہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے مسجد اقصےٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے۔ مبارک و مبارک وکلّ امر مبارک یجعل فیہ۔

اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقعہ ہوا قرآن شریف کی آیت بارکنا حولہٗ کے مطابق ہے۔ پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں قادیان کا ذکر ہے۔"

پس وہ مبارک بستی جس کا ذکر خدا کی تازہ وحی میں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی موجود ہو۔ اور جس کا ذکر خدا کی مقدس کتاب قرآن شریف میں اشارۃً کیا گیا ہو یقیناً ایک خاص بستی ہے۔

قادیان میں لوگوں کی آمد کی پیشگوئی

ابھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ماموریت کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا جو حضورؑ کو الہام ہوا۔ یاتون من کل فج عمیق۔ وسع مکانک۔ یاتیک من کل فج عمیق (تذکرہ صفحہ) یعنی لوگ اس کثرت سے آئیں گے کہ آنیوالے لوگوں کے راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔ اپنے مکان کو وسیع کر۔ تیرے پاس لوگ اس کثرت سے آئیں گے کہ آنے والے لوگوں کے راستوں میں گڑھے پڑ جائیں گے۔

یہ الہام اس وقت ہوا جب حضورؑ نے ماموریت کا دعویٰ تک بھی نہیں کیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد حضورؑ کو کئی دفعہ یہ الہام ہوا۔ اور بعد کے واقعات نے اس پیشگوئی کی عظمت کو نہایت صفائی سے پورا کر دیا۔ اور ابھی تو ابتدا ہے۔ دُنیا دیکھے گی کہ خدا کس طرح اپنے مامور کی پیشگوئی کے ماتحت لاکھوں لوگوں کو اس مبارک بستی میں لائے گا۔

اہلِ پیغام پر افسوس ہے کہ وہ مقام جس میں ہر سال خدائے برتر و قدوس کی بتائی ہوئی خبر کے مطابق ہزاروں لوگ دیوانہ وار جمع ہوتے ہیں۔ اور ہر سال ان آنے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ اسی مقام کو وہ ترک کر رہے ہیں۔ اور اپنے سال سے خدا کی اس پیشگوئی کو جھوٹی ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر خدا کی باتوں کو کون رد کر سکتا ہے۔ یہ مقام بڑھیگا، پھلیگا اور پھولے گا۔ اور کوئی نہیں جو خدا کی اس بتائی ہوئی خبر کو پورا ہونے سے روک سکے۔ مبارک وہ جو خدا کی باتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

پھر حضورؑ فرماتے ہیں :۔

"قادیان ہی وہ شہر ہے۔ جہاں اس زمانے میں خدا تعالیٰ نے اسلام کی تجدید اور جملہ ادیان عالم پر اسے کامل غلبہ دینے کی بُنیاد رکھی۔ یہ اسلام کا مضبوط قلعہ ہے۔ خدا تعالےٰ فرماتا ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پناہ گزیں ہوئے ہیں قلعہ ہند میںؔ۔"[1]

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۷ صفحہ ۲ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۱ء

پھر فرمایا :-

"ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتّٰی یغیّروا ما بانفسہم۔ انّہٗ اوی القریۃ۔ یعنی خدا نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ اِس بلائے طاعون کو ہرگز دُور نہیں کریگا جب تک لوگ ان خیالات کو دُور نہ کرلیں جو ان کے دلوں میں ہیں یعنی جبتک وہ خدا کے مامور اور رسول کو نہ مان لیں۔ تب تک طاعون دُور نہیں ہوگی اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھیگا۔ تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔" (دافع البلاء مٹ)

اِسی صفحہ کے حاشیہ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں :-

"اَوٰی عربی لفظ ہے۔ جس کے معنے ہیں تباہی اور انتشار سے بچانا۔ اور اپنی پناہ میں لے لینا۔ یہ اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طاعون کی قسموں میں سے وہ طاعون جو سخت بربادی بخش ہے جس کا نام طاعون جارف ہے یعنی جھاڑو دینے والی طاعون جس سے لوگ جا بجا بھاگتے ہیں اور کتوں کی طرح مرتے ہیں۔ یہ حالت انسانی برداشت سے بڑھ جاتی ہے۔ پس اِس کلام الٰہی میں یہ وعدہ ہے کہ یہ حالت کبھی قادیان پر وارد نہیں ہوگی۔"

حضورؑ فرماتے ہیں :-

زمینِ قادیاں اب محترم ہے
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

پھر فرماتے ہیں :- "یہ اس کے رسول کی تخت گاہ ہے۔" (کشتی نوحؑ ص۱۱)

تخت گاہ دارالخلافہ کو کہتے ہیں۔ پس اِس کا مطلب صاف ہے۔ کہ اس رسول کے ذریعہ دُنیا میں جو روحانی حکومت قائم کیجائے گی اس کا مرکز اور دارالخلافہ یہی مقام ہوگا۔ اس بات کو ایک پرائمری کا طالب علم بھی جانتا ہے۔ کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں شہر فلاں ملک کا دارالخلافہ ہے تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس مُلک کی حکومت کا مرکز اس شہر میں قائم ہے۔ اور وہیں سے تمام احکام کا نفاذ ہوتا ہے تو کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ تخت گاہ سے کیا مُراد ہے؟ اور کیا حضورؑ نے یونہی ان الفاظ کو بیان فرمایا تھا؟

حضورؑ اس مقام کی حرمت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"جیسے روشنی میں سیاہ دل چور نہیں ٹھہر سکتا ویسے ہی اس مقام میں جو تجلیات اور انوارِ الٰہی کا مرکز ہے کوئی سیاہ دل خائن بہت مدت تک نہیں ٹھہر سکتا۔"
(بدر ۲۵ راپریل ۱۹۰۷ء)

پھر فرماتے ہیں :-

"یروشلم سے مراد بیت المقدس نہیں۔ بلکہ وہ مقام ہے جس سے دین کے زندہ کرنے کے لئے الٰہی چشمہ جوش مارے گا۔ اور وہ قادیان ہے جو خدا تعالےٰ کی نظر میں دار الامان ہے۔" (نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۴۲)

اصحاب الصّفّہ

ماموریت کے دعوےٰ سے کئی سال قبل حضور کو الہام ہوا تھا اصحاب الصّفّہ وما ادراك ما اصحاب الصّفّہ۔ تریٰ اعینہم تفیض من الدمع یصلّون علیك " (تذکرہ صفحہ ۵۱) حضور نے اس کا جو ترجمہ فرمایا وہ یہ ہے :-

"اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آکر آباد ہوں گے۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اصحاب الصّفّہ کہلاتے ہیں۔ اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ کس شان اور کس ایمان کے لوگ ہوں گے جو اصحاب الصّفّہ کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ بہت قوی الایمان ہوں گے۔ تو دیکھیگا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ وہ تیرے پر درود بھیجیں گے۔" (تذکرہ صفحہ ۵۱)

دوسرے موقعہ پر حضور اسی الہام کے متعلق فرماتے ہیں :-

"خدا تعالےٰ نے انہیں اصحاب الصّفّہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا ہے اور جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آباد نہیں ہوتا اور کم سے کم یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا، اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اور ان لوگوں کی عظمت ظاہر کرتی ہے کہ جو خدا تعالےٰ کے علم میں تھے۔ کہ وہ اپنے گھروں اور وطنوں اور املاک کو چھوڑیں گے اور میری ہمسائیگی کے لئے قادیان میں بود و باش کریں گے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۶۰)

پھر فرماتے ہیں :-

"انسانی عادت اور اسلامی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ مومن کسی ذوق کے وقت اور کسی مشاہدہ کرشمۂ قدرت کے وقت درود بھیجتا ہے۔ سو یصلّون علیك کے

فقرے میں اشارہ ہے کہ وہ لوگ جو ہردم پاس رہیں گے وہ کئی قسم کے نشانات دیکھتے رہیں گے۔ پس ان نشانوں کی تاثیر سے بسااوقات اُن کے آنسو جاری ہوجائیں گے۔ اور شدتِ ذوق اور رقت سے بے اختیار درود ان کے مُنہ سے نکلیگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آرہا ہے۔ اور یہ پیشگوئی بار بار ظہور میں آرہی ہے۔" (اربعین ۲ ص۲)

منارۃ المسیح

حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"قدیم سے مسیح موعود کا مقام اس بلند مینار پر قرار دیا گیا ہے۔ جس سے بڑھکر اور کوئی عمارت اونچی نہیں۔ اسی کی طرف براہین احمدیہ کے اس الہام میں اشارہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیان برمنارِ بلند تر محکم افتاد۔ ایسا ہی مسیح موعود کی مسجد بھی مسجد اقصےٰ ہے۔ کیونکہ وہ صدر اسلام سے دُور تر اور انتہائی زمانہ پر ہے۔ اور ایک روایت میں خدا کے پاک نبیؐ نے یہ پیشگوئی کی تھی۔ کہ مسیح موعود کا نزول مسجد اقصےٰ کے مشرقی منارہ کے قریب ہوگا۔" (اشتہار چندہ منارۃ المسیح ص ت)

اس منارہ کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۳ء میں رکھی۔ مگر خدا تعالےٰ کی مشیت کو دیکھو کہ اس کی تکمیل خلافتِ ثانیہ کے زمانے میں ہوئی۔

بیت الذکر بیت الفکر

خدا کی وحی نے فرمایا:۔

"الم نجعل لك سهولة فى كلّ امرٍ بيت الفكر وبيت الذكر ومن دخله كان آمنًا۔ (ترجمہ) کیا ہم نے ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا فرمایا۔ اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و قصدِ تعبد و صحتِ نیت و حسنِ ایمان داخل ہوگا وہ سوءِ خاتمہ سے امن میں آجائیگا۔"

بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف کیلئے مشغول رہا ہے اور رہتا ہے۔ اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے کہ جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے۔ اور آخری فقرہ مذکورہ بالا اسی مسجد کی صفت میں بیان فرمایا ہے۔ جسکے حروف سے بنائے مسجد کی تاریخ بھی نکلتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ مبارك مبارك وكلّ امرٍ مبارك يجعل فيه۔ یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر ایک امر مبارک اس میں کیا جائے گا۔ (تذکرہ ص۱۰۱، ص۱۰۲)

اور پھر فرماتے ہیں:۔

"اس مسجد مبارک کے بارے میں پانچ مرتبہ الہام ہوا منجملہ ان کے ایک نہایت عظیم الشان الہام..... فیہ برکات للناس ومن دخلہ کان اٰمناً"

(مکتوبات جلد اول صفحہ ۵۵)

یہ عبارتیں کسی تشریح کی محتاج نہیں مسجد اقصیٰ کے متعلق بھی پہلے حوالہ درج کیا جا چکا ہے۔ اور مسجد مبارک کے متعلق جو بشارتیں تھیں وہ بھی اس جگہ آگئی ہیں۔ غور کے قابل بات ہے کہ وہ مقام جس کی مساجد کو اتنی برکت دی گئی ہو، کہ ایک ان میں سے ایسی مسجد ہو جس کا قرآن مجید میں ذکر ہو اور دوسری ایسی ہو جس میں اخلاص سے داخل ہونے والوں کے لئے بشارتیں ہوں۔ کیا وہ مقام اس قابل ہے کہ اُسے چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کو برتر بنایا جائے۔ یہ عبارتیں اور خدا تعالیٰ کی یہ واضح بشارتیں ایک صاف باطن شخص کے سامنے سورج کی طرح چمکنے والی اور قادیان کی عظمت کو ظاہر کرنے والی ہیں۔

پھر اسی پر بس نہیں، بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے وحی پا کر یہ خبر دی کہ یہ چھوٹی بستی بہت بڑھے گی اور بیاس تک پھیلے گی۔ پھر ایک اور بہت بڑا ثبوت جو قادیان کے مرکز سلسلہ ہونے پر ہے وہ وصیت کا نظام ہے۔

خدا کے مامور نے ۱۹۰۵ء میں اپنی وفات کی خبریں پا کر ایک رسالہ شائع کیا جو الوصیت کے نام سے مشہور ہے حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"اور مجھے ایک جگہ دکھلائی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہوگی۔ ایک فرشتہ میں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے۔ تب ایک مقام پر اس نے پہنچ کر مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے۔ پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھلائی گئی کہ جو چاندی سے زیادہ چمکتی تھی۔ تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے۔ اور ایک جگہ مجھے دکھلائی گئی اور اس کا نام بہشتی مقبرہ رکھا گیا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں"

پھر فرماتے ہیں:۔

"اور چونکہ اس قبرستان کے لئے بڑی بھاری بشارتیں مجھے ملی ہیں۔ اور نہ صرف خدا نے یہ فرمایا کہ یہ مقبرہ بہشتی ہے۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اُنزل فیھا کل رحمۃ۔ یعنی ہر ایک قسم کی رحمت اس قبرستان میں اتاری گئی ہے۔ اور کسی قسم کی رحمت نہیں جو اس قبرستان والوں کو اس سے حصہ نہیں"

پھر فرماتے ہیں:۔

"یہ ضروری ہوگا کہ مقام اس انجمن کا ہمیشہ قادیان رہے کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی ہے۔"

آئندہ آنیوالے عذابوں میں پناہ گاہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے دُنیا کو حیرت انگیز اور نہایت ہی خوفناک عذابوں کی خبر دی۔ ایسے عذاب جن کی دُنیا میں نظیر نہیں تھی۔ اور پھر ساتھ ہی اپنی جماعت کے لوگوں کو تسلی دی کہ ان میں سے جو لوگ ان مصائب سے قبل خدا کے حضور عاجزی سے پکاریں گے وہ ان مصائب سے محفوظ کئے جائیں گے۔ اور قادیان کے متعلق فرمایا:۔

"آئندہ موسم بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جو کچھ الہاماً معلوم ہُوا تھا۔ وہ خبر بھی اندیشہ ناک ہے ...... دن بہت خطرناک ہیں ..... مجھے تو یہ معلوم ہُوا ہے کہ یہ دن دُنیا کے لئے بڑی بڑی مصیبتوں اور موت اور دُکھ کے دن ہیں .... مجھے اِس بات کا خیال ہے کہ اِس شورِ قیامت کے وقت جس کی مجھے الہام الٰہی سے خبر ملی ہے حتی الوسع اپنے عزیز دوست قادیان میں ہوں۔"

یہ عظیم الشان عذاب حضورؑ کی وفات کے بعد آئے اور آج دُنیا پھر ایک ہیبتناک جنگ کا نظارہ دیکھ رہی ہے۔ ابھی پتہ نہیں دُنیا کے لئے اور کیا کیا مقدر ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جس خدا کے فرستادہ نے یہ خواہش کی تھی کہ ایسے عذابوں کے وقت اپنے عزیز دوست قادیان میں ہوں ہمارے موجودہ امام ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی آج سے کافی دیر پہلے جماعت کے دوستوں کو یہ تحریک کی تھی، کہ وہ اِن پُرخطر ایام میں قادیان آکر رہنے کی کوشش کریں۔ اور اگر خود ملازم ہیں یا اور کاروبار میں لگے ہوئے ہیں تو اپنے بیوی بچوں کو ضرور قادیان بھیجیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قادیان کے متعلق یہ عظیم الشان بشارتیں بالکل واضح ہیں۔ مختصر یہ کہ قادیان وہ مقام ہے جس میں خدا کا نور اس غرض سے نازل ہُوا تا دوبارہ دُنیا میں اسلام قائم کیا جائے۔ اور اسلام کو وہ غلبہ نصیب ہو کہ ساری دُنیا میں پرچم اسلامی لہراتا ہو۔ اندھی دُنیا جو روحانیت سے کوسوں دُور جا رہی ہے، پھر سے روحانی پانی سے سیراب ہو۔

قادیان وہ مقام ہے جس میں خدا کا وہ مرسل پیدا ہُوا، بڑھا، پھلا اور پھولا اور پھر خدا نے اُسے اس مقام پر کھڑا کیا کہ اُسے جری اللّٰہ فی حلل الانبیاء کا خطاب دیا۔

قادیان وہ مقام ہے جس کے متعلق خدا نے یہ فرمایا۔ کہ دُور دراز ملکوں سے نہایت کثرت سے پیدل

لوگ آئیں گے۔ قادیان وہ مقام ہے جس کے متعلق اشارۃً خدا کی پاک کتاب قرآن مجید میں ذکر ہے۔ قادیان وہ مقدس مقام ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کی وحی کے مطابق مکہ اور مدینہ کے بعد مقدس قرار دیا ہے۔

قادیان ہی وہ بستی ہے جس میں اخلاص سے رہنے والوں کو خدا نے اپنے الہام میں اصحاب الصُّفّہ کے نام سے یاد فرمایا ہے۔

قادیان ہی وہ مقام ہے جس کی مساجد بھی خدا تعالےٰ کے نشانوں میں سے عظیم الشان نشان ہیں۔ ان میں سے مسجد اقصےٰ کا ذکر تو خدا کی کتاب میں ہے۔ اور مسجد مبارک کے متعلق یہ فرمایا گیا۔ کہ مبارکٌ ومبارکٌ و کُلّ امر مبارکٌ یجعل فیہ۔

قادیان ہی وہ مقام ہے جس کو امام آخر الزمانؑ نے "خدا کے رسول کی تخت گاہ" قرار دیا ہے۔ قادیان ہی وہ جگہ ہے جسے حضورؑ نے انجمن کا مستقل مقام قرار دیکر اس کی مرکزی حیثیت کو بالکل واضح کر دیا ہے۔

اگر ان باتوں کے باوجود بھی کوئی جگہ مرکز کہلانے کی مستحق نہیں، تو پھر ہم اپنے مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ وہ کونسے شواہد اور قرائن ہیں جن سے کسی مقام کی اہمیت اور مرکزیت ثابت ہو؟ کیا مندرجہ بالا الہامات کی روشنی میں ایک سیکنڈ کے لئے بھی ایک معمولی سمجھ رکھنے والا انسان اس بات میں شک کر سکتا ہے۔ کہ واقعی اس مقام کو خدا نے دُنیا کی اصلاح کے لئے چُنا ہے۔ نہ صرف یہ کہ خدا کی پاک وحی نے یہ باتیں قبل از وقت بتائیں بلکہ ہم ہر دم اپنی آنکھوں سے ان باتوں کو پُورا ہوتے دیکھتے ہیں ہر سال ہزاروں لوگوں کا دیوانہ وار قادیان میں آنا ہمارے ایمانوں میں ایک غیر متزلزل مضبوطی پیدا کرتا ہے وہ بستی، جس میں رہنے والے ایک گمنام انسان نے آج سے کئی سال قبل دُنیا کو ایک پیغام دیا تھا جب کہ وہ تن تنہا تھا۔ آج اس پیغام کو سُننے والے ہزاروں کی تعداد میں یاتیک من کل فج عمیق کی پیشگوئی کو پُورا کرتے ہوئے اس مبارک بستی میں آتے ہیں۔ اسی مقام سے دُنیا کے مختلف ممالک میں مبلّغین اسلام خدا کے نام کو پہنچانے کے لئے روانہ ہوتے ہیں غرضیکہ ہر لحاظ سے یہ مقام اس قابل ٹھہرتا ہے کہ اسے ایسی جماعت کا مرکز قرار دیا جائے۔

مرکز کی ضرورت

اِس بات کو سمجھنے کے لئے کہ جماعت احمدیہ کو ایک مرکز کی ضرورت ہے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ مرکز دُنیا میں کیوں بنائے جاتے ہیں؟ سو مرکز کے معنے ہیں، کسی چیز کا وسطی حصہ۔ اور علم جیومیٹری کی اصطلاح میں اُس نقطہ کو کہتے ہیں جسکے گرد دائرہ گھومتا ہو، یا جس کے گرد مختلف خطوط مساوی فاصلہ پر واقع ہوں۔ یا جو نقطہ کسی

ہی خطہ کے نصف میں واقع ہو۔ پس جب ہم یہ کہتے ہیں کہ فلاں جگہ کسی قوم کا مرکز ہے تو اس کا مطلب یہ کہ اس قوم کو آپس میں ملانے ، زندہ رکھنے اور اس کی قوتِ عملیہ کو صحیح رنگ میں لانے کے لئے کسی خا حصہ کو متعین کیا جاتا ہے۔ مثلاً ہم یہ کہتے ہیں کہ لنڈن سلطنتِ برطانیہ کا مرکز ہے۔ تو اس کا مطلب یہ کہ سلطنت کے مختلف حصوں میں جو جو قوانین رائج ہیں، جس جس قسم کے نظام رائج ہیں، روزمرہ حالا کے ماتحت جو طریقِ عمل اختیار کیا جاتا ہے وہ سب لنڈن سے جاری ہوتا ہے۔ اور لنڈن میں ای فرد یا افراد ہیں جو اس تمام کام کو سرانجام دیتے ہیں۔ سلطنتِ برطانیہ کا وجود وابستہ ہے اپنے یعنی لنڈن سے۔ اور مرکزِ سلطنت یعنی لنڈن وابستہ ہے سلطنت سے۔ اگر مرکز نہ ہو تو کوئی سلطنت باقی نہیں رہتی۔ اور اگر سلطنت ٹوٹ جائے تو مرکز کا کام بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پس یہ دونوں چیزیں لا و ملزوم ہیں۔

جس طرح سے انسانی زندگی کے لئے دَورانِ خون ضروری ہے۔ اور اس دَورانِ خون کا مرکز ہے۔ اور جب دل کی حرکت بند ہوئی تو انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح سے کسی قو مرکز ہے۔ اسی مرکز سے قومی زندگی کا خون ملک یا قوم کے مختلف حصوں میں دَورہ کرتا ہے۔ اور ا مرکز کی حرکت کا بند ہو جانا یا کمزور ہو جانا قوم یا ملک کی بربادی یا کمزوری پر دلالت کرتا ہے۔ یطر اس زمانے میں ہی رائج نہیں ہے، بلکہ جب سے دنیا کا نظام شروع ہوا ہے، یہی دستور العمل چ آرہا ہے۔ آج بھی ہم وحشی سے وحشی اور غیر مہذب ممالک میں بھی کوئی نہ کوئی مرکز ضرور دیکھتے ہیں خو وہ لوگ مرکز کے مفہوم سے ہی ناآشنا ہوں۔ اور خواہ وہ یہ جانتے ہی نہ ہوں کہ یہ ہمارا مرکز ہے۔ عملاً ان کی زندگی کا دارومدار کسی ایک یا بہت سے مقامات سے وابستہ نظر آتا ہے۔ جس طرح بچہ بیعت کرتا ہے، خواہ اسے بیعت کے لفظ کا پتہ ہو یا نہ ہو اسی طرح قومی زندگی میں مرکز کا قیام ضروری۔ خواہ کوئی وحشی قوم مرکز کے کام اور حقیقت سے ناآشنا ہی کیوں نہ ہو۔

اس کا ثبوت اِس بات سے مل سکتا ہے۔ کہ ہم کہیں چلے جائیں۔ ہمیں بعض مقامات اپنی آباد کے لحاظ سے بعض دوسرے مقامات سے ممتاز نظر آتے ہیں اور ان کو شہر کے نام سے اور ان کے مقا پر کم ممتاز اور غیر معروف مقامات کو دیہات کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے ایک شہر مختلف دیہات کے اعتبار سے ایک مرکز ہے۔ کیونکہ اس حصۂ ملک کے بہت سے مذہبی، اقتصادی، تمدنی او انتظامی حالات اس شہر سے وابستہ ہوتے ہیں

پس جب یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی قوم یا ملک کے لئے مرکز کا وجود اور اس کا استحکا

ضروری ہے۔ اسی طرح سے روحانی سلسلہ میں بھی ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ سے خدا تعالیٰ ضلالت اور گمراہی کے زمانوں میں لوگوں کے دلوں میں ازسرِنو نورِ ایمان پیدا کرنے کے لئے کسی مقام کو اور کسی انسان کو چُنتا ہے۔ اور اس مقصد کے لئے اس مقام کو ہیڈ کوارٹر یا مرکز بنا دیتا ہے۔

جس طرح سے سورج کی کرنیں اپنے گرد وپیش کی تمام چیزوں کو منوّر کرتی ہیں، اسی طرح یہ نورانی سورج سب اطراف میں اپنی کرنیں بھیجتا ہے۔ جس طرح سے بیٹری کی شعاعیں ایک بلب سے نکلتی ہیں اور لالٹین کی روشنی ایک چھوٹی سی بتی سے جاری ہوتی ہے اسی طرح سے روحانی روشنی ایک مرکزی نقطہ اور مرکزی مقام سے منتشر کی جاتی ہے۔

پس کسی مذہبی جماعت کا وجود بھی ایک مرکز سے وابستہ ہے اور اس مرکز کے بغیر اس جماعت کا کوئی وجود نہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں، کہ جماعت کو کامیاب کریں تو ہمارا یہ فرض ہونا چاہئے کہ ہم اپنی مرکزی طاقت کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں۔

تاریخ سے واقف شخص بآسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے۔ کہ دشمن جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے، تو اس کا سارا زور اس بات پر صرف ہوتا ہے کہ کسی طرح اس ملک کے مرکز اور اس مرکز کے تابع مراکز پر قبضہ کیا جائے۔ اور جب مرکز پر قبضہ ہو جائے تو قوم کی مقابلہ کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ آج کل تو فنونِ جنگ بہت بڑھ گئے ہیں مگر پچھلے زمانوں میں بعض دفعہ قوموں کی قسمت کا فیصلہ کسی مرکزی شہر کی فتح یا شکست پر منحصر ہو جایا کرتا تھا۔ اسی لئے ہر قوم ہمیشہ ہی اپنے مرکز کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور دشمن کے حملہ کا مُنہ توڑ جواب دینے کے قابل بنایا کرتی تھی۔

پس مرکز کا قیام اور اس کا استحکام ایک جماعت کے لئے ضروری چیز ہے۔

آج خدا تعالےٰ نے پھر ایک بار دُنیا کو نورِ ہدایت سے منوّر کرنے کا تہیہ کیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے ساری دُنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا۔ گو اُس زمانہ میں تکمیلِ شریعت کا کام تو بیشک ہوا۔ مگر تکمیل تبلیغ واشاعت کا کام حضرت مسیح موعود کے لئے ہی مخصوص تھا۔ آج پہلی دفعہ دُنیا یہ نظارہ دیکھے گی کہ ساری دُنیا ایک ہی چشمہ سے سیراب ہو رہی ہے (سوائے شاذ و نادر لوگوں کے) اس سے پہلے اس دُنیا میں ایسا کبھی نہیں ہُوا۔ پس ہمارے ذریعہ سے تاریخِ عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اپنی ذات میں ایک پہلی مثال قائم کی جا رہی ہے اور اس فرض کے لئے خدا تعالےٰ نے ایک گمنام بستی کو چُنا۔ ذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔ پس اس بستی سے شمعِ ہدایت کی کرنیں سارے عالم کو منوّر کریں گی۔

اور اسلامی شان و شوکت اسی جگہ سے ساری دُنیا میں پھیلے گی - خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کا مرکز اس مقام کو ٹھہرایا ہے -

جیساکہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نہایت واضح تحریریں - خدا تعالیٰ کی بشارتیں ایک اور ایک دو کی طرح اس مقدس بستی کو نئے دور کا مرکز قرار دیتی ہیں - آج احمدیت کی ترقی وابستہ ہے اس کے مرکز سے - اس مرکز کا قیام اور اس کا استحکام احمدیت کی ترقی کے لئے ضروری ہے - اور اسکے بغیر احمدیت ایک منٹ بھی قائم نہیں رہ سکتی - جس طرح قلب کی حرکت بند ہو جانے سے جسم مُردہ ہو جاتا ہے اسی طرح جماعت کے اس مرکزی حیثیت کو توڑ دینے سے جماعت کی موت کا آنا ضروری ہے - مگر یہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کام کو ذمہ خدا نے اپنے ہاتھ میں لیا ہے -

حیرت کی بات ہے کہ اہل پیغام اس خدا کے مقرر کردہ مرکز کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں - ابھی احمدیت اپنے آغاز میں ہی ہے - ابھی اس کام کا ایک معمولی حصہ بھی نہیں ہوا - جس کا ارادہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے - مگر یہ لوگ مرکز کو ترک کر چکے ہیں - یہ تو ممکن ہے کہ دُنیاوی مرکز تبدیل کر دیا جائے - گو اس میں بھی کافی دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے - مگر خدا کے مقرر کردہ مرکز کو کون توڑ سکتا ہے - کیا کسی کی طاقت ہے کہ وہ سورج کی روشنی کے مقابلہ میں ایک اپنا مرکز بنائے اور اس سے دُنیا کو منور کرے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جہاں سے الٰہی سورج کی کرنیں دُنیا کو منور کر رہی ہوں اس کے بالمقابل کسی اور مقام کو تلاش کیا جائے - لنڈن کی بجائے آکسفورڈ یا کیمبرج حکومت برطانیہ کے مرکز بن سکتے ہیں - کیونکہ جو کام اس وقت لنڈن سے ہو رہا ہے وہی کام کیمبرج سے بھی ہو سکتا ہے - مگر الٰہی روشنی اور انوار جس جگہ نازل ہو رہے ہوں، ہم اپنی مرضی سے کسی اور جگہ کو اس کے مقابلہ میں مہبطِ انوارِ الٰہی نہیں بنا سکتے - کیونکہ یہ خدا کا فعل ہے - اور خدا کے فعل کے مقابل فعل کرنا حد درجہ کی نادانی اور گستاخی ہے - خدا نے قادیان کو یہ برکت اور سعادت دی اور اب یہ برکت اور سعادت کسی دوسرے مقام کو اس کے طفیل سے ہی ملے گی - لیکن کون ہے جو اس کے مقابلہ میں کسی مقام کو کھڑا کرنے کی جرأت کرے - (سوائے اُن مقامات کے کہ جن کو پہلے سے اللہ تعالیٰ نے برکت دی)

حکومت اپنے دارالخلافہ کو بدل سکتی ہے اور خدا بھی مرکز کو بدل دیا کرتا ہے - مگر جہاں حکومت اپنے مرکز کو تبدیل کرتی ہے وہاں رعایا میں سے کسی فرد کی طاقت نہیں ہوتی بلکہ خود حکومت ہی ایسا کرتی ہے - اسی طرح جب خدا ایک مرکز کو قائم کرتا ہے تو اس مرکز کو خدا تعالیٰ

بھی دوسرے وقت میں بدلا کرتا ہے، نہ کہ کوئی اور طاقت۔ اور جو شخص یا اشخاص ایک اور مرکز کو قائم کرنا چاہیں وہ اپنے فعل سے خدا تعالیٰ کی حد درجہ گستاخی کا موجب بنتے ہیں۔

پس آج دُنیا میں اسلامی پرچم کو لہرانے کے لئے اور دُنیا کو اس نور سے منوّر کرنے کیلئے خدا کے قائم کردہ مرکز سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کرنے کی اور اِس مرکز کو اور اس مرکز کے ماحول کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنانے کی ضرورت ہے۔ تا خدا کا فضل ہم پر زیادہ سے زیادہ نازل ہو۔ اور ہم دُنیا کے لئے زیادہ سے زیادہ بہتری کا باعث بنیں۔

تبھی تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار اپنی جماعت کے افراد کو قادیان آنے کی تلقین فرمائی اور اسی غرض سے احمدی احباب اکناف عالم سے سال میں ایک دفعہ دیوانہ وار والہانہ انداز میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جمع ہوتے ہیں۔

ایک طرف تو خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے ایک مقام کو چنتا ہے اور اس کو مرکز قرار دیتا ہے تو دوسری طرف خود انبیاءؑ کو لوگوں میں ایک مرکزی حیثیت دی جاتی ہے۔ یعنی جس طرح نقطہ کے ارد گرد دائرہ گھومتا ہے اسی طرح سے اس ذات کے ساتھ لوگ دیوانہ وار تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کا وہ تعلق ان کو خدا کے قریب کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے ذریعے سے عشق و محبت اور وفا کا ایک عجیب دلکش نظارہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ لوگ اپنے قریبی سے قریبی رشتہ داروں، اپنی جائیدادوں اور اپنے اہل و عیال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس نقطۂ مرکزی کے گرد پروانہ وار جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ الٰہی نور سے اُن کی پیاس کو دُور کرتا ہے۔ یہی وہ وجود ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے لوگوں میں ایسی تبدیلی پیدا ہوتی ہے، جو کسی ظاہری حکومت، قوانین اور دبدبہ سے نہیں ہو سکتی۔

لیکن یہ وجود دُنیا میں ہمیشہ نہیں رہا کرتے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنے نور کو قائم رکھنے کے لئے اپنے انبیاءؑ کی وفات کے بعد قدرت ثانیہ کے مظاہر کو کھڑا کرتا ہے۔ یہ لوگ بھی خدا کی محبت میں سرشار اور نبی کی طرح انسان کی ہمدردی اور جذبۂ اصلاح کو اپنے اندر رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور انبیاءؑ کی وفات کے بعد یہ لوگ نقطۂ مرکزی بن جاتے ہیں۔ یہ امر نہایت ہی عام فہم ہے کہ جانشین کا وہی کام ہوتا ہے جس کی جگہ پر وہ آتا ہے۔ اب یہ بات کس طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ کہ ایک نبی جو دُنیا میں رُوحانیت پھیلانے آتا ہے اس کے جانشین چند ممبران جو قوانین کے ضابطہ سے جماعت پر حکمرانی کرنا چاہتے ہیں بنیں؟ یقیناً جو نبی کا کام ہے وہی اُس کے جانشین کا

جس طرح نبی الٰہی نور کو دُنیا میں پھیلاتا ہے، اُسی طرح اس کا جانشین بھی محرک منتظم اور حاکم ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایسے وجود کی ضرورت ہے جو اپنے روحانی جذب کی وجہ سے لوگوں کے لئے ایک نقطۂ مرکزی بن سکے۔

پس جہاں مقام کے لحاظ سے دُنیا کا مرکز قادیان ہے وہاں افراد کے لحاظ سے جماعت کا مرکز ان کا امام ہے۔ اور اس امام کا ہیڈکوارٹر یا مرکز وہی ہے جسے خدا نے مرکز قرار دیا ہے۔

اس سے یہ بات اچھی طرح ہمارے ذہن میں آجاتی ہے کہ خلیفہ کا وجود صرف ایک تنظیم اور حاکم کی حیثیت سے ہی نہیں، بلکہ خدا نے اُسے اس لئے کھڑا کیا ہے کہ تا اُس کے ساتھ تعلق قائم کر کے انسان اُس رُوحانیت کو حاصل کرے جسے نبی دُنیا میں لاتا ہے۔

بے شک نظام کے لحاظ سے بھی خلیفہ کا وجود ضروری ہے اور بہت ضروری ہے اور اس کے بغیر جماعت قائم ہی نہیں رہ سکتی۔ مگر اسی پر دارومدار قرار دینا اور اصل غرض یعنی روحانیت کو بھول جانا درست نہیں۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خلیفہ کا انتظام اور تنظیم کا کام بھی اسی رُوحانیت کے سانچہ سے ڈھل کر نکلتا ہے۔ اور اِن دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ان لوگوں کی سیاست، تحمل، تدبر اور انتظام سب ایک ہی نقطہ کے گرد چکر لگاتے ہیں اور وہ منشاء الٰہی کو ہی دُنیا میں قائم کرتے ہیں۔ پس اِس لحاظ سے یہ چیزیں اس مقصد سے علیحدہ نہیں، بلکہ اس کا جزو اور حصّہ ہیں۔

پس ہمارے مرکز کی دو صورتیں ہیں ایک مقام اور ایک ذات مقام کے لحاظ سے ہمارا مرکز قادیان ہے۔ اور ذات کے لحاظ سے ہمارا مرکز ہمارا مطاع اور ہمارا امام ہے۔ اور یہ مرکز ہماری زندگی بلکہ دُنیا کی زندگی کے لئے ضروری ہے۔

مرکز کا ایک اور مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اندر کشش اور جذب سے قوم کو اپنے ساتھ وابستہ کرتا ہے۔ چنانچہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے، کہ جب کسی قوم کا ایک مرکز قرار پاتا ہے تو دیر تک وہی مرکز رہتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ایسی غیر معمولی وجوہ پیدا ہو جائیں کہ وہ مرکز ٹوٹ جائے بلکہ یہاں تک اس کا اثر ہوتا ہے کہ بعض دفعہ کئی قومیں بدل جاتی ہیں، مگر ہر ایک قوم اپنے سے پہلی قوم کے مرکز کو ہی برقرار رکھتی ہے۔

مثلاً ہندوستان میں مسلمانوں کے کئی خاندانوں نے حکومت کی، مگر اس تمام دورِ حکومت

میں سوائے تھوڑے عرصہ کے حکومت کا مرکز دہلی ہی رہا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ گو انگریزوں کی عملداری میں ایک وقت تک کلکتہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، مگر پھر گورنمنٹ برطانیہ کو مجبوراً دہلی کو ہی اپنا مرکز قرار دینا پڑا۔

اسی طرح الٰہی سلسلوں میں بھی خدا تعالیٰ ایک مرکز کو قائم کرتا ہے اور پھر اس کے اندر کچھ ایسی کشش اور ایسا جذب رکھ دیتا ہے کہ لوگ اس مقام میں اپنی رُوح کی تسکین پاتے ہیں۔ اور خدا بھی اس مرکز میں بعض اور مقامات کو خصوصیت عطا فرماتا ہے، تا لوگوں کے ایمان اس خصوصیت کو دیکھ کر تازہ ہوں، اور تا وہ سمجھیں کہ ایک قادر و قیوم ہستی ہے جو اس کارخانہ کو چلا رہی ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے، قادیان میں بھی خدا تعالیٰ نے الٰہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ نہ صرف قادیان کو برکت دی گئی بلکہ اس سرزمین میں بعض اور مقامات کو بھی خاص طور پر اپنے فضلوں کا مورد بنایا ہے۔ جیسا کہ مسجد اقصےٰ، مسجد مبارک، دار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام، منارۃ المسیح اور بہشتی مقبرہ۔ یہ مقامات سلسلہ کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں۔ اور ان کے وجود سے جماعت کی روایات وابستہ ہیں۔ اس چیز کو قرآنی اصطلاح میں شعائر اللہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ایک ظاہری حکومت کے مرکز کے ساتھ تو غلط روایات بھی شائع ہو جاتی ہیں۔ لیکن روحانی سلسلہ کے مرکز کے ساتھ ایسی روایات قائم ہوتی ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی کا زندہ نشان ہوتی ہیں۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے شعائر کی عزت کرتے ہیں تو یہ بات ان کے دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس میں بھی راز ہے کہ تا لوگ اس مقدس مقام کے ساتھ زیادہ سے زیادہ منسلک ہوتے چلے جائیں اور انہیں ایسی نشانیاں نظر آئیں جو خدا کی قدرت اور اس کے منشاء کو یاد کرانے والی ہوں۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ خدا تعالیٰ کے یہ شعائر اللہ تو قادیان میں ہوں، مگر لوگ لاہور جا کر اپنی روحانی پیاس کو بجھائیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ مرکز کے علاوہ بعض اور مقامات میں بھی شعائر قائم کرتا ہے لیکن ایک تو وہ اس کثرت سے نہیں ہوتے جس کثرت سے وہ مرکز میں ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ بھی درحقیقت مرکزی شعائر کے ظلّ کے طور پر کام دیتے ہیں۔ جیسے ایک دار الخلافہ کے ماتحت مختلف علاقوں کے لئے پھر مختلف مراکز مقرر کئے جاتے ہیں لیکن ان کی حیثیت دار الخلافہ

کے وجود سے ہی ہوتی ہے۔ اور شعائر اللہ ہونے کے لحاظ سے سب سے بابرکت جگہ وہ ہوگی جہاں ایک نبی نے اپنی عملی زندگی کا ایک کثیر حصہ گذارا ہو۔ ہاں اس نسبت سے جتنا جتنا وہ دوسرے مقامات پر رہا ہو وہ بھی شعائر میں شامل ہوتے جائیں گے۔ لیکن ان میں سب سے اہم وہی ہوگا جہاں اس کا زیادہ حصہ گزرا اور وہی مرکز کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

پس قادیان جماعت احمدیہ کا مرکز ہے۔ اس لئے کہ جب مختلف اطراف سے جماعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ قادیان آیا کریں گے تو وہ بہشتی مقبرہ، مسجد اقصےٰ، مسجد مبارک اور دوسرے مقامات کو دیکھ کر اپنے ایمانوں کو تازہ کریں گے۔ اور ان انوار کے وارث ہوں گے جنہیں خدا تعالےٰ دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے۔

پس قادیان ہی ہمارا مرکز ہے۔ کیونکہ خدا نے اس مقام کو برکت دی، خدا نے اس جگہ سے چشمۂ ہدایت کو جاری کیا، موعود ادیان جری اللہ فی حلل الانبیاء کو اس چھوٹی سی بستی میں سے چُنا۔ اور اس مقام کی بہت سی جگہوں کو فوق العادت برکت دی۔ اسی مقام سے دُنیا میں ہدایت کی کرنیں ظلمت کو مٹا کر نور کو پھیلائیں گی۔ اے اللہ! تو ہم سب کو ان لوگوں میں سے بنا جو تیرے اس منشاء کو پُورا کرنے والے ہوں۔ آمین یا رب العلمین ؏

وصـــــــــــــــــــــــایا

نوٹ :۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کر دے۔ (سیکرٹری بہشتی مقبرہ)

نمبر ۷۴۹۷ :۔ منکہ محمد یوسف ولد غلام رسول قوم بھٹی احمدی پیشہ مزدوری عمر ۳۰ سال پیدائشی احمدی ساکن لویری والہ ڈاکخانہ خاص ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۵ شہادت ۱۳۲۴ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ مکان قیمتی ۱۵۰۰/- روپے موجودہ جنگ کے حالات میں جس کے ۷/۱۲ حصہ کا میں مالک ہوں۔ اثاثۃ البیت قیمت یکصد روپیہ۔ کل قیمت میرے حصے اور اثاثہ کی ۱۵۰۰ × ۷/۱۲ + ۱۰۰ = ۹۷۵/۰۰ روپے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت اوسطاً ۲۴ یا ۲۵ روپے ماہوار کے حساب سے۔ ۱/۱۰ حصہ اپنی آمد سے بھی وصیت کرتا ہوں۔ میرے اس وصیت کے میرے مرنے کے بعد میرے ورثاء پابند ہونگے۔ اگر میں کچھ حصہ اپنی زندگی میں ادا کروں تو رسید حاصل کر لوں گا اور وہ رقم حصہ وصیت سے منہا سمجھی جائے گی۔ اگر کوئی جائیداد اس کے علاوہ میری ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد :۔ محمد یوسف موصی۔ گواہ شد :۔ عبد الباسط۔ گواہ شد :۔ عزیز اللہ پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ۔ گواہ شد :۔ عنایت اللہ سیکرٹری۔

نمبر ۷۴۹۵ :۔ منکہ فضل بیگم زوجہ ملک حیات محمد صاحب قوم ارائیں پیشہ زمیندارہ عمر ۲۵ سال۔ پیدائشی احمدی ساکن شیخ پور ڈاکخانہ دنیا پور ضلع ملتان۔ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۲ شہادت ۱۳۲۴ہش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد میرا حق مہر مبلغ دو صد روپیہ ہے جس سے اسی روپیہ بصورت مشین میں نے وصول پا لیا ہے۔ باقی یکصد بیس روپیہ نقد بذمہ شوہر مرحوم ہے اور اس وقت میرے پاس سولہ روپے موجود ہیں اس کا بھی دسواں حصہ ادا کرونگی۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں ہے۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میں اگر اپنی زندگی میں کوئی اور جائیداد پیدا کروں یا کوئی کسی قسم کی جائیداد میری وفات پر ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ مذکور حقدار ہوگی۔ نیز میں تا زیست اپنی سلائی کی مشین کی آمد ماہوار کا ۱/۱۰ حصہ

کل حق دار صدر انجمن احمدیہ قادیان کو کرتی رہوں گی اور جس قدر رقم اس کے حصہ کی میں داخل خزانہ کر کے رسید حاصل کر لوں گی تو وہ رقم حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ العبد: عمری بیگم گواہ شد۔ عبد العزیز محمد حنیف صاحب۔ گواہ شد۔ مستری محمد اسمٰعیل بقلم خود۔ گواہ شد۔ گواہ محمد خان بقلم خود۔

نمبر ۵۰۰ - منکہ نور بیگم زوجہ چوہدری دین محمد صاحب قوم راجپوت عمر ۵ سال پیدائشی احمدی ساکن ششکار ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ ⁄ ۵ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میرا مہر مبلغ ۵ روپیہ ہے جو میں نے وصول کر لیا ہے اور زیور مبلغ یکصد روپیہ کا جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ انام انگوٹھی مبلغ ۸۰/- بالیاں مبلغ ۲۰/- روپیہ وزنی ۵ تولہ۔ کل میری جائیداد مذکورہ ہونے کی وصیت ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ کرتی ہوں۔ اگر کوئی جائیداد اور ثابت ہو جائے تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ حقدار ہوگی۔ اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔ العبد: نور بیگم موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ دین محمد ششکار نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ بشیر محمد مدرس مدرسہ تحریک جدید۔

نمبر ۵۰۱ - منکہ نور بیگم زوجہ میاں رکن الدین صاحب قوم شیخ کشمیری عمر ۵ سال اندازاً ۱۹۱۶ء ساکن کلاکو جماعت کمیو والی ڈاکخانہ ہیڈ خانکی تحصیل وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد اس وقت صرف ایک مکان خام میں تیسرا حصہ ہے۔ تیسرے حصہ کی قیمت اندازاً مبلغ صد روپیہ ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور یہ رقم انشاء اللہ اپنی زندگی میں ادا کر دوں گی۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد یا آمد ماہوار نہیں ہے۔ میری وفات پر اگر کوئی میری جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد: نور بیگم موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ شمیم حسین انصاری۔ گواہ شد۔ مستری نتھے خان مومن کمیو والا۔ گواہ شد۔ احمد دین سیکرٹری کمیو والی۔

نمبر ۵۰۲ - منکہ محمد یعقوب ولد میاں نبی بخش صاحب قوم شیخ پیشہ ٹھیکیداری عمر ۴۲ سال پیدائشی احمدی ساکن محلہ میانہ پورہ ڈاکخانہ سیالکوٹ شہر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ

آج بتاریخ [illegible] بحسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائیداد اس وقت حسب ذیل ہے۔ ایک
مکان پختہ واقع محلہ میانہ پورہ شہر سیالکوٹ بشراکت دیگر حصہ داران ہے۔ اس مکان میں میرا ۱/۴ حصہ
ہے۔ سالم مکان کی اندازاً قیمت ۴۰۰۰/- روپیہ ہے۔ میرے حصہ ۱/۴ کی قیمت ۱۰۰۰/- روپیہ ہے۔
علاوہ ازیں ایک ٹکڑا زمین سفید بالمقابل [illegible] کے میری والدہ کی ملکیت ہے۔ ان دونوں کی قیمت ۱۵۰۰/-
روپے ہوتی ہے۔ اس قیمت کے ۱/۱۰ حصہ یعنی ۱۵۰/- روپیہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا
ہوں۔ بلکہ یہ رقم ۱۵۰/- روپے جلدی ادا کر دونگا۔ اسکے علاوہ میرے کاروبار ٹھیکیداری پیشہ سے قریباً
دو صد روپیہ ماہوار آمد ہو جاتی ہے۔ جس کا ماہواری حصہ آمد بیس روپے ادا کرتا رہونگا۔ علاوہ ازیں
میری فوتیدگی پر جو جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ مذکورہ بالا جائیداد کے علاوہ ثابت ہوگی اسکے ۱/۱۰ حصہ
کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔ العبد۔
شیخ محمد یعقوب۔ گواہ شد۔ فضل الدین ریڈر ہائی کورٹ۔ گواہ شد۔ محمد الدین امیر جماعت سیالکوٹ۔

نمبر ۵۰۱ مکرر۔ منکہ ایس۔ اے بی۔ ایم محمد مظاہر ولد شہاب دین مرحوم قوم سید۔ پیشہ
لیڈر [illegible] عمر ۳۰ سال بتاریخ بیعت مارچ ۱۹۲۰ء ساکن کولمبو صوبہ سیلون بقائمی ہوش و
حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] بحسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی
جائیداد نہیں۔ البتہ دکان کا سرمایہ وغیرہ بیس ہزار کا ہے جسکے ہم چار بھائی حصہ دار ہیں۔ اس
میں میں برابر کا حصہ دار ہوں۔ ہماری آمدنی کا اندازہ کوئی صحیح نہیں البتہ میں سو روپیہ اخراجات
کے واسطے لیتا ہوں۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی میں وصیت کرتا ہوں۔ اس کو خدا کے فضل و کرم سے
میں ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا نیز میرے مرنے پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت
حاوی ہوگی۔ العبد۔ ایس۔ اے بی۔ ایم محمد مظاہر۔ گواہ شد۔ ایس اے ایل سالم [illegible]۔ گواہ شد۔
محمد اسمٰعیل احمدی جبل پوری۔

نمبر ۵۰۳ مکرر۔ منکہ محمد الدین ولد امام الدین صاحب قوم ترکھان پیشہ زمیندارہ
و ترکھانہ عمر ۵۵ سال بتاریخ بیعت [illegible] ساکن چک [illegible] شمالی ڈاکخانہ سرگودھا۔
بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد
اس وقت کوئی نہیں [illegible]

نیز تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا اور اگر کوئی جائیداد اس کے بعد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:- محمد الدین مستری بقلم خود۔ گواہ شد:- محمد سعید انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:- محمود الدین ماشکی ؛

نمبر ۵۰۴ منکہ محمد ملک ولد غلام علی صاحب قوم کھرل پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۳ء ساکن موضع دیوانی وال ڈاکخانہ بٹالہ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۴/۶/۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ ۱۴ کنال اراضی میرا بارانی اور ۲ گھماؤں اراضی چاہی۔ کل ۳۰ کنال اراضی کا ۱/۴ (۷ کنال) ہے۔ اس میں سے میری والدہ صاحبہ کا دو کنال ہے۔ باقی میرا حصہ ۵ کنال ہے جس کی بازاری قیمت ۵۰۰/- روپے ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ ۵۰/- روپے کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے ۴۰/- روپے ماہوار ملازمت کی آمد ہے۔ اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد:- محمد ملک موصی نصرت آباد اسٹیٹ۔ گواہ شد:- غلام مصطفےٰ منشی نصرت آباد اسٹیٹ۔ گواہ شد:- عزیز احمد ؛

نمبر ۵۰۵ منکہ محمد عالم ولد حکیم رحمت اللہ صاحب قوم ارائیں پیشہ تجارت عمر ۴۰ سال پیدائشی احمدی قادیان دارالعلوم بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۴/۸/۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد اس وقت صرف ایک مکان واقع دارالعلوم ہے۔ جس کی قیمت اندازاً تین ہزار روپیہ ہے۔ علاوہ اس کے مبلغ ۱۰۰۰/- روپیہ تجارت پر لگا ہوا ہے۔ ماہوار آمد اندازاً [illegible] روپے ہے۔ اس مذکورہ بالا جائیداد میں سے نصف حصہ میں اپنی بیوی کو دیتا ہوں۔ جس کا حق مہر ۲۰۰/- اس میں مجرا ہو جائیگا۔ باقی نصف کے ۱/۱۰ حصے کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اپنی آمد کا ۱/۱۰ حصہ

ماہوار داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اگر میرے مرنے پر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر کوئی جائیداد اور پیدا کرونگا تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ محمد عالم دکاندار دارالعلوم۔ گواہ شد:۔ عبدالکریم مبلغ مقامی تبلیغ۔ گواہ شد:۔ رحمت اللہ دواخانہ شفا قادیان ؏

نمبر ۵۰۶۷ :۔ منکہ سیدہ ناصرہ بیگم زوجہ میاں شریف احمد صاحب۔ قوم سید عمر ۲۲ سال۔ پیدائشی احمدی۔ ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۲-۶-۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ حق مہر مبلغ چار ہزار روپیہ جو کہ میرے خاوند کے ذمہ واجب الادا ہے۔ اور میرے طلائی زیورات ہیں جن کا وزن ۸۰ تولے ہے۔ اسکی قیمت کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری منقولہ یا غیر منقولہ کوئی جائیداد نہیں۔ اگر میرے مرنیکے بعد ایسی جائیداد ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ:۔ سیدہ ناصرہ بیگم موصیہ۔ گواہ شد:۔ مسعود مبارک شاہ۔ گواہ شد:۔ شریف احمد خاوند موصیہ ؏

نمبر ۵۰۶۸ :۔ منکہ ملک محمد بخش ولد ملک خیرالدین صاحب قوم تیلی پیشہ کولہو چلانا۔ عمر ۶۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۲ء ساکن کلیا نپور چک ۲۲۳ ڈاکخانہ خاص ضلع لائلپور صوبہ پنجاب۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۷ جون ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ بھینس قیمتی ۴۰/-۔ کولہو ۵۰/-۔ ٹھیکہ کی رقم ۱۶۰/-۔ توریا قیمتی ۴۰/-۔ مکان دو خام ۱۰۰/-۔ کل ۳۰۷/-۔ اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اسکے بعد اگر کوئی جائیداد اور پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا ہونگا۔ اور اس پر یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میری وفات پر اگر کوئی اور جائیداد میری ثابت ہو تو اسکے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا ملک محمد بخش۔ گواہ شد:۔ کاتب الحروف سکندر علی مہاجر ساکن بمبئی با لفعل مقیم قادیان بقلم خود۔ گواہ شد:۔ مہر فتح محمد ولد ... نشان انگوٹھا۔ ۴۲-۶-۱۷

نمبر ۳۷۴:- منکہ مبارکہ بیگم زوجہ محمد ابراہیم جمعدار قوم جٹ پیشہ خانہ داری
عمر ۳۰ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن قادیان محلہ دار الرحمت ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور
صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ جون ۱۹۴۴ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں
میری جائداد حسب ذیل ہے۔ مہر حق بذمہ خاوند مبلغ پانچسو روپیہ۔ زیورات کانٹے طلائی ایک تولہ، سر
سوئی طلائی ایک تولہ، پازیب پاؤں چاندی کا اندازاً ۱۰ تولہ ہے۔ اس کا ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اگر
میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے
رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر
اس کے بعد کوئی جائداد اور پیدا کر لوں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی۔ اور اس پر
بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائداد ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک
صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط۔ المرقومہ:- مبارکہ بیگم۔ گواہ شد:- ڈاکٹر محمد بخش سیکرٹری
محلہ دار الرحمت۔ گواہ شد:- علی محمد اصحابی و موصی۔ گواہ شد:- جمعدار محمد ابراہیم خاوند موصیہ محلہ
دار الرحمت ۲۲-۶-۴۴

نمبر ۳۷۵:- منکہ محمد ابراہیم جمعدار ولد سراج الدین صاحب قوم کھوکھر پیشہ ملازمت
عمر ۴۵ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۲۳ء ساکن قادیان محلہ دار الرحمت ڈاکخانہ قادیان ضلع گورداسپور
صوبہ پنجاب بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲ جون ۱۹۴۴ء حسب ذیل وصیت کرتا
ہوں۔ میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔ دس مرلہ زمین سفید محلہ دار الرحمت میں ہے۔ اس کی ۱/۱۰ حصہ
کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان بمد
وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت
کردہ سے منہا کر دی جائیگی۔ اگر اس کے بعد کوئی جائداد اور پیدا کر لوں تو اس کی اطلاع مجلس
کارپرداز کو دیتا رہوں گا۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری
جائداد ہو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد
پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اسوقت مبلغ ۹۰ ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد
کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی حق صدر انجمن احمدیہ قادیان

کرتا ہوں کہ میرے جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط۔ المرقوم۔ محمد ابراہیم عبد اللہ موصی محلہ دار الرحمت۔ گواہ شد۔ ڈاکٹر حشمت اللہ سیکرٹری وصایا جماعت موصی محلہ دار الرحمت قادیان۔ گواہ شد۔ علی محمد صحابی درمیانی افسر وصایا۔

نمبر ۲۵۷ ۔ مکہ محمد عبد الوہاب ولد میاں عبد الرحمن صاحب انجینیر قوم چغتائی پیشہ طالب علم عمر ۱۹ سال تاریخ پیدائشی احمدی ساکن لاہور ڈاکخانہ وطن ضلع لاہور صوبہ پنجاب۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ ماہ احسان ۱۳۰۱ مطابق ۱۰ جون ۱۹۲۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد نہیں۔ مجھے اپنے والد صاحب کی طرف سے پانچ روپے ماہوار بطور جیب خرچ کے ملتے ہیں جسکے ۱/۱۰ حصہ کو داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میری وفات کے وقت اگر کوئی جائیداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ محمد عبد الوہاب۔ گواہ شد۔ محمد احمد سیکرٹری مال حلقہ دہلی دروازہ موچی دروازہ لاہور۔ گواہ شد۔ عبد الکریم سیکرٹری مال جماعت احمدیہ لاہور ۱۰ جون ۲۲ء

نمبر ۱۵۷ ۔ مکہ مسماۃ مومنہ خاتون زوجہ عبد الرحمن صاحب ایم۔ اے پروفیسر جودر کالج بنگال۔ قوم پٹھان عمر ۱۹ سال۔ پیدائشی احمدی حال ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ جون ۱۹۲۲ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرے پاس اس وقت تک کوئی مستقل جائیداد نہیں ہے صرف میرا مہر مبلغ ایکہزار روپیہ ہے۔ جو ابھی میرے شوہر کے ذمہ قابل ادا ہے۔ میں اس دین مہر کا ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں جو اپنی زندگی میں انشاء اللہ العزیز ادا کر دینے کی کوشش کروں گی۔ اس کے علاوہ اگر میری زندگی میں یا مرنے کے بعد کوئی جائیداد یا نقدی اپنے خاوند یا والد کی طرف سے ثابت ہوگی تو اسکی بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ زیور موجودہ چار عدد طلائی چوڑیاں اور ایک عدد ہار طلائی وزنی ۷ تولہ موجودہ قیمت ۲۹۶ ہے طلائی نگینہ جس کا ۱/۱۰ کی بھی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ العبد۔ مومنہ خاتون بقلم خود۔ گواہ شد۔ عبد الرحمن خاوند موصیہ قادیان۔ گواہ شد۔ والد موصیہ ابو الہاشم خاں چودھری ۱۰ جون ۲۲ء

نمبر ۵۷ ۔ مکہ محمد ابراہیم ولد چودھری محمد اللہ خاں قوم جٹ ریلوے ملازم

ملازمت عمر ۳۱ سال تاریخ بیعت پیدائشی ساکن دسنی دیو چک ۳۲۲ جھنگ برانچ ڈاکخانہ خاص۔
ضلع [illegible] صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ یکم جون ۱۹۴۲ء حسب ذیل
وصیت کرتا ہوں۔ میں فی الحال کسی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ کا وارث نہیں ہوں کیونکہ میرے
والد صاحب حیات ہیں۔ میں اسوقت محکمہ پولیس حیدرآباد سندھ میں ملازم ہوں۔ اور میری تنخواہ
مبلغ -/۳۲ روپے ہے۔ میں اسکے $\frac{1}{10}$ حصہ کی وصیت صدر انجمن احمدیہ قادیان کے صیغہ ہذا کے
حق میں کرتا ہوں۔ جسکو انشاء اللہ ماہ بماہ ادا کرتا رہوں گا۔ اور میری وفات کے بعد جس قدر
میری جائداد ہوگی اسکے $\frac{1}{10}$ حصہ پر صیغہ ہذا کو حق ہوگا۔ یہ میری پختہ وصیت ہے اور تامین حیات
اس وصیت کا پابند رہونگا۔ اور اگر کوئی مزید ذریعہ آمد پیدا ہو جائے تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز
کو دیتا رہونگا۔ العبد:۔ محمد ابراہیم ہیڈ کانسٹبل پولیس ہیڈ کوارٹر پولیس حیدرآباد سندھ۔
گواہ شد:۔ حلیم الدین پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ حیدرآباد سندھ۔ گواہ شد:۔ رحمت اللہ ٹیچر
نور محمد ہائی سکول حیدرآباد سندھ۔

نمبر ۷۵۶۹ :۔ منکہ محمود احمد ولد ڈاکٹر عطاء اللہ مرحوم۔ قوم راجپوت پیشہ ملازمت
عمر ۲۹ سال تاریخ بیعت پیدائشی احمدی ساکن برما حال انبالہ چھاؤنی ضلع انبالہ صوبہ پنجاب بقائمی
ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ یکم جولائی ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔
میری موجودہ جائیداد اسوقت کوئی نہیں۔ میری ماہوار آمد مبلغ -/۹۶ روپے ہے۔ میں
تازیست اپنی ماہوار آمد کا $\frac{1}{10}$ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کراتا رہوں گا۔
اور اس کے علاوہ اگر کوئی اور جائیداد پیدا کروں یا میری آمد میں کمی بیشی ہو تو اس کی
اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میری
وفات کے بعد جس قدر میری جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو اس کے بھی $\frac{1}{10}$
حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ محمود احمد کلرک آفس آف دی کنٹرولر
آف اکاؤنٹس ایئر فورس انبالہ۔ گواہ شد Abdul Rahman
Amir Jmat Ambala۔ گواہ شد:۔ عبدالرحیم
سیکرٹری مال انبالہ شہر۔

هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ

ریویو آف ریلیجنز

(ماہنامہ اردو)

جس میں

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳	ماہِ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۴ء	ع ۹

فہرست مضامین

ظہور مصلح موعود اور ہماری ذمہ داریاں

(از اخوند فیاض احمد صاحب زعیم خدام الاحمدیہ دارالفضل)

ع — "روزِ جزاء قریب ہے اور رہ بعید ہے"

(الہام سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعود)

اِس میں کوئی شک نہیں کہ الٰہی انعام اپنے ساتھ ہماری ذمہ داریوں کا ایک نیا دَور لاتے ہیں ہر بڑا رُتبہ ذمہ داریوں کا ایک نیا دروازہ ہوتا ہے۔ اور ہر بڑی فضیلت افراد یا اقوام کو ایک نیا لائحہ عمل پیش کرتی ہے۔ ایک غریب مزدور جو کڑی محنت کرنے کے بعد بمشکل اپنے کنبہ کا پیٹ پالنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اگر اپنا اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ کاٹ کر ایک پیسہ خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو یقیناً اس کی وہ ایک پیسہ کی قربانی اللہ تعالےٰ کے حضور قبول کی جائیگی۔ اور وہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک نیک اجر کا مستحق ہوگا۔ لیکن اس کے مقابل اگر ایک کروڑ پتی بھی جسے اللہ تعالےٰ فارغ البالی اور دُنیاوی عیش وتنعم سے وافر حصہ دیا ہے اور بغیر کوئی تکلیف اٹھائے وہ سینکڑوں روپے دین کے رستہ میں خرچ کر سکتا ہے، ایک ہی پیسہ خدا کے لئے خرچ کرتا ہے تو بے شک جہانتک مقدار کا تعلق ہے دونوں نے ایک ہی جیسی قربانی کی لیکن درحقیقت اس کروڑ پتی کی قربانی غریب اور تنگدست مزدور کی قربانی سے بدرجہا کم ہے۔ کیونکہ خدا کی نعمتوں اور اس کی دی ہوئی دولت کا اقتضا ہے کہ کروڑ پتی بھی خدا کی راہ میں اُسی نسبت سے خرچ کرے جس نسبت سے اُسے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں متقیوں کی ایک علامت مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ بیان فرماتا ہے۔ اور یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ينفقون کے ساتھ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ رکھ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ قربانی صرف ينفقون ہی کا نام نہیں۔ کیونکہ ایک کروڑ پتی بھی تو ایک پیسہ دے کر خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ خرچ کرتا ہے۔ بلکہ فرمایا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کہ سوال تو یہ ہے کہ ہم نے ایک شخص کو کتنا دیا ہے اور اس کے مقابل پر پھر وہ کتنا خرچ کرتا ہے۔ خدا تعالےٰ نے جتنی قوت اور استعداد ایک شخص کو عطا فرمائی لازم ہے کہ وہ بھی اتنا ہی اپنی قوتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ اور ایسا کرکے ہی وہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

کا مصداق بن سکتا ہے۔

آج تک جتنی بھی انبیاء کی جماعتیں ہوگذری ہیں، ان سب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیش از بیش انعام نازل ہوئے۔ اور ہر جگہ اور ہر مقام پر اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت ان کے شامل حال رہی لیکن کیا باوجود اس قدر الٰہی تائیدات کے انہوں نے اپنا وقت بیکار گذار دیا؟ بنی اسرائیل کی عبرت انگیز مثال ہمارے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت بڑی بزرگی عطا فرمائی۔ اور بے شمار انعامات کا وارث ٹھہرایا۔ نادان سمجھے کہ یہ سب کچھ ان کی گذشتہ مصائب کا صلہ تھا۔ اور اب اس آسائش کی دنیا میں صرف آرام کا لطف اٹھانا ہی ان کا کام رہ گیا تھا۔ ان کے دلوں سے احساس ذمہ داری جاتا رہا۔ وہ اس عظیم الشان اور بلند مقام سے گرتے گئے، گرتے گئے جس پر انہیں کھڑا کیا گیا تھا اور جس جگہ اپنی ذمہ واریوں اور اپنے فرائض کا کما حقہ پاس کرنے سے وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو زیادہ سے زیادہ جذب کر سکتے تھے۔ اور آخر کار بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ وہ خدا کے غضب کا شکار ہو گئے۔

پس ہر نئی فضیلت اور ہر نیا مرتبہ جو انسان خدا تعالیٰ سے پاتا ہے۔ خواہ وہ انفرادی رنگ رکھتا ہو یا جماعتی اپنے ساتھ ذمہ واریوں کا ایک نیا پروگرام لاتا ہے۔ جس طرح ایک طالب علم اپنی گذشتہ سال کی محنت اور مطالعہ کے صلہ میں اگلے درجہ کی طرف بڑھا دیا جاتا ہے لیکن پھر نئی اس کے سامنے نئی کتابیں اور ایک نیا تعلیمی پروگرام رکھتی ہے۔ یا جس طرح ایک سرکاری ملازم اپنے ذاتی اوصاف اور قابلیت کی بدولت کسی اعلیٰ آسامی کو حاصل کر لیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی ذمہ واریوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا انعام ایک انسان یا جماعت کے فرائض کے دائرہ کو وسیع سے وسیع تر بنا دیتا ہے۔

"المصلح الموعود" — خدا کی قدرت اور رحمت اور قربت اور اس کے فضل اور احسان کا نشان — ایک عظیم الشان الٰہی نعمت ہے جس کا وعدہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آج سے اٹھاون برس قبل ان الفاظ میں دیا گیا:۔

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔ اسی کے موافق جو تو نے مانگا۔ سو میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو بپایۂ قبولیت کی جگہ دی۔ اور تیرے سفر کو (جو ہوشیارپور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لئے مبارک کر دیا۔ سو قدرت اور رحمت

اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔"

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔

خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے۔ وہ رجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ اور صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ اور وہ تین کو چار کرنیوالا ہوگا ــــ دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھیگا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور

قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔
وکان امرًا مقضیًا۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

واقعات تو ثابت کر ہی چکے تھے، کہ وہ فرزند موعود، وہ زمین کے کناروں تک شہرت پانیوالا آسمانی نور۔۔۔ حضرت فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کا وجود ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے بھی آخر قطعی طور پر ظاہر فرما دیا کہ مذکورہ بالا پیشگوئی کے مصداق حضور ہی ہیں۔ اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ۲۸ رصلح ۱۳۲۳ہش کے خطبہ جمعہ میں یہ اعلان فرمایا۔

"وہ پیشگوئی جو مصلح موعود کے متعلق تھی خدا تعالیٰ نے میری ہی ذات کے لئے مقدر کی ہوئی تھی۔"

"خدا تعالیٰ نے اپنی مشیت کے ماتحت آخر اس امر کو ظاہر کر دیا۔ اور مجھے اپنی طرف سے علم بھی دے دیا کہ مصلح موعود سے تعلق رکھنے والی پیشگوئیاں میرے متعلق ہیں۔"

"میں خدا تعالیٰ کے فضل سے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے یہ پیشگوئی میرے ذریعہ سے ہی پوری کی ہے۔"

اور اس کے بعد ہوشیارپور، لاہور، لدھیانہ اور دہلی میں ہزارہا کے مجمعوں کے سامنے حضور نے حلفیہ طور پر مصلح موعود ہونے کا دعوےٰ فرمایا۔

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ الٰہی انعام جہاں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں وہاں وہ انہیں ذمہ داریوں کے ایک نئے میدان میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی مثال ایک ایسے فتح نصیب جرنیل کی طرح ہوتی ہے جو ایک فتح کا سہرا سر پر بندھتے ہی کسی دوسری مہم کی طرف روانہ ہو پڑتا ہے اور اسے بھی سر کر کے چھوڑتا ہے۔

مصلح موعود کے ساتھ دین اسلام کا غلبہ اور احمدیت کی زبردست ترقیات وابستہ ہیں۔ اور اس کا ظہور ہمارے لئے ترقی کی بہت سی راہیں کھولتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے ۱۱ر تبلیغ ۱۳۲۳ہش کے خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں:-

"اب خدا نے مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مثیل قرار دیا ہے۔ پس جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے والے صحابہؓ سے جا ملے اسی طرح وہ

لوگ جو آج یا آئندہ میرے نقش قدم پر چلیں گے، جو میری اتباع میں اسلام اور احمدیت کے لئے ویسی ہی قربانیاں کریں گے جیسے صحابہؓ نے کیں، چونکہ میں مسیح موعودؑ کا مثیل ہوں اس لئے وہ مجھ پر ایمان لانے اور میرے نقش قدم پر چلنے کی وجہ سے مسیح موعودؑ کے صحابہؓ کے مثیل ہو جائیں گے۔ اور وہ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے مثیل ہیں اس لئے یہ بھی اس مماثلت کی وجہ سے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں شامل ہو جائیں گے۔"

لیکن الٰہی قرب کے حصول کی یہ راہیں جن کی طرف مصلح موعود ہماری راہنمائی کرتا ہے درحقیقت ایک مسلسل جدوجہد اور پے درپے قربانیاں چاہتی ہیں۔ حضور فرماتے ہیں:-

"مگر یہ مقام انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنی قربانیوں سے اس بات کو ثابت نہیں کر دیتا کہ وہ واقعہ میں اس مقام اور انعام کا مستحق ہے محض اس بات پر خوش ہو جانا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام آئے اور ہم آپؑ کے صحابی بن گئے تمہیں حقیقتاً اس مقام بلند کا مستحق نہیں بنا سکتا۔"

حضور آگے چل کر فرماتے ہیں:-

"اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے کئی قسم کے سہارے بہم پہنچائے ہیں اور تم ان سہاروں کے ذریعہ آسانی سے ان مقامات قرب کو حاصل کر سکتے ہو۔ مگر قربانیاں بہرحال ضروری ہوں گی۔ پس اس بات پر خوش مت ہو کہ تمہارے لئے صحابیت کا دروازہ آج بھی کھلا ہے۔ اس دروازے کا کھلنا تمہارے لئے عمل کا موجب ہونا چاہئے سستی اور غفلت کا موجب نہیں ہونا چاہئے۔ پہلے لوگوں پر ناامیدی کی وجہ سے سستی طاری ہوئی اور اب ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ محض اس امید کی وجہ سے کہ دروازہ تو کھلا ہے جب چاہیں گے داخل ہو جائیں گے سستی اور غفلت میں مبتلا ہو جائیں۔ اور اس دروازے کا کھلنا اُن کے لئے کسی خیر و برکت کا موجب نہ ہو سکے پس یہ مقام تو تمہیں مل سکتا ہے مگر ملے گا قربانیوں کے بعد ہی۔ انہی قربانیوں

کے بعد جو صحابہؓ نے کیں۔ اور جن کا ذکر سُن کر آج بھی انسانی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

حضور پھر فرماتے ہیں :-

"مگر یہ مقام محض مُنہ کی لاف گزاف سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ تم مُنہ سے ہزار مچاکے مارتے جاؤ اور کہو میں متنجن کھا رہا ہوں، میں پلاؤ کھا رہا ہوں، میں زردہ کھا رہا ہوں، تو تمہیں متنجن، پلاؤ اور زردہ کا مزہ نہیں آ سکتا۔ تمہارا پیٹ ان خالی مچاکوں سے بھر نہیں سکتا۔ اسی طرح تم محض خواہش سے صحابیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ تم یہ مقام حاصل کر سکتے ہو۔ مگر اس طرح کہ عمل کرو۔ اور ایسا عمل کرو کہ وہ تمہاری رگ رگ اور نس نس میں سمویا جائے۔"

فرمایا :-

"رستہ بیشک کھلا ہے۔ مگر یہ قربانیوں کا رستہ ہے۔ اور اس رستہ پر چلے بغیر تمہیں کچھ بھی نہیں حاصل ہو سکتا۔"

پس "ظہور مصلح موعود" ہمارے لئے "دعوتِ عمل" کا درجہ رکھتا ہے۔ اور محنت اور کوشش کے ایک لمبے رستہ پر ہمیں چلانا چاہتا ہے۔ جس پر چلے بغیر ہم اپنی منزل مقصود کو نہیں پا سکتے۔

ابھی ہمیں بہت کام کرنا ہے۔ ہمارے سامنے ایک وسیع پروگرام ہے لیکن اب تک ہم اس کے لئے صحیح طور پر تیار نہیں ہو سکے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اپنے اسی خطبہ جمعہ میں جس میں سے چند اقتباسات ہم اوپر نقل کر آئے ہیں، فرماتے ہیں :-

"اسلام کی فتح اور کامیابی کے لئے کئی قسم کی جنگوں کی ضرورت ہے۔ اور کئی لڑائیاں ایسی ہیں جنکو آج بھی لڑا جائے تو اسلام کی فتح کا ایک نیا باب کھل سکتا ہے۔ مگر چونکہ یقین نہیں ہوتا کہ اگر جماعت کو اس لڑائی کا حکم دیا گیا تو وہ پوری طرح اس کے لئے تیار بھی ہو گی یا نہیں۔ وہ اعلانِ جنگ کا جواب اپنے شاندار نمونہ سے دے گی یا سستی اور غفلت کا نمونہ دکھائے گی۔ اس لئے ان جنگوں کو دوسرے وقت پر ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ جماعت سے اُس وقت قربانیوں کا مطالبہ ہو جب اس کا قدم مضبوط ہو اور اس میں اضمحلال کے

آثار نہ ہوں۔ اس طرح وقت گذرتا جا رہا ہے اور اسلام کی فتح کا دن ہم سے دُور ہوتا جا رہا ہے۔"

حضور پھر فرماتے ہیں:۔

"جماعت میں ابھی ایسی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی اور جماعت ایسے مقام پر نہیں پہنچی کہ اسے جو بھی حکم دیا جائے اُسے ماننے کے لئے وہ تیار ہو جائے۔"

یہ وہ عظیم الشان مقاصد جن کی تکمیل جماعت احمدیہ کے ہاتھوں ہونا مقدر ہے۔ اور جو قریب ترین وقت میں ہو جانا چاہیئے۔ ہمارا آقا ابھی ہمارے قدم ان راہوں پر کمال مستعدی اور پورے استقلال کے ساتھ پڑتے نہیں دیکھتا۔ جن پر چل کر ان مقاصد کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ اور ہماری سُست رفتاری اسلام کی فتح کے دن کو دُور ہٹائے جا رہی ہے۔ حالانکہ وقت آ گیا ہے اور بالکل سر پر آن پہنچا ہے کہ احمدیت اپنی فتح کے نقارے بجاتی ہوئی اس خلاء کو پُر کرتی چلی جائے جو باطل قومیں آپس میں ہی سر پھوڑ کر اس کے لئے پیدا کرتی جا رہی ہیں۔

باوجود جماعت کے یقین اور واقعات کے مؤید ہونے کے اتنے عرصہ کے بعد آج اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیشگوئی مصلح موعود کے متعلق انکشاف یہ بتاتا ہے کہ اسلام کی عظمت اور شوکت کے اظہار کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ اور فرشتے ہر قسم کے ساز و سامان سے لیس ہو کر اقوام عالم کو احمدیت کے جھنڈے تلے لانے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کے اشارہ کے منتظر کھڑے ہیں۔ اور اس کے مقابل جماعت کا صحیح طور پر تیار نہ ہونا، اُسے نہایت تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے اور اپنے اندر اطاعت، استقلال، سرگرمی اور خدا کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کرنے کی صحیح رُوح پیدا کرنے کی پُرزور دعوت دیتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اپنے ۴ ارشہادت ۱۳۲۳ سنہ ہش کے خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ یقیناً ایک دن ایسا لائے گا۔ جب دُنیا کی حکومتیں اور طاقتیں ہمارے قبضہ میں آجائیں گی۔ مگر جب ان حکومتوں کو سنبھالنے کی ہمارے اندر قابلیت نہیں ہوگی۔ جب تعلیم کے لئے ہمارے پاس مدرس نہیں ہوں گے۔ جب وعظ و نصیحت کے لئے ہمارے پاس علماء نہیں ہوں گے۔ جب روحانیت کا درس دینے کے لئے ہمارے پاس عارف نہیں ہوں گے۔ جب تبلیغ و تربیت کے لئے ہمارے پاس مبلغ نہیں ہوں گے۔ جب زہد و اتقاء کی رُوح قائم کرنے کیلئے

ہمارے پاس سالک اور عابد نہیں ہوں گے۔ تو ہم اس وقت کیا کر سکیں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ چونکہ اس جائیداد کو ہم سنبھال نہیں سکیں گے اسلئے وہ اسلام کے لئے فتح کئے ہوئے دل، وہ اسلام کے لئے فتح کی ہوئی جائیں، وہ اسلام کیلئے فتح کئے ہوئے قبائل، وہ اسلام کے لئے فتح کی ہوئی قومیں کچھ دن تو ہمارا انتظار کریں گی۔ مگر پھر ان کے دلوں پر زنگ لگنا شروع ہو جائے گا۔ پھر خدا کی جائیداد دوبارہ شیطان کے قبضہ میں جانی شروع ہو جائیگی"

حضور آگے چل کر فرماتے ہیں:۔

"مجھے اس چیز کا دیر سے فکر تھا۔ اور متواتر اس مضمون کو میں نے اپنے خطبات میں بیان کیا ہے۔ مگر کل مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بات معلوم ہوئی، اُس نے تو میری کمر توڑ دی ہے۔ میں نے کشفی حالت میں یہ نظارہ دیکھا کہ گویا آسمان کے فرشتوں کی آوازیں سُن رہا ہوں۔ مجھے بہت دفعہ کشفی حالت میں ملاء اعلےٰ کی آوازیں سُننے کا موقعہ ملا ہے۔ کل بھی ایسا ہی ہوا اور میں نے آسمان کے فرشتوں کو دیکھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک شعر پڑھ رہے ہیں۔ مگر کچھ تغیر کیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا شعر ہے ؎

یارو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

مگر میں خواب میں فرشتوں کے پڑھنے کی جو آواز سنتا ہوں۔ اس میں پہلے دو لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ یعنی فرشتے ـــــ یہ کہتے ہیں کہ ؎

سوچو جو شخص آنے کو تھا وہ تو آچکا
یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا

اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ تبدیلی اس زمانہ کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شعر کہا اس وقت ہمارے سلسلہ کا ابتدائی زمانہ تھا اور لوگوں کو اس رنگ میں اپیل کرنا مناسب تھا۔ مگر اب وہ زمانہ گزر چکا ہے۔ اور اب سلسلہ کی ترقی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ لوگوں کو سوچنا چاہئے۔ اور اس بارہ میں انہیں غور و فکر سے کام لینا چاہئے۔ کہ جس شخص نے آنا تھا وہ تو آچکا ـــــ اسکے

بعد مجھ پر ایک الہام نازل ہوا جس نے میرے ہوش زائد اڑا دیئے وہ الہام یہ تھا۔ جو خود ایک مصرعہ کی شکل میں ہے۔ کہ ع

روزِ جزاء قریب ہے اور رہ بعید ہے

بڑے زور سے یہ الہام مجھ پر نازل ہوا اور بار بار اسے دُہرایا گیا۔ ــــ میں نے اُسوقت جو اس الہام کے معنے سمجھے وہ یہ ہیں۔ کہ وہ تغیراتِ عظیمہ جن کا پیشگوئیوں میں ذکر کیا گیا تھا اور اسلام اور احمدیت کے غلبہ کے ایام جن کی اللہ تعالےٰ کی طرف سے خبر دی گئی تھی، بالکل قریب آپہنچے ہیں۔ روزِ جزا اب سر پر کھڑا ہے۔ قدرت کا زبردست ہاتھ اس دن کو اب قریب تر لا رہا ہے۔ مگر

رہ بعید ہے

جماعت نے اس آنے والے دن کے لئے ابھی وہ تیاری نہیں کی، جو اسے کرنی چاہیئے تھی۔ اور ابھی اس نے وہ مقام حاصل نہیں کیا جو اس عظیم الشان یوم جزاء کے انعامات کا اسے مستحق بنانے والا ہو۔ اسکے لئے ابھی بہت بڑا اور لمبا راستہ پڑا ہے۔ جسے اُسے طے کرنا ہے"

مصلح موعود کا کام جیساکہ اس کے نام اور اس کے متعلق الہامات سے صاف ظاہر ہے اندرونی اور بیرونی اصلاح ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ اپنا ایک رویا یوں بیان فرماتے ہیں:-

"اس کے بعد پھر آنکھ لگنے پر میں نے دیکھا۔ کہ میں تقریر کر رہا ہوں۔ اور کہتا ہوں۔ کہ خدا تعالےٰ نے جو مجھے مثیل مسیح موعود قرار دیا ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ میرے ہاتھوں سے دلوں کی اصلاح کرے گا۔"

(الفضل مورخہ ۲۰ احسان ۱۳۲۳ ہش)

اس وقت جبکہ دُنیا میں مادہ پرستی انتہائی عروج پر پہنچ چکی ہے اور طاقتور حکومتیں اپنی قوت اور دولت کے نشہ میں نتائج و عواقب سے بے نیاز ہوکر ایک دوسرے کو نیست و نابود کر دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کر کے شرک اور دہریت کی رَو میں بہتی ہوئی

دُنیا کو اسلام اور احمدیت کی طرف کھینچ لائیں۔ اور اس دلفریب تہذیب و تمدن کی چار دیواری کو جو درحقیقت خود پسندی کی بنیادوں پر کھڑی کی گئی ہے۔ اور جسے بھٹکی ہوئی دُنیا نے اپنا مسکن قرار دے لیا ہے جڑوں تک سے اکھیڑ ڈالیں۔ اور اس کی جگہ خالص اسلامی عمارت تعمیر کریں۔

دُنیا میں اِس وقت تک بہت سی سیاسی، معاشری، اور اقتصادی تحریکات معرضِ وجود میں آچکی ہیں جن کا مقصد عوام اور غرباء کی حالت کو سُدھارنا اور اُمراء کی طاقت کو توڑ کر نچلے طبقہ کو اسکے جائز حقوق دلانا بتایا جاتا ہے لیکن اِن تحریکات کی حامی اقوام اپنی اصل غرض کو بھول کر ایکدوسرے کا سر پھوڑنے کو چڑھ دوڑی ہیں۔ اور یہی ایک بہت بڑی دلیل ہے اُن کی ناکامی کی۔ وہ حقیقی منزلِ مقصود سے دُور ہوتی چلی گئیں۔ اُن کے خود ساختہ قوانین اُن کے لئے صحیح نجات کا دروازہ نہ کھول سکے۔ وہ جھنجھلا اٹھیں اور آخر ہمسایہ قوموں کو اپنے رستہ میں روک سمجھکر انہیں مٹاڈالنے کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ پس آج دُنیا تسکین اور حقیقی نجات کی طالب ہے۔ وہ سچے امن کی متلاشی ہے اور ہمارا ــــ مصلح موعود کی جماعت کا ــــ فرض ہے۔ کہ خدا نے اپنے حصول کی جن راہوں سے ہمیں آگاہ فرمایا ہے ہم اُسے بھی اُن سے باخبر کردیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:۔

"ہمارے سپرد جو کام کیا گیا ہے وہ نہایت ہی اہم ہے۔ اور ایسے زمانہ میں یہ کام ہمارے سپرد کیا گیا ہے جب دہریت اور عیش پرستی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔ سائنس کے ذریعہ اسلام پر نئے نئے حملے کئے جارہے ہیں۔ اور ایمان کے خلاف دُنیا میں ایک شدید زہریلی ہوا جاری ہے۔ دوسری طرف ظلم یہ ہو رہا ہے کہ آدھی دُنیا دوسری آدھی دُنیا پر حکومت کر رہی ہے ــــ تمام ایشیاء، تمام افریقہ الاماشاء اللہ۔ تمام جزائر الاماشاء اللہ سارے کے سارے غلامی اور ماتحتی میں اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ ان کے سارے حالات کو بدلنا اور محبت سے، پیار سے، نیکی سے، رأفت سے اور شفقت سے لوگوں کی اصلاح کرنا ہمارا کام ہے"

حضور پھر فرماتے ہیں:۔

"ہم نے اسلام کی حکومت دُنیا میں قائم کرنی ہے۔ ہم نے دُنیا میں وہ نظام قائم کرنا ہے، جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے ہر شخص کے لئے کھانا مہیا کرنا ہے۔ ہم نے ہر شخص کے لئے کپڑا مہیا کرنا ہے۔ ہم نے ہر شخص کے لئے مکان مہیا کرنا ہے۔ ہم نے ہر بیمار کے لئے علاج مہیا کرنا ہے۔ ہم نے ہر انسان کے لئے تعلیم کا سامان مہیا

کرنا ہے۔" (الفضل، ۔ شہادت ۱۳۲۳ ہش)

پس ہمارے سپرد ایک عالمگیر اسلامی نظام کی بنیاد رکھنے کا کام کیا گیا ہے۔ دُنیا کے ہر فرد کی تربیت اصلاح ہمارے ذمہ لگائی گئی ہے۔ اور حصولِ مقصد کے لئے ہمیں اپنی تبلیغی کوششوں کو تاحدِ امکان تیز اور مکمل کرنا چاہیئے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک مضمون بعنوان "قوم کے لوگو ادھر آؤ کہ نکلا آفتاب" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور چونکہ مصلح موعود کا کام جیسا کہ اس کے نام اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے الہامات سے ظاہر ہے، اندرونی اور بیرونی اصلاح ہے۔ اسلئے حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کے دعوے کا سب سے پہلا اور سب سے ضروری نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ آپ کو ماننے والے آپ کے اس خدا داد منصب کو لوگوں تک پہنچائیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کو دُنیا کے سامنے ایک عظیم الشان آیت اور نشان کے طور پر رکھیں"

(فرقان "مصلح موعود نمبر" ص۷)

اصلاحِ نفس کا وہ عظیم الشان کام جو ہمارے سپرد کیا گیا ہے اور ظہورِ مصلح موعود کے بعد جو ہمارا اولین اور سب سے ضروری مقصد بن کر رہ گیا ہے، درحقیقت اس وقت تک تشنہ ہی رہیگا جبتک جماعت کی اندرونی اصلاح مکمل نہیں ہو جاتی۔ چنانچہ اس بارہ میں پہلے ہم لکھ چکے ہیں اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے خطبات سے اس کے متعلق اقتباسات بھی نقل کئے گئے ہیں۔ یہاں ہم قدرے اختصار کے ساتھ ان تحریکات کا ذکر کریں گے جو حضور نے تدریجاً جماعت کی اندرونی اصلاح کے لئے جاری فرمائیں:۔

تحریکِ جدید تحریک جدید درحقیقت جماعت احمدیہ کی ترقی کے سلسلہ کی بنیادی کڑی ہے اور جہاں اس کے ذریعہ جماعت کی اندرونی اصلاح مقصود ہے وہاں یہ اپنے اندر عظیم الشان عالمگیر اثرات بھی پوشیدہ رکھتی ہے۔ اور وہ تمام تحاریک جن کا اجراء اس کے بعد ہوا اگر غور سے دیکھا جائے تو اسی کا ایک حصہ ہیں۔ کیونکہ تحریک جدید کا القاء آہستہ آہستہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے دل میں ہوا اور رفتہ رفتہ یہ اپنے فوائد اور اثرات کو اُجاگر کرتی ہوئی پھیلی

چلی گئی ہے۔ خود حضرت خلیفۃ المسیح فرماتے ہیں:۔

"اس (تحریک جدید) کی اہمیت کو میں خود بھی آہستہ آہستہ سمجھا۔ جب میں نے اس کے متعلق پہلا خطبہ پڑھا ہے تو اس میں تحریک جدید کے متعلق جسقدر باتیں میں نے بیان کیں، وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور القاء میرے دل میں ڈالی گئی تھیں۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ میرے دل میں ڈالتا چلا گیا میں ان باتوں کو بیان کرتا چلا گیا۔ پس حق یہ ہے کہ تحریک جدید کی کئی اغراض کو پہلے میں بھی نہیں سمجھا تھا۔ اور اسکے کئی فوائد اور حکمتیں میری نظر سے اوجھل رہیں۔" (تقریر نظام نو برموقعہ جلسہ سالانہ ۱۳۲۱ ہش)

اور تحریک جدید کی اہمیت کا ذکر حضور ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

"تحریک جدید جس کا اجراء منشاء الٰہی کے ماتحت ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم الشان اسلامی مقصد کو پورا کرنے اور انسانیت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا بیج رکھا گیا ہے۔" (ایضاً)

یہ تحریک طوعی ہے اور جو چاہے اس سے باہر رہ سکتا ہے۔ مگر اس کا طوعی ہونا ایک بھاری حکمت لئے ہوئے ہے۔ اور اس میں حصہ لینے والوں کو زیادہ ثواب حاصل کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"تحریک جدید میں حصہ لینا اگرچہ میں نے اختیاری رکھا ہے۔ مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اس میں حصہ لینے سے کوتاہی کی جا سکتی ہے۔ یہ تحریک اختیاری تو میں نے اس لئے رکھی ہے کہ انسان کو زیادہ ثواب ان ہی تحریکوں میں حصہ لینے سے ہوتا ہے جو خود اختیاری ہوں۔" (خطبہ جمعہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

پس تحریک جدید کا مقصد ثواب کے خواہشمندوں کو ایک موقعہ دینا اور اصلاح خلق اور اسلامی نظام کے قیام کے لئے جماعت احمدیہ کو تیار کرنا ہے۔ حضرت امیر المومنین ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"میرا طریق عمل تحریک جدید سے ظاہر ہے۔ میں جماعت کو اس طرف لا رہا ہوں کہ وہ اس مقام پر پہنچ جائے جو دین کے لئے قربانی کرنا چاہے آگے آ جائے اور جو نہ کرنا چاہے وہ پیچھے رہ جائے۔ اس وجہ سے بعض لوگوں کی طرف سے تحریک جدید کی مخالفت کی جاتی ہے۔ کیونکہ منافق سمجھتا ہے کہ اس کیلئے موت آ رہی ہے۔ اور اسکے چہرہ سے نقاب اتر جائے گا۔

اور وہ نمایاں ہو جائے گا" (تقریر مجلس مشاورت ۱۹۳۶ء)

مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام

بلا شبہ کسی جماعت یا قوم کی ترقی کا بہت کچھ مدار نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ تحریک جدید جن بلند مقاصد کا پیش خیمہ ہے۔ اُنکے حصول کے پیش نظر جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی تنظیم کو کسی حالت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب تک جماعت کا طبقہ کام کرنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو گا اس وقت تک جماعت بیرونی قوتوں کے مقابلہ میں کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھا سکتی۔ اس لئے تحریک جدید کے اجراء کے تین سال بعد ہی مجلس خدام الاحمدیہ کا قیام عمل میں آگیا۔ اور حال ہی میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے ہندوستان کے تمام پندرہ سے لے کر چالیس سال کے احمدی افراد کے لئے اس مجلس کا رکن ہونا فرض قرار دیا ہے۔

حضور مجلس خدام الاحمدیہ کی اہمیت یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"خدام الاحمدیہ جیسی جماعت کا وجود ایک نہایت ہی ضروری اور اہم کام ہے۔ اور نوجوانوں کی درستی اور اصلاح اور ان کا نیک کاموں میں تسلسل ایک ایسی بات ہے جسے کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۰ ر فروری ۱۹۳۹ء)

حضور پھر فرماتے ہیں:۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ سلسلہ پر کیا کیا حملہ کیا جائے گا؟ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے ان حملوں کا کیا جواب دیا جائے گا؟ ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے۔ اور اسی کا ایک حصہ خدام الاحمدیہ ہیں۔ اور درحقیقت یہ روحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے اُس فوج کی جس فوج نے احمدیت کے دشمنوں سے مقابلہ میں جنگ کرنی ہے جس نے احمدیت کے جھنڈے کو فتح اور کامیابی کے ساتھ دشمن کے مقام پر گاڑنا ہے بیشک وہ لوگ جوان باتوں سے واقف نہیں وہ میری ان باتوں کو سمجھ نہیں سکتے کیونکہ آج نوجوانوں کی ٹریننگ اور اُن کی تربیت کا زمانہ ہے۔ اور ٹریننگ کا زمانہ خاموشی کا زمانہ ہوتا ہے۔ لوگ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ کچھ نہیں ہو رہا۔ مگر جب قوم تربیت پا کر عمل کے میدان میں نکل کھڑی ہوتی ہے تو دنیا انجام دیکھنے لگ جاتی ہے۔ درحقیقت ایک ایسی زندہ قوم جو ایک ہاتھ کے اٹھنے پر اُٹھے اور

ایک ہاتھ کے گرنے پر بیٹھ جائے دُنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا کر دیا کرتی ہے" (الفضل ۷ اپریل ۱۹۳۹ء)

نوجوانوں کی اصلاح کیلئے دوسرا قدم
تعلیم الاسلام کالج

قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کا اجراء نوجوانوں کی صحیح تربیت کا ایک دوسرا مؤثر ذریعہ ہے۔ ہندوستان کا نوجوان طبقہ جس اندھا دھند طور پر مغرب کی تقلید میں مصروف ہے، اور اخلاقی اعتبار سے جن گھناؤنے تاثرات کا حامل، وہ کچھ محتاج بیان نہیں۔ قوم کے نوجوانوں کو اس قسم کے بداثرات سے محفوظ رکھنے اور دُنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تعلیم بھی دینے کے لئے یہ کالج جاری کیا گیا ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ احمدیت کی آئندہ ترقیات کے ساتھ اس کالج کو گونہ وابستگی حاصل ہے۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالٰے کا نہایت تاکیدی ارشاد ہے کہ احباب جماعت اپنے بچوں کو اس کالج میں بغرض تعلیم بھجوائیں اور اس کے لئے ہر ممکن مالی امداد بھی دیں۔

حضور کالج کی ضرورت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں :-

"ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے نوجوانوں کو انگریزی یا دُنیوی تعلیم اس رنگ میں دلائی جائے کہ بجائے اس کے کہ وہ تعلیم انہیں اسلام اور ایمان سے بے بہرہ کرنیوالی ہو، وہ ان کے دلوں میں اسلام کی صداقت پر زیادہ سے زیادہ یقین اور وثوق پیدا کرنیوالی ہو۔ بجائے اس کے کہ آئندہ سائنس اسلام پر کفر کو غالب قرار دے سکے سائنس کفر کو کھا جانیوالی اور اسلام کو غالب اور برتر ثابت کرنیوالی ہو۔ اور اس کی توپوں کا منہ اسلام کے قلعہ کی بجائے کفر کی طرف ہو۔ اور اسکے گولے کفر کی دیواروں کو گرا رہے ہوں"

مجلس اطفال الاحمدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

"یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ دینی علوم کی تحصیل کے لئے طفولیت کا زمانہ نہایت ہی مناسب اور موزوں ہے ___ طفولیت کا حافظہ تیز ہوتا ہے انسانی عمر کے کسی دوسرے حصہ میں ایسا حافظہ کبھی بھی نہیں ہوتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ طفولیت کی بعض باتیں تو اب تک یاد ہیں لیکن پندرہ برس پہلے کی اکثر باتیں یاد نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی عمر میں علم کے نقوش ایسے طور پر اپنی جگہ کر لیتے ہیں اور قویٰ کے نشو و نما ہونے کی عمر کے باعث ایسے دل نشین ہو جاتے ہیں کہ پھر فنا نہیں ہو سکتے" (ملفوظات جلد اوّل ص۶۱)

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ ہی مجلس اطفال الاحمدیہ بھی قائم فرمائی حضور فرماتے ہیں :۔

"قومی نیکیوں کے تسلسل کے قیام کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس قوم کے بچوں کی تربیت ایسے ماحول اور ایسے رنگ میں ہو، کہ وہ ان اغراض اور مقاصد کو پورا کرنے کے اہل ثابت ہوں۔ جن اغراض و مقاصد کو لے کر وہ قوم کھڑی ہوئی ہے"

(الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۳۸ء)

اسکے علاوہ حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا تازہ الہام کہ :۔

"نفسِ انسانی کی اصلاح صغر سنی میں بہتر ہوتی ہے"

ہماری توجہ کو اطفال کی تنظیم اور تربیت کی طرف گہرے طور پر مبذول کراتا ہے۔

مجلس انصاراللہ

جماعت احمدیہ میں وہ لوگ جو چالیس سال سے اوپر عمر کے ہیں، مجلس انصاراللہ کے ارکین شمار کئے جائیں گے ۔ الٰہی جماعتوں کی ترقی صرف مادی اسباب کی محتاج نہیں ہوتی۔ اور صرف ظاہری وسائل سے ہی فائدہ اٹھانا انکا کام نہیں ہوتا۔ بلکہ خدا تعالیٰ غیب سے اپنے محبوب انسانوں کی نصرت فرماتا ہے اور خدمت دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کی کچھ ایسی تڑپ ان کے اندر پیدا کر دیتا ہے کہ ظاہری روکاوٹیں انہیں اپنے کام سے روک نہیں سکتیں۔ اور ظاہر ہے کہ دین کی خدمت کا یہ جوش جس کی بنیاد محض قوتِ ایمان پر ہوتی ہے عمر اور جسمانی طاقت کی قید و بند سے آزاد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ میں جہاں ہمیں بہترین خادمِ دین نوجوان نظر آتے ہیں وہاں ہم بوڑھوں کو بھی اپنی فقید المثال قربانیوں کی وجہ سے ان سے کچھ پیچھے نہیں پاتے۔ یہی حال جماعت احمدیہ کا ہے اور اس صورت میں جماعت کے بڑے بزرگوں کے تجربہ اور انکی دینی طرز قربانیوں کی تڑپ سے فائدہ نہ اٹھانا، ایک بہت بڑا نقصان مول لینا تھا۔ اور اسلئے انکی تنظیم کے لئے مجلس انصاراللہ کا قیام لازمی۔

لجنہ اماءاللہ

قومی ترقی کے لئے طبقۂ نسواں کی اصلاح اور مناسب تربیت اشد ضروری ہے۔ لجنہ اماءاللہ کا مقصد احمدی خواتین کی تنظیم اور ان کے دلوں میں دین کی خدمت کا حقیقی جوش پیدا کرنا

ہے جب تک جماعت کی عورتیں احمدیت سے صحیح طور پر واقف نہ ہونگی اُس وقت تک وہ اپنی اولادوں کی عمدہ رنگ میں تربیت نہیں کر سکتیں اور نہ ہی جماعتی امور میں مردوں کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو الہاماً بتایا گیا ہے کہ:-

"اگر تم پچاس فیصدی عورتوں کی اصلاح کر لو تو اسلام کو ترقی حاصل ہو جائے گی"

یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ قومی ترقی کے راستہ میں ابھی عورتوں کا قدم بہت پیچھے ہے۔ اور انہیں جلد جلد آگے بڑھنا چاہیئے۔

عظیم الشان تمدنی اصلاح

جب نوجوان اپنی ذمہ واریوں کو سمجھنے لگیں گے جب بچوں کے دلوں میں مذہب کا صحیح اقدام پیدا کر دیا جائیگا۔ جب جماعت کا ہر طبقہ اپنے فرائض سے بخوبی واقف ہو جائے گا اور جب عورتیں اپنی کمزوریوں پر قابو پا چکینگی، اس وقت جماعت احمدیہ میں یقیناً ایک عظیم الشان تمدنی انقلاب آ جائے گا۔ اور جماعت کی روحانیت کو ایک خاص جلا حاصل ہوگی۔ اپنی اپنی جگہ اپنی ذمہ داریوں کا مکمل جائزہ لیکر ہر طبقہ دوسرے طبقہ کیساتھ مناسب سلوک کرنا سیکھ جائیگا اور ہم اپنی معاشرتی کمزوریوں کو دُور کرنے میں کامیاب ہو جائینگے۔ جنکی طرف حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:-

"ہمیں اپنی تمدنی اصلاح کی طرف ابھی بہت بڑی توجہ کی ضرورت ہے۔ ابھی تک خاوندوں کے بیویوں سے اچھے تعلقات نہیں۔ بیویوں کے خاوندوں سے اچھے تعلقات نہیں۔ اولاد اپنے ماں باپ سے اچھے تعلقات نہیں رکھتی اور ماں باپ اپنی اولاد کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتے۔ دوستوں کے دوستوں اور ہمسایوں کے ہمسایوں سے اچھے تعلقات نہیں۔ دوکاندار گاہکوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے۔ گاہک تاجروں کا خیال نہیں رکھتے۔ قرض لینے والے قرض واپس کرنے کا خیال نہیں کرتے اور قرض دینے والے مقروض کی مجبوریوں کا خیال نہیں رکھتے۔ استاد شاگردوں سے اچھی طرح پیش نہیں آتے اور شاگرد استادوں کا احترام نہیں کرتے۔ غرض ہمیں تمدنی اصلاح کی ابھی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جب تک ہماری تمدنی اصلاح نہیں ہوگی اُس وقت تک دل صاف نہیں ہونگے۔ اور جب تک دل صاف نہیں ہونگے ایمان پیدا نہیں ہوگا۔ اور جب تک ایمان پیدا نہیں ہوگا اللہ تعالےٰ

کی محبت پیدا نہیں ہوگی" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴ر شہادت ۱۳۲۳ہش)

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ تحریک جدید عظیم الشان عالمگیر اثرات کی حامل ہے۔ کیونکہ اس سے جمع شدہ اموال کے ذریعہ ایک مستقل تبلیغی فنڈ قائم کیا گیا ہے۔ اور تبلیغ ہی واحد ذریعہ ہے دُنیا کی توجہ کو اسلام کی طرف پھیرنے کا۔ جماعت اپنی تبلیغی کوششوں کو ہر ممکن طور پہ تیز کر کے ہی اس دن کو قریب لا سکتی ہے، جس دن اسلامی تمدن کا ایک ایسا عظیم الشان قلعہ تعمیر کر دیا جائے گا جو ساری دُنیا کو اپنی پناہ میں لے لے۔ دُنیا ایک نئی زمین اور نیا آسمان دیکھے گی اور ایک نئے نظام پر کاربند ہوگی۔

نظامِ وصیت ۱۹۰۵ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "نظامِ وصیت" کی بُنیا د رکھی۔ اور جماعت احمدیہ کے ہر فرد کو وصیت کرنے کی پُر زور تلقین فرمائی۔ اور اس کی آمد کے ذریعہ "نظام نو" کے قیام کے لئے ایک عظیم الشان دروازہ کھول دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:-

"وصیت کے متعلق یہ خیال کرنا غلط ہے کہ اس کا روپیہ صرف تبلیغ اسلام پر خرچ کیا جا سکتا ہے۔ "الوصیت" کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ اس روپیہ سے کئی اور مقاصد کو بھی پورا کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ ہر ایک امر جو مصالح اشاعت اسلام میں داخل ہے۔ جس کی اب تفصیل کرنا قبل از وقت ہے وہ تمام اموال اموال سے انجام پذیر ہوں گے۔ **یعنی آئندہ زمانہ میں اشاعت اسلام کی ایسی مصلحتیں ظاہر ہوں گی یعنی اسلام کو عملی جامہ پہنا کر اسکی خوبیوں کے اظہار کے مواقع ایسے نکلیں گے کہ ان پر وصیت کے روپیہ کو خرچ کرنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہوگا۔** پھر یتیموں اور مسکینوں کے الفاظ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استعمال فرمائے ہیں۔ اور بتایا ہے کہ اس روپے پر محتاجوں کا حق ہے۔ پس درحقیقت ان الفاظ میں اسی نظام کی طرف اشارہ ہے **جو اسلام قائم کرنا چاہتا ہے۔ کہ ہر فرد بشر کیلئے کھانا مہیا کیا جائے۔ ہر فرد بشر کیلئے کپڑا مہیا کیا جائے۔ ہر فرد بشر کیلئے مکان مہیا کیا جائے۔ ہر فرد بشر کیلئے تعلیم اور علاج کا سامان مہیا کیا جائے۔ اور یہ کام ٹیکسوں سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ جائدادیں لی جائیں اور اس ضرورت پر خرچ کی جائیں" (تقریر نظام نو)**

وہ امور جن کی تفصیل میں پڑنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبل از وقت خیال فرمایا اور فی الحقیقت جنکا ظاہر ہو جانا اور جنکی طرف حضرت امیر المومنین کا ہمیں توجہ دلانا درحقیقت ہمیں زیادہ پختگی کیساتھ اس عقیدہ پر قائم کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ہی مصلح موعود ہیں اور ہمیں اپنی ذمہ داریوں پر گہرے طور پر آگاہ کرتے ہیں۔ اور تحریک جدید جو آج سے چند سال قبل جاری کی گئی تھی "نظام وصیت" یا "نظام نو" کے لئے بطور ارہاص کے ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :۔

"غرض تحریک جدید گو وصیت کے بعد آئی ہے مگر اس کیلئے پیشرو کی حیثیت میں ہے۔ گویا وہ نظام نو کے مسیح کیلئے ایک ایلیاہ نبی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس کا ظہور مسیح موعود کے غلبہ والے ظہور کیلئے بطور ارہاص کے ہے۔ ہر شخص جو تحریک جدید میں حصہ لیتا ہے وصیت کے نظام کو وسیع کرنے میں مدد دیتا ہے اور ہر شخص جو نظام وصیت کو وسیع کرتا ہے وہ نظام نو کی تعمیر میں مدد دیتا ہے۔" (تقریر نظام نو)

فرمایا :۔ "پس تحریک جدید کیا ہے وہ خدا تعالیٰ کیسامنے عقیدت کی یہ نیاز پیش کرنے کیلئے ہے کہ وصیت کے ذریعہ تو جس نظام کو دنیا میں قائم کرنا چاہتا ہے اسکے آنے میں ابھی دیر ہے۔ اسلئے ہم تیرے حضور اس نظام کا چھوٹا سا نقشہ تحریک جدید کے ذریعہ پیش کرتے ہیں تاکہ اُس وقت تک کہ وصیت کا نظام مضبوط ہو اس ذریعہ سے جو مرکزی جائداد پیدا ہو اس سے تبلیغ احمدیت کو وسیع کیا جائے اور تبلیغ سے وصیت کو وسیع کیا جائے۔" (ایضاً)

پھر حضور فرماتے ہیں :۔

"پس تم جلد سے جلد وصیتیں کرو تاکہ جلد سے جلد نظام نو کی تعمیر ہو۔ اور وہ مبارک دن آجائے جبکہ چاروں طرف اسلام اور احمدیت کا جھنڈا لہرانے لگے ——— اور دنیا اس نظام سے ایسے رنگ میں فائدہ اُٹھائے کہ آخر اسے تسلیم کرنا پڑے کہ قادیان کی وہ بستی جسے کورِدہ کہا جاتا تھا جسے جہالت کی بستی کہا جاتا تھا اس میں سے وہ نور نکلا جس نے ساری دنیا کی تاریکیوں کو دور کر دیا جس نے ساری دنیا کی جہالت کو دور کر دیا جس نے ساری دنیا کے دکھوں اور دردوں کو دور کر دیا اور جس نے ہر امیر و غریب کو ہر چھوٹے اور بڑے کو محبت اور پیار اور الفت باہمی سے رہنے کی توفیق عطا فرما دی۔" (ایضاً)

مصلح موعود ظاہر ہو گیا، اسلام اور احمدیت کے غلبہ کی گھڑی آن پہنچی اور ساتھ ہی ہمیں ذمہ داریوں کی ایک گہری خلیج کے آگے لاکر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ جسے خدا پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے عبور کرکے ہی ہم منزل مقصود کو پا سکتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :۔

"پس بہت بڑا کام ہے جو ہمنے سرانجام دینا ہے۔ بلکہ اتنے بڑے کام ہمنے کرنے ہیں کہ اگر ہم

انکو گننے لگیں تو شمار میں ہی نہ لاسکیں یہ کام جب ہم نے کرلئے تو یوم الجزاء بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آجائیگا جب کفر کو تباہ کر دیا جائیگا اور اسلام کو غالب کر دیا جائیگا۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۴ ارشادت ۱۳۲۳ ہش)

پس ہمارا فرض ہے کہ ہم تحریک جدید کو ہر ممکن طور پر کامیاب بنائیں۔ مجالس اطفال الاحمدیہ، خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ کی اہمیت کو سمجھیں اور ان میں شریک ہوں۔ پورے انہماک کیساتھ اشاعتِ دین میں مصروف ہو جائیں اور نظامِ وصیت کو مضبوط کریں۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خدا کا یہ وعدہ اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھیں:۔

"۔۔۔ تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجہ سے نجات پاویں اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کیساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں، جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰ ؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔"

ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا۔ ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار ۰ ربنا واٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ولا تخزنا یوم القیٰمۃ انک لا تخلف المیعاد ۰

(آمین ثم آمین)

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ۰

ضوابط و مسائلِ علمِ میراث

تقسیمِ ورثہ کے متعلق شریعتِ اسلامیہ کے احکام اور اسکی حکمت اور اہمیت

(از جناب مولانا ارجمند خانصاحب وائس پرنسپل جامعہ احمدیہ)

(۱) اسلام میں تقسیم وراثت کا مسئلہ نہایت اہم اور پُرحکمت ہے۔ اس قدر پُرحکمت کہ آج وہ قومیں جنہیں اُن کے مذہب نے ورثہ کی تقسیم کے متعلق کوئی ہدایت نہیں دی یا ناقص ہدایات دی ہیں، وہ اسلامی تقسیم وراثت کی نقل اتارنے اور اسے حکومت کے قوانین کے ذریعہ اپنے ہاں جاری کروانا چاہتے ہیں۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ کسی طبقہ کے پاس دولت جمع ہو جائے بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہر مرنیوالے کی جائداد تمام اولاد، ماں باپ، بیوی، خاوند، یا بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم ہو جائے۔ اور چاہتا ہے کہ مال مختلف لوگوں میں چکر لگاتا رہے اور ترقی کا میدان ہر ایک کے لئے کھلا رہے۔ یورپ میں ساری جائداد بڑے بیٹے کے نام منتقل ہو جاتی ہے مگر اسلام میں تمام اولاد وارث قرار دی جاتی ہے۔ پس اسلام نہ اس اصل کو تسلیم کرتا ہے کہ قوم کی ساری دولت سمٹ کر چند ہاتھوں میں آ جائے۔ پس وراثت کی تقسیم کا مسئلہ خود اس امر کا درخشندہ ثبوت ہے کہ مذہب اسلام ضرورتِ حقہ کے ماتحت انسانوں کی بہبودی کیلئے عرش سے فرش پہ نازل کیا گیا ہے۔ چنانچہ تاریخِ عالم پر غور کرنے سے ہمیں قرآن کریم کے اس دعوے کی صداقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ جن قوموں نے ان احکام کو اپنایا اور ان پر عمل کیا وہ دُنیا میں صحیح امن کو قائم کرنیوالی ثابت ہوئیں، اور جنہوں نے ان اصول کو صحیح تسلیم نہیں کیا، اور

خود ساختہ اصول کو دُنیا کے سامنے رکھا یا ان کو صحیح تسلیم کر کے ان پر عمل پیرا نہ ہوئے انہوں نے دُنیا میں بدامنی پیدا کی وہ خود بھی ذلیل ہوئے اور دوسروں کو بھی ذلیل کیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تلك حدود الله و من يطع الله و رسوله يدخله جنّت تجري من تحتها الانهر خلدين فيها و ذلك الفوز العظيم ۝ و من يعص الله و رسوله و يتعدّ حدوده يدخله نارًا خالدًا فيها و له عذاب مّهين ۝ (نساء ع ۲)۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر تقسیم ورثہ کے بارے میں جو قیود اور پابندیاں عائد کی ہیں جو بھی تم میں سے اپنے آپ کو ان قیود کا پابند قرار دے گا اس کو فوز عظیم حاصل ہوگا۔ اور جو ان پابندیوں سے اپنے آپکو آزاد کریگا وہ اس دُنیا میں ذلت و ادبار کا مُونہہ دیکھیگا۔ اسی لئے حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے بھی بروقت اس تحریک کو جماعت کے سامنے رکھکر اس پر گامزن ہونے کے لئے جماعت سے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر عہد لیا۔ (ملاحظہ ہو اقتباس از تقریر جلسہ سالانہ ۱۹۴۲ء موسومہ بہ نظام نو) حضور تقسیم ورثہ کی اہمیت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"اگر غور کیا جائے تو تمدن میں خرابی واقع ہونے کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ جائدادیں تقسیم نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند لوگوں کے قبضہ میں رہتی ہیں اور غرباء کو جائداد پیدا کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ اسلام نے اس نقص کو دُور کرنے کے لئے ورثہ کے تقسیم کئے جانے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اسلامی احکام کے مطابق ہر مرنے والے کی جائداد اس کے ورثاء میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ...ور ماں کو، باپ کو بیٹوں کو، شوہر کو، بیوی کو غرض ہر ایک کو اس کا مقررہ حق مل جاتا ہے۔ اور کسی شخص کو اختیار نہیں کہ وہ اس تقسیم کو اپنی مرضی سے بدل دے۔ بلکہ قرآن کریم یہ ہدایت دیتا ہے کہ اگر تم اس رنگ میں جائداد کو تقسیم نہیں کرو گے تو گنہگار ٹھہرو گے اس کے مقابلہ میں جو دوسرے مذاہب ہیں ان میں سے کسی میں صرف پہلے بیٹے کو وارث قرار دیا گیا ہے اور کسی میں کسی اور کو۔" (جلسہ سالانہ ۱۹۴۲ء کی عظیم الشان تقریر الموسومہ بہ نظام نو صفحہ)

(۳) اسلام نے وراثت کے جو قوانین بیان کئے ہیں وہ بلا وجہ نہیں بلکہ حق و حکمت پر مبنی ہیں۔ مثلاً ایک فرد اگر مرجائے اور اس کے ہر قسم کے رشتہ دار موجود ہوں تو اسلام کی رُو سے سب

رشتہ دار بلا امتیاز وارث نہ ہوں گے بلکہ صرف پانچ شخص اس کے وارث ہوں گے۔ اس کا باپ، اس کی ماں، اس کا بیٹا، اس کی بیٹی اور اس کی بیوی۔ ان پانچ اشخاص کی موجودگی میں کوئی چھٹا شخص ہرگز ہرگز وارث نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر ایک عورت فوت ہو جائے تو اس کے بھی صرف باپ، ماں، بیٹا، بیٹی اور خاوند وارث ہوں گے نہ کہ کوئی اور رشتہ دار۔

اب ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ کیا وجہ ہے کہ اسلام نے صرف ان پانچ رشتہ داروں ہی کو وارث بنایا ہے۔ سو ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام نے ان رشتہ داروں کو چننے میں محکم اصول فرمایا ہے کہ ہم سے تعلق رکھنے والے تین قسم کے رشتہ دار ہیں (۱) وہ جو ہمیں اس عالم میں لانیکا موجب ہوئے یعنی باپ اور ماں اور (۲) دوسرے وہ رشتہ دار جنہیں دُنیا میں لانے کے ہم موجب ہوئے۔ یعنی بیٹا اور بیٹی اور (۳) تیسری قسم وہ کہ جس کے ذریعہ ہم کسی کو دُنیا میں لانے کا ذریعہ ہوئے یعنی بیوی یا خاوند۔ پس جب ہم نے دُنیا میں مال کمایا اور دولت حاصل کی تو ہمارا فرض ہے کہ اپنے مال سے ان کو بھی حصہ دیں جن کی وجہ سے ہم اس دُنیا میں آئے اور یہ مال و دولت ہم نے حاصل کیا۔ یعنی ماں اور باپ کو۔ اسی طرح یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم دولت کما کر ان کو بھی دیں جن کے اس دُنیا میں لانے کے ہم موجب ہوئے یعنی بیٹا اور بیٹی۔ اسی طرح ہمارا فرض ہے کہ جس وجود کے ذریعہ ہم بیٹا اور بیٹی کو دُنیا میں لائے۔ اس کو بھی اپنے مال سے مقررہ حصہ دیں یعنی خاوند یا بیوی۔

پس ان پانچ اشخاص کو جس طرح زندگی میں ہمارا فرض ہے کہ ہم انہیں گذارہ دیں جبکہ وہ خود بخود گذارہ پیدا نہ کر سکتے ہوں۔ اسی طرح مرنے کے بعد ہمارے مال کو لینے کا حق بھی انہیں کو ہوگا۔ اسلئے اسلام نے سب رشتہ داروں کی موجودگی میں صرف ان پانچ اشخاص کو وارث قرار دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی وراثت کا قانون بے وجہ نہیں بلکہ ایک محکم اصول پر مبنی ہے پس اسلام مرنے والے کے مال کو یوں تقسیم کرتا ہے۔

(۱) م ۲۴

ماں	باپ	بیوی	بیٹا	بیٹی
۱/۶	۱/۶	۱/۸	عصبہ	
۴	۴	۳	۱۳	

(۲) م ۱۲

ماں	باپ	خاوند	بیٹا	بیٹی
۱/۶	۱/۶	۱/۴	عصبہ	
۲	۲	۳	۵	

ہاں اگر باپ نہ ہو تو دادا اور بیٹا نہ ہو تو پوتا وغیرہ درجہ بدرجہ وارث ہیں۔ لیکن اسلام کے سوا کسی اور مذہب میں قطعاً کوئی محکم اصول نہیں جس پر کے تقسیم کی بنیاد رکھی گئی ہو۔

علمِ میراث علم میراث وہ علم ہے کہ جس سے میت کے متروکہ مال کی اس کے ورثاء پر تقسیم کرنے کی کیفیت جانی جائے۔ اور اس علم کو علم فرائض بھی کہتے ہیں۔ اور فرائض فریضہ کی جمع ہے۔ اس کے معنے مقرر شدہ حصے کے ہیں۔ اور اس کی ... یہ ہے کہ فریضہ مقرر شدہ حصے کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ اس علم میں شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے میت کے ورثاء کیلئے جو حصے مقرر شدہ ہیں وہ بیان ہوتے ہیں اسلئے اسے علم الفرائض بھی کہتے ہیں۔

مال متروکہ یا ترکہ۔ میت کا وہ مال ہے جو اس کے مرنے کے بعد رہ جائے۔

اہمیت۔ اس علم کی اہمیت اسی سے عیاں ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سورۃ نساء میں جہاں وراثت کی تقسیم کا ذکر کیا ہے وہاں یوں فرماتا ہے۔ یُوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین الخ (نساء ع) کہ اللہ تعالےٰ تمہیں وصیت کرتا ہے۔ کہ وراثت کی تقسیم تم یوں کرو اور وصیت کے معنے حکم مؤکد کے ہیں۔ پس یہ خدا کا حکم مؤکد ہے جو سب سے کامل کتاب میں درج ہے۔

نیز حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیہقی میں آیا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ تعلموا الفرائض و علموها الناس فانها نصف العلم کہ علم فرائض خود سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔ کیونکہ یہ آدھا علم ہے۔[۵]

میت کے ترکہ سے چار حقوق متعلق ہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ میت کے ترکہ سے چار حقوق متعلق ہیں اور وہ علی الترتیب یہ ہیں:۔

(۱) **تجہیز و تکفین** ۔ یعنی جب کوئی آدمی فوت ہو جائے تو پہلے اس کے مال سے جو وہ چھوڑ گیا ہے اس کے کفن و دفن کا انتظام کیا جائے۔ اس طور پر کہ نہ تو ضرورت اور حیثیت سے زیادہ خرچ کیا جائے اور نہ اس سے کم۔

(۲) **ادائیگی قرض** ۔ تجہیز و تکفین کے خرچ سے جو مال باقی بچے اس میں سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے۔ اگر ترکہ اتنا ہے کہ اس میں سے تمام قرضے ادا نہیں کئے جاسکتے۔ یعنی ترکہ تھوڑا ہے اور قرضے زیادہ ہیں تو سب سے پہلے اُن قرضوں کو ادا کیا جائے جو اس نے صحت کی حالت میں لئے ہوں۔

اور ان قرضوں کو جو اسباب معلوم کیوجہ سے اس کو لاحق ہوئے ہوں مثلاً دوا دارو اور فیس ڈاکٹر وغیرہ۔ اور اگر قرضخواہ کئی ہوں تو بحصہ رسدی ان میں تقسیم کیا جائے۔ اور اگر قرضخواہ ایک ہی ہو تو اس صورت میں تمام ترکہ اس کو دیا جائے۔ خواہ ورثاء محروم ہی ہو جائیں۔

(۳) **وصیت** - میت کا قرضہ ادا کرنیکے بعد جو مال بچ جائے تو اس بچے ہوئے مال کے صرف ⅓ یعنی تیسرے حصہ سے میت کی وصیتیں ادا کیجائیں۔ اور جو شخص تیسرے حصے سے زیادہ مال کی وصیت کریگا وہ شرعاً ناجائز ہوگا اور اس کا اجراء صرف ⅓ تک ہی کیا جائے۔

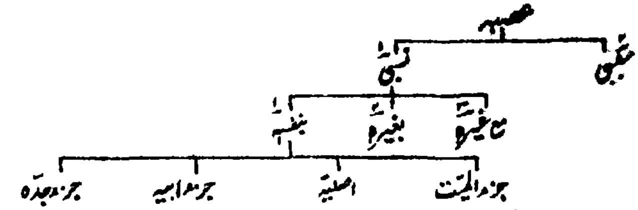
نوٹ :- یہ بھی ذہن نشین رہے کہ جس وارث کا حصہ شریعت نے خود مقرر کر دیا ہے اس کے لئے کسی زائد مال کی وصیت کرنا درست نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "**لاوصیۃ لوارث**" کہ وارث کے لئے کوئی وصیت درست نہیں۔ (سوا اس کے کہ باقی ورثاء تسلیم کرلیویں)

(۴) مذکورہ بالا تینوں امور کی تکمیل کے بعد جو مال باقی بچے اس کو بموجب کتاب اللہ ارشاد نبی کریم صلعم اور اجماع اُمت کے موافق میت کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اس طور پر کہ پہلے اصحاب الفرائض کو حصہ دیا جائے گا۔ اور "**اصحاب الفرائض**" وہ لوگ ہیں جن کے حصے قرآن مجید میں معین طور پر مقرر ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں ایک نسبی دوسرے سببی۔ نسبی جن کا آپس میں خونی تعلق ہو جیسے اولاد، ماں، باپ اور دوسرا سببی جیسے میاں بیوی۔ ان تمام اصحاب الفرائض کو حصہ دیکر اگر مال بچ جاوے تو عصبات کو دیا جاوے۔ اور عصبہ ہر وہ شخص ہے جو وہ سارے کا سارا مال لے لیتا ہے جو اصحاب الفرائض کے حصہ لینے کے بعد بچ گیا ہو۔ اور اگر اصحاب الفرائض میں سے کوئی نہ ہو تو وہ عصبہ سارا مال لے لیتا ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ العصبۃ کل من یاخذ جمیع ما ابقتہ اصحاب الفرائض و عند الانفراد حرز جمیع المال۔ اور عصبہ بھی اصحاب الفرائض کی طرح دو قسم کے ہوتے ہیں نسبی و سببی۔

دوسرے درجہ پر عصبات کو ان کا حق دیا جائے اور عصبہ سے مراد ہر وہ مرد رشتہ دار ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان صرف عورت ہی واسطہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اخیافی بھائی یعنی صرف ماں کی طرف سے بھائی کبھی بھی عصبہ نہیں ہوتا کیونکہ اسکے اور میت کے درمیان صرف عورت یعنی والدہ واسطہ ہے۔

عصبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ تمام مال لے جائے جو اصحاب الفرائض کے مقررہ حصص لینے کے بعد باقی بچ گیا ہے یا اگر اصحاب الفرائض نہ ہوں تو سارا مال ہی وہ لے جائے۔

عصبہ کی تقسیم بسہولت کے لئے ذیل کا جدول ملاحظہ کر لیجئے۔



(۱) جزء المیت۔ وہ مرد جو میت کی جزء ہو جیسے بیٹا، پوتا۔

(۲) اصلیہ یعنی وہ مرد جو میت کی جڑ اور اصل ہو جیسے باپ، دادا۔

(۳) جزء ابیہ۔ وہ مرد جو میت کے باپ کا جزء ہو جیسے بھائی، بھتیجہ وغیرہ

(۴) جزء جدہ۔ وہ مرد جو میت کے دادا کا جزء ہو جیسے چچا، چچا کا بیٹا۔

نوٹ:۔ ان چاروں کو عصبہ بنفسہ کہتے ہیں

(۵) بغیرہ۔ وہ عصبہ ہے جو عصبہ بنفسہ کے ملنے کی وجہ سے عصبہ بن جائے جیسے میت کی بیٹیاں، پوتیاں، اعیانی (یعنی حقیقی بہنیں) اور علاتی بہنیں (یعنی باپ کی طرف سے بہنیں) اپنے اپنے بھائیوں کے عصبہ ہونے کے سبب عصبہ بن جاتی ہیں۔

(۶) مع غیرہ۔ وہ عورت ہے جو دوسری عورت کیساتھ مل کر عصبہ بن جائے۔ جیسے میت کی اعیانی یا علاتی بہنیں اپنے بھائی کے بغیر بھی میت کی بیٹی اور پوتی کیساتھ (جو ذوی الفروض ہیں) مل کر عصبہ بن جاتی ہیں۔ لقولہ علیہ السلام۔ اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔ یعنی میت کی بہنوں کو اسکی لڑکیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ۔

(۷) عصبہ سببی وہ عصبہ ہے کہ اس کے اور میت کے درمیان کوئی خونی تعلق نہیں بلکہ آقا و غلام کا تعلق تھا۔ لیکن بعد میں آقا نے غلام کو آزاد کر دیا اور وہ غلام مر گیا اور اس کے کوئی اصحاب الفرائض یا عصبہ نسبی نہیں تب آزاد کرنے والا آقا وارث ہوگا۔

اگر میت کا کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر جو مال اصحاب الفرائض کے بعد بچ جائے وہ دوبارہ حصہ نسبت سے اصحاب الفرائض کو دیا جاوے۔

اگر میت کے نہ کوئی ذوی الفروض میں سے ہو، نہ عصبہ سببی او نسبی میں سے کوئی ہو تو پھر مال ذوالارحام (۵) کو دیا جائے گا۔

"ذوالارحام" میت کے دور کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ جو نہ تو ذوی الفروض ہوں

اور نہ عصبات میں سے ہوں۔ الغرض میت کے ترکہ لینے میں پہلا حق ذوی الفروض کا ہے۔ اور دوسرے درجہ پر عصبات ہیں اور ان دونوں فریقوں کی عدم موجودگی میں ذو الرحم کا حق ہوگا۔ جیسے آنحضرت صلعم کی اس حدیث سے پتہ چلتا ہے۔

قال مات رجلٌ من خزاعة فأتی النبیّ صلی الله علیه وسلم بمیراثه فقال التمسوا له وارثه او ذا الرّحم

تو دیکھئے یہاں پہلے وارث کو رکھا۔ پھر فرمایا ذو الرحم کو تلاش کرو۔ گویا وارث یعنی (ذوی الفروض اور عصبات) کی حیثیت اولیہ ہے اور ذو الرحم کی ثانویہ۔ اگر کسی کا ذو الرحم بھی نہ ہو تو مولی الموالاۃ(۶) کو حصہ دیا جائے گا۔

"مولی الموالاۃ" اس دوست کو کہتے ہیں جس کیساتھ میت نے اپنی زندگی میں ایسی دوستی قائم کر لی ہو جس کے ساتھ یہ شرط ہو کہ اگر تم پہلے مرے تو میں تمہارا وارث ہوں گا اور اگر میں پہلے مرا تو تم میرے وارث ہوگے۔ اور اگر تم کو کوئی چٹی بھرنی پڑے تو میں ادا کروں گا اور اگر مجھ کو چٹی دینی پڑی تو تم نے ادا کرنی ہوگی لیکن یہ معاہدہ اس صورت میں جائز ہوگا جبکہ دونوں مجہول النسب ہوں۔ اور اگر مولی الموالاۃ بھی کوئی نہ ہو تو پھر ورثہ "مقر لہ"(۷) کو ملے گا۔ اور

"مقر لہ" ایسا اجنبی شخص ہوتا ہے جس کے حق میں مرنے والے نے کسی ایسی رشتہ داری کا اقرار کیا ہو جس کو اس نے غیر کیطرف منسوب کیا ہو۔ اپنے نفس کی طرف منسوب نہ کیا ہو مثلاً یہ نہ کہا ہو کہ میرا بیٹا ہے یا باپ ہے، بلکہ یہ کہا ہو کہ میرا بھائی یا چچا ہے۔ گویا دادا اور باپ کی طرف منسوب کیا ہو۔ تو اب یہ "مقر لہ" اس کے مال کا وارث ہوگا۔ بشرطیکہ ایسا اقرار کرنیوالا اخیر دم تک اس اقرار پر قائم رہا ہو۔ اور اس کو ورثہ تب ملیگا جبکہ اس اقرار کرنیوالے کا کوئی رشتہ دار یا مولی الموالاۃ نہ ہو "مقر لہ" کے نہ ہونیکی صورت میں ورثہ اس کو ملیگا "جس کے حق میں(۸) مرنیوالا سارے مال کی وصیت کر گیا ہو" اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ترکہ "بیت المال"(۹) یعنی اسلامی خزانہ یا قومی فنڈ میں جائیگا۔

اصحاب الفرائض

مردوں میں سے اصحاب الفرائض ورثا چار ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) اب۔ (باپ) (۲) جد (دادا) (۳) اخیافی بھائی۔ (جو صرف ماں کی طرف سے بھائی ہو) جس کو اخ لام بھی کہتے ہیں۔ (۴) زوج (خاوند)

نوٹ:۔ اصحاب الفرائض کے مقررہ حصص کے مسئلہ اور مخارج معلوم کرنیکے چند عام فہم قاعدے:

(۱) کتاب اللہ میں اصحاب الفرائض کے چھ حصے بیان ہوئے ہیں جن کی دو نوع ہیں۔ نوع اول نصف ۱/۲۔ ربع ۱/۴۔ ثمن ۱/۸۔ نوع دوم۔ ثلثان ۲/۳۔ ثلث ۱/۳۔ سدس ۱/۶۔

اگر میت کا وارث ایک ہو جو ان حصص میں سے کسی ایک کا حقدار ہو تو جس حصہ کا وہ حقدار ہوگا۔ اس حصہ کے مطابق عدد کو مخرج بنایا جائیگا اور اسی عدد کو میت کا مسئلہ قرار دیا جائے گا۔ مثلاً اگر میت کا ایک بیٹا اور ایک بیوی ہے تو بیوی کو ثمن یعنی ۱/۸ ملیگا۔ اور ثمن ثمانیۃ سے نکلا ہے۔ پس مسئلہ میں مخرج ثمانیۃ (یعنی آٹھ) ہے۔ اور مسئلہ بھی آٹھ سے ہوگا۔ آٹھواں حصہ بیوی کو ملیگا۔ اور باقی بوجہ عصبہ ہونیکے بیٹے کو ملیگا۔

(۲) لیکن اگر حصے ایک سے زیادہ ہوں اور ایک نوع کے حصوں کے وارث ہوں تو اس صورت میں سب سے چھوٹے حصے کے عدد کو مخرج اور مسئلہ بنایا جائیگا۔ مثلاً میت کی ایک لڑکی اور خاوند ہو تو لڑکی کو ۱/۲ اور خاوند کو ۱/۴ ملتا ہے اور ۱/۴ کو ربع کہتے ہیں۔ اور ۱/۲ کو نصف۔ پس ربع نصف سے کم حصہ ہے۔ اور ربع اربعۃ سے نکلا ہوا ہے۔ اس لئے مسئلہ کا مخرج اربعۃ ہوگا۔ اور مسئلہ چار سے ہوگا یعنی حصص کی تقسیم چار سے ہوگی۔

(۳) اور اگر دو مختلف نوعوں سے حصے جمع ہو جائیں مثلاً نوع اول سے ربع اور نوع ثانی سے کوئی ایک یا دو حصے ہوں مثلاً ثلثان ہو تو اس صورت میں مسئلہ بارہ ۱۲ سے ہوگا۔ یعنی اگر میت کی ایک بیوی اور دو حقیقی بہنیں ہوں تو بیوی کو ربع یعنی ۱/۴ ملیگا اور بہنوں کو ثلثان یعنی ۲/۳ ملیگا۔ پس مسئلہ بارہ ۱۲ سے بنیگا اور مخرج ذو اضعاف اقل کے قاعدے کے مطابق ۱۲ ہوگا۔

لیکن اگر دو مختلف نوعوں کے حصص میں ثمن یعنی ۱/۸ آجائے تو اس وقت ۱۲ کی بجائے ۲۴ سے مسئلہ بنیگا۔ مثلاً اگر میت کی دو لڑکیاں اور ایک بیوی ہو تو دو لڑکیوں کو ۲/۳ ملیگا اور بیوی کو ۱/۸ ملیگا۔ تو اس وقت مسئلہ بجائے ۱۲ کے ۲۴ سے ہوگا۔ کیونکہ آٹھ ۸ بارہ ۱۲ پر برابر تقسیم نہیں ہوسکتے۔

باپ (۱)

باپ کی تین حالتیں ہیں۔ (۱) جبکہ وہ صرف ذو الفرض ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کو صرف ۱/۶ ملیگا۔ جبکہ میت کی نرینہ اولاد ہو یا نرینہ اولاد کی نرینہ اولاد ہو (خواہ اس کیساتھ میت کی لڑکی یا پوتی ہو یا نہ ہو) جیسے

میت	۶
باپ	بیٹا
۱/۶	
۱	۵

(۲) وہ ذو الفرض اور عصبہ دونوں ہوتا ہے جبکہ میت کی اولاد میں سے صرف لڑکی (یا لڑکیاں) یا پوتی (یا پوتیاں) ہوں تو اس صورت میں باپ کو ذوالفرض ہونیکی حیثیت سے $\frac{1}{6}$ ملیگا۔ اور عصبہ ہونے کے لحاظ سے باقی مال کا حقدار ہوگا جیسے ارشاد باری ہے "وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ" کہ میت کے ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کو $\frac{1}{6}$ حصہ ملیگا جبکہ میت کی اولاد ہو۔

چونکہ وَلَدٌ کا لفظ عربی زبان میں لڑکے اور لڑکی دونوں پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے میت کی اولاد میں سے اگر کوئی نرینہ ہو تو اس صورت میں باپ صرف ذوالفرض ہوگا اور اس کو صرف $\frac{1}{6}$ حصہ ملیگا۔ اور اگر میت کی اولاد میں سے کوئی نرینہ اولاد نہ ہو بلکہ صرف لڑکی یا پوتی ہو تو اس صورت میں اس کی دو حیثیتیں ہوں گی۔ ایک ذوالفرض ہونیکی حیثیت ہوگی جس میں اس کو $\frac{1}{6}$ حصہ ملیگا اور دوسری عصبہ ہونیکی حیثیت (بوجہ دوسرے کسی عصبہ کے نہ ہونیکے) ہوگی جس میں وہ باقی سارا مال لے جائیگا۔ مثلاً:-

میت ۶

لڑکی	باپ بطور ذوالفرض ہوکر	باپ بطور عصبہ ہوکر
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{6}$	
۳	۱	۲

(۳) وہ صرف عصبہ ہوتا ہے جبکہ میت کی کوئی اولاد نہ ہو۔ تو اس صورت میں وہ صرف عصبہ ہوگا جیسے مندرجہ ذیل قرآنی ارشاد سے ظاہر ہے۔ "فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ" یعنی اگر میت کی کوئی اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہی صرف وارث ہوں تو ماں کو $\frac{1}{3}$ حصہ ملیگا۔ یہاں پر باپ کے حصے کا ذکر نہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ عصبہ ہونے کی وجہ سے باقی ماندہ تمام مال لے گا۔ مثلاً

میت ۱۲

زوجہ	ماں	باپ صرف بطور عصبہ ہونیکے
$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{3}$	
۳	۴	۵

مسئلہ نکالنے کا طریق

جس وقت ہم نے میت کے ورثاء کو حصہ دینا ہو تو سب سے پہلے ہم اُن حصوں کے مخارج کا ذو اضعاف اقل نکالیں گے۔

اور وہ ذو اضعاف اقل اوپر بطور مسئلہ لکھیں گے یعنی وہ تمام حصوں کا مجموعہ ہوگا۔ جیسے کسی میت کا ایک باپ ہے۔ اور ایک بیٹی ہے تو اس صورت میں باپ کو $\frac{1}{6}$ اور بیٹی کو $\frac{1}{2}$ ملیگا۔ اب ۶ اور ۲ جو مخرج ہیں ان کا ذو اضعاف اقل نکال کر اوپر لکھ لیں۔ پس چونکہ ان کا ذو اضعاف اقل ۶ ہوگا اس لئے مسئلہ ۶ سے بنے گا۔ اس کے بعد ۶ سے باپ کو $\frac{1}{6}$ یعنی ایک حصہ دیا جائیگا اور بیٹی کو اس کا $\frac{1}{2}$ یعنی تین حصے ملیں گے یہ چار ہوئے۔ پھر جو دو باقی بچیں گے وہ بھی باپ کو (عصبہ ہونیکی وجہ سے) دیدیئے جائیں گے۔

واضح رہے کہ مخرج بٹوں کے نچلے عدد کو کہتے ہیں اور اصحاب الفرائض کے حصص کا مجموعہ عدد مسئلہ کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا ذو الفرض دادا ہے

یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر میت کا باپ نہ موجود ہو تو دادا اس کا قائم مقام ہوتا ہے۔ اس طرح دادا کا وہی حصہ ہوگا جو باپ کا ہوتا ہے۔ لیکن باپ کی موجودگی میں یہ محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دادا باپ کی وجہ سے ہی میت کا رشتہ دار بنتا ہے۔ پس جب اصل موجود ہے تو یہ کیسے وارث ہو سکتا ہے (بعض حالات میں دادا باپ سے مختلف بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ اپنی جگہ پر ذکر کیا جائیگا۔)

مثال

مسئلہ ۶

جد	بنت	دادا بوجہ عصبہ ہونیکے
$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{2}$	
۱	۳	۲

اب اس مثال میں جد کو ایک اور بیٹی کو تین حصے ملیں گے اور باقی دو حصص بھی دادا ہی لے جائیگا (کیونکہ اس مسئلہ میں باپ کی عدم موجودگی میں دادا عصبہ بن جائیگا۔) اور عصبہ تمام اس مال کا وارث ہوتا ہے جو ذو الفروض کو دینے کے بعد باقی بچ جاتا ہے۔

(۳) تیسرا ذو الفرض اخیافی بھائی ہے۔

(یعنی صرف ماں کیطرف سے بھائی جنکو اخ لِاُمٍّ بھی کہتے ہیں)

ان کی تین حالتیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ "وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ج فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ (نساء ع ۲) یعنی اگر کوئی مرد یا عورت کلالہ ہونیکی صورت میں فوت ہو جائے۔ (کلالہ وہ شخص ہے جس کا اصل و نسل میں سے کوئی زندہ موجود نہ ہو یعنی نہ باپ یا باپ

کا باپ اُوپر تک اور نہ بیٹا او بیٹے کا بیٹا نیچے تک موجود ہو) اور اس کا کوئی بھائی بہن ہو (دونوں میں سے کوئی ایک ہو) تو اسکو ۱/۶ ملیگا ایک ہونیکی صورت میں۔ اور یہ اس کی پہلی حالت ہے۔ مثلاً:-

مسئلہ ۶

زوج	اخیافی بھائی	سگا بھائی
۱/۲	۱/۶	عصبہ
۳	۱	۲

اب زوج کو نصف یعنی ۳۔ اور اخیافی بھائی کو ۱/۶ یعنی ایک حصہ ملیگا۔ یہ چار حصّے ہوئے۔ پھر بقیہ حصے عصبہ ہونیکی وجہ سے سگے بھائی کو دے دیئے جائیں گے۔ کیونکہ عصبہ ہر ایسے بچے ہوئے مال کو لے لیتا ہے جو ذوالفروض کے حصّوں سے باقی رہے یا ذو الفروض کی عدم موجودگی میں وہ سارے مال کا وارث ہو جاتا ہے۔

اور اس کی دوسری حالت یہ ہے کہ اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ۱/۳ ملیگا۔

یہاں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اخیافی بھائی اور بہن برابر کا حصہ لینگے۔ بقولہٖ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ۔ دوسرے اعیانی اور علاتی بھائی بہنوں کیطرح یہ نہیں ہوگا کہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے مطابق اُن سے سلوک کیا جائے۔ تیسری صورت میں یہ محروم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ میّت کلالہ ہو یعنی اسکی کوئی اولاد یا باپ یا دادا موجود ہو۔ پس سورۃ نساء ع۲ میں کلالہ کے ذکر میں جو اَخٌ اور اُخْتٌ کا ذکر آیا ہے وہ اخیافی ہیں۔ اور سورۃ نساء کے آخری رکوع میں کلالہ کے ضمن میں جو بھائی بہنوں کا بیان ہے اس سے مراد حقیقی بہن بھائی یا ایسے بہن بھائی ہیں جو ماں کیطرف سے ہوں کیونکہ سورۃ نساء ع۲ میں جن بھائی بہنوں کا ذکر آتا ہے ان کے مقررہ حصّے بیان ہوئے ہیں۔ اور جنکے مقررہ حصص بیان ہو جائیں وہ ذوی الفروض ہوتے ہیں اسلئے معلوم ہوا کہ وہ اخیافی بھائی اور بہن ہیں۔ لیکن اس سورۃ کے آخری رکوع میں کلالہ کے ساتھ جن إِخْوَةٌ کا بیان ہے وہ اعیانی اور علاتی بھائی بہن ہیں۔ کیونکہ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ کے ماتحت وہ عصبہ ہیں۔ لیکن اخیافی بھائی بہن عصبہ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ عصبیت اصل میں باپ کی وجہ سے آتی ہے۔ اس لئے حقیقی بھائی بہن یا باپ کی طرف سے بھائی یا بہن تو عصبہ ہو جاتے ہیں۔ خواہ اپنے بھائی کے ساتھ خواہ میّت کی بیٹی کے ساتھ۔ لیکن ماں کی طرف سے بہن بھائی عصبہ کسی صورت میں بھی نہیں ہوتے۔ کیونکہ اُن میں صرف ماں واسطہ ہوتی ہے۔ بخلاف علاتی و اعیانی بھائی بہنوں کے ان میں باپ اصل واسطہ ہوتا ہے۔

(۴) چوتھا ذوالفرائض زوج (خاوند) ہے

خاوند کے حصہ کے متعلق قرآن مجید میں خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے (۱) وَلَکُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ (۲) فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ (نساء رکوع)

یعنی اگر وفات یافتہ بیوی کی کوئی اولاد ہو (خواہ لڑکا یا لڑکی) اس خاوند سے یا پہلے خاوند سے تو اس خاوند کو ¼ حصہ ملیگا۔ لیکن اگر میّت کی کسی قسم کی کوئی اولاد نہ ہو تو ½ یعنی نصف ملیگا۔

مثال

مسئلہ ۴

زوج	ایک بنت اور ابن
¼	
۱	۳

اس مثال میں مسئلہ چار سے بنیگا اور زوج اس کا ¼ یعنی ایک لے جائیگا۔ اور باقی تین حصے بنت اور ابن (لڑکی اور لڑکے) کو دیئے جائیں گے۔ کیونکہ جہاں بیٹا عصبہ ہوتا ہے وہاں بیٹے کی وجہ سے بیٹی بھی عصبہ ہوجاتی ہے۔ پس باقی تین حصص بنت اور ابن کو ملیں گے۔ اور پھر لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کے مطابق ایک حصہ بیٹی کو اور باقی دو حصے بیٹے کو ملیں گے۔

مرد اصحاب الفرائض کے بعد اب میں اُن عورتوں کا ذکر کرتا ہوں جو اصحاب الفرائض میں شامل ہیں۔ عورتوں میں سے مندرجہ ذیل آٹھ عورتیں ذوات الفروض ہیں:۔

(۱) زوجہ (بیوی)، (۲) بنت (حقیقی بیٹی) (۳) بنت الابن (پوتی) (۴) اعیانی بہن (سگی بہن)، (۵) علاتی بہن (صرف باپ کی طرف سے) (۶) اخیافی بہن (صرف ماں کی طرف سے) (۷) اُمّ (ماں) (۸) جدہ (دادی اور نانی)

(۱) زوجہ (بیوی)

آیت قرآنی وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ کے مطابق بیوی کی دو حالتیں ہیں۔

(۱) اگر میّت (خاوند) کی کسی قسم کی اولاد (لڑکا ہو یا لڑکی اور یا پوتا ہو یا پوتی ہو) خواہ کسی بیوی سے ہو تو بیوی کو ثمن یعنی ⅛ ملیگا جیسے:۔

مسئلہ ۸

زوجہ	ابن
⅛	عصبہ
۱	۷

(۲) اگر میت کی اولاد کوئی نہ ہو تو اُسے رُبع یعنی ¼ ملیگا۔ مثلاً :-

میت — مسئلہ ۴	
زوجہ	باپ
¼	عصبہ
۱	۳

نوٹ :- اگر ایک سے زائد بیویاں ہوں تو صورت اول کیمطابق رُبع اور صورت ثانی کے مطابق ثمن ہی کو ان پر برابر تقسیم کیا جاوے گا۔

(۲) **بنت** (لڑکی) اس کی تین حالتیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ (نساء ع ۲) اوّل - ایک لڑکی ہو تو نصف یعنی ½ ملیگا - دوم - اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو ان کو ⅔ یعنی دو ثلث ملینگے جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ظاہر ہے -

عن جابر ابن عبد اللہ قال جاءت امرأة سعد ابن الربیع بابنتیہا من سعد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ھاتان ابنتا سعد ابن الربیع قتل ابوھما معك یوم اُحُدٍ شہیداً وان عمھما اخذ مالھما فلم یدع مالھما مالًا ولا تنکحان الا ولھما مال قال یقضی اللہ فی ذلك فنزلت اٰیۃ المیراث فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عمھما فقال اعطِ ابنتی سعد الثلثین واعطِ امھما الثمن وما بقی فھو لك (ترمذی ابواب الفرائض صـ۳ جلد ۲) کہ سعدؓ کی بیوی آنحضرت صلعم کے پاس آئیں اور عرض کیا - کہ سعدؓ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے ہیں ان کی یہ دو بیٹیاں ہیں اور انکی ساری جائداد سعدؓ کے بھائی نے لے لی ہے تو (حضور اب میں کیا کروں) ان لڑکیوں کی شادی بھی کرنی ہے اور اس کیلئے مال کی ضرورت ہے - تب مندرجہ بالا آیۃ میراث نازل ہوئی پس حضورؑ نے سعدؓ کے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ⅔ ان دو بیٹیوں کو دیدو اور اسکی بیوی کو ⅛ اور بقیہ مال عصبہ ہونیکی وجہ سے خود لے لو - مثال :-

میت — مسئلہ ۶		
لڑکیاں	ماں	باپ
⅔	⅙	⅙ وعصبہ
۴	۱	۱

سوم - ان کیساتھ اگر ان کا بھائی ہو تو اُسوقت لڑکیوں کا کوئی مقررہ حصہ نہیں ہوگا (یعنی وہ ذوالفرائض میں سے نہیں ہونگی) بلکہ بھائیوں کیساتھ عصبہ بنجاوینگی - اور اسی طرح للذکر مثل حظ الانثیین کے ماتحت ان کے بھائی کو دو حصے ملیں گے - اور انہیں ایک حصہ دیا جاویگا مثلاً :-

میت — مسئلہ ۴		
لڑکی	لڑکا	خاوند
		¼
۱	۲	۱

(۳) بنت الابن (پوتی)

پوتی کی سات حالتیں ہیں جن میں سے پہلی تین حالتیں بنت (بیٹی) کی طرح ہیں۔ یعنی اگر :-

(ا) بیٹی ساتھ نہ ہو تو ایک ہونیکی صورت میں پوتی کو ½ یعنی نصف ملتا ہے۔

(ب) ایک سے زائد ہوں تو ⅔ -

(ج) بھائی کی موجودگی میں عصبہ ہو کر للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق حصہ پائینگی۔

نوٹ :- چونکہ یہ تینوں حالات بعینہٖ بیٹیوں کے حالات کے بالکل مطابق ہیں اسلئے بیٹیوں کی جگہ پوتیاں لکھنے سے پوتیوں کی مندرجہ بالا تین حالتوں کی امثلہ ہم بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

(د) ایک حقیقی بیٹی موجود ہو تو بیٹی کو ½ حصہ دیکر پوتی کو بھی (بیٹی سمجھ کر دو بیٹیوں کا حصہ ⅔ پورا کرنے کیلئے) ⅙ دیدیا جاویگا کیونکہ غیر نرینہ اولاد کو زیادہ سے زیادہ ⅔ مل سکتا تھا سو جو ⅙ بچا تھا وہ پوتی کو ملیگا مثلاً :-

باپ	لڑکی	پوتی	ماں
⅙	½	⅙	⅙
۱ +	۳ +	۱ +	۱ = ۵ مجموعہ

(ہ) دو حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں یہ محروم ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں بیٹیوں کا زیادہ سے زیادہ ⅔ حصہ مقرر ہے۔ پس جب حقیقی بیٹیاں ہی ⅔ لے چکیں تو اب پوتیوں کیلئے کس طرح بچ سکتا ہے جیسے :-

دو یا دو سے زیادہ حقیقی بیٹیاں	پوتی	باپ	ماں
⅔	محروم	⅙	⅙
۴	محروم	۱	۱

(و) ان کیساتھ کوئی پوتا (یعنی ان کا بھائی) بھی ہو تو یہ سارے عصبہ ہو جائینگے اور انکو للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق پوتے کو دو حصے اور پوتی کو ایک حصہ دیا جاویگا۔

(ز) بیٹے کی موجودگی میں پوتیاں ساقط ہو جاتی ہیں۔

(۴) اعیانی بہن (سگی بہن)

اعیانی بہنوں کی چار حالتیں ہیں جن میں سے پہلی تین صورتیں قرآن مجید سے اور آخری حدیث شریف سے ثابت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ...

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا ...

وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (سورہ نساء رکوع آخر) یعنی اگر کوئی مرد کلالہ ہونیکی صورت میں فوت ہوجائے تو:۔ مثال ۱

مسئلہ ۲

اعیانی بہن	خاوند
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{2}$

(ا) اگر ایک اعیانی بہن ہو تو اسے اپنے کلالہ بھائی کے ترکہ سے نصف یعنی $\frac{1}{2}$ حصہ ملیگا۔

(ب) اور اگر ایک سے زائد ہوں تو ان کو دو ثلث یعنی $\frac{2}{3}$ حصہ دیا جائیگا۔ مثال ۲

مسئلہ ۶

دو سے زاید اعیانی بہنیں	ماں	ایک اخیافی بھائی
$\frac{2}{3}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{6}$
۴	۱	۱

(ج) تیسری حالت یہ ہے کہ ایک (یا ایک سے زاید) اعیانی بہن کیساتھ میت کا کوئی ایک یا زیادہ بھائی بھی موجود ہوں۔ تب اُس وقت ان کا کوئی حصہ مقررہ نہیں (یعنی اُس وقت وہ ذوالفروض میں سے نہیں ہوتیں) بلکہ اپنے بھائیوں کیساتھ عصبہ بنکر لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کیمطابق جائداد کو تقسیم کیا جائیگا مثال ۳

مسئلہ ۳

اعیانی بہن ← عصبہ ہوکر	اعیانی بھائی
۱	۲

(د) چوتھی صورت (جو حدیث سے ثابت ہے) یہ ہے کہ اگر میت کی ایک یا ایک سے زاید بیٹیاں یا پوتیاں موجود ہوں تو اعیانی بہنیں ذوات الفروض تو نہ ہونگی۔ ہاں بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ عصبہ ہوجائینگی۔ مگر بیٹیاں یا پوتیاں بدستور ذوات الفروض رہینگی کیونکہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة یعنی بہنوں کو بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ بنا دینے

مسئلہ ۴

خاوند	لڑکی	اعیانی بہن
$\frac{1}{4}$	$\frac{1}{2}$	عصبہ
۱	۲	۱

(ہ) کیونکہ بہنیں بھائی اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ کلالہ کی صورت ہو یعنی میت کا نہ اصل ہو یعنی نہ باپ دادا ہو اور نہ ہی نرینہ اولاد ہو۔ اگر ان میں سے کوئی ہو تو پھر یہ وارث نہیں بنیں گے۔

(۵) علاتی بہن (صرف باپ کیطرف سے بہن)

ان کی چھ حالتیں ہیں:۔

(ا) ایک زیادہ ہو تو دو ثلث یعنی $\frac{2}{3}$ ۔

(ب) ایک سے زیادہ ہوں تو دو ثلث یعنی $\frac{2}{3}$ (ج) اگر ان کے ساتھ انکا کوئی بھائی بھی موجود ہو تو وہ عصبہ بنکر لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ کیمطابق حصہ پائینگی۔ (د) میت کی لڑکی کیساتھ پوتی بھی عصبہ ہوجاتی ہے۔۔۔

(نوٹ) علاتی بہنوں کی مندرجہ بالا چار حالتیں بالکل وہی ہیں جو اعیانی بہنوں کی ہیں اس لئے اعیانی بہنوں کے متعلق درج شدہ امثلہ میں بجائے اعیانی کے علاتی بہنوں کا لفظ لکھکر مسئلہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن یاد رہے کہ پہلی چار صورتوں میں علاتی بہنیں تبھی وارث ہونگی جبکہ اعیانی بہنیں موجود نہ ہوں۔ اور نہ ہی میت کا باپ دادا اور نرینہ اولاد موجود ہو۔

(۵) اگر ایک اعیانی (سگی) بہن موجود ہو تو اُسے $\frac{1}{6}$ حصہ ملیگا۔ مثلاً:۔

مسئلہ ۶

اعیانی بہن	علاتی بہن	ایک سے زیادہ اخیافی بھائی
$\frac{1}{2}$	$\frac{1}{6}$	$\frac{1}{3}$
۳	۱	۲

(۶) اگر ان کیساتھ میت کی دو اعیانی بہنیں موجود ہیں تو انکو کچھ حصہ نہ ملیگا۔ لیکن اگر علاتی بہنوں کے کوئی انکا بھائی بھی ہو تو وہ بھائی کیساتھ عصبہ بنکر ان دو اعیانی بہنوں کو $\frac{2}{3}$ حصہ مال دیکر باقی مال) للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق علاتی بھائی اور بہن پر تقسیم ہوگا۔ مثلاً:۔

مسئلہ ۹

۲ اعیانی بہنیں	ا علاتی بہن	علاتی بھائی
$\frac{2}{3}$	عصبہ	
۶	۱	۲

(۶) اخیافی بہن (صرف ماں کیطرف سے بہن)

ان کی بھی وہی تین حالتیں ہیں جن کا ذکر اخیافی بھائیوں کے حال میں مذکور ہے۔ جنکی تفصیل یہ ہے۔

(ا) اگر ایک ہو تو $\frac{1}{6}$

(ب) ایک سے زیادہ اخیافی بہن بھائی موجود ہوں تو انکو $\frac{1}{3}$ ملیگا۔ جو ان پر بلا امتیاز مرد و عورت مساوی طور پر تقسیم کیا جاوے گا۔

(ج) محروم ہونگی جبکہ میت کلالہ نہو بلکہ اسکی اولاد ہو یا اس کا باپ دادا موجود ہو۔

(نوٹ) ان کی مثالیں وہی ہیں جو اخیافی بھائیوں کے احوال میں بیان ہو چکی ہیں۔

(۷) اُمّ (ماں)

ماں کی تین حالتیں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ (نساء ع۲)

(۱) اگر میت کی اولاد یا ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں (خواہ اعیانی ہوں یا علاتی یا اخیافی ہوں) تو ماں کو سُدس یعنی ⅙ ملیگا۔

مثال ۱:- مسئلہ ۶

اولاد عصبہ	ام
	$\frac{1}{6}$
۵	۱

مثال ۲:- مسئلہ ۶

دو سگے بھائی اور ایک بہن	ماں
عصبہ	$\frac{1}{6}$
۵	۱

(۲) اور اگر نہ تو اولاد ہو اور نہ ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو ماں کو کل مال کا ⅓ ملیگا۔

مثال ۳:- مسئلہ ۳

اعیانی بھائی عصبہ	ام
	$\frac{1}{3}$
۲	۱

(۳) ماں کی تیسری حالت یہ ہے کہ میت کے مال سے بیوی یا خاوند کو دینے کے بعد جو بچے اس کا ⅓ حصہ اسکو ملیگا جبکہ میت کی بیوی یا خاوند کے علاوہ صرف باپ موجود ہو مثلاً:-

مسئلہ ۴

اب عصبہ	ام	زوجہ
	$\frac{1}{3}$	$\frac{1}{4}$
۲	۱	۱

(۸) جدّہ (دادی یا نانی)

جدّہ دادی اور نانی دونوں کو کہتے ہیں۔ پس خواہ دادی ہو یا نانی اس کو ⅙ ملیگا خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔ اگر زیادہ ہیں تو وہ ⅙ حصہ کو بانٹ لیں گی۔

نوٹ:- اگر ماں موجود ہو تو نہ دادی وارث ہو سکتی ہے اور نہ نانی۔ لیکن باپ کی موجودگی میں نانی نہیں گرتی بلکہ وارث ہوتی ہے مگر دادی محروم ہوجاتی ہے۔

اس نوٹ پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ میت کی ماں کی موجودگی میں تو دادی اور نانی دونوں محروم ہوجاتی ہیں لیکن اس کے باپ کی موجودگی میں صرف دادی ہی محروم ہوتی ہے، نانی نہیں۔ یہ کیوں؟

جواب :۔ ماں کا نانی کو وراثت سے محروم کرنا دو وجہ سے ہے :۔

اوّل ۔ نانی ماں کے واسطہ سے میّت کی رشتہ دار بنتی ہے ۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بلا واسطہ رشتہ دار کی موجودگی میں بالواسطہ رشتہ دار وارث نہیں ہو سکتا ۔

دوم ۔ نانی اور ماں میں ایک سبب پایا جاتا ہے یعنی اُم ہونا اور یہ اصول ہے کہ الاقربُ فالاقربُ ۔ پس ماں کی امومیّت (ماں ہونا) نانی کی نسبت میّت کے زیادہ قریب ہے ۔ اسلئے نانی ماں کی موجودگی میں گر جاتی ہے ۔

لیکن ماں کا دادی کو محروم کرنا ، اس میں پہلی وجہ تو نہیں پائی جاتی (یعنی دادی ماں کے واسطہ سے میّت کی رشتہ دار نہیں بنی) مگر دوسری وجہ موجود ہے ۔ (یعنی ماں ہونا) لیکن ماں کی امومیّت دادی کی نسبت میّت کے زیادہ قریب ہے ۔ اس لئے ماں کی موجودگی میں دادی بھی وارث نہیں ہو سکتی ۔ اور باپ دادی کو تو محروم کر دیتا ہے لیکن نانی کو نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ ان دو مندرجہ بالا وجوہات میں سے کوئی وجہ اس میں نہیں پائی جاتی ۔ یعنی نہ تو نانی باپ کے واسطہ سے میّت کی رشتہ دار بنی ہے اور نہ ہی باپ اور نانی میں اتحادِ سبب (یعنی امومیّت) پایا جاتا ہے ۔

ذوالفرائض کے بعد مال عصبوں کو ملتا ہے ۔ عصبات کی تعریف اور اُن کے اقسام بالتفصیل بیان ہو چکے ہیں ۔ اس لئے اعادہ کی ضرورت نہیں ۔

اب ان امور کو بیان کیا جاتا ہے ، جن کی وجہ سے ایک قریبی رشتہ دار باوجود وارث ہونے کے حق وراثت سے محروم ہو جاتا ہے ۔ ان کو **موانع الارث** کہتے ہیں ۔ اور وہ چار ہیں :۔

(۱) غلامی ۔ (۲) قتل جو مانع ارث ہو ۔ (۳) اختلافِ دینین ۔ (۴) اختلافِ دارین ۔

دراصل شریعتِ غرّا نے اِن چار اقسام کے موانع کو پیش کر کے بہت سے امور مفسدہ کا سدّباب کر کے اعلیٰ درجہ کی حکمتِ عملی سے کام لیا ہے ۔ جس کی تفصیل یہ ہے :۔

(۱) غلامی وراثت میں اس لئے روک ہے ۔ کہ غلام ان امور میں تصرّف نہیں کر سکتا جن میں ایک حریفی آزاد شخص تصرّف کر سکتا ہے ۔ مثلاً شہادت ، ولایت ، اور مِلک ۔

(۲) وہ قتل جو مانع ارث ہے اس کی دو قسمیں ہیں :۔

(۱) جس سے قصاص واجب ہوتا ہے ۔ جیسے تیز دھار آلہ سے عمداً کسی کو قتل کیا جائے اسے قتلِ عمد کہتے ہیں ۔

(ب) جس سے کفارہ لازم آتا ہے جس کو شبہ عمد کہتے ہیں ۔ مثلاً بغیر تیز دھار آلہ سے قتل کرنا۔

پس اِن دونوں صورتوں میں اگر ایک بیٹا اپنے باپ کو قتل کر ڈالے تو باوجود جائز وارث ہونے کے اس قتل کے باعث وہ اپنے باپ کی وراثت سے محروم ہوجائیگا۔ واقعی اگر دیکھا جائے تو دُنیا میں کفر اور قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔ دُنیا میں اکثر قتل رشتہ داروں کے اسی بناء پر ہوتے ہیں کہ ان کی وراثت کو اپنے قبضہ میں کیا جائے۔ لہٰذا شریعت نے اسکو بھی سببِ حرمان قرار دیا ہے ۔ تاکوئی شخص بدیں خیال قتل پر جرأت ہی نہ کرسکے۔

(۳) اختلافِ دینیں کو مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر مانع وراثت قرار دیا گیا ہے :-

(ا) تا محروم شخص اس تادیب سے متاثر و منفعل ہو کر اپنے کفر سے توبہ کرلیوے۔

(ب) اس لئے کہ تا ایک مسلمان کا مال اسلامی ریاست اور تسلط و تصرف میں ہی رہے اور اس طرح ایک کافر کے پاس جاکر وہی مال اسلام کے خلاف استعمال نہ ہو۔

(ج) تاکہ بعض کمزور طبائع کے مسلمان ان کے بداثرات سے محفوظ رہنے کیلئے اُن سے میل جول نہ رکھ سکیں۔

(۴) اختلافِ دارین یعنی ایک مسلمان حکومت کے اندر رہتا ہو اور دوسرا ایسے غیر اسلامی حکومت میں رہتا ہو، جو اسلامی حکومت کے ساتھ برسرِ پیکار رہتی ہو۔ ایسی صورت میں ثانی الذکر مسلمان اوّل الذکر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا۔ . . . . تاکہ اسلامی حکومت کا مال اسلامی حکومت کے پاس ہی رہے اور غیر اسلامی مملکت میں جاکر اسلام کے خلاف استعمال نہ کیا جائے۔

میراث کے متعلق چند بنیادی اصول

ذوی الفروض اور عصبات کے احوال اور موانع الارث کے وجوہ بیان کرنے کے بعد اب میراث کے متعلق چند بنیادی اصول کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) پہلا اصل - الاقرب فالاقرب کا ہے - جس کا مفہوم یہ ہے ۔ کہ جو شخص میت کا بلاواسطہ وارث ہو وہ میت کے زیادہ قریب ہوتا ہے بہ نسبت اسکے جو غیر کے واسطہ سے میت کا رشتہ دار بنے ۔ اس لئے جب ایک میت کا ورثہ تقسیم کیا جائیگا تو میت کے سب سے زیادہ قریب شخص کا ضرور

لحاظ رکھا جائیگا۔ اور جو زیادہ قریب نہیں اسکو چھوڑ دیا جائیگا۔ مثلاً ایک آدمی فوت ہو جائے اسکا باپ اور دادا دونوں موجود ہوں۔ پس باپ وارث ہوگا لیکن دادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ باپ بلاواسطہ قریبی ہے مگر دادا باپ کے واسطے سے قریبی بنتا ہے۔ اسی طرح ایک میت کا بیٹا اور ایک پوتا ہے۔ اس صورت میں بیٹا تو وراثت کا حقدار ہوگا پوتا نہیں۔ کیونکہ بیٹا بہ نسبت پوتے کے میت سے زیادہ قریب ہے۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس اصل کے مطابق ماں کی موجودگی میں اخیافی بھائیوں کو وراثت سے محروم ہو جانا چاہیئے۔ جیسا کہ باپ کی موجودگی میں اعیانی و علاتی بھائیوں کو کچھ حصہ نہیں ملتا؟

اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اگرچہ یہ قیاس صحیح ہے۔ لیکن چونکہ نص صریح کے خلاف ہے اسلئے اسے کوئی وقعت نہیں دی جائیگی۔ دوسری یہ بات ہے کہ ماں کسی وقت بھی کل ترکہ کی وارث نہیں بن سکتی۔ یعنی اس کو عصبیت کا حق نہیں ملتا۔

(۲) دوسرا اصل یہ ہے کہ دو قرابتوں والا ایک قرابت والے شخص سے افضل ہوتا ہے جیسے اعیانی بھائیوں (سگے بھائیوں) کی موجودگی میں بنو علات (صرف باپ کی طرف سے بھائی) وارث نہیں ہوتے۔ ہاں بوجہ ذوی الفروض میں ہونے کے اخیافی بھائی بہن کو حقیقی بھائی بہنوں کی موجودگی میں حصہ ملتا ہے۔

نوٹ:۔

اس اہم مضمون میں مبتدیوں کی سہولت کے لئے تقریباً ہر اصطلاح کی تشریح کر دی گئی ہے۔ اور ورثاء کے حصص پر یکجائی نظر ڈالنے کے لئے مکرمی جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل کا مرتب کردہ گوشوارہ (مندرجہ الفضل ۱۷ ارمئی ۱۹۳۰ء) دیا جاتا ہے۔ تاکہ احباب کو جہاں ان حصص کو ازبر کرنے میں آسانی رہے، وہاں ان کو یہ بھی علم ہو جاوے کہ کون کون سے رشتہ دار کن کن رشتہ داروں کی موجودگی میں وارث یا محروم ہوتے ہیں! ؎

(ضیاء الاسلام پریس قادیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ اردو

رسالہ ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

مرتبہ

عبدالقدیر نیاز

بابت ماہ شوال سنہ ۱۳۶۳ء مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۴ء

ماہ اخاء ۱۳۲۳ ہش

جلد ۴۳ عدد ۱۰

حضرت مسیح موعودؑ کی نایاب کُتب کا خزانہ

حیرت انگیز رعایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل نایاب کتب آپکو صرف ہمارے ہاں سے ہی ملسکتی ہیں۔ صرف چند گنتی کی جلدیں موجود ہیں۔ جلد سے جلد طلب فرماویں ورنہ یہ سنہری موقعہ پھر ہاتھ نہیں آئیگا جس پتہ پر کتابیں منگوانی مقصود ہوں، خواہ بذریعہ ریل یا بذریعہ پوسٹ آفس وہ صاف اور خوشخط لکھا جاوے۔ آرڈر کے ہمراہ دو روپے پیشگی ارسال فرماویں۔

کرامات الصادقین	عہ	مباحثہ الحق لدھیانہ	عہ
حمامۃ البشریٰ	عمر	مباحثہ الحق دہلی	۵ر
نور الحق ہر دو حصہ	عہ ر	تحفہ قیصریہ	۶ر
سر الخلافہ	ع	ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب	۸ر
تحفہ بغداد	۶ر		
مباحثہ جنگ مقدس	عہ	شحنۂ حق	۵ر
انجام آتھم	ہے ۴ر	آریہ دھرم	۴ر
انوار الاسلام	۸ر	آئینہ کمالات اسلام	۵ر ۸ر
سرمہ چشم آریہ	ے	خطبہ عید الفطر	۴ر

اس کے علاوہ ہر قسم کی تبلیغی کتب آرڈر آنے پر روانہ کی جاسکتی ہیں بطور نمونہ چند تبلیغی کتب جنکی قیمت میں حیرت انگیز رعایت کردی گئی ہے حسب ذیل ہیں:۔

فتاویٰ حضرت مسیح موعودؑ	عہ	کلید القرآن مع لغات القرآن	عہ
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب	عہ ۱۲ر	حمائل معرا خورد	۵ر ۸ر
براہین احمدیہ ریویو مولوی محمد حسین بٹالوی	عہ	خزینۃ العرفان فی تفسیر القرآن مجلد تفسیر ۲۶½ پارے مکمل۔	۳۰
مقدس چارٹ بصورت کیلنڈر	۱۲ر		
چشمۂ صداقت	۶ر	پارہ الٓمٓ	۳ر
درثمین مجلد	۶ر	پارہ سیقول	۳ر
مفتاح القرآن (قرآن پاک کی ڈکشنری)	للعہ	جرمنی میں تیار شدہ فوٹو دکھڑا جنکی قیمتیں حضرت مسیح موعودؑ	عہ
تفسیر سروری ۸ پارے مکمل بے جلد	سے		

ملنے کا پتہ

مینجر رسالہ ریویو اُردو قادیان (پنجاب)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ اردو

ریویو آف ریلیجنز
(قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۴۳ | ماہ شوال ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۴ء | عدد ۱۰

فہرست مضامین

روحانی مجالس کے آداب

(از جناب مولوی محمد احمد صاحب ثاقب واقف زندگی)

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم إذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر لا یریٰ علیہ اثر السفر لا یعرفہ منا احد۔ حتی جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسند رکبتیہ الی رکبتیہ ووضع کفیہ علی فخذیہ وقال یا محمد اخبرنی عن الاسلام قال الاسلام ان تشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ وتقیم الصلوٰۃ وتؤتی الزکوٰۃ وتصوم رمضان وتحج البیت ان استطعت الیہ سبیلاً۔ قال صدقت فعجبنا لہ یسالہ ویصدقہ۔ قال فاخبرنی عن الایمان قال ان تؤمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ۔ قال صدقت۔ قال فاخبرنی عن الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ قال فاخبرنی عن الساعۃ قال ما المسئول عنہا باعلم من السائل۔ قال فاخبرنی عن اماراتہا۔ قال تلد الامۃ ربتہا وان تری الحفاۃ العراۃ العالۃ رعاء الشاء یتطاولون فی البنیان قال ثم انطلق۔ فلبثت ملیاً ثم قال لی یا عمر اتدری من السائل۔ قلت اللہ ورسولہ اعلم۔ قال انہ جبریل اتاکم لیعلمکم دینکم۔

ترجمہ:- حضرت عمر بن خطابؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایکدن ہم لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک سفید پوشاک والا اور کالے سیاہ بالوں والا شخص آپہنچا۔ نہ وہ مسافر معلوم ہوتا تھا اور نہ ہی ہم میں سے کوئی اُسے پہچانتا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گیا اور گھٹنے حضور علیہ السلام کے گھٹنوں سے لگا کر ہاتھ رانوں پر رکھ لئے۔

اور کہا کہ اے محمدؐ مجھے اسلام کے متعلق بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تو یہ شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کا رسول ہے۔ اور نماز قائم کرے، رمضان کے روزے رکھے، زکوٰۃ دے، اور اگر راستہ چلنے کی توفیق ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ اس نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا ہے۔ ہم اس پر حیران ہوئے کہ سوال کر کے خود ہی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے ایمان کے متعلق بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر اور اسکے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخری دن پر ایمان لائے اور تقدیر پر یعنی اس کے خیر اور شر پر ایمان رکھے۔ اس پر بھی اس نے کہا کہ آپؐ نے درست فرمایا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مجھے احسان کی بابت بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح بندگی کرے کہ گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ کیونکہ اگر تو اُسے نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ قیامت کی نسبت بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کی نسبت سائل سے زیادہ مسئول (یعنی آنحضرت صلعم) بھی نہیں جانتا۔ تب اس نے کہا کہ اس کی علامات ہی بیان فرما دیں۔ آپؐ نے فرمایا اس کی علامات یہ ہیں کہ لونڈی اپنی مالکہ کو جنے اور برہنہ پا پھرنے والے بھوکے ننگے گڈریوں کو تو عمارتوں میں مقابلہ کرتے دیکھے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص چلا گیا تو تھوڑی دیر کے بعد حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا کہ اے عمرؓ جانتے ہو یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل تھا جو تمہیں تمہارا دین سکھلانے آیا تھا۔

یہ حدیث نفس مضمون کے علاوہ بعض اور پہلوؤں سے بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ اوّل اسے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے روایت کیا ہے جن کی کتابیں تصانیف حدیث میں سے چوٹی کی کتابیں ہیں۔ دوسرے اس کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں جن کا مرتبہ و مقام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ تیسرے اسمیں سائل جبرائیل فرشتہ ہے۔ اگر سوال کرنیوالا کوئی انسان ہوتا تو یہ واقعہ چنداں اہم نہ ہوتا لیکن فرشتے کا عام مجلس میں نزول اور کلام کرنا اسے بہت اہم بنا دیتا ہے۔ کیونکہ ملائکہ کے متعلق قرآن مجید میں یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ وہ الٰہی حکم کے بغیر نازل نہیں ہوسکتے اور نہ ہی از خود کوئی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ سورہ مریم ع۴ میں فرشتوں کا یہ قول آتا ہے۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ کہ (اسکے مطلب) ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُتر سکتے۔ اور سورۃ انبیاء ع۲ میں فرشتوں کے متعلق یہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ یعنی وہ بات کرنے میں اللہ تعالیٰ سے سبقت نہیں کرتے بلکہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ سبقت نہ کرنے سے

یہ مراد ہے کہ نہ بغیر اذن کے بات کرتے ہیں اور نہ اس سے زیادہ بات کر سکتے ہیں جتنا کہ انہیں حکم ملا ہو۔ اس قانون الٰہی کو مدنظر رکھنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کا اس موقع پر نزول اور سوالات کرنا امر الٰہی سے تھا۔ پس یہ سب امور ملکر اس حدیث کو غیر معمولی اہمیت دے دیتے ہیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل علیہ السلام کے اس نزول کا مقصد اتاکم لیعلمکم دینکم میں بیان فرمایا۔ کہ وہ تمہیں تمہارا دین سکھانے آیا تھا۔ یہ واقعہ سنہ کے بعد کا ہے۔ کیونکہ اس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ جو سنہ میں مسلمان ہوئے۔ اور سنہ تک احکام شریعت نازل ہو چکے تھے۔ تبھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے۔ اور اس وقت جبرائیلؑ نے آنحضرتؐ کے بتائے ہوئے امور میں کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کی پس یعلمکم دینکم کے یہ معنے تو نہیں ہو سکتے کہ اس وقت تک صحابہؓ دین سے ناواقف تھے اور جبرائیلؑ کے اس وقت سوالات کرنے سے انہیں علم ہوا، بلکہ تعلیم دین سے اس جگہ مذہب کی رُوح رواں اور اسلام کی اصولی تعلیم کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ چنانچہ اسلام، ایمان اور احسان کی نسبت سوال اس غرض کو ظاہر کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ ایمان کے حصول اور روحانی ترقی کے لئے کچھ ظاہری آداب بھی اس میں بتائے گئے ہیں، جنہیں پیش نظر رکھنا مذہب کی برکات اور مرشد کا فیضان حاصل کرنے کے لئے ازبس ضروری ہے۔ جس طرح مغز کی حفاظت کے لئے قشر کو محفوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح ایمان اور روحانیت کی تکمیل کے لئے ظاہری آداب پر عمل پیرا ہونا لازم ہے۔ قرآن مجید میں کئی جگہ اس امر کا وضاحت سے ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ حجرات ع۱ میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بعض آداب کی تعلیم دینے کے بعد فرماتا ہے۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔ کہ مبادا ان آداب کو ترک کرنے سے تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور و احساس بھی نہ ہو۔

ذیل کی سطور میں وہ آداب درج کئے جاتے ہیں جو اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں :-

اوّل :- "بینما عند رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیہ وسلم ذات یوم" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ بلکہ لفظ صحابی ہی دلالت کر رہا ہے کہ ان لوگوں میں خاص بات ہی یہ تھی کہ وہ حضور علیہ السلام کی صحبت میں وقت گذارتے تھے۔ پس ایمانی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انبیاءؑ اور ان کے خلفاء

و اہل اللہ کی صحبت اور ہم نشینی اختیار کی جائے۔ صرف کتابوں کے مطالعہ یا بالواسطہ تعلیم حاصل کرنا کافی نہیں۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام قادیان میں بار بار آنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ کیونکہ روحانی ترقی کے لئے مرشد سے بلا واسطہ تربیت حاصل اور ان کے ملفوظات سننا بھی ضروری ہے۔

دوم:۔ "حتّٰی جلس الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ کی مجلس میں حتی الامکان ان کے قریب بیٹھنا چاہئے۔ تاکہ ان کے ارشادات کو پوری توجہ سے سُن سکے۔ اور دور بیٹھنے سے غافل ہو جانے اور باہر کی آواز وغیرہ توجہ کو ہٹانے والی باتوں کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے۔ قریب بیٹھنے سے توجہ قائم رہنے کے علاوہ مرشد کا روحانی نور اور اس کی توجہ کی تاثیر زیادہ کام کرتے ہیں۔ اور اس سے ایک ذاتی تعلق اور تعارف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس سے اسکی توجہ اور دعا کے جذب کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ جو دُور بیٹھنے سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایکدفعہ تین شخص نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے۔ مجلس بھری ہوئی دیکھ کر ایک واپس چلا گیا اور دوسرا پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا کوشش کر کے آگے آ گیا۔ آنحضرت صلعم نے تیسرے آدمی کے فعل پر اظہار خوشنودی فرمایا اور دوسرے کے فعل کو بھی ناپسند نہ کیا۔ اور واپس جانے والے پر اظہار ناراضگی فرمایا۔

سوم:۔ "وضع کفیہ علی فخذیہ" میں یہ بتایا کہ اہل اللہ کی مجلس میں نہایت ادب اور وقار سے بیٹھنا چاہئے۔ ایسے طریق سے نہیں بیٹھنا چاہئے جس سے بے ادبی یا بے پروائی ظاہر ہو۔ صحابہؓ کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ وہ آنحضورؐ کے پاس نہایت ادب اور خاموشی سے بیٹھتے تھے۔ اور اس قدر سکون سے بیٹھتے تھے کہ گویا ان کے سر پر پرندے بیٹھے ہیں اس لئے وہ ہلتے نہیں کہ پرندے اُڑ نہ جائیں۔

چہارم:۔ "شدید بیاض الثیاب شدید سواد الشعر" میں صفائی کی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ ان مجالس میں پاک و صاف ہو کر جانا چاہئیے۔ کیونکہ ظاہری صفائی کا باطنی پاکیزگی سے گہرا تعلق ہے۔ میلے کچیلے کپڑے اور پسینہ وغیرہ سے بدبو دار بدن اہل مجلس کے لئے اذیت کا باعث ہوتا ہے۔ نیز روحانی لوگوں کی ظاہری و باطنی حِسّیں نہایت تیز ہوتی ہیں۔ مَیل اور بدبو اور اسی قسم کی دیگر غلیظ باتوں کا ذہن کے بعض لوگ عادی ہوتے ہیں اور وہ اُن سے غیر ارادی طور پر بعض دفعہ سرزد ہوتی ہیں۔ ان کی طبیعت پر ناگوار اثر پڑتا ہے۔ اور بشاشت و انبساط کی بجائے انقباض کی کیفیت

پیدا ہو جاتی ہے۔

"خوب سفید کپڑوں والا" کا مفہوم تو صاف ہے۔ "شدید سواد الشعر" (خوب سیاہ بالوں والا) میں بدن کی صفائی کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ تب ہی خوب سیاہ ہوں گے جب غسل کر کے انہیں تیل لگایا ہوا ہو۔ بال صاف نہ ہوں تو سیاہی مدہم ہو جاتی ہے۔

پنجم:۔ جبرائیل کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھنے میں یہ اشارہ ہے کہ مرشد اور مرید میں افادہ و استفادہ کا ایک طریق مجلس میں سوال کرنا بھی ہے صرف استماع پر کفایت کرنا لازمی نہیں۔ بلکہ بوقتِ ضرورت سوال کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مجلس میں سوال کرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ سب اہلِ مجلس کے علم میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور بعض ایسی باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے جن کی طرف عام طور پر توجہ نہیں ہوتی۔

ششم:۔ جبرائیل علیہ السلام نے چار سوال کئے جو بطور نمونہ تھے کہ انبیاء و خلفاء کی مجلس میں اس قسم کی باتیں دریافت کرنی چاہئیں جن کا ایمان اور روحانیت سے تعلق ہو۔ انبیاء و خلفاء کا وجود نہایت عزیز القدر اور ان کا وقت قیمتی ہوتا ہے۔ اسے دنیاوی اور غیر مفید باتوں اور ایسے سوالات میں صرف نہیں کرنا چاہیئے جن کا روحانیت سے تعلق نہ ہو۔ چنانچہ پہلا اور دوسرا سوال اسلام اور ایمان کے متعلق ہیں۔ جن میں اعمال اور عقائد کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ تیسرا سوال احسان کے متعلق ہے۔ اس میں ایمان کی ترقی اور کمال کا معیار پیش کیا گیا ہے یہ سوال دراصل پہلے دونوں سوالوں کا نتیجہ اور تمہ ہے۔ کیونکہ اعمال صالحہ اور عقائد حقہ کا لازمی نتیجہ ایمان کی تکمیل ہے۔ اور تعلق باللہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون کو "دست در کار و دل با یار" کے الفاظ میں ادا فرمایا ہے۔ چوتھا سوال قیامت کی نسبت ہے۔ اس سوال کے ذریعہ ایمانیات میں قیامت پر ایمان کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے علاوہ یہ بتایا ہے کہ ایمانیات کا ایک حصہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس پر مجمل ایمان لانے کا حکم ہے اسکی جزئیات اور تفاصیل کی بحث و کرید کا ایمان اور اصلاح نفس سے تعلق نہیں ہوتا۔ احادیث میں آتا ہے کہ صحابہؓ اگر اس قسم کے کسی مسئلہ پر بحث کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند فرماتے چنانچہ جامع ترمذی میں یہ روایت آتی ہے۔ عن ابی ھریرۃؓ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن نتنازع فی القدر فغضب حتی احمر

وجهه حتی کانما فقیٔ فی وجنتیه حب الرمان فقال ابهذا امرتم ام بهذا ارسلت الیکم - انما هلك من کان قبلکم حین تنازعوا فی هذا الامر عزمت علیکم ان لا تنازعوا فیه (ترمذی)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم مسئلہ تقدیر پر جھگڑ رہے تھے، کہ آنحضرت صلعم گھر سے باہر نکلے اور سخت ناراض ہوئے - اور غصہ سے حضورؐ کا چہرہ اسقدر سرخ ہوگیا کہ گویا آپؐ کے رخساروں پر انار کے دانے نچوڑے گئے ہیں - اور فرمایا کیا تمہیں اس کام کا حکم دیا گیا ہے؟ اور کیا میں اس غرض کے لئے تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں؟ تم سے پہلے لوگ جب اِن باتوں پر جھگڑنے لگ گئے تو تباہ ہو گئے - میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ اس بارہ میں نہ جھگڑنا پس اس سوال میں یہ بتانا مقصود تھا - کہ بے شک بعض باتوں پر ایمان لانا فرض ہوتا ہے لیکن انکی تفاصیل کا معلوم ہونا ضروری نہیں - اس کے علاوہ اس سوال میں قرب قیامت کی علامات دریافت کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس قسم کی غیب سے تعلق رکھنے والی باتوں پر ایمان ویقین پیدا کرنے کے لئے قرائن و علامات کا علم ہونا کافی ہے -

ہفتم: - جبرائیل علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا " اتدری من السائل " (کیا جانتے ہو سوال کرنے والا کون تھا) اس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے عرض کیا " اللہ ورسولہ اعلم " (اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں - اسکی بجائے آپؐ یہ بھی کہہ سکتے تھے، کہ فلاں علاقہ یا قبیلہ کا آدمی معلوم ہوتا ہے - یا یہ کہدیتے کہ کوئی اجنبی آدمی ہے - اس لئے میں پہچان نہیں سکا لیکن آپؓ نے نہایت لطیف اور مؤدبانہ اور مختصر جواب دیا جس میں یہ تعلیم دی گئی، کہ انبیاءؑ اور ان کے اظلال یعنی خلفاء و اولیاء سے گفتگو باادب اور مختصر ہونی چاہیئے - ان کا قیمتی وقت لمبی اور بے ضرورت باتوں میں ضایع نہیں کرنا چاہیئے - اور اپنے علم کا مظاہرہ کرنیکی بجائے ان کے ارشادات سننے کی کوشش ہونی چاہیئے - قرآنی آیت فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ بھی اس پر دلالت کررہی ہے - کہ حضورؐ کا وقت باتوں کے شوق میں ضایع نہیں کرنا چاہیئے -

یہ چند آداب اس حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں جنہیں پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے - جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ الودود کی مجلس میں بیٹھنے اور علم وعرفان کا استفادہ کرنیکا موقع عطا فرمایا ہے جنکو اللہ نے حضور کی مجلس میں باریابی کی توفیق بخشے انہیں یہ آداب مدنظر رکھنے چاہئیں -

حضرت مسیح علیہ السلام کی آمدِ ثانی

(از جناب شیخ مبارک احمد صاحب مبلغ مشرقی افریقہ حال ٹبورا (Tabora)

گذشتہ دنوں نیوزی لینڈ کی ایک کرسچن فیملی کی طرف سے ایک مختصر اشتہار میں یہ شائع کیا گیا تھا کہ مسیح کی آمد ثانی کا ظہور مورخہ ۷ ار جولائی ۱۹۴۴ء کو ہوگا - اسی طرح مشرقی افریقہ میں نیروبی کے اخبار E.A. Standard نے ایک خط شائع کیا جس میں یہ لکھا گیا کہ مسیح کی آمد ثانی کا ظہور اب بالکل ہوا ہی چاہتا ہے۔ مَیں نے جب اس خط کو پڑھا تو اس کے جواب میں ایک مختصر مضمون لکھ کر Standard اخبار کو بھیجا تا اُسے شائع کر دے - مگر چونکہ یہ اخبار عیسائیوں کا ہے - بدیں وجہ اس نے میرے اس مضمون کو شائع نہ کیا - اور الگ ایک پمفلٹ کی صورت میں وہ اس ملک میں شائع کیا گیا - اسی دوران میں نیروبی مجلس خدام الاحمدیہ کے ایک اجلاس میں خاکسار نے اس موضوع پر ایک تقریر بھی کی - اس وقت علی الخصوص موجودہ جنگ کی وجہ سے مسیح کی آمد ثانی کے متعلق پھر ایک دفعہ لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے - امید ہے ذیل کا مضمون حق پسند احباب کے لئے مفید ثابت ہوگا - انشاء اللہ -

عیسائی اِس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت مسیح کا دوبارہ نزول دُنیا میں ہوگا اور اس اعتقاد کی بنیاد وہ پیشگوئی ہے جو حضرت مسیح نے زیتون پہاڑ پر اپنے حواریوں سے علیحدگی میں بیان کی - یہ پیشگوئی متی باب ۲۴ آیت ۳ میں سے شروع ہو کر آیت ۱۵ تک چلتی ہے -

"اور جب وہ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھا تھا تو اُسکے شاگرد الگ اس کے پاس آکر بولے ہمیں بتا کہ یہ باتیں کب ہوں گی ؟ اور تیرے آنے اور دُنیا کے آخر ہونے کا نشان کیا ہوگا ؟"

اِس کے جواب میں حضرتِ مسیح علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے علم پا کر اپنی آمدِ ثانی کے متعلق جہاں خبر دی ہے وہاں ایسے نشانات بھی بتلائے ہیں جن کا پُورا ہو جانا اس بات کا ثبوت ہوگا کہ مسیح کا دوبارہ ظہور دُنیا میں سچ مچ ہو گیا ہے -

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نشانات کا ظہور پہلے ہوگا اور مسیح کی آمد ثانی بعد میں واقع ہوگی لیکن

یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ مدعی تو دعویٰ بعد میں کرے اور گواہ اپنی گواہیاں اس کے دعوے سے قبل ہی دینا شروع کر دیں۔ علی الخصوص وہ نشانات جو عذاب سے تعلق رکھتے ہیں وہ ہمیشہ نبی کی آمد کے بعد ظہور میں آتے ہیں۔ آیت مَاكُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا بھی اس امر کی وضاحت کر رہی ہے اور دیگر انبیاء کے حالات سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کے زمانہ کو ہی لے لو۔ پہلے انہوں نے اپنی نبوت کو پیش کیا، لوگوں نے ان کی مخالفت کی، بُرا بھلا کہا اور دکھ و اذیّت دی۔ بعد میں ان کے مخالفین اور دشمنوں پر عذاب آیا۔ اسی طرح وہ نشانات جو حضرت مسیحؑ کی آمد ثانی کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان میں قوموں کی تباہی و بربادی یا دوسرے عذابوں کی خبر دی گئی ہے، ان کا پورا ہونا گویا اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کے ظاہر ہونے سے قبل مسیحؑ کی آمد ثانی واقع ہو چکی ہے۔

مسیحؑ نے اپنی آمد ثانی کی خبر دیتے ہوئے جو نشانات بیان کئے ہیں وہ یہ ہیں کہ:-

"قوم پر قوم اور بادشاہت پر بادشاہت چڑھائی کریگی۔ اور جگہ جگہ کال پڑیں گے اور بھونچال آئیں گے۔" "جیسے بجلی پورب سے کوندکر پچھم تک دکھائی دیتی ہے ویسے ہی ابن آدم کا آنا ہوگا۔" "سورج تاریک ہو جائیگا اور چاند اپنی روشنی نہ دیگا۔ اور ستارے آسمان سے گریں گے۔ اور آسمانوں کی قوتیں ہلائی جائیں گی۔" "جیسا نوحؑ کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کے آنے کے وقت ہوگا۔" "جس گھڑی تمہیں گمان بھی نہ ہوگا ابن آدم آ جائے گا۔" (متی باب ۲۴)

ان علامات اور دانیال کی پیشگوئی کہ "جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائے گی ایک ہزار دو سو نوے دن ہوں گے۔ مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے۔ اور ایک ہزار دو سو پینتیس روز تک آتا ہے۔" (دانیال باب ۱۲۔ آیت ۱۱-۱۲) کو سامنے رکھ کر مسیحؑ کی آمد ثانی کے متعلق مختلف حسابات لوگوں نے نکالے ہیں۔ پہلے انیسویں صدی کے وسط میں عیسائی علماء اور ہیئت دانوں نے اسی پیشگوئی اور دیگر پیشگوئیوں کے پیش نظر مسیحؑ کی آمد ثانی کے متعلق حسابات نکالے تھے اور اعلان کیا تھا کہ وہ ۱۸۹۸ء میں آنے والا ہے۔ لیکن آخری حساب جو کہ اپنے اندر علم قواعد کی رُو سے وضاحت اور یقینی بلکہ قطعی کا رنگ رکھتا ہے۔ وہ حساب ہے جو انگلستان کے مشہور و معروف ہیئت دان علامہ جے بی۔ ڈمبل بی نے انیسویں صدی کے آخر میں پیش کیا اور بتایا کہ ۱۸۹۵ء مسیحؑ کی آمد ثانی کے ظہور کی آخری تاریخ ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ اس تاریخ سے کچھ پہلے آ جائے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ اس

آخری حد سے وقت بڑھ جائے اور مسیح کی آمد ثانی واقع نہ ہو۔ اور علامہ موصوف نے لکھا کہ:-

"ضرور ہے کہ ہمارے خداوند مسیح کے دوبارہ آنے کے بعد یہ سب نشانات ظاہر ہوں"

(Appointed Time ۲۶۴ ص)

اس اعلان نے عیسائی دنیا میں ایک شور برپا کر دیا اور ان کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھیں اور انتظار کرنے لگیں کہ مسیح کی آمد ثانی اب واقع ہونے کو ہے۔ مسلمانوں کے حساب سے بھی تیرھویں صدی ہجری یعنی انیسویں صدی کا آخری دہاکہ تھا جس میں مسیح موعود نے آنا تھا۔ (حجج الکرامہ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں) الغرض یورپ اور ایشیا، نئی دنیا اور پرانی دنیا، ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک بنی آدم جو مدت سے ایک نجات دہندہ ابن آدم کی انتظار میں تھے؛ یک زبان ہو کر پکار اٹھے، وہ دیکھو آنیوالا قریب آرہا ہے۔ اور ۱۸۹۸ء کا الیسٹر اس کی آمد کی آخری حد ہے۔ ضرور ہے کہ وہ اس سے پہلے یا اس سال میں آئے۔ اس نقارۂ خلق کا کسی نے انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ ان کے سابقہ اندازے سب غلط تھے۔ اور یہ حساب جو پیش کیا گیا ہے وہ صحیح اور یقینی ہے۔

۱۸۶۸ء بلکہ انیسویں صدی کا آخری سن ۱۸۹۸ء بھی گذر گیا۔ لیکن دنیا کے نزدیک آنے والا نہ آیا۔ جنگ عظیم کے حالات نے پھر ایک امید ان لوگوں کو بندھوا دی اور کہا جانے لگا کہ "اب آنے والا آنے کو ہے" لیکن وہ وقت بھی گذر گیا۔ اب موجودہ عالمگیر جنگ کی تباہیوں نے پھر ایک امنگ عیسائی دنیا اور دوسرے لوگوں میں پیدا کی ہے۔ جیسا کہ Standard . A . E میں Karachi کے کسی عیسائی کا خط شائع ہوا ہے۔ اور نیوزی لینڈ کی ایک کرسچن فیملی نے تو ۷ر جولائی ۱۹۴۳ء کی تاریخ پھر مقرر کر دی۔ کہ مسیح کی اب آمد بالکل آنے کو ہے۔ لیکن یہ وقت بھی گذر گیا۔ اور دنیا ابھی تک یہی کہہ رہی ہے کہ آنیوالا ابھی تک نہیں آیا۔

حالانکہ مسیح کی آمد ثانی کے بعد ظاہر ہونے والے نشانات ایک ایک کر کے گذرتے جا رہے ہیں اور دنیا باوجود اقرار کرنے کے کہ ان نشانات کے ظاہر ہونے کے معنے یہ ہیں کہ وہ آچکا ہے۔ پھر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ وہ ابھی تک نہیں آیا۔ زمین نے بھی اور آسمان نے بھی انبیاء کے قبل از وقت بتائے ہوئے نشانات دکھائے۔ طاعون اور مری بھی پڑی، اور دنیا کے ایک حصہ کو برباد کیا۔ قحط اور زلزلہ نے بھی دنیا میں خطرناک آفتیں برپا کیں۔ زلزلوں کے متعلق تو کہا جاتا ہے گذشتہ آٹھ نو سو سال میں ایسے خطرناک نہیں آئے۔ جیسا کہ گذشتہ نصف صدی میں آئے۔ قحط باوجود ریلوں اور جہازوں کی ایجادوں کے ایسا پڑا ہے کہ روس، چین، ہندوستان اور کئی دوسرے علاقوں میں اس قدر تعداد میں

لوگ تباہ ہوئے ہیں کہ پہلے اس سے اس قدر تباہی نہ آئی تھی - ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے - اور سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ سورج اندھیرا ہو چکا ہے - چاند کی روشنی جاتی رہی ہے - اور ستارے گر رہے ہیں - اور آسمان کی قوتیں ہلائی گئی ہیں - کیونکہ آسمان اور زمین کا قطع تعلق ہو گیا اور انسان نے اپنے پیدا کرنیوالے سے مُنہ موڑ لیا بلکہ اس کے خیال تک کو ترک کر دیا - بے دینی کی ظلمت چھا گئی اور ایسا غلبہ ہوا کہ اسکی نظیر نہیں ملتی - روحانی طور پر اس پیشگوئی کا یہی مطلب تھا - اگرچہ ظاہر طور پر بھی سورج اور چاند تاریک ہوئے اور ستارے بھی بڑی کثرت سے گرے -

اور جیسا کہ لکھا گیا تھا، اس کے مطابق یہ بھی ہر ایک نے مشاہدہ کر لیا کہ قوم قوم پر چڑھی اور بادشاہت نے بادشاہت پر حملہ کیا - اس زمانہ میں نہ صرف عالمگیر جنگ میں بادشاہتوں نے بادشاہتوں پر حملہ کیا بلکہ قومیں بھی دوسری قوموں پر چڑھیں - اس سے پہلے کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ ایک ہی وقت میں قوموں نے قوموں پر اور بادشاہتوں نے بادشاہتوں پر حملہ کیا ہو - لیکن اس زمانہ میں یہ دونوں قسم کی جنگیں ایک ہی وقت میں لڑی جا رہی ہیں -

غرض جو کچھ خدا کے برگزیدہ مسیح نے اپنی دوبارہ بعثت کے متعلق کہا تھا وہ لفظ بلفظ پورا ہو چکا اور جس نے آنا تھا وہ آ بھی چکا - لیکن افسوس کہ ان لوگوں نے اس کی آمد کے وقت کے متعلق تو غور و فکر کیا اور حسابات بھی نکالے - لیکن اس بات پر غور نہ کیا کہ اس کا ظہور کس طریق پر ہوگا - اور باوجود اس کے کہ ان کے اندازے دن بدن غلط ثابت ہو رہے ہیں پھر بھی ان کا دماغ ابھی تک اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ وہ سوچیں کہ کیا فی الواقعہ وہ اپنی اصل شکل و صورت میں آئے گا یا کسی اور طریق پر ظاہر ہوگا - اصل بات یہ ہے کہ جو آنے والا تھا وہ عین وقت پر آیا - لیکن جس طرح یہودی ایلیاء کی آمد ثانی پر دھوکا کھا گئے اور ایلیا کو شناخت نہ کر سکے - اسی طرح مسیح جب اپنی آمد ثانی کے موقعہ پر ظاہر ہوا تو اسے بھی لوگ شناخت نہ کر سکے اور دھوکہ کھا گئے - حالانکہ اس سوال کو اللہ تعالیٰ نے خود مسیح علیہ السلام کے ذریعہ حل کر دیا تھا اور مسیح کے نزول سے پہلے ایلیا کے دوبارہ نزول کی پیشگوئی میں اس قسم کے تمثیلی کلام کی حقیقت کو ظاہر کر دیا تھا پس آنیوالا مسیح آسمان سے نہیں بلکہ اسی دنیا سے پیدا ہونا تھا - اور وہ حضرت احمد علیہ السلام کے وجود میں ظاہر ہو چکا - جو لوگ باوجود کل پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے اُسے تسلیم نہیں کریں گے وہ انتظار کرتے چلے جائیں گے - یہاں تک کہ تھک کر ان میں سے بعض تو اس کی آمد ہی کے منکر ہو جائیں گے جس طرح یہود نے کیا - اور بعض مایوسیوں کے گڑھے میں گر جائیں گے -

حق تو یہ ہے کہ جس نے آنا تھا وہ نوشتوں کے مطابق آدھی رات کو آیا اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا۔ بے شک وہ آسمانی بادشاہت کا دولہا بن کر آیا۔ لیکن ایسے وقت جبکہ کنواریاں سو چکی تھیں اور ان کی مشعلوں کا تیل ختم ہو چکا تھا۔ یہ خدا کا مسیح تھا جو بادلوں پر سے یعنی دُنیا والوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہو کر اور صرف آسمان والوں کی نظروں کے سامنے دُنیا میں نازل ہو گیا۔ لیکن جس طرح ایلیاہ کے نزول کے وقت ہوا وہ اس مسیح کے آنے کے وقت بھی ہوا اور لوگوں نے بوجہ تمثیل کے نہ سمجھنے کے اس کا انکار کر دیا اور اُسے رد کر دیا۔ لیکن خدا نے اسے قبول کیا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی کو ظاہر کیا۔

اور جیسا کہ لکھا تھا کہ وہ مشرق سے آئے گا اور ۱۲۹۰ دن ہوں گے کہ وہ ظاہر ہو گا وہ مشرق میں پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۲۹۰ ہجری میں آنے والے نے مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔ اور علامہ ڈمبل کے اندازہ کے مطابق ۱۸۹۵ء سے پہلے اس کا نزول ہوا۔ اس کا نام احمدؑ تھا۔ قادیان میں ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوےٰ کیا۔

اور یہ جو کہا گیا تھا، کہ وہ ان مصائب کے بعد جاہ و جلال کے ساتھ ظاہر ہو گا۔ اس میں اس غلبہ اور قوت کی طرف اشارہ تھا جو مسیح موعودؑ کے ماننے والوں کو خدا تعالےٰ کی طرف سے حاصل ہو گا۔ چنانچہ حضرت احمد علیہ السلام نے خدا سے خبر پا کر فرمایا:۔

"اے تمام لوگو! سُن رکھو، یہ اس خدا کی پیشگوئی ہے جس نے زمین و آسمان کو بنایا وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا اور حجت و برہان کی رُو سے سب پر ان کو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں، بلکہ قریب ہیں، کہ دُنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہو گا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔" (تذکرۃ الشہادتین)

اسی طرح آپ نے فرمایا:۔

"ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہو گی کہ عیسےٰ کو انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید ہو کر اور بدظن ہو کر اس عقیدہ کو چھوڑ دینگے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا۔ اور اب وہ بڑھیگا اور پھولیگا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین)

کیا شادی نہ کرنا نیکی اور مسئلہ تعدد ازواج پر عمل کرنا گناہ ہے؟

(از جناب پروفیسر ناصر الدین صاحب عبد اللہ ودیا بھوشن مولوی فاضل کاویہ تیرتھ۔ قادیان)

پنڈت لیکھرام صاحب نے اسلام اور قرآن کریم اور سید المعصومین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر جو گندے اعتراضات کئے ہیں، مذہبی کتب سے دلچسپی رکھنے والے حضرات سے وہ مخفی نہیں پنڈت جی نے اپنی ایک کتاب میں آنحضرت صلعم اور سوامی دیانند جی کا باہمی مقابلہ کرتے ہوئے بڑے فخر سے یہ بتایا ہے کہ آنحضرت صلعم نے کئی شادیاں کیں اور پچپن برس کی عمر کے بعد بھی کیں۔ اور ایک وقت میں ان کے ہاں کئی بیویاں تھیں۔ مگر سوامی جی عمر بھر (برہمچاری) مجرد رہے۔ اس لئے سوامی جی حد سے زیادہ نیک نفس کو کچلنے والے اور پاک انسان تھے۔ مگر آنحضرت صلعم شادی اور مسئلہ تعدد ازواج پر عمل کرنے کے باعث (نعوذ باللہ من ذالک) اس کے بالکل برعکس تھے۔ ان کا باہمی مقابلہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ)

انہوں نے مجرد رہنا بہت بڑی نیکی اور شادی کرنا اور پھر مسئلہ تعدد ازدواج پر عمل کرنا بہت بڑا گناہ اور نفس پرستی قرار دیا ہے۔ ایسے ہی ابھی حال ہی میں سیدنا حضرت امیر المومنین نے جو زمانہ حال کے سب نوجوانوں سے بھی زیادہ کام کرنے والے اور اعلیٰ صحت کے مالک ہیں نکاح کیا ہے۔ اس پر بھی بعض ہندو مسلمان اعتراض کر رہے ہیں۔ اس لئے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دونو مسائل کے متعلق اختصار سے کچھ عرض کیا جائے۔

کیا مجرد رہنا از روئے ویدک دھرم اور اسلام بہت بڑی نیکی ہے؟

اگر سیدنا حضرت امیر المومنین کے نکاح پر صرف اپنے مذہب سے بکلی بے خبر ہندو ہی اعتراض کرتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی، کیونکہ یہ انہی بزرگوں کی اولاد ہیں جنہوں نے ویدوں جیسی مستند کتب میں لکھا ہے کہ سورج پہلے اس

زمین پر پڑا تھا۔ دیوتا اپنی پیٹھوں پر اٹھا کر اُسے اُوپر لے گئے۔" (کرشن یجروید) اور پھر ایک مدت تک یہ لوگ پورے یقین و اطمینان سے یہ بات کہتے رہے کہ "کوہ ہمالیہ سے اُس پار دوسری طرف دُنیا ہی نہیں بلکہ دُنیا کی آخری حدیہ کوہ ہمالیہ ہی ہے۔" اب اگر ان کی اولادیں آج سیدنا حضرت امیر المومنین کی ذات بابرکات پر اعتراض کریں تو کیا تعجب ہے۔

مگر افسوس ہے کہ بعض مسلمان بھی اپنی ناواقفیت کے باعث ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اسلئے ہم دونوں مذاہب کی تعلیم کی روشنی میں ان دونو مسائل کو حل کرتے ہیں۔ سو یاد رہے کہ ویدک دھرم نے شادی کو اتنی بڑی نیکی اور شادی نہ کرنیکو اتنا بڑا گناہ بتایا ہے، کہ نجات کا دارومدار ہی شادی کرکے بیٹے پیدا کرنیکو قرار دیا ہے۔ اس کے بغیر باقی سب نیکیاں بلکہ بھی انسان کی نجات کا باعث نہیں ہوسکتیں محض شادی ہی نہیں، بلکہ شادی کرکے بیٹے پیدا کرنے سے ہی نجات حاصل ہوسکتی ہے اس کے بغیر نہیں۔ چنانچہ ویدوں کی مستند اور مشہور ڈکشنری "نرکت" میں لکھا ہے کہ بیٹے کو پُتر کیوں کہتے ہیں؟ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ:-

"پُم نرکم تتس ترایتے اتی پترہ۔" (ص۱۴۱)

ترجمہ:- "پُم جہنم کا نام ہے۔ بیٹا اس سے نجات دیتا ہے۔ اسلئے بیٹے کو پُتر کہتے ہیں۔" یعنی خواہ انسان کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو بغیر بیٹا پیدا کئے وہ جہنم سے بچ نہیں سکتا۔ جہنم سے بچنے اور نجات حاصل کرنے کا ذریعہ محض بیٹا پیدا کرنا ہے۔ اس لئے اس کا نام ویدوں کی ڈکشنری نے پُتر بتایا ہے۔" آگے ملاحظہ ہو اتری دھرم شاستر ادھیائے ۱ شلوک ۵۳، ۵۲:-

ترجمہ:- "باپ اگر مرتے وقت بھی اپنے پیدا ہوتے ہوئے بیٹے کا مُنہ دیکھ لے تو بھی وہ جنت کو جاتا ہے۔ بیٹے کے پیدا ہوتے ہی باپ پاک ہو کر جنت کا حقدار ہو جاتا ہے کیونکہ بیٹا جہنم سے بچانے والا ہے اس لئے بہت سے بیٹوں کی آرزو کرنی چاہیئے۔" آگے ملاحظہ ہو وسشٹھ دھرم شاستر ادھیائے ۱۷:-

ترجمہ:- باپ اگر مرتے وقت بھی اپنے پیدا ہوتے ہوئے بیٹے کا مُنہ دیکھ لے تب بھی اسکی نجات ہو جاتی ہے۔ لیکن جس کا بیٹا کوئی نہیں اس کی نجات نہیں ہو سکتی۔"

یہی وجہ ہے کہ سنسکرت کی کئی کتب سے ثابت ہے کہ بعض نیک سے نیک راجاؤں (دلیپ وغیرہ) کے ہاں کوئی بیٹا نہ تھا وہ اپنے بزرگ رشیوں کے پاس گئے کہ "بوجہ بیٹا نہ ہونے کے ہم جہنمی بن رہے ہیں آپ خدا سے بیٹا دلائیں۔" ان بزرگ رشیوں نے بیٹے کے حصول کی

ترکیب بتائی جس سے ان کے ہاں بیٹے ہوئے اور وہ اس سے نجات یافتہ بنے - یہی وجہ ہے، کہ مجرد مرد کو ویدک دھرم نے نہ صرف جہنمی بلکہ آدھا اور ادھورا انسان کہا ہے - ملاحظہ ہو ویاس دھرم شاستر ادھیائے ۲ شلوک ۱

ترجمہ :- "جب تک انسان شادی نہیں کرتا تب تک وہ آدھا اور ادھورا ہی رہتا ہے"

اس مختصر سے بیان سے حسب ذیل باتیں ثابت ہوگئیں :-

(۱) جو شخص شادی کرتا اور اس کے ہاں بیٹے پیدا ہوتے ہیں، وہ از روئے ویدک دھرم مرد کامل اور بعد الموت جنت کو جاتا ہے -

(۲) جس آدمی کے ہاں زیادہ بیٹے پیدا ہوتے ہیں یعنی کئی شادیاں کرتا ہے وہ بہت زیادہ نیک اور نجات یافتہ ہے -

(۳) جو آدمی شادی کرتا مگر اس کے ہاں بیٹے پیدا نہیں ہوتے وہ اس دنیا میں تو کامل مگر بعد الموت جہنمی ہے اس کی نجات نہ ہوگی -

(۴) جو مرد شادی نہیں کرتا وہ اس دنیا میں ناقص اور ادھورا اور بعد الموت سیدھا جہنم کو جاتا ہے اس کی نجات نہیں ہوسکتی -

یہی وجہ ہے کہ کئی رشیوں نے کئی کئی بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور سب سے بڑے اوتار حضرت کرشن نے جیسا کہ آگے ہم بتائیں گے، ایک وقت میں آٹھ درجن سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی تھیں اور بہت سے بیٹے بیٹیاں پیدا کئے تھے -

اب رہا اسلام - سو یاد رہے کہ اس نے بھی مجرد رہنے کو نیکی نہیں بلکہ گناہ قرار دیا ہے - بانیٔ اسلام کا صاف ارشاد ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ کہ اسلام مجرد رہنے کی اجازت نہیں دیتا - اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے سب سے افضل آنحضرت صلعم ہی ہیں - اللہ تعالیٰ ہم کو حکم دیتا ہے وَلَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ - کہ اے لوگو! محمد رسول اللہ تمہارے لئے بہترین نمونہ ہیں - جب حضور انور کی لائف کو ہم دیکھتے ہیں تو حضور نے نہ صرف مجرد رہنے کی قولاً اور فعلاً نفی فرمائی، بلکہ کئی عورتوں سے آپ نے نکاح کئے اور پچپن برس کی عمر کے بعد ایک وقت میں حضور کے ہاں کئی ازواج مطہرات موجود رہیں - لہٰذا مجرد رہنا از روئے ویدک دھرم اور اسلام گناہ اور شادی کرنا، بلکہ کئی نکاح کرنا اور بیٹے بیٹیاں پیدا کرنا نیکی اور نبیوں اور اوتاروں کی پاک سنت ہے - اس لئے پنڈت لیکھرام صاحب کا آنحضرت صلعم کی ذات بابرکات پر اعتراض کرنا اور موجودہ بعض لوگوں کا سیدنا حضرت امیر المومنین

کے نکاح پر اعتراض کرنا اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ یہ لوگ نہ صرف تنگدل ہیں، بلکہ اپنے اپنے مذہب اور اپنے اپنے بزرگوں کے حالات سے بھی بالکل ناواقف ہیں۔

عقلاً اور مشاہدۃً بھی مجرّد رہنا گناہ ہے!

ہر جوان اور تندرست مرد و عورت جانتے ہیں، کہ جس طرح انہیں اپنی صحت و زندگی قائم رکھنے کے لئے کھانے، پینے، سونے، سانس لینے اور آرام کرنے کی خواہش و ضرورت ہوتی ہے۔ ویسے ہی انہیں شادی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح بوقت پیاس پانی نہ پینے اور بوقت بھوک کھانا نہ کھانے اور بوقت نیند نہ سونے سے صحت خراب ہوجاتی ہے ویسے ہی بروقت شادی نہ کرنے سے صحت خراب ہوجاتی ہے۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ ایک موٹا تازہ جوان طالب علم یکایک دماغ کی تکلیف وغیرہ امراض میں گرفتار ہوگیا ہے تو ڈاکٹروں نے اُس کا علاج شادی ہی بتایا اور پھر شادی کرنے پر اس کی صحت بالکل ٹھیک ہوگئی۔ ماحصل یہ کہ شادی کی ضرورت و خواہش کھانے پینے کی ضرورت و خواہش کی طرح انسان کی فطرت میں اللہ تعالےٰ نے رکھدی ہوئی ہے۔ لہٰذا جس طرح ایک جاہل انسان بوقت حاجت کھانا یا پانی چھوڑنے سے گنہ گار اور خودکشی کرنے والا ہے ویسے ہی شادی کے وقت شادی نہ کرنے والا انسان مجرم اور گنہگار ہے۔ یوں بھی اللہ تعالےٰ نے مخلوق کی پیدائیش کا ذریعہ شادی ہی کو بنایا ہے۔ دھرم شاستروں میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ:۔

"ایشور نے اپنا نیچے کا آدھا جسم عورت کا بناکر اور اوپر کا نصف جسم مرد کا بناکر نیچے کے حصّے میں بیج ڈالا تھا تاکہ انسان اس سے یہ تعلیم حاصل کریں۔"

(منو دھرم شاستر ادھیائے ۱ دویاس دھرم شاستر ادھیائے ۲)

اس لئے جو انسان قابل ہونے پر بھی شادی نہیں کرتا وہ خدا تعالےٰ کے ارادے کے خلاف کوشش کرنیوالا اور گنہگار ہے۔ اب رہے مندروں کے مہنت اور سوامی لوگ جن پر ناز کرتے ہوئے پنڈت لیکھرام صاحب یا دوسرے ہندو دوست ہمارے مقدس بزرگوں پر اعتراض کرتے ہیں سو یاد رہے کہ جو تندرست مرد جوانی میں شادی نہیں کرتا وہ یا بیمار رہیگا اور یا پھر بدچلن ہوگا۔ اس کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت ہی نہیں۔ چنانچہ پچھلے سال سیتلا مندر لاہور کے مہنت صاحب کے جو واقعات ہندو اخبارات خود شایع کرتے رہے ہیں وہ اس بات کا زبردست ثبوت ہیں کہ مجرّد رہنا خطرے سے خالی نہیں اور دوسرے یہ کہ مجرّد رہنے کے دعویدار مہنت اور سوامی لوگ اکثر پاکدامن نہیں ہوتے۔ لہٰذا عقلاً بھی شادی کرنا ہی نیکی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کس عمر کی لڑکی سے شادی کرنی چاہئے۔ سنوقت دھرم شاستر شلوک ۶۶، ۶۷، ۶۸ میں لکھا ہے:۔

ترجمہ:۔ "آٹھ برس کی لڑکی گوری ہوتی ہے۔ اور نو برس کی روہنی کہلاتی ہے۔ اور دس برس کی ہوجانے پر کنیا کہلاتی ہے۔ اس کے بعد گیارھویں برس میں حائضہ کہلاتی ہے۔ لڑکی کو اگر کنواری ہوتے ہی حیض آجائے یعنی حیض آنے تک والدین اس کی شادی نہ کریں تو اُس لڑکی کے والدین اور بڑا بھائی یہ تینوں ہی جہنم کو جاتے ہیں۔ اس لئے لڑکی کو حیض آنے سے پہلے ہی بیاہ دینا چاہئے۔ اس لئے آٹھ برس کی لڑکی کی شادی کر دینا ہی قابلِ تعریف کام ہے۔"

چنانچہ پاراشر دھرم شاستر ادھیائے ۷ شلوک ۶، ۷ میں بھی یہی کہا گیا ہے جو کہ سنورت دھرم شاستر کی عبارت اُوپر درج کی گئی ہے۔ ایسے ہی وششٹھ دھرم شاستر میں آٹھ برس کی لڑکی کی شادی کرنا ہی نیکی کا کام بتایا گیا ہے۔ اب رہا منو دھرم شاستر سو اس کے ادھیائے ۹ شلوک ۹۴ میں بارہ برس اور آٹھ برس کی لڑکی کو قابلِ شادی بتاتے ہوئے اس کا شادی کرنا لکھا ہے۔ اصل عبارت یہ ہے:۔

ترجمہ:۔ "تیس برس کا آدمی بارہ برس کی لڑکی کے ساتھ اور چوبیس برس کا مرد آٹھ برس کی لڑکی کے ساتھ شادی کرے۔"

ماحصل یہ کہ لڑکی کی شادی کا وقت قابلِ تعریف تو بقول ویدک دھرم آٹھ برس اور مذموم بارہ برس ہے۔ لہٰذا جس طرح شادی کرنا از روئے ویدک دھرم ایک نہایت ضروری اور نیکی کا کام بلکہ برہما جی کی سُنّت کو پورا کرنا ہے ویسے ہی آٹھ برس کی لڑکی سے شادی کرنا بھی بہت بڑی نیکی ہے۔

مسئلہ تعدّدِ ازواج از روئے ویدک دھرم اور اسلام

یہ تو اوپر ہم بتا چکے ہیں کہ از روئے ویدک دھرم شادی کرنا اور پھر بیٹے پیدا کرنا ہی نجات کا واحد ذریعہ ہے اور بغیر اس کے نجات ہو ہی نہیں سکتی اسلام نے بھی شادی کرنا نہایت ضروری قرار دیا ہے۔

اب ہم دکھاتے ہیں کہ یہ دونوں مذاہب تعدّدِ ازواج کی بھی اجازت دیتے ہیں اور دونوں مذاہب کے مقدس بانی اور دیگر بزرگ اس پر عمل کرتے تھے۔ چنانچہ منو دھرم شاستر کے نویں ادھیائے میں تعدّدِ ازواج کی اجازت موجود ہے۔ ویدک دھرم صاف کہتا ہے کہ:۔

ترجمہ:۔ "اگر پہلی بیوی بیمار ہو یا اُسے محض لڑکیاں ہی ہوتی ہوں یا بیوی پہلی بیمار نہیں بلکہ مرد

اتنی طاقت و قوت کا مالک ہے کہ وہ چار دس بیویاں رکھ سکے تو اس مسئلہ پر عمل کرے"

یہ بھی یاد رہے کہ ویدک دھرم نے کتابی احکام کو جس طرح اہمیت دی ہے ویسے ہی اپنے بزرگوں کے افعال کو ویدک دھرم ہی مانا ہے ۔ صاف لکھا ہے (نت دام کرتی شیلے چ) یعنی :-

"ویدک دھرمی بزرگوں کا فعل بھی ویدک دھرم ہے"

اب یہ معلوم کرنے کے لئے کہ کتنی بیویاں ویدک دھرم کرنے کی اجازت دیتا ہے ۔ ان کے مقدس بزرگوں کی زندگی ہم کو دیکھنی چاہیئے ۔ سو یاد رہے کہ شری بھاگوت نے حضرت شری کرشن کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ (۱۶۱۰۸) بیویاں لکھی ہیں ۔ اور سو بھری رشی کی پچاس بیویاں لکھی ہیں ۔ اور موخر الذکر رشی سے نوے برس کی عمر میں یہ پچاس بیویاں بیک وقت کی تھیں ۔ اب رہیں ان کی کتب سو وہ ہم بتا ہی چکے ہیں کہ دھرم شاستروں نے نہ صرف تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے ، بلکہ ان سب بیویوں میں خاوند کا ورثہ کس طرح تقسیم ہو، یہ احکام بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں ۔ ایسے ہی شنکھ دھرم شاستر کے تیسرے ادھیائے میں تعدد ازدواج کے احکام بیان ہوئے ہیں ۔ برہمن کے متعلق لکھا ہے

"برہمنی چھتریا ویشیا دیہ بھاریا یری کیرتتا "

کہ برہمنیاں ، راجپوت عورتیں اور ویشی عورتیں یہ برہمن مرد کی بیویاں کہی گئی ہیں یعنی برہمن ان تین قوموں کی عورتوں سے حسب ضرورت شادی کرے ۔ ایسے ہی منو دھرم شاستر میں "پہلی بیوی سے صرف لڑکیاں ہی ہوں یا وہ مریض ہو یا بدچلن ہو یا فضول خرچ ہو یا مرد کی خواہش پوری نہ ہوتی ہو" وغیرہ وغیرہ صورتوں میں تعددِ ازدواج پر عمل کرنے کا حکم ہے ۔

ایسے ہی اور کئی کتب میں تعددِ ازدواج کے احکام موجود ہیں ۔ اتھرو وید اور رگوید میں اپنی سوت کو ذلیل و خوار کرنے کا طریق کئی ایک منتروں میں بیان کیا گیا ہے ۔ اور اتھرو وید کے تیسرے کانڈ کے سوکت ۲۴ میں وہ چھ منتر موجود ہیں ۔ اس سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ویدوں کے زمانے میں تعدد ازدواج کا ویدک دھرمیوں میں گئوکشی اور گائے کی قربانی کی طرح عام رواج تھا ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ویدک دھرم ایک وقت میں پچاس بلکہ اس سے بھی زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت دیتا ہے ۔

ویدک دھرم پچاس بلکہ اس سے بھی زیادہ بیویاں ایک وقت میں رکھنے کی اجازت دیتا ہے

گوتم دھرم سوتر میں ویدک دھرم کی یہ تعریف لکھی ہے :-

"ویدو دھرم مولم تدد دام سمرتی شیلے" (سوتر ۱ و ۲ - ادھیائے ۱)

ترجمہ:۔ "وید اور وید کے جاننے والوں کی بنائی ہوئی سمرتی نام کی کتب اور اُن بزرگوں کا اپنا فعل یا عمل یہ ہی ویدک دہرم ہے"

گیتا ادھیائے ۳ شلوک ۲۱ میں حضرت کرشن فرماتے ہیں :۔

"بزرگ مرد جیسے جو کام کرتا ہے وہ کام اسی طرح پر دوسرے اس کے ماتحت کرتے ہیں۔ وہ بزرگ اپنے فعل سے جو دلیل یا حد قائم کرتا ہے عوام اسی کی اطاعت کرتے ہیں"

ماحصل یہ کہ اِن بزرگوں کا فعل ہی از روئے ویدک لٹریچر ویدک دہرم ہے۔ اگر ویدک دہرم کے سرتاج بزرگوں کو دیکھا جائے تو ویدک دہرم کی رُو سے ایک وقت میں پچاس بیویاں بلکہ اس سے بھی زیادہ ایک مرد اپنے گھر رکھ سکتا ہے۔ مہرشی سوبھری بڑے پائے کے بزرگ تھے ان کے بنائے ہوئے منتر ویدوں میں آتے ہیں۔ چنانچہ رگوید کے منڈل ۸ سوکت ۹۲ انہی کا بنایا ہوا ہے۔ جس کے شروع کے الفاظ یہ ہیں "ادرشی گا تووت تمہ" اس لئے اگر اِس رشی کو ویدک دہرم کا جنم داتا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ بڑھاپے میں محض عبادت کے لئے جنگل میں گئے۔ تب اس عمر میں انہوں نے راجہ ترسدسیو کی پچاس لڑکیوں سے بیک وقت شادی کی تھی۔ چنانچہ ہندی زبان کا مشہور رسالہ "کلیان" جو گورکھپور سے نکلتا ہے ماہ ستمبر ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں پنڈت بل دیو اپادھیائے ایم۔اے نے اِس کا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ مذکورہ بالا مہرشی نے بڑھاپے میں راجہ کی پچاس بیٹیوں سے شادی کی تھی۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"سُووا ستو کے سُندر تٹ پر وِواہ منڈپ رچا گیا۔ مہاراج ترسدسیو نے اپنی پچاس پُتریوں کا وِواہ مہرشی سوبھری کا نو کے ساتھ پلکت ودن ہو کر سمپن کر دیا" صفحہ ۳۲۱

ترجمہ:۔ دریائے سُووا ستو کے کنارے پر شادی کا انتظام کر کے مہمانوں کے لئے پنڈال بنایا گیا اور پھر مہا راجہ ترسدسیو نے اپنی پچاس بیٹیوں کی شادی مہرشی سوبھری سے خوشی کے ساتھ کر دی"

یہ شادی مہرشی سوبھری نے آخری عمر میں کی۔ یہ بھی یاد رہے کہ راجہ ترسدسیو بھی کوئی معمولی راجہ نہیں تھے۔ بلکہ ان کا ذکر بھی رگوید میں آتا ہے۔ اور یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس کی یہ پچاس بیٹیاں ایک بیوی سے تو نہیں ہوئی ہوں گی بلکہ کم از کم اس کی پچیس ۲۵ بیویاں ہوں گی تبھی تو یک وقت پچاس بیٹیاں جوان ہو گئی تھیں۔ اب حضرت سری کرشن کی شادیاں ملاحظہ ہوں۔ آٹھ بیویاں تو ان کی راجاؤں کی بیٹیاں تھیں۔ ان آٹھوں کے نام یہ ہیں :۔ (ملاحظہ ہو شری مدبھاگوت سکند ۱۰ ادھیائے ۶۱) رُکمنی، ستیا (اس کا دوسرا نام ناگن جتی تھا) جامبوتی، ستیہ بھاما، کالندی

مادری ، مترو ندا ، بھدرا - اِن آٹھ میں سے مترو ندا اور بھدرا یہ حضرت کرشن کی پھوپھی زاد بہنیں (پھوپھی کی بیٹیاں تھیں۔ دیکھو کتاب مذکور سکند ۱۰ ادھیائے ۵۸ شلوک ۱۵ و ادھیائے ۸۳ شلوک ۷) مترو ندا دروپدی کے آگے اپنی شادی کا حال یوں بیان کرتی ہے ۔

"دروپدی جی! میرے دل کو کرشن پر عاشق دیکھ کر میرے باپ نے خود ہی میرے ماموں کے بیٹے کرشن کو بلا کر اس کے ساتھ خوشی سے میری شادی کر دی۔" (شلوک ۱۵)

ایسے ہی لکھا ہے :۔

"مترو ندا سری کرشن کی پھوپھی راج ادھی دیوی کی بیٹی تھی۔" (شلوک ۳۰)

بھدرا کے متعلق لکھا ہے :۔

"ستیا کی شادی کے بعد کرشن نے اپنی پھوپھی شرت کیرتی کی بیٹی بھدرا سے شادی کی۔" (شلوک ۵۶)

ان کے ساتھ لونڈیاں بھی آئی تھیں ۔ مثال کے طور پر آپ ستیا کو لے لیں اس کے متعلق لکھا ہے :۔

"ستیا کے باپ ایودھیا ادھی پتی نے خوبصورت بالوں والی تین ہزار لونڈیاں جہیز میں دیں ۔ (شلوک ۴۹)

اِن آٹھ بیویوں اور لونڈیوں کا ذکر کر کے پھر بعد میں لکھا ہے :۔

" ایناش چیوم ددا بھاریا ستیہ آسن سہسرشہ ۔ بھومم ہتوا سن نروددت سماہرتا بہار وورشناہ " (شلوک ۵۸)

ترجمہ :۔ سری کرشن کی اِن آٹھوں کے علاوہ اور بھی ایسی ایسی بہت سی بیویاں تھیں جو کہ راجہ بھوم کو مار کر اس کے زنان خانے سے لا کر انہوں نے اپنی بیویاں بنائی تھیں ۔ اور جو کہ بہت خوبصورت تھیں ۔

ماحصل یہ کہ آٹھ تو رکمنی ، ستیہ بھاما وغیرہ کرشن کی بیویاں تھیں ۔ ان کے علاوہ اور بھی درجنوں بیویاں حضرت کرشن کی تھیں جن کو راجہ بھوم کے زنان خانے سے لا کر انہوں نے اپنی بیویاں بنایا تھا۔ ان کے بیٹوں کی تعداد بھی ہزاروں لکھی ہے ۔

شلوک میں لفظ "سہسرشہ" کا ہے جس کے معنے ہزاروں کے ہیں ۔ اور ایک شلوک میں ان کی بیویاں ۱۶۱۰۸ لکھی ہیں ۔ لیکن اگر اسے مبالغہ مان لیں اور یہ کہیں کہ سنسکرت زبان میں تعداد کی زیادتی دکھانے کے لئے بھی سہسر کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو بھی دونوں صورتوں میں تعداد کی زیادتی

کا اعلان ہے۔ اور حضرت کرشن عمر کے بھی جوان تھے اور ان کی صحت کی یہ حالت تھی کہ جنگ مہابھارت میں کوروؤں کی لاکھوں بہادروں کی فوج کو انہی نے قتل کیا تھا۔ جنگ مہابھارت میں ۴۵ لاکھ بہادر مارے گئے تھے۔ وہ جنگ حضرت کرشن کی برکت سے ہی ہوئی تھی۔ اور انہوں نے ہی بڑے بڑے بہادر سپاہی اور جرنیل کوروؤں کے قتل کئے تھے۔ انہوں نے ارجن کو صاف کہا تھا کہ

"کوروؤں کی یہ سب فوج اور بہادر جرنیل تو میں نے ہی قتل کرنے ہیں۔ تیرا تو محض نام ہے۔ تو اُٹھ کر صرف بہانہ بن جا" (گیتا)

اب سوچنے کی بات ہے کہ سوبھری رشی کو بڑھاپے میں اگر پچاس بیویاں بیک وقت کرنی پڑیں تو ان کی علاوہ ان آٹھوں کے ایک سو بیویاں تو اور ضرور ہوں گی جن کو سہسرشہ کا لفظ ظاہر کر رہا ہے۔ اور ان کی جوانی کی عمر تھی اور پھر اگر بوڑھے سوبھری رشی سے ان کی صحت و طاقت دوگنا بھی مان لی جائے، تب بھی انہیں کم از کم ایک سو اور بیوی چاہئے۔ اس حساب سے ان کی کم از کم ایکسو آٹھ بیویاں تھیں اور لونڈیاں ان ۱۰۸ کے علاوہ تھیں۔

حضرت کرشن سب اوتاروں میں بڑے اوتار مانے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کا یہ فعل اصلی ویدک دھرم ہے۔ لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ از روئے ویدک دہرم ایک آدمی ایک وقت میں ایکسو آٹھ بیویاں رکھ سکتا ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی رکھنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ شلوک میں "شسرشہ" کا لفظ ہے جس کے معنے ہزاروں کے بھی ہیں۔

اب رہا مذہب اسلام۔ سو قرآن کریم بھی صاف فرماتا ہے۔ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ (نساء) کہ دو تین اور چار تک بیویاں ایک وقت میں مرد رکھ سکتا ہے۔ اور بانیٔ اسلام آنحضرت صلعم نے تعدد ازواج کے مسئلے پر عمل بھی کیا۔ اور پچپن برس کی عمر کے بعد بھی آپ نے شادیاں کیں۔ مسلمان تو کیا کوئی دہریہ بھی اس بات کا انکار نہیں کر سکتا کہ حضور انورؐ کی ذات وہ بے نظیر عفت و عصمت کی کان تھی جس نے اس دنیا میں آکر ہر قسم کی بے حیائی اور فواحشات کا خاتمہ کر دیا۔ عربوں جیسی شرابخور، مشرک اور شہوت پرست قوم کو باخدا بلکہ خدا نما بنانے والے محض اور محض حضور انورؐ ہی تھے۔ یہود و نصاریٰ کی کتب اور ان کے بزرگ، ادہر ویدا اور ویدک دہرمیوں کے رشی یہ سب کے سب مِلکر بھی ان عربوں کی عادات کو نہ بدل سکے مگر حضور انورؐ کی ذاتِ بابرکات کے باعث وہ قوم یکدم نہ صرف خود بدلی بلکہ عفت و عصمت اور توحید کے قائم کرنے کے لئے سارے جہان کی استاد بن گئی۔ علاوہ آنحضرت صلعم کے پاک اور معصوم ہونے پر کوئی دشمن بھی انصافاً شبہ نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی قرآنی تعلیم

پر کوئی مسلمان اعتراض نہیں کر سکتا جس نے تعددِ ازدواج کی تعلیم دی ہے۔ اور اُدہر ویدک لٹریچر اور حضرت سری کرشن علیہ السلام پر کوئی ویدک دہرمی معترض نہیں۔ اور مہرشی سوبھری کا کلام رگوید جیسی معتبر کتاب میں موجود ہے تو ایسی صورت میں سیدنا حضرت امیر المومنین کے اس نکاح پہ ہندوؤں یا مسلمانوں کا اعتراض کرنا سراسر حماقت اور تنگدلی ہے۔ کیونکہ حضور کا یہ فعل اسلامی تعلیم بلکہ ویدک دہرم کی تعلیم کے بھی بالکل مطابق ہے۔ اور بانی اسلام آنحضرت صلعم اور ویدک دہرم کے جنم داتاؤں حضرت سری کرشن اور مہرشی سوبھری وغیرہ کی یہ سنت ہے۔

بعض ہندو اور مسلم اخبارات کے ایڈیٹروں سے ایک ضروری سوال!

مَیں نے سُنا ہے کہ بعض ہندو اور مسلم اخباروں کے ایڈیٹروں نے حضور کے اس نکاح پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں۔ میں اُن سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت امیر المومنین کا یہ نکاح قرآن کریم کی تعلیم اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اُسوہ کے بالکل مطابق ہے۔ اور اُدہر ویدک دہرم کی تعلیم اور حضرت سری کرشن کی سُنت بھی ہے۔ اس لئے اس پر اعتراض کرنے والے ہندو اور مسلمان دو باتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ اپنی مذہبی تعلیم سے اور اپنے پیشواؤں کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں اور یا پھر ان لوگوں میں سے ہیں جن کو قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ویدک دہرم اور حضرت کرشن علیہ السلام سے دلی عداوت ہے۔

اے معترض ایڈیٹر صاحبان! اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ کس گروہ سے ہیں؟ آیا اس گروہ میں سے جو کہ اپنی مذہبی تعلیم سے بالکل بے خبر اور اپنے پیشواؤں کے حالات سے بالکل ناواقف ہے یا اُس بدنصیب گروہ میں سے ہیں جن کو قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسی پاک ہستی اور حضرت سری کرشن اور مہرشی سوبھری جیسے مقدس انسانوں سے دلی عداوت ہے۔ آپ میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ اپنی پوزیشن کو واضح کرتا ہوا اس سوال کا جواب دے۔

"مسجد اقصےٰ"

(از جناب بشارت احمد صاحب امروہی مولوی فاضل قادیان)

عبدالحی صاحب واقف تحریک جدید کا ایک مضمون بعنوان "مرکز سلسلہ قادیان۔ اسکی اہمیت اور ضرورت" رسالہ ریویو آف ریلیجنز۔ ماہنامہ اردو کی ماہ ظہور ۱۳۲۲ ہش ۱۹۴۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے وہ رسالہ ہذا کے صفحہ ۱۲ پر لکھتے ہیں کہ:۔

"قادیان ہی وہ مقام ہے جس کی دو مساجد بھی خدا تعالےٰ کے نشانوں میں سے عظیم الشان نشان ہیں۔ ان میں سے مسجد اقصےٰ کا ذکر تو خدا کی کتاب میں ہے اور مسجد مبارک کے متعلق یہ فرمایا گیا کہ مبارک و مبارک و کل امر مبارک یجعل فیہ"

عبدالحی صاحب کو اس جگہ مسجد اقصےٰ نامی مسجد کے قادیان میں ہونے سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ وہی مسجد اقصےٰ ہے جس کا ذکر آیت کریمہ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الاقصیٰ الخ میں بیان ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ مسجد اقصےٰ مسجد مبارک ہے جس کے متعلق یہ الہام ہے۔ مبارک و مبارک وکل امر مبارک یجعل فیہ۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مندرجہ ذیل تحریر اس امر کو اچھی طرح واضح کر دیتی ہے آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"اب اس رسالہ کی تحریر کے وقت (خطبہ الہامیہ۔ ناقل) میرے پر یہ منکشف ہوا کہ جو کچھ براہین احمدیہ میں کشفی طور پر میں نے دیکھا یعنی یہ کہ اس کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے۔ درحقیقت یہ صحیح بات ہے۔ کیونکہ یہ یقینی امر ہے کہ قرآن شریف کی یہ آیت کہ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بٰرکنا حولہ معراج مکانی و زمانی دونوں پر مشتمل ہے۔ اور بغیر

اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکتِ اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رُو سے جو اسلام کی انتہاء زمانہ تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے مبارك و مبارك وكل امر مبارك يجعل فيه۔"

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خط کشیدہ تحریر سے صاف پتہ لگتا ہے کہ مسجد اقصیٰ جس کا ذکر خدا کی کتاب میں ہے وہ مسجد مبارک ہے۔ مسجد اقصیٰ نامی مسجد، مسجد اقصیٰ نہیں۔ اور اسی مسجد اقصیٰ کے متعلق الہام مبارك و مبارك وكل امر مبارك يجعل فيه ہے۔

نیز حضرت امام مطاع سیدنا المصلح الموعود امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا وہ ارشاد مسجد مبارک کے متعلق جبکہ نمازیوں کی تعداد بہت تھوڑی رہ گئی تھی فرمایا تھا اور متعدد بار الفضل میں شایع ہوا ہے اس کا مفہوم یہ ہے۔ فرمایا:۔

"قادیان والے اس مسجد کو اہمیت نہ دے کر خدا کے غضب کو بھڑکا لیں گے چاہئے کہ پانچوں نمازیں اسی مسجد میں ادا کی جائیں۔ ورنہ کم از کم ایک نماز تو قادیان کا ہر فرد مرد اسی مسجد میں ادا کرے۔ اور باہر والے قرب وجوار کے ہفتہ میں ایک بار۔ بلکہ آپس میں باریاں مقرر کر لیں جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔"

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اُردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیش نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائے گا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اُردو ماہنامہ ہے۔ بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے، اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	تیس روپے	اٹھتر روپے	ایکسو چوالیس روپے	دوسو ستر روپے
نصف صفحہ	اٹھارہ روپے	اڑتالیس روپے	چوراسی روپے	ایکسو پچاس روپے
ربع صفحہ	بارہ روپے	تیس روپے	چون روپے	نوّے روپے

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۵۹ اا

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

(ماہنامہ اردو)

ریویو آف ریلیجنز

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحید الاذہان

جلد ۴۳ | ماہ ذیقعدہ ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۴ء | عدد ۱۱

فہرست مضامین

مسئلۂ کفارہ

کیا ہم سب ایک آدم کی اولاد ہیں؟

بنائے فاسد علی الفاسد

—— از جناب پیر صلاح الدین صاحب ای۔ اے۔ سی۔ ملتان ——

مسئلۂ کفارہ کی بنیادی اینٹ یہ ہے۔ کہ ہم سب آدم[1] کی اولاد ہیں۔ اور چونکہ آدم نے گناہ کیا اس لئے گناہ ہمیں ورثتاً ملا۔ اور ہم گناہ نہ کرتے ہوئے بھی گنہگار ٹھہرے[2]۔ وغیرہ وغیرہ۔

پس اگر یہ ثابت ہو جائے، کہ ہم سب دراصل آدم کی اولاد ہی نہیں تو مسئلۂ کفارہ کی خشتِ اول غلط ہونے کی وجہ سے اس کا سب تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اس کی ساری عمارت بے بنیاد ہو کر زمین پر آ رہتی ہے۔ سو ہم ذیل میں اہلِ کفارہ کے اس دعویٰ کو کہ تمام بنی نوعِ انسان آدم کی اولاد ہیں

عقل اور بائیبل کی روشنی میں پرکھتے ہیں

(ا) جہاں تک عقل کا تعلق ہے (اگرچہ عیسائی صاحبان اس کا استعمال مذہب میں چنداں

---

[1] اس مضمون میں جہاں جہاں "آدم" کا لفظ " " کے درمیان لکھا گیا ہے وہاں اس سے مراد وہ آدم ہے کہ جس کے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھانا بائیبل نے بیان کیا ہے اور جو ابراہیم اور نوح کا باپ تھا۔

[2] دیکھو "Creation" مصنفہ J. F Rutherford صفحہ ۱۲۶

جائز نہیں سمجھتے[۱]) وہ اِس دعوے کو کہ تمام نسلِ انسانی "آدم" کی اولاد ہیں سراسر جھٹلاتی ہے۔
بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ "آدم" آج سے ۵۹۰۵ سال پہلے پیدا ہوا[۲] ہے۔ اور اس کے ۱۰۵۶ برس بعد نوح پیدا ہوا۔ (پیدائش ۵ ب)

---

[۱] پولس کہتا ہے :۔ "دنیا کی حکمت خدا کے نزدیک بیوقوفی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ کہ وہ حکیموں کو ان ہی کی چالاکی میں پھنسا دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہ خداوند حکیموں کے خیالوں کو جانتا ہے کہ باطل ہیں۔"
(۱۔ کرنتھیوں ۳/۱۹، ۲۰)
"بہت حکمت میں بہت غم ہے۔ اور علم میں ترقی دُکھ کی فراوانی ہے۔" (واعظ ۱/۱۸)
جب عقلی دلائل کے مقابل میں عیسائی لوگ عاجز آجاتے ہیں تو بڑی سادگی سے یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ گویا مذہب کی بُنیادیں اِس قدر لغو اور سُست اور کمزور ہیں کہ جہاں کہیں عقل کا دباؤ پڑا وہ زمین میں دھنس کر رہ گئیں یا ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں۔ اور مذہب صرف اُنہی احمق اور بیوقوف لوگوں کے لئے رہ گیا ہے کہ جنکی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ اُس کو استعمال نہ کرنے پر مجبور ہیں اور نہ اُن کو عقل سے کوئی واسطہ ہے اور نہ عقل کو اُن سے کوئی سروکار۔ بلکہ اوّل درجہ کے کودن اور غبی اور جاہل ہیں۔ اور وہ مذہب میں اس لئے پکے ہیں کہ عقل کے بالکل کچے ہیں +

[۲] نوح جو کہ "آدم" کی دسویں پُشت میں تھا، "آدم" کی پیدائش کے ۱۰۵۶ سال بعد پیدا ہوا۔
(پیدائش ۵ ب)
نوح کو چھوڑ کر ابراہیم اس کی دسویں پُشت میں پیدا ہوا، اور نوح کی پیدائش کے ۸۹۰ سال بعد پیدا ہوا۔ (پیدائش ۱۱ ب)
یعنی "آدم" کی پیدائش کے ۱۰۵۶ + ۸۹۰ = ۱۹۴۶ سال بعد۔
اور ابراہیم ۱۰۰ سال کا تھا۔ جب اضحٰق پیدا ہوا۔ (پیدائش ۱۷ ب، ۱۷/۲۱، ۲۱/۲)
اور اضحٰق ۶۰ سال کا تھا جب اسرائیل پیدا ہوا۔ (پیدائش ۲۵/۲۶)
اور جس وقت اسرائیل مُلک مصر میں آیا اس کی عمر ۱۳۰ سال تھی۔ (پیدائش ۴۷/۹)
اور بنی اسرائیل مُلک مصر میں ۴۳۰ برس رہے (خروج ۱۲/۴۱)
گویا ابراہیم کی پیدائش سے خروج تک (۱۰۰ + ۶۰ + ۱۳۰ + ۴۳۰) = ۷۲۰ برس ہوتے ہیں اور پیدائش "آدم" سے (۱۹۴۶ + ۷۲۰) = ۲۶۶۶ برس۔ (نیز دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹینکا ج ۳ ص ۸۹۰)

اور جب کہ نوح چھ سو برس کا تھا (پیدائش ۷/۶) ایک زبردست طوفان آیا جس میں کہ سوائے نوحؑ، اس کی بیوی اور اس کے تین بیٹوں اور تین بہوؤں کے باقی سب انسان "جو روئے زمین" پر تھے ہلاک ہو گئے (پیدائش باب ۷، ۸ و متی ۲۴/۳۹ و لوقا ۱۷/۲۷ و پطرس ۳/۲) اور اس طوفان کے بعد کہ جو آدمؑ کی پیدائش کے (۱۰۵۶ + ۶۰۰) = ۱۶۵۶ سال کو آیا (Creation" By J. F Rutherford P:105" و انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ب ۳ صفحہ ... زیر عنوان بائیبل) اور ایک سال رہا (پیدائش ۸/۱۴) یعنی ۱۶۵۷ ب۔آ کو نسلِ انسانی نئے سرے سے صرف نوح کے ان بیٹوں سے چلی۔ (پیدائش ۹/۱۹)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳ زیر عنوان "بائیبل"

حضرت موسیٰؑ اسرائیلیوں کو ۱۲ صدی قبل مسیح میں مصر سے لیکر نکلے تھے۔

پس آدم ۲۶۶۶ + ۱۲۰۰ = ۳۸۶۶ ق۔م میں ہوا۔ اور مسیح کو ہوئے ۱۹۴۲ سال ہوتے ہیں۔

گویا پیدائش آدم سے اس وقت تک ۳۸۶۶ + ۱۹۴۲ = ۵۸۰۸ برس ہوتے ہیں۔

اس جگہ ہم یہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کہ عام طور پر عیسائیوں میں پیدائشِ آدم ۴۰۰۴ ق۔م میں سمجھی جاتی ہے۔ اور ریفرنس بائیبلز میں یہی درج ہوتی ہے لیکن جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے۔ یہ کسی علمی تحقیق پر مبنی نہیں۔ بلکہ پیدائشِ عالم کے متعلق مختلف روایات میں سے یہ بھی ایک روایت ہے جسے آرک بشپ اشر (Ussher) کی منظوری کا شرف حاصل ہونے کی وجہ سے عام قبولیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس بارہ میں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے، کہ یہودیوں کے کیلنڈر کی رُو سے جسے کہ وہ ابتدائے آفرینش سے شمار کرتے ہیں۔ آدم ۳۷۶۰ برس اور تین ماہ ق۔م میں ہوا۔ اور آجکل اُن کا (۳۷۶۰ + ۱۹۴۲) = ۵۷۰۲ سن چل رہا ہے۔ (اُن کا نیا سال یعنی ۵۷۰۳ھ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۲ء کو شروع ہو گا۔) (دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا زیرِ عنوان کیلنڈر)

غرضیکہ ہمارے شمار سے عام عیسائی نظریہ کا صرف ۲۸ برس کا فرق ہے اور یہودی سن کا ۲۰۶ برس کا۔

یہ فرق اگرچہ قطعاً ایسا نہیں جو کہ ان دلائل پر جو اس مضمون میں بیان کئے جائیں گے کسی طرح سے اثر انداز ہو۔ کیونکہ یہودی اور عیسائی تاریخ بہرحال چار ہزار ق۔م سے کچھ زیادہ اوپر نہیں جاتی لیکن تاہم اہلِ علم کے فائدہ کے لئے ہم ذیل میں اپنے حساب کی تائید میں بعض زمینی اور آسمانی شہادتیں پیش کرتے ہیں:-

زمینی شہادت | یہودیوں کے شمار کے مطابق "خروج" ۲۴۴۸ سن میں ہوا ــــ (دیکھو

گویا دوسرے لفظوں میں طوفانِ نوح کے بعد اب تک ۵۹۰۹ - ۱۶۵۷ = ۴۲۵۲ برس ہوتے ہیں۔ جس میں کہ تمام موجودہ نسلِ انسانی جو کہ دُنیا کے مختلف کونوں میں آباد ہے، معرضِ وجود میں آئی۔ لیکن تاریخ اور سائنس نے اِس بات کو پایۂ تحقیق تک پہنچا دیا ہے۔ کہ نسلِ انسانی آج سے چار یا چھ ہزار سال سے بہت قبل کی ہے۔ اور اِس بارے میں عیسائیت کا اختلاف سائنس اور تاریخ سے اس قدر شدید ہے کہ کوئی مفاہمت کی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر ہم بہت ہی تاویل کریں تو اس چار ہزار برس کے عرصہ کو یہ کہہ کر چھ ہزار برس تک بڑھا سکتے ہیں کہ نسلِ انسانی نوح سے نئے سرے سے شروع

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴ - (The Talmud Selection by H. Polano. P. 10, ـ

اور مسیح تک ان کے حساب سے ۳۷۶۰ برس بنتے ہیں۔ پس اِس اعتبار سے خروج ۳۷۶۰ - ۲۴۴۸ = ۱۳۱۲ ق۔م میں ہوا۔ ہمارے اعداد کی رو سے "خروج" ۱۳۰۰ ق۔م میں ہوا۔ اور اِس طرح صرف ۱۲ برس کا فرق رہ جاتا ہے۔

آسمانی شہادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحفہ گولڑویہ صفحہ ۹۴ / ۱۵۵ پر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ نے مجھے ایک کشف کے ذریعہ سے اطلاع دی ہے کہ سورۃ العصر کے اعداد سے بحساب ابجد معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عصر تک جو عہدِ نبوت ہے یعنی تیئیس ۲۳ برس کا تمام و کمال زمانہ یہ کُل مدت گذشتہ زمانے کے ساتھ ملا کر ۴۷۳۹ برس ابتدائے دُنیا سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روزِ وفات تک قمری حساب سے ہیں۔ پس اِس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم الفِ خامس میں جو مریخ کیطرف منسوب ہے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور شمسی حساب سے یہ مُدت ۴۵۹۸ ہوتی ہے اور عیسائیوں کے حساب سے جس پر تمام مدار بائیبل کا رکھا گیا ہے ۴۶۳۶ برس ہیں۔ یعنی حضرت آدم سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اخیر زمانہ تک ۴۶۳۶ برس ہیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قرآنی حساب جو سورۃ العصر کے اعداد سے معلوم ہوتا ہے اور عیسائیوں کی بائیبل کے حساب میں جس کے رُو سے بائیبل کے حاشیہ پر جابجا تاریخیں

(نوٹ) ۱۹۴۰ء میں اِس مضمون کو مکمل کر چکا تھا اور اسکو ایک مجلس میں بیان کر رہا تھا کہ برادرم شیخ عبدالقادر صاحب لائلپوری نے میری توجہ تحفہ گولڑویہ کی عبارت مندرجہ صفحہ ۹۴ / ۱۵۵ کیطرف مبذول کرائی۔ اسکے بعد جب مینے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ میرے اعداد و شمار حضور کے کشف کے شمار کیساتھ پوری پوری تطبیق کھاتے ہیں۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ۔

نہیں ہوئی، بلکہ طوفانِ نوح مقامی نوعیت کا تھا اور اس میں ساری انسانی نسل تباہ نہیں ہوئی۔ سو اوّل تو یہ ایسی تاویل ہے کہ اس کو قبول کر کے عیسائی صاحبان کو بہت کچھ اور قبول کرنا پڑیگا۔ جسے کہ قبول کر لینے کے لئے وہ تیار نہیں۔ اور اگر بالفرض اس پر انحصار کر بھی لیا جائے تو بھی مطلب حل نہیں ہوتا۔ کیونکہ بائیبل بہرحال چھ ہزار برس سے اُوپر نہیں جاتی۔ اور اس میں بھی پہلے ڈیڑھ ہزار سال کے عرصہ میں یعنی طوفانِ نوح کے بعد تک کہیں ذکر نہیں آتا، کہ وہ لوگ پھیل کر باہر نکلے ہوں۔ بلکہ ان لوگوں کا سب سے پہلے پراگندہ ہونا اس وقت بیان کیا جاتا ہے۔ جبکہ طوفان کے بعد ان لوگوں نے بُرج بنانے کی مہم کا آغاز کیا۔ اور خدا تعالےٰ نے ان کی زبان میں اختلاف ڈال کر ان کو وہاں سے تمام روئے زمین پر پراگندہ کیا۔" (پیدائش ۱۱/۸) ورنہ اس سے پہلے وہ سب لوگ ایک تھے۔ اور ان کی زبان بھی ایک ہی تھی۔ (پیدائش ۱۱/۱)

پس بائیبل کے بیان میں کہ نسلِ انسانی آج سے چھ ہزار سال پہلے شروع ہوئی، اور ڈیڑھ ہزار سال تک آرمینیا وغیرہ کے علاقہ میں محدود رہی اور پھر طوفانِ نوح کے بعد نئے سرے سے نوح کے تین بیٹوں سے اس کا آغاز ہوا۔ اور یہ پھیل کر مختلف طبقات الارض میں پہنچی۔ زیادہ تصرف کی گنجائش نہیں، اور یہ بیان ہر حالت میں علوم حاضرہ سے ٹکراتا ہے۔ طوفانِ نوح ۲۴۰۹ ق۔م میں وقوع پذیر ہوا اور آدم ۳۹۶۶ ق۔م میں ہوا۔

بقیہ حاشیہ مٹ۔ لکھتے ہیں صرف اٹھتیس ۳۸ برس کا فرق ہے۔ اور یہ قرآن شریف کے علمی معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جس پر تمام افرادِ امتِ محمدیہ میں سے خاص مجھ کو جو میں مہدی آخر الزمان ہوں اطلاع دی گئی ہے۔ تا قرآن کا یہ علمی معجزہ اور نیز اس سے اپنے دعویٰ کا ثبوت لوگوں پر ظاہر کروں۔"

اس کشف سے معلوم ہوا کہ آدم رسول صلعم کی وفات سے ۴۵۹۸ برس پہلے ہوا۔ اب رسول صلعم ۶۳۲ء میں فوت ہوتے ہیں۔ گویا اس حساب کی رُو سے آدم ۴۵۹۸-۶۳۲=۳۹۶۶ ق۔م میں ہوا۔ بیشک عیسائی مشن کی ریفرنس بائیبل کے اعتبار سے آنحضرت کی وفات تک ۴۰۰۴+۶۳۲=۴۶۳۶ برس بنتے ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ مٹ۱۵۵)

مگر جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے، یہ اعداد و شمار کسی تحقیق پر مبنی نہیں اور ان زمینی اور آسمانی شہادتوں کے مقابلہ پر جو کہ ہم نے پیش کیں کوئی وقعت نہیں رکھتے۔

اب ملاحظہ فرمائیے تاریخ آثارِ قدیمہ اور انسانیات (Anthropology) کی شہادتیں۔

۱۔ سارگون اوّل نے ۲۷۵۰ ق۔م میں ایک وسیع سلطنت خلیج فارس سے لے کر بحیرہ روم تک قائم کی، اور بابل کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ (A Short History of the world by H.G. wells ch. XV)

۲۔ جزیرہ کریٹ کی تاریخ مصر کی تاریخ جتنی قدیم ہے۔ ۴۰۰۰ ق۔م میں اِن دونوں ملکوں کی آپس میں تجارت زور شور پر تھی۔ (Ditto chapter XVV)

گویا جس وقت "آدم" پیدا ہوُا، اُس وقت مصر اور کریٹ میں اس قدر آبادی تھی کہ وہ لوگ کثرت سے تجارت کیا کرتے تھے۔

۳۔ میسوپوٹیمیا سے ایسی دستاویزات دستیاب ہوئی ہیں جنکے متعلق اچھے خاصے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ۴۵۰۰ ق۔م کی ہیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۵ ص ۳۱۱ زیر عنوان chronology)

۴۔ مسیح سے چھ ہزار یا سات ہزار سال قبل ایشیاء کے زرخیز علاقوں اور نیل کی وادی میں نیم مہذب قومیں پائی جاتی تھیں۔ (Short History by wills chapter: XV)

(گویا آدم جوکہ ۳۹۶۶ ق۔م میں ہوُا کی پیدائش سے دو تین ہزار سال پہلے)

۵۔ اہرام مصر میں سے کئی چار ہزار سے زائد قبل مسیح کے ہیں۔ چنانچہ:۔

(۱) Medum میں شاہ Sneferu کا ہرم ۴۷۵۰ ق۔م کا ہے

(۲) Gizeh میں شاہ Khufu کا ہرم ۴۷۰۰ ق۔م کا ہے

(۳) Gizeh میں شاہ Khafra کا ہرم ۴۶۰۰ ق۔م کا ہے

(۴) اور Gizeh میں شاہ Men Kawa کا ہرم ۴۵۵۰ ق۔م کا ہے

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا ۲۲ ص ۶۸۵ ۔ عنوان " Pyramids ")

۶۔ "مصر اور بیبلیوں کے آثارِ قدیمہ سے یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوجاتا ہے کہ انسان کا وجود زمین پر ۴۱۵۷ یا ۵۳۲۸ ق۔م سے بہت پہلے ظاہر ہوچکا تھا۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۳ ص ۸۶۶ ۔ عنوان "بائیبل")

۷۔ ۴۷۷۴ ق۔م میں شاہ مین (Menes) جوکہ مصری خاندان کا پہلا بادشاہ تھا ہوُا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۳ ص ۸۶۸ ۔ عنوان "بائیبل")

۸۔ ماہرین کا خیال ہے کہ امریکہ کی آبادی بھی جوکہ سب سے آخر میں قائم ہوئی آج سے تقریباً دس ہزار سال قبل کی ہے (یعنی "آدم" سے چار ہزار سال قبل کی)۔ (Ditto -: chepter XIII)

۹۔ مصر کے سلسلۂ سلاطین کی تاریخ تین ہزار سال ق۔م سے پہلے شروع ہوتی ہے۔ اکثر مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ سلسلہ ۳۲۰۰ ق۔م سے شروع ہوتا ہے۔ ۱۸۹۵ء میں sir William Flinders نے Naguda میں ایک مقبرہ دریافت کیا جو کہ سلسلہ سلاطین سے ماقبل زمانہ کا تھا۔ اس ماقبل زمانہ کے لئے ۱۲۰۰ سال کا عرصہ اندازہ کیا گیا ہے۔ گویا اس طرح مصر کی (Predynastic) ماقبل از سلسلۂ سلاطین تاریخ ۴۵۰۰ ق۔م سے شروع ہوکر ۳۲۰۰ ق۔م تک دریافت ہوگئی۔

۱۹۲۵ء میں مسٹر اور مسز برٹن کی Badari District میں کی گئی تحقیقات سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ گیا کہ اس جگہ ایسے مقابر وغیرہ ہیں، جو کہ یقیناً Predy nestic زمانہ سے پہلے کے ہیں۔ مسٹر برٹن کے نزدیک، وہ تقریباً ۵۰۰ سال قدیم تر ہیں۔ گویا اس طرح تاریخ مصر ۵ ہزار برس ق۔م تک دریافت ہوگئی۔

۱۹۲۷-۲۸ء و ۱۹۲۸-۲۹ء میں مسٹر اور مسز برٹن کی محنت شاقہ نے اس سے بھی قدیم تر تہذیب یعنی Tasian تہذیب کا پتہ چلایا۔ جو کہ ساڑھے پانچ ہزار سال ق۔م میں ہوئی۔ یہ لوگ گاؤں میں رہتے، کھیتی باڑی کرتے، آٹا پیستے، کپڑے سیتے اور مٹی کے برتن بناتے تھے۔"

(New Discoveries Relating to the Antiquity of Man by sir Artten Keith. Page 225—227)

۱۰۔ "دس ہزار سال ق۔م میں مصر میں مٹی کے برتن اور تانبے کے پن اور تیسہ وغیرہ کا استعمال پایا جاتا تھا۔ اور یہ لوگ شمال اور مشرق کے دُور دراز علاقوں میں تجارت کیا کرتے تھے۔"

(Environment, Race & Migration by Griffith Taylor Page: 140)

۱۱۔ آپرٹ (Oppert) نے دریافت کیا ہے کہ مصر میں ۱۳ ہزار برس سے بھی پہلے ایک تمدنی اور سیاسی لحاظ سے ترقی یافتہ قوم کے آثار پائے جاتے ہیں۔

(Encyclopeidia of Religion & Ethics Ethnology v. 5. Page 525.)

۱۲۔ پروفیسر پٹری (Petrie) نے ۱۸۹۷ء میں Nenkhel Pthha بادشاہ کا بُت دریافت کیا جو کہ ۴۷۰۰ ق۔م میں ہوا۔ اِس سے بھی قدیم تر بُت شاہ Eushags agna کا ہے۔

جس نے کہ بیبلیون پر ۲۴۰۰ ق۔م میں حکومت کی۔

(Encyclopaedia of Relign. & Ethics Ell. motoy V. 5. Page: 525)

۱۳۔ "فلسطین کی غاروں سے تیس ہزار سے دس ہزار ق۔م تک کی انسانی تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ جیساکہ علمائے انسانیات کا خیال ہے کہ موخر الذکر زمانہ میں انسان غاروں کو چھوڑ کر سطح پر آباد ہونے شروع ہوئے اس کی وجہ کھیتی باڑی کے علم کا دریافت ہونا تھی۔"

(New Discoveries - Page: 25)

۱۴۔ طبقات الارض، غاروں اور تمدن کی شہادتوں پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مورا وی Mammoth hunters (میمتھ جو کہ فیل کی قسم کا ایک جانور تھا کا شکار کرنے والے لوگ) آج سے ۱۵ ہزار سے ۲۰ ہزار سال قبل ہوئے۔ ممکن ہے وہ اس سے بھی ۵ ہزار سال قبل ہوئے ہوں۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ اس سے ۵ ہزار سال بعد میں ہوئے ہوں۔ (New Discoveries P: 375)

۱۵۔ Cro-magnon نسل یورپ میں آج سے بیس یا تیس ہزار برس قبل داخل ہوئی۔

(Environment Race & Migration P: 160, And Evolution By Veenow Kellogg Ch: XII: P: 230)

۱۶۔ Cro-magnon لوگ جو کہ چٹانوں اور غاروں پر کثرت سے حیوانات کی تصویریں نقش کرتے تھے آج سے تقریباً ۲۵ ہزار برس پہلے ہوئے ہیں۔

(World History - The Growth of Western Civiliza-tion by R. F Lenley & W. N Weech: P. 1)

۱۷۔ میور (J. Reid Meur) اور بعض دوسرے ماہرین کے مطابق عہد حجری چالیس ہزار سال قبل سے پہلے ختم نہیں ہوتا۔ بہرحال اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ زمانہ ۲۰ سے ۴۰ ہزار سال قبل کا ہے تو ہم امکان کی حدود سے تجاوز نہیں کریں گے۔ (New Discoveries: Page: 181)

۱۸۔ فرانس اور سپین میں ایسے ہتھیار اور نقوش اور انسانی ہڈیاں دریافت کی گئی ہیں۔ جو کہ کم از کم تیس ہزار سال پرانے ہیں۔ (A Short History of the World by H.G. Wells ch: XI)

۱۹۔ Neanderthal نسل مصر میں آج سے ۴۰ ہزار برس قبل آباد تھی۔

(Environment R. & M. P: 138)

۲۰۔ Neanderthal نسل یورپ میں ۱۲۵،۰۰۰ ق۔م سے ۲۵،۰۰۰ ق۔م تک آباد رہی ۔
(Env: R. & H. P: 159)

۲۱۔ حبشی (Negro) منطقہ حارہ میں ایک لاکھ سال سے آباد ہیں۔ (Env: R. & Mig: P. 133)

۲۲۔ جنوبی افریقہ میں Harts کی وادی میں ایک لاکھ بیس ہزار برس قبل انسان بُود و باش رکھتے تھے۔
(New Discoveries P: 40)

۲۳۔ Australasia میں ایک انسانی سر جسے Talgai skull کہتے ہیں دریافت ہُوا ہے۔ جو کہ ڈیڑھ لاکھ سال پُرانا ہے۔
(Envirenment Race & Migration P: 98)

۲۴۔ پیکنگ (Peking) سے جو انسانی ہڈیاں دریافت ہوئی ہیں، وہ ان لوگوں کے کوائف کی آئینہ دار ہیں جو کہ پُرانی دُنیا کے مشرق بعید میں اڑھائی لاکھ سال قبل رہتے تھے۔
(New Discoveries P. 27)

میلکم بر (Malcolm Burr) جو کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کے ڈاکٹر آف سائنس ہیں اپنی کتاب Quest and Conquest میں Pekin man کا زمانہ ۵ لاکھ سال قبل بتلاتے ہیں۔ (یہ کتاب ایف۔ اے کا انگریزی کا کورس ہے)

۲۵۔ "آج سے اڑھائی لاکھ سال قبل جغرافیائی کنٹرول انسان اور حیوان پر تقریباً یکساں تھا"
(Encyclopaedia Britanica Anthropology - Page: 42)

۲۶۔ جدید ترین (Pleistocene) زمانہ میں جو کہ آج سے دو سے تین لاکھ سال پہلے ہوا ہے، انسانی تمدن قدیم حجری عہد اور جدید حجری عہد کے دَور میں سے گذرا۔
(Encyclopaedia of Relign & Etheis Ethnology V.5. Page 574)

۲۷۔ قدیمی یورپ کی تلاش و تجسس سے انسان کے وجود کا سراغ "جدید ترین" Pleistocene سے "جدید تر" (Plio cene) زمانہ تک یعنی تین سے چار لاکھ برس تک مل گیا ہے۔
(New Discoveries. P. 245)

۲۸۔ Piltdoum Man an Dawn Man of Sussex, England آج سے چار لاکھ سال پہلے ہُوا ہے۔ ("Evolution" Ch: XII P: 229)

۲۹۔ آج سے پانچ لاکھ سال پہلے (Black Races) سیاہ نسلیں مختلف طبقات الارض میں منتشر ہوئیں اور مشہور Alpine Races آج سے ایک لاکھ سال پہلے وجود میں آئیں۔
(Ency: Race & M.: P. 267)

۳۰۔ "دنیا کی عمر پندرہ سو ملین اور چونتیس سو ملین سال کے درمیان ہوگی۔ باعتبار اوسط دو ہزار ملین سال اس کی عمر کا تعین کرنا زیادہ صحیح ہوگا۔ دنیا کی یہ عمر تاریخی عہد سے ایک لاکھ گنا اور مسیح عہد سے دس لاکھ گنا زیادہ ہے۔ ان اعداد سے صحیح تناسب معلوم نہیں ہوتا صحیح اندازہ کے لئے فرض کرو کہ زمین کی عمر ایک ایسی کتاب ہے جس میں ۵۰۰ صفحات ہیں اور ہر صفحہ پر ۳۰۰ لفظ ہیں اور ہر لفظ میں اوسطاً چھ حرف ہیں تو ہمارا تاریخی عہد اس کتاب کے آخری لفظ کے برابر اور مسیحی عہد صرف آخری حرف کے برابر ہوگا۔" (Through Time & Space مصنفہ Sir James Jeans۔ اردو ترجمہ سیر کائنات ص ۵۳/۵۴)

۳۱۔ وکٹوریہ کے عہد میں شمرلنگ (Schmerling، بوچ (Boucke) اور ڈی پرتھس (De Perthes) وغیرہ ماہرین انسانیات نے آثارِ قدیمہ سے ایسی شہادتیں مہیا کیں کہ جنکے پیشِ نظر عیسائیت کا نکتہ نظر کہ نسلِ انسانی صرف چھ ہزار سال سے معرض وجود میں آئی ہے پاش پاش ہوگیا۔ اور قدامت پسندوں کو بادلِ ناخواستہ اپنی شکست کو تسلیم کرنا پڑا۔ اور ان کی روایتی دلائل کی آثارِ قدیمہ کی ٹھوس اور متواتر شہادتوں کے آگے کچھ پیش نہ چلی۔ یہ معلومات (عیسائی) مذہب کی بنیادوں پر ایک کاری ضرب تھیں لیکن نژادِ نو نے انسان کی قدامت کو حقیقتِ مشتبہ کی طرح قبول کر لیا، اور وہ چیز جو کسی وقت کفر والحاد سمجھی جاتی تھی، آجکل ایک ثابت شدہ سچائی ہے۔
(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ۶ ص ۳۰۲۔ زیر عنوان "Chronology")

علاوہ ان زبردست شہادتوں کے جو ہم ابھی ابھی بیان کر آئے ہیں، اگرچہ یہ قبول کر لیا جائے، کہ سب بنی نوع انسان ایک ہی اصل اور ایک ہی نسل سے ہیں، پھر بھی (Ecology) "علم ماحول" اور (Ethnology) "علم الاقوام" کے علوم کے پیشِ نظر کسی صورت میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ مختلف اقوام کے رنگ و لون، ان کے بالوں اور ان کی ہڈیوں کا فرق (Anthropometry) چار ہزار یا چھ ہزار برس کی قلیل مدت میں ظاہر ہو گیا۔ اور تاریخ اور آثار سے یہ امر ثابت ہے، کہ مختلف اقوام کے درمیان رنگ ولون وغیرہ کا یہ فرق کوئی تازہ واقعہ نہیں، بلکہ یہ فرق تہذیب کے دور کی ابتداء سے بھی قبل کا منصۂ شہود پر آچکا

سے ہے[۱]۔

علم الاقوام (Ethnology) کے علماء کا کہنا ہے کہ قوموں میں یہ فرق قرنہا قرن ایک خاص طول اور خطہ میں بود و باش رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ Griffith Taylor اپنی کتاب Environment, Race & Migration میں لکھتے ہیں:-

"In almost every case these dark races have lived for untold ages in hot climates and have perhaps hardly varied their climatic environment since their original arrival, millennia ago, in the tropics of the old World."

یہی مصنف اپنی ایک سابق کتاب Environment & Race صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں:-

"There is no doubt that a change in the skin coloration would only be made permanent by a very long sojourn in the suitable habitat"

اور اس بات پر کہ یہ فرق ہزارہا ہزار برس کے عرصہ میں جا کر ظاہر ہوتا ہے، ایک بہت زبردست شہادت یہ ہے کہ قطب شمالی جیسے سرد ترین ملک میں Brown[۲] Eskimo پائے جاتے

---

[۱] "We know that the races were differentiated before the dawn of civilization." (Environment, Race, & Migration by Griffith-Taylor Page 8:

[۲] Environment, Race, and Migration, Page: 53.

گرفتھ ٹیلر اپنی کتاب Environment & Race کے صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں:-

"اگر ہم یہ مان لیں کہ سیاہ بھورے رنگ کے اسکیمو . . . . ایک لمبا عرصہ امریکہ کے

ہیں اور شمالی ہندوستان جیسے گرم ملک میں سفید رنگ کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اگر آب وہوا اور ماحول کا اثر قلیل مدت میں رنگ پر اثر انداز ہوسکتا تو Eskimos کے رنگ Brown کی بجائے سفید اور سرخ ہونے چاہیئے تھے۔ اور شمالی ہندوستان کے سب لوگ سیاہ فام ہونے چاہیئے تھے۔ پس معلوم ہوا کہ ان لوگوں کو اس خطہ میں آباد ہوئے ابھی تک اتنا لمبا عرصہ نہیں گذرا جو کہ ان کی شکل و شباہت کو بدلنے کے لئے ضروری تھا۔

اور اگر اب بھی کوئی ہٹ دھرمی کی راہ سے یہ کہے کہ ہڈیوں اور رنگ کا فرق جغرافیائی اور تمدنی فرق کے ساتھ بہت جلد وقوع پذیر ہوجاتا ہے، تو اُسے لازم ہے کہ اُس کا کوئی ثبوت بہم پہنچائے۔ ہم اسی زمانہ میں دیکھتے ہیں کہ انگریز قوم کے لوگ آسٹریلیا اور امریکہ میں جاکر آباد ہوئے۔ مگر جغرافیائی اثرات نے اب تک جو کہ ڈیڑھ صدی کا عرصہ ہے ان کے رنگ و لون اور شکل و شباہت پر کوئی ممتاز اثر نہیں کیا۔ اسی طرح جیسا کہ ڈاروِن اپنی کتاب Descent of Man (۱۹۰۹) صفحہ ۲۹۹ پر بیان کرتا ہے۔ بعض ڈچ خاندان متواتر تین سو سال سے جنوبی افریقہ میں آباد ہیں۔ لیکن ان کے رنگ و لون میں سرِمو فرق نہیں آیا۔

پس اس بات میں کسی صاحب الرائے کو کلام نہیں ہوسکتا، کہ ماحول اور آب وہوا اور بُود و باش کا ایسا اثر جو قوموں کو ایک دوسری سے بلحاظ شکل و شباہت کے ممیز کر دیتا ہے، ایک طول طویل مدت میں جاکر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ بات ایسی صاف اور واضح ہے، کہ مشہور پادری ولیم جی بلیکی بھی اپنی کتاب "تاریخ بائیبل"[۵] میں اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جبکہ ایک طرف ہم یہ دیکھتے ہیں، کہ یہ فرق ہزارہا ہزار برس میں جاکر ظاہر ہوتا ہے اور دوسری

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲ ۔ معتدل علاقہ میں رہنے کے بعد منطقہ باردہ میں نسبتاً قریب زمانہ میں آباد ہوئے۔ تب اُن کے رنگ ولون کی بے آہنگی کی توجیہہ کرنے میں جو مشکلات پیش آتی ہیں، وہ کافی حد تک دُور ہوجاتی ہیں۔"

[۵] Environment and Race, Page : 33.

[۶] بعض لوگوں کی یہ رائے ہے، کہ موجودہ مختلف قوموں میں ایسے فطرتی اور طبعی فرق پائے جاتے ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ قومیں ابتداء ہی سے جُدا جُدا پیدا ہوئی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سفید رنگ اور تیز طبع انگلوسکسن اور سیاہ فام اور کاہل مزاج حبشی اور زعفرانی

طرف یہ دیکھتے ہیں کہ "آدم" کے زمانہ سے یہ فرق موجود چلا آتا ہے (بلکہ آدم" سے ہزارہا برس قبل کی جو ہڈیاں ملتی ہیں ان میں بھی یہ فرق نمایاں ہے۔) تو لازماً ہمیں یہ ماننا پڑتا ہے، کہ آدم" سے بھی ہزارہا برس قبل مختلف اقوام مختلف طبقات الارض میں سکونت پذیر تھیں۔ اور "آدم" کسی طور سے نسلِ انسانی کا موجد نہیں۔ اگر آدم" کو نسلِ انسانی کا موجد مانا جائے تو ماننا پڑیگا کہ قوموں کے درمیان فطرتی اور طبعی اختلافات کے پیدا ہونے کے لئے ایک لمبا زمانہ تو درکنار ایک اقل قلیل مدت بھی دستیاب نہیں ہوتی۔ کیونکہ تاریخی اور علم طبقات الارض کی شہادتوں سے خود آدم" اور اس سے قبل مختلف اقوام کا پایا جانا ثابت ہے۔

اور اگر بالفرض تاریخ کی شہادت، کو یک قلم فراموش بھی کر دیا جائے، اور ایک لمحہ کے لئے یہ قبول کر لیا جائے کہ صرف ۱۹۴۴ء ہی میں قوموں میں رنگ و بُو کا یہ فرق ظاہر ہوا ہے تو بھی عیسائی نظریہ کے مطابق زیادہ سے زیادہ چھ ہزار سال کا عرصہ بنتا ہے، کہ جس میں یہ فرق ظاہر ہوا۔ اور یہ اتنی قلیل مدت ہے کہ کوئی سائنسدان یہ قبول نہیں کر سکتا کہ اس میں ایک ہی نسل کے لوگوں میں تمام وہ فرق پیدا ہو گئے جو کہ ہم آسٹریلیا، افریقہ، ایشیا، یورپ و امریکہ اور جاپان کی قوموں میں دیکھتے ہیں۔

پس اس شہادت کی روشنی میں ہم بہر حال یہ ماننے پر مجبور ہیں، کہ نسلِ انسانی "آدم" سے ہزاروں برس قبل کی موجود ہے۔

مندرجہ بالا حقائق اس بات پر قطعی اور حتمی طور پر دال ہیں، کہ نسلِ انسانی آدم" سے بہت پہلے کی معرض وجود میں آ چکی ہے۔ ذیل میں ہم ایل۔ اے۔ وِیڈل جو کہ (*Anthropology*) "انسانیات"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۔ اور تانبے کے سے رنگ والی قومیں جو ایشیا، آسٹریلیا اور امریکہ میں پائی جاتی ہیں اس بات کی تصدیق کرتی ہیں۔ ہمیں شک نہیں کہ اس بات کیساتھ بہت سی مشکلات وابستہ ہیں۔ تاہم اگر اس بات پر غور کریں کہ انسان اور حیوان پر آب و ہوا، غذا، تعلیم اور کاروبار کے اختلاف کا بڑے بڑے زمانوں کے عرصے میں کیا اثر پڑتا ہے۔ اور اس کیساتھ اس بات کو بھی نظر انداز نہ کریں کہ وہ اسباب جن سے یہ فرق پیدا ہوتے ہیں ابتداء میں بہ نسبت اُس زمانہ کے زیادہ زور آور اور کارگر تھے! جیسا کہ وہ اسباب زیادہ مؤثر تھے، جن کے سبب سے لوگوں نے مختلف زبانیں وضع کر کے انہیں استعمال کرنا شروع کیا۔ تو ہم نوشتوں کی اُس گواہی کو جو تمام بنی آدم کے ہم اصل اور ہم نسل ہونے کے بارے میں پائی جاتی ہے تجربہ کے برخلاف نہ پائیں گے۔" (تاریخ بائیبل صفحہ ۲۲)

کے مشہور عالم ہیں کی تحقیق جو کہ آپ نے اپنی کتاب The Makers of Civilisation میں رقم فرمائی ہے پیش کرتے ہیں جس کی رو سے یہ معلوم In Race and History ہوتا ہے کہ :-

آدم پہلا آدمی نہیں بلکہ پہلا سموری بادشاہ ہے

ویڈل کی تحقیق میسوپوٹیمیا سے ایک پتھر کا پیالہ برآمد ہوا ہے ، جس پر کہ سموری زبان میں لکھا ہوا ہے ۔ کہ :-

"یہ شاہ ساگ (یا در) اندر' آدر' ، ادم ....) کے لئے udu (اُودو) شاہِ شہر کش نے جو Enuzuzu کا بیٹا جو کہ Gin کا بیٹا ہے نے رکھا ہے ۔" (ص۹۶)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پیالہ پر تحریر کروانے والا udu بادشاہ ہے ۔ اور وہ اپنے پردادا کی یادگار کے طور پر اُسے دفن کرتا ہے ۔ اور اُدو کا باپ Enuzuzu اور اس کا Gin اور اس کا ساگ یا ادم ہے ۔

اب اگر عبرانی آدم کا نسب نامہ ملاحظہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آدم کا بیٹا قائن (Gin) اور اسکا حنوک (Enuzuzu[1]) یا نوح اور اس کا یافت یا (udu) ہے[2] ۔

اس جگہ اہلِ نظر سرسری نظر دیکھنے سے بھی یہ معلوم کرلیں گے کہ سموری اور عبرانی فہرستوں میں دراصل ایک ہی سلسلہ کا ذکر ہے ۔

ساگ (جو کہ اس کے خطابات میں سے ایک ہے) یا ادم کا بیٹا Gin بیان ہوتا ہے ۔ Gin کا لفظ عبرانی میں Qin لکھا جاتا ہے ۔ اور یہ قائن کے بالکل قریب ہے ۔ علاوہ اس کے Gin کے متعلق یہ بیان آتا ہے کہ اس نے سب سے پہلا شہر میسوپوٹیمیا میں بنایا (ص۹۶) اور یہی بیان قائن کے متعلق آتا ہے ۔ (پیدائش ۴/۱۷)

[1] انسائیکلوپیڈیا ببلیکا ص۳۶۲ میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حنوک ہی نوح تھا ۔

[2]

آدم	=	ادم
Qin قائن	=	Gin
حنوک	=	Enuzuzu or Unu
یافت	=	udu

اور تمام علمائے بائیبل اس بات پر متفق ہیں، کہ قائن کا آباد کردہ شہر قدیم سموری بندرگاہ Unnuka ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا ببلیکا F. ۶۲۳؛ پھر قائن کو بائیبل میں Aish یا Aysh (پیدائش ۴) کہا گیا ہے اور Gin کا خطاب بحیثیتِ A آتا ہے (ص۱۵۲) اور یہ دونوں الفاظ مشترک ہیں۔ پس ان تمام قرائن سے معلوم ہوا کہ دراصل قائن اور مانائج ایک ہی شخص ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حنوک کا لفظ Enuzuz کے بہت قریب ہے جیسے کہ سموری میں Nakska اور Unnuska , Enuzu , Enu بھی کہہ لیتے ہیں (ص۱۵۳) پس دراصل یہ دونوں لفظ ایک ہی ہیں۔ اور عبرانی "یافت" کے Udu ہی ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ عبرانی میں یافت کو I. P. T. یا Y. P. T. یعنی Iapat یا Yapat لکھتے ہیں۔ اور Udu بادشاہ کا خطاب Patesi یعنی Priest King آیا ہے۔ اور Patesi Iapat ہوتے ہوتے (Priest King of God Ea) Ia-Patesi سے بن گیا۔ (ص۱۵۴) پس ان فہرستوں کے تطابق سے معلوم ہوا، کہ آدم پہلا سموری[1] بادشاہ تھا نہ کہ پہلا انسان۔ اور کہ عبرانیوں نے اس کے قصہ کو سموریوں سے ہی خورد برد کیا ہے۔ (ص۱۳۶)

ہم خدا تعالےٰ کے فضل محض سے تاریخ, Anthropology, Archaeology, Ethnology, Ecology وغیرہ علوم کی روشنی میں اس امر کو ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت کر چکے ہیں، کہ "آدم" جو کہ آج سے چھ ہزار برس قبل ہوا، سے بہت پہلے دنیا میں نسلِ انسانی آباد تھی۔ اور عیسائیوں کا یہ دعوےٰ کہ "آدم" نسلِ انسانی کا باپ ہے، ایک طفلانہ خیال سے بڑھ کر نہیں۔

(ب) اب جبکہ ہم دیکھ چکے ہیں، کہ عقل اس عقیدہ کو کہ ہم سب اسی "آدم" کی اولاد ہیں جو کہ آج سے تقریباً چھ ہزار برس پہلے پیدا ہوا، کسی طرح بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ہم ناظرین کی خدمت میں خود بائیبل سے اپنے اس دعوے کی تائید میں حتمی اور قطعی ثبوت پیش کرتے ہیں، اور ان حضرات سے جو کہ عقلی دلائل پر کان نہیں دھرتے امید کرتے ہیں، کہ بائیبل کی اپیل پر ضرور غور فرمائیں گے۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ ؁

ا۔ بائیبل میں جہاں پیدائشِ عالم کا ذکر ہے، وہاں انسان کی تخلیق کے متعلق لکھا ہے:۔

"پھر خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اپنی شبیہہ کی مانند بنائیں اور وہ

---

[1] سموریوں کے متعلق تاحال قطعی فیصلہ نہیں ہوا کہ وہ کون لوگ تھے۔ ممکن ہے کہ Semitic نسل ان ہی کی ایک شاخ ہو۔ (صلاح الدین)

سمندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جانداروں پر جو زمین پر رینگتے ہیں اختیار رکھیں۔ اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا۔ نر اور ناری ان کو پیدا کیا۔" (پیدائش ۱ / ۲۶، ۲۷)

"جس دن خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اُسے اپنی شبیہ پر بنایا۔ نر اور ناری انکو پیدا کیا۔ اور ان کو برکت دی۔ اور جس روز وہ خلق ہوئے ان کا نام آدم رکھا۔" (پیدائش ۵ / ۱، ۲)

اِن دونوں حوالوں پر معمولی سا غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ تخلیق اوّل صرف ایک آدم تک محدود نہ تھی۔ پہلے حوالہ میں عبارت کی طرز سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "انسان" کا لفظ بطور اسم نکرہ استعمال ہوا ہے اور اس سے مراد جنس انسانی ہے نہ کہ کوئی خاص انسان۔ اور حوالہ نمبر ۲ سے تو یہ بات اسقدر واضح اور روشن ہو جاتی ہے کہ عقل سلیم کو انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

"نر اور ناری ان کو پیدا کیا۔ اور ان کا نام آدم رکھا" کے الفاظ اِس بارے میں کوئی شائبہ تک شک کا باقی نہیں رہنے دیتے کہ آدم کوئی ایک خاص وجود نہ تھا بلکہ ایک جنس تھی جو ایک سے زیادہ وجودوں پر مشتمل تھی۔ اور اس میں ذکور و اناث ہر دو اصناف شامل تھے۔

اِس بارے میں ایک ناقابلِ تردید دلیل ہمارے ہاتھ میں یہ ہے کہ عبرانی کی بائیبل میں مذکورہ بالا دونو حوالوں میں "ان کو" کی جگہ او تھام אֹתָם کا لفظ اور حوالہ نمبر ۱ میں "وہ" اور "رکھیں" کی بجائے "وِیرِدّو" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور یہ دونو الفاظ اپنے صیغہ کے لحاظ سے تثنیہ نہیں بلکہ جمع ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ پیدائش اول بہرحال دو سے زائد انسانوں پر مشتمل تھی۔[۵۱]

۲۔ پیدائش ۱ میں جہاں حیوانات وغیرہ کی پیدائش کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل ان کی پیدائش وسیع پیمانہ پر تھی۔ اور ایک جوڑے تک محدود نہ تھی۔[۵۲] پس جب مطابق بائیبل عام قانونِ قدرت

---

[۵۱] انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا جلد ا صفحہ ۱۶۷ پر زیر عنوان آدم لکھا ہے:-

"لفظ آدم کا استعمال بطور اسم معرفہ کے ایک قدیمی غلطی ہے۔ فی الحقیقت آدم سے مُراد نوع انسانی تھی۔ . . . پیدائش ۲/۷ میں معروف عبرانی ماخذ adamah یعنی سطح کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ ہم اِس سوال میں باوجود اس کی اہمیت کے نہیں پڑ سکتے کہ پیدائش کی کہانی میں دراصل آدم سے مراد اسم معرفہ نہ تھا۔"

[۵۲] "اور خدا نے کہا کہ پانی جانداروں کو کثرت سے پیدا کرے۔ اور پرندے زمین کے اوپر فضا میں اُڑیں۔ اور خدا نے بڑے بڑے دریائی جانوروں کو اور ہر ایک قسم کے جاندار کو جو پانی

کثرتِ تخلیق کی طرف جھکا ہوا ہے۔ پھر یہ کیونکر تصور کر لیا جائے کہ پیدائشِ آدم ایک وجود تک محدود تھی درآنحالیکہ ایسا تصور کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی قرینہ موجود نہیں۔ بلکہ صریح، واضح اور غیر مبہم عبارت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ تخلیقِ آدم بھی باقی حیوانات کی طرح کثرت سے ہوئی۔

۳۔ پیدائش ۴/۱۶تا۱۹ میں لکھا ہے:۔

"سو قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا۔ اور عدن کے مشرق کی طرف نود کے علاقہ میں جا بسا۔ اور قائن اپنی بیوی کے پاس گیا۔ اور وہ حاملہ ہوئی اور اس کے حنوک پیدا ہوا۔ اور اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام اپنے بیٹے کے نام پر حنوک رکھا۔"

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدم کے وقت اور بھی نسلیں دنیا میں موجود تھیں۔ اگر صرف آدم ہی کی نسل ہوتی تو قائن جو کہ آدم کا پلوٹھا تھا جب اپنے بھائی ہابل کو قتل کر کے نود کی طرف جا بسا تو اول تو اُسے بیوی کہاں سے ملگئی۔ دوئم یہ کہ اُس نے اپنے بیٹے حنوک کی پیدائش پر شہر کس طرح بسا لیا۔ شہر تو آدمیوں سے بسا کرتا ہے۔ جب وہ اور اس کی بیوی اکیلے ہی تھے تو انہوں نے شہر بنایا کیونکر اور بسایا کس سے؟

پس یہ ایک زبردست دلیل اس بات پر ہے، کہ اُس وقت جبکہ نود کے خطہ میں آدم کی نسل میں سے سب سے پہلے قاین گیا تھا، وہاں کثرت سے لوگ موجود تھے، جنہیں متمدن کرنے کے قاین نے اپنے باپ آدم کی تعلیم کے اثر کے ماتحت ان کے لئے ایک شہر بنایا۔

۴۔ پیدائش باب ۴ میں قاین اور ہابیل جو کہ آدم کے پہلے دو لڑکے تھے کی پیدائش کے بعد یہ ذکر ہے، کہ قاین نے ہابل کو قتل کر ڈالا اور اس کی سزا میں جب خدا تعالےٰ نے اُسے حکم دیا کہ "زمین پر تو خانہ خراب اور آوارہ ہوگا۔" (۱۲) تو اُس نے کہا "میں تیرے حضور سے روپوش ہو جاؤنگا اور زمین

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷ | سے بکثرت پیدا ہوئے تھے ان کی جنس کے موافق اور ہر قسم کے پرندوں کو اُن کی جنس کے موافق پیدا کیا۔ اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے ۵ اور خدا نے ان کو یہ کہکر برکت دی کہ پھلو اور بڑھو اور ان سمندروں کے پانی کو بھر دو اور پرندے زمین پر بہت بڑھجائیں ۵ اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو پانچواں دن ہوا ۵ اور خدا نے کہا کہ زمین جانداروں کو ان کی جنس کے موافق چوپائے اور رینگنے والے جاندار اور جنگلی جانور ان کی جنس کے موافق پیدا کرے اور ایسا ہی ہوا۔ اور خدا نے جنگلی جانوروں اور چوپائیوں کو انکی جنس کے موافق اور زمین کے رینگنے والے جانداروں کو ان کی جنس کے موافق بنایا اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے ۵" (پیدائش ۱/۲۰تا۲۵)

پر خانہ خراب اور آوارہ رہوں گا۔ اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی مجھے پائیگا قتل کر ڈالیگا۔ تب خداوند نے اُسے کہا نہیں بلکہ جو قائن کو قتل کرے اُس سے سات گنا بدلہ لیا جائیگا۔ اور خداوند نے قائن کے لئے ایک نشان ٹھہرایا کہ کوئی اُسے پاکر مار نہ ڈالے۔" (۱۵،۱۴)

بائیبل کے بیان کے مطابق قتل ہابل کے وقت آدم کے صرف یہی دو لڑکے تھے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ گویا قتل ہابل کے بعد آدم کی نسل میں سے دُنیا میں صرف قائن موجود تھا۔ پھر قائن کا یہ کہنا کہ "جو کوئی مجھے پائیگا قتل کر ڈالے گا" اور خدا تعالےٰ کا اس کے اعتراض کو قبول کرکے یہ کہنا کہ "اس سے سات گُنا بدلہ لیا جائیگا" کیا معنے رکھتا ہے؟ یقیناً اس سوال وجواب سے یہ قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت کثرت سے اور بھی انسان موجود تھے۔ جن کا کہ خوف قائن پر غالب آیا۔ اور جس خوف کو دُور کرنے کے لئے خدا تعالےٰ نے یہ شریعت مقرر فرمائی کہ جو کوئی قائن کو قتل کریگا اُس سے سات گنا بدلہ لیا جائیگا۔ اور چونکہ آدم سے اس وقت صرف ایک قائن موجود تھا۔ پس ماننا پڑا کہ یہ تمام دوسرے لوگ کہ جن کا خوف قائن پر غالب آیا اور جن کے لئے خدا تعالےٰ نے سزا مقرر کی کسی اور نسل سے تھے۔ پس جب آدم کے علاوہ خود اس کے زمانہ میں اور نسلیں بھی موجود تھیں تو یہ خیال خود بخود باطل ہوگیا کہ آدم ہی تمام نسل انسانی کا باپ ہے۔

۵۔ پیدائش ۶ آیت ۱ تا ۵ میں لکھا ہے:۔

"جب روئے زمین پر آدمی بہت بڑھنے لگے اور ان کے بیٹیاں پیدا ہوئیں تو خدا کے بیٹوں نے آدمی کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت ہیں اور جنکو انہوں نے چُنا اُن سے بیاہ کر لیا ۔۔۔۔ ان دِنوں میں زمین پر جبّار تھے۔ اور بعد میں جب خدا کے بیٹے انسان کی بیٹیوں کے پاس گئے تو اُن کے لئے اُن سے اولاد ہوئی۔ یہی قدیم زمانہ کے سورما ہیں جو بڑے نامور ہوئے ہیں۔"

اِن آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسلِ انسانی آدم کے علاوہ اور بھی بعض اشخاص کے وجود سے چلی۔ جن کو بائیبل خدا کے بیٹوں کے نام سے تعبیر کرتی ہے۔[۱]

[۱] میرا اپنا خیال اِس حوالہ کے متعلق یہ ہے، کہ یہاں خدا کے بیٹوں سے ابو قائن "آدم" کی نسل مراد ہے۔ کیونکہ اس کی پیدائش خالص خدا کے ہاتھوں سے مانی گئی ہے۔ اور اسی لئے اُسے خدا کا فرزند بھی کہا گیا ہے۔ (لوقا ۳/۳۸) اور آدمیوں سے مراد دوسرے لوگ اور دوسری نسلیں ہیں جو کہ قدیمی آدمیوں کی نسل سے موجود تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب ؛

۴۔ جیسا کہ (The Commentary Wholly Biblical Vol 1. P. 6. Published, London: Samuel Bagster & Sons. XX Paternoster Row)
میں لکھا ہے :۔ "بائبل کی تمام تر دُنیا کیا پرانے اور کیا نئے عہد نامہ کے اعتبار سے ۴۵ درجے عرض بلد شمالی اور خطِ استوا کے درمیان واقع ہے "

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں مصر، عرب، عراق، شام، یونان اور روم وغیرہ ممالک کے علاوہ کسی دوسرے مُلک کا ضمناً بھی ذکر نہیں آتا۔ بلکہ اس کے طرزِ بیان سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اُن قوموں اور اُن ملکوں کے علاوہ کہ جن کا ذکر اس میں آگیا ہے اُسے دوسری کسی قوم یا مُلک کا پتہ ہی نہیں۔ اور جس طرح قرونِ اُولیٰ کے ہندو ہندوستان ہی کو تمام دُنیا سمجھتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی ممالکِ اسرائیلہ اور اس کے ملحقات ہی کو تمام "روئے زمین" تصور کرتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل حوالہ جات اِس امر کی تصدیق کرتے ہیں:۔

(۱) "اور ٹڈیاں سارے مُلکِ مصر پر چھا گئیں ۔۔۔ انہوں نے تمام رُوئے زمین کو ڈھانک لیا۔ ایسا کہ مُلک میں اندھیرا ہو گیا" (خروج ۱۰؍۱۴، ۱۵)

(۲) "جب شاہِ بابل نبوکدنضر اور اس کی تمام فوج اور روئے زمین کی تمام سلطنتیں جو اس کی فرمانروائی میں تھیں اور سب اقوام یروشلم اور اس کی سب بستیوں کے خلاف جنگ کر رہی تھیں۔ تب خداوند کا یہ کلام یرمیاہ نبی پر نازل ہوا" (یرمیاہ ۳۴؍۱)

پس اگر آدم ہی کی نسل آدم سے یا نوح سے نسلِ انسانی تمام اکنافِ عالم میں پھیلی ہوتی تو بائیبل میں جو کہ ایک لمبے عرصہ پر ممتد ہے[۵] اور اس کے بعض ٹکڑے یقیناً انہی دنوں یا ان کے قریب قلمبند ہو رہے تھے جبکہ وہ لوگ بکھر کر دُنیا میں پھیلنے شروع ہوئے اِس بات کا ضرور ذکر آنا چاہیئے تھا۔ لیکن بائیبل کی اس بارے میں متواتر خاموشی نہایت پُرمعنی ہے۔ اور higher Criticism کے اصول کے ماتحت اِس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ درحقیقت ایسا کوئی واقعہ ظہور پذیر ہوا ہی نہیں۔

---

[۵] پادری برکت اللہ صاحب "صحتِ کتبِ مقدسہ" میں لکھتے ہیں۔ کہ عہد نامہ قدیم کی کتب میں سے پیدائش تا سلاطین، ایوب، یسعیاہ تا حزقی ایل، ہوسیع تا عبدیاہ اور میکاہ تا زکریاہ ۱۳۰۰ ق۔م سے ۴۵۰ ق۔م کے زمانہ میں لکھی گئیں (صد ۲۹) اور باقی کتب ۴۵۰ ق۔م سے ۳۰۰ تک لکھی گئیں۔ (صد ۳۰) بالیقین سب سے قدیمی کتاب طوفانِ نوح کے ۹۰۰ برس سے زیادہ مُدت بعد کی نہیں۔ اور ان لوگوں کا پھیلنا بھی کسی اسی زمانہ میں شروع ہوا۔ کیونکہ شروع شروع میں تو ان کے پھیلنے کے لئے زرخیز ممالک تھے

ابنائے نوح کا ہجرت کر کے کسی دُور دراز ملک کیطرف چلے جانا ایسا واقعہ نہ تھا کہ اُسے بغیر کسی ذکر کے چھوڑ دیا جاتا بخصوصاً جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مصنفین بائیبل نے بعض چھوٹے چھوٹے اور غیر ضروری واقعات بھی قلمبند کرنے سے پرہیز نہیں کیا۔ بنا بریں ہمیں یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ آدم کی نسل کا عراق عرب وغیرہ ممالک مذکورہ بائیبل سے باہر جانا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ پس یہ بات بھی بلا ثبوت رہ گئی کہ آدم تمام نسلِ انسانی کا جد ہے۔

اب جبکہ ہم خدا تعالےٰ کے فضل محض سے عقلی اور نقلی دلائل سے بخوبی اِس امر کو ثابت کر چکے ہیں کہ اہلِ کفارہ کا یہ دعوےٰ کہ ہم سب "آدم" کی اولاد ہیں قطعاً غلط ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی عیسائی صاحب ہمارے سامنے بائیبل وغیرہ کے بعض حوالے پیش کر کے یہ استنباط فرما دیں کہ دراصل ہم "آدم" ہی کی اولاد ہیں۔ سو جہاں تک بائیبل کا تعلق ہے ہم ایسے سب اصحاب کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہم جو کہ موجودہ بائیبل پر ایمان نہیں رکھتے، ہمارے سامنے اس کے بعض ٹکڑے پیش کرنا اور اس سے دلیل پکڑنا بے معنی ہے۔ بیشک اگر ہم اہلِ بائیبل کے عقاید کے خلاف بائیبل سے کچھ پیش کریں تو چونکہ وہ اسکے معتقد ہیں اس لئے یہ ان پر حجت ہوگی مسلماتِ خصم ہر صورت میں خصم کے لئے قابلِ قبول ہیں۔ اگر در خانہ کس است حرفے بس است۔ پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ جبکہ ہم نے خود بائیبل سے ایسے حوالے تلاش کر کے ان کی خدمت میں پیش کر دیئے جن کی رُو سے وہ مُکر جو کہ وہ بائیبل کی معقولات کے ساتھ تجویز کرتے تھے ٹل گئی تو انہیں ہمارا مشکور ہونا چاہئیے اور بائیبل کی اس تشریح کو بلا تامل قبول کر لینا چاہئیے۔ جو کہ عقل کے مطابق ہے۔ اور ایسے حوالہ جات جو کہ عقل اور بائیبل کے بعض کے مخالف ہیں عرض

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰ قرب وجوار ہی میں کثرت سے موجود تھے۔ پس دُور دراز ممالک کیطرف انہوں نے اسی وقت رجوع کیا ہوگا جبکہ ان کی آبادی بہت بڑھ گئی ہوگی اور یہ اگر ایک ہزار سال کے قلیل عرصہ میں ہونا بھی قبول کر لیا جائے، پھر بھی ماننا پڑتا ہے کہ پہلی پانچ کتب (کتب موسیٰ) کی تصنیف کے وقت ابنائے نوح اگر دُور دراز ممالک کی طرف ہجرت کر بھی گئے تھے تو یہ واقعہ ابھی بالکل تازہ تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اِس بات کا ذکر تو آجاتا ہے کہ نوح کی کشتی پر دو دو جوڑے تھے یا سات سات لیکن نہیں آتا تو اس بات کا کوئی ذکر نہیں آتا۔ کہ فلاں فلاں لوگ ہجرت کر کے ایک نئی دُنیا کی طرف چلے گئے۔ کیا اِس پیہم سکوت سے یہ ثبوت نہیں ملتا کہ دراصل نوح کے بیٹوں سے ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہی نہیں جب بائیبل ابنائے آدم کے تمام دُنیا میں پھیلنے کے کسی واقعہ کا ذکر ہی نہیں کرتی۔ تو کیونکر یہ قبول کر لیا جائے کہ اسکو یہ دعوےٰ بھی ہے کہ تمام دُنیا کی نسلیں آدم ہی کی ذرّیت ہیں ÷

کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کوئی عقلمند اور صحیح الدماغ شخص اس کتاب پر ایمان نہیں رکھ سکتا جو کہ کبھی کچھ کہہ جاتی ہے اور کبھی کچھ۔ پس یہ کہنا کہ بائیبل میں دو مختلف قسم کے بیان ہیں، در اصل نادان دوستی ہے جس سے کہ اسکی بیکلی کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب کسی کتاب میں دو مختلف اور متضاد بیانات پائے جائیں تو اسکا حل سوائے اسکے کوئی نہیں کہ یا تو ایک بیان کو دوسرے کے تابع کر کے اسکی تشریح کر دیجائے یا پھر ایک کو الحاقی قرار دیکر رد کر دیا جائے اور دوسرے کو قبول کر لیا جائے۔ اور سمجھ لیا جائے کہ وہ بیان جو عقل کے خلاف ہے غلط ہے اور دوسرا صحیح۔ اور یا پھر یہ خیال کر کے کہ جو شخص کہ کبھی کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ اسکی کوئی بات بھی قابلِ اعتبار نہیں، دونو کو ساقط الاعتبار قرار دیدیا جائے۔ پس اس اعتبار سے ہمیں تمام وہ بیانات جو کہ یہ بتلاتے ہیں کہ ہم سب "آدم" کی نسل سے ہیں جو کہ آج سے چھ ہزار سال پہلے ہوا ٹھکرانے پڑتے ہیں، کیونکہ وہ صریحاً عقل کے خلاف ہیں۔

سو عیسائی صاحبان کو آزادی ہے کہ خواہ تو وہ یہ خیال فرما کر کہ بائیبل کے بیانات مختلف اور نقیض ہیں اسے کلیتہً ترک کر دیں اور خواہ اسکے اس بیان کو قبول کر لیں کہ جو عقل کے مطابق ہے۔ اور دوسرے بیا[نات] کو یا تو رد کر دیں اور یا اسکے تابع کر کے اسکی تاویل کر لیں۔

اس تمہید کے بعد ہم ذیل میں بعض ایسے دلائل پر جو کہ "آدم" ابو قائن کے نسلِ انسانی کے باپ ہونے کے بارہ میں اہلِ کفارہ اپنی تائید میں پیش کر سکتے ہیں "قولہٗ، اقول" کی صورت میں بحث کرتے ہیں۔

۱۔ قولہٗ :۔ پیدائش ۲/۱ میں جو ذکر ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آدم اکیلا پیدا ہوا پھر اس کی پسلی سے حوا نکالی گئی۔ وغیرہ۔

اقول :۔ جاننا چاہیئے کہ بائیبل کے اختلافات کے ہم ذمہ وار نہیں۔ بائیبل میں اس قدر تناقض ہیں اور بعض مقامات پر وہ اس قدر قریب قریب واقع ہوئے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ اور اُسے علیم خدا کا کلام قرار دے سکتا ہے، اور نہ معقول انسان کا۔ بیشک انسان کے کلام میں نسیان کی وجہ سے تناقض پیدا ہو سکتا ہے مگر ایسے کلام میں جو کہ ایک ہی سلسلہ میں کیا گیا ہو مطلق مبہم تناقضات اور ناقابلِ تطبیق بیانات کا پایا جانا نسیان نہیں بلکہ ہذیان ہے۔ چنانچہ اسکی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال بطور مشتے از خروارے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

پیدائش ۶/۱۹ میں طوفان نوح کے بارے میں خدا تعالیٰ نوح سے فرماتا ہے :۔

"جانوروں کی ہر قسم میں سے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے لینا جو نر و مادہ ہوں"

لیکن اس سے چار آیتوں کے بعد لکھا ہے :۔ "کل پاک جانوروں میں سے سات سات نر و مادہ"

مادہ اور اُن میں سے جو پاک نہیں ہیں دو دو نر اور اُن کی مادہ اپنے ساتھ لے لینا۔ اور ہوا کے پرندوں میں سے بھی سات سات نر اور مادہ اپنے ساتھ لینا" (۷/۲-۳)

لیکن اگلی چار آیتوں کے بعد مذکورہ بالا دونوں باتوں کے برعکس لکھا ہے:-

"اور پاک جانوروں میں سے اور ان جانوروں میں سے جو پاک نہیں اور پرندوں میں سے اور زمین پر کے ہر رینگنے والے جاندار میں سے دو دو نر اور مادہ کشتی میں نوح کے پاس گئے جیسا خدا نے نوح کو حکم دیا تھا" (۷/۸-۹)

پھر ہم کہتے ہیں کہ اور تو اور خود آدم کے ذکر ہی میں "پیدائش" میں اس قدر زبردست اختلاف ہے کہ جو بیان پہلے باب میں ہے دوسرے میں اسکے بالکل الٹ[1] ہے۔ چنانچہ پہلے باب میں لکھا ہے کہ پہلے پرندے اور جانور وغیرہ پیدا کئے اور اسکے بعد آدم پیدا کیا۔ مگر باب دوم میں لکھا ہے کہ پہلے آدم پیدا کیا اور بعد میں جانور اور پرندے پیدا کئے۔ اسی طرح باب اوّل سے ثابت ہوتا ہے کہ ابتداءً انسان ایک دو سے زیادہ پیدا کئے گئے۔ اور زن و مرد پیدا کئے گئے۔ مگر باب دوم سے پایا جاتا ہے کہ پہلے "آدم" اکیلا پیدا کیا گیا اور پھر اسکی بیوی اسکی پسلی سے نکالی گئی۔

پس جب بائیبل کا یہ حال ہے تو اسکے اختلافات کو ہمارے سامنے جو کہ اسکو نہیں مانتے پیش کرنا بے معنی ہے۔ البتہ ہم پیدائش آدم کے دو مختلف بیانات میں تطبیق کی یہ صورت پاتے ہیں کہ دوسرے باب کے بیان کو ایک دوسرے آدم کا بیان سمجھا جائے۔ یعنی اُس آدم کا کہ جسکی نسل سے نوح اور ابراہیم پیدا ہوئے۔ اور وہ سلسلہ چلا جس کا کہ بائیبل میں ذکر ہے۔

۲۔ **قولہٗ**:- پیدائش ۹/۱۹ کے الفاظ:- "یہی تینوں نوح کے بیٹے تھے اور انہی کی نسل تمام روئے زمین پر پھیلی"۔ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب بنی نوع انسان آدم ہی کی نسل ہیں۔

اقول:- "پیدائش" عام طور پر حضرت موسےٰ کی پنج کتب میں سے پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ پس اگر "پیدائش" کے اس بیان کے کہ "انہی کی نسل تمام روئے زمین پر پھیلی" یہ معنے لئے جاویں، کہ

[1] یہی وجہ ہے کہ محققین نے ان دونو ابواب کے مصنف دو مختلف اشخاص مانے ہیں۔ اور اس بارے میں بشپ صاحب آف لاہور بھی ہمارے ہمنوا ہیں (ملاحظہ ہو انکی چٹھی جو ہمنے اسی مضمون میں کسی دوسری جگہ درج کی ہے)۔ نیز ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف Religion & Ethics زیر عنوان آدم ص۸۵ و دیباچہ تفسیر بائیبل مصنفہ جے۔ آر۔ ڈمیلو (ترجمہ اردو ص۸۲) جہاں کہ ہر دو بیانات کے اختلاف کو بھی تسلیم کیا گیا ہے ÷

تمام کرۂ ارض کی قومیں نوح ہو، کی نسل سے چلیں تو لازماً یہ ماننا پڑیگا کہ اس آیت کی تصنیف کے وقت نسلِ انسانی تمام روئے زمین پر پھیل چکی تھی۔ اور حضرت موسیٰ آج سے ۱۹۴۳ + ۱۳۰۰ = ۳۲۴۳ برس پہلے ہوئے تھے گویا کم از کم آج سے ۳۲۴۳ برس پہلے نسلِ انسانی صرف نوح کے تین بیٹوں سے تمام روئے زمین پر پھیل چکی تھی۔

اب طوفانِ نوح جسکے بعد کہ نوح کے بیٹوں کی نسل چلی، آج سے ۴۳۵۲ برس پہلے آیا اور نسلِ آدم " (مطابق اس تشریح کے) آج سے ۳۲۴۳ برس پہلے تمام روئے زمین پر پھیل چکی تھی۔ پس ماننا پڑتا کہ یہ ساری افزائش و وسعت زیادہ سے زیادہ محض ۴۳۵۲ - ۳۲۴۳ = ۱۱۰۹ برس کے عرصہ میں ہوئی۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کیسے ہوگیا کہ صرف نوح کے تین بیٹوں کی نسل ان کی ایک ایک بیوی سے محض ۱۱۰۹ برس کے عرصہ میں اسقدر بے حد و حساب بڑھی کہ باوجود وسائل کی قلت، سفر کی دقت اور فاصلہ کی کثرت کے تمام روئے زمین پر پھیل گئی۔ یقیناً انکی بڑھوتی کے طور طریقے اور اعداد و شمار انسانی وہم و گمان کے احاطہ سے باہر ہونگے۔ کیونکہ معمولی غیر معمولی افزائش کو سمانے کیلئے تو ان کے قریب ہی ایسے زرخیز ممالک تھے کہ جن میں وہ آسانی سے پھیل سکتے تھے۔ پھر ایسے لمبے اور کٹھن سفر جن میں ناپیدا کنار سمندر، بے پایاں صحرا اور ناگذر جنگلات قطع کر کے وہ لوگ دور دراز قطعاتِ ارض میں جا بسے بلا وجہ نہیں ہوسکتے۔ اور اس کی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ اس قدر بڑھ گئے کہ کنعان اور شام اور نواح کے ممالک اُن کیلئے کافی نہ رہے[1]۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ کیونکر ہوا، سو اس کا جواب ہمارے احاطۂ دلیل سے باہر ہے سوائے اس کے کہ یہاں "روئے زمین" سے صرف ممالکِ اسرائیل مراد لئے جاویں۔ اور یہی بات عقل کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ اور خود بائیبل نے بھی "روئے زمین" کا لفظ زمین کے بعض حصوں کیلئے استعمال کیا ہے[2]۔

---

[1] انسانیات (Anthropology) کے علماء کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی قوم اشد مجبوری کے علاوہ اپنے وطن کو چھوڑ کر ہجرت نہیں کرتی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو (Griffith Taylor) کی کتاب ——
Environment Race & Migration (ص ۴۱۵)

[2] ملاحظہ ہو ا۔ "اور ٹڈیاں سارے ممالکِ مصر پر چھا گئیں...... انہوں نے تمام روئے زمین کو ڈھانک لیا ایسا کہ ملک میں اندھیرا ہوگیا" (خروج ۱۰/۱۴، ۱۵)

۲۔ "جب شاہِ بابل بنوکدنضر اور اس کی تمام فوج اور روئے زمین کی تمام سلطنتیں جو اس کی فرمانروائی میں تھیں۔ اور سب اقوام یروشلم اور اس کی سب بستیوں کے خلاف جنگ کر رہی تھیں۔ تب خداوند کا یہ کلام یرمیاہ نبی پر نازل ہوا" (یرمیاہ ۱/۳۴)

۳۔ قولہٗ:۔ بیشک دُنیا میں آدم سے پہلے بھی اور لوگ تھے اور اور نسلیں تھیں لیکن نوح کے طوفان میں سب غرق ہوگئے اور اسکے بعد صرف گنہگار آدم کی نسل نوح کے فرزندوں کے ذریعہ سے چلی۔

اقول:۔ (۱) یاد رکھنا چاہئے کہ بائبل کے بیان کے مطابق طوفانِ نوح لوگوں کی بدکرداریوں اور بے عنوانیوں کیوجہ سے آیا تھا۔ پس اس طوفان میں ان نسلوں کا مٹ جانا جوکہ ابنائے "آدم" کیطرح گناہ کو اپنی سرشت میں لیکر نہیں آئے تھے کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ انکو زندہ رکھنا تو ضروری تھا تاکہ خواہ مخواہ خدا تعالیٰ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی چڑھانی نہ پڑتی۔ (۲) ماسوائے اسکے عقل اور تاریخ اور سائنس اس خیال کو سراسر دھکے دیتے ہیں کہ طوفانِ نوح تمام دُنیا میں آیا اور اس سے تمام نسلیں مٹا ڈالی گئیں۔

مشہور مؤرخ H. G. Wells کا خیال اسطرف مائل ہے کہ جبرالٹر پہلے پہل افریقہ کیساتھ ملحق تھا اور اسکے اوپر کیطرف بحر اوقیانوس کا سمندر رہتا۔ لیکن وہ جگہ جوکہ آجکل بحیرہ روم کہلاتی ہے خالی پڑی تھی۔ آہستہ آہستہ پانی نے اس باریک ٹکڑے کو جو جبرالٹر کو افریقہ سے ملحق کرتا تھا کاٹ ڈالا جسکے نتیجہ میں بحر اوقیانوس کا پانی نیچے کیطرف اُمنڈ آیا۔ اور چونکہ آرمینیا وغیرہ کا علاقہ نشیب کا علاقہ ہے اسلئے یہ سارا علاقہ پانی سے بھر گیا اور آب زدہ ہوگیا۔ (دیکھو A Short History of the World ch. 14, 17 ۔ پنگین ایڈیشن صفحہ ۵۳، ۶۵)

(۳) تمام دُنیا میں سیلاب کا آنا اور اس کا صرف ایک سال کے عرصہ میں خشک ہوجانا ایک ایسا مضحکہ خیز بیان ہے کہ کوئی عقلِ سلیم اس کو قبول نہیں کر سکتی۔ معمولی بارشوں سے اکٹھا ہوا ہوا پانی دو تین ماہ میں گھٹتا ہے۔ پھر تمام دُنیا کا سیلاب کس طرح ایک سال میں خشک ہوگیا۔

(۴) خود بائبل کے یہ الفاظ کہ "ہر جاندار شے جو روئے زمین پر تھی" (پیدائش ۷/۲۲) اور کہ "تمام روئے زمین پر پانی تھا" (پیدائش ۸/۹) قطعی طور پر یہ دعوے پیش نہیں کرتے کہ واقعی ساری زمین پر طوفان آگیا تھا۔ کیونکہ "روئے زمین" کا لفظ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، بائبل میں زمین کے بعض ٹکڑوں کے لئے بھی استعمال کیا گیا ہے۔

پس جب خود بائبل سے ہی یہ ثابت نہیں کہ طوفان عالمگیر تھا۔ تو یہ دلیل جوکہ اس دعوے پر مبنی ہے خود بخود باطل ہوگئی۔

(۵) طوفانِ نوح کے لوکل (Local) مقامی ہونے کے بارہ میں عیسائیوں کے سب سے بڑے پادری یعنی جناب بشپ صاحب آف لاہور بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ چنانچہ جب ہم نے اس بارہ میں آپ سے استفسار کیا تو آپ نے ہمارے خط پر ہی مندرجہ ذیل جواب لکھکر ارسال فرما دیا۔ یہ جواب اُن کا قلمی ہے اور ہمارے پاس محفوظ ہے۔

Dear Sir

I think it is obvious from research (Geographical and Scientific) that the flood described in genesis was probably local. I am not myself a fundamentalist in biblical interpretation.

4/6/43.

Yours Sincerely.
sd: George, Lahore

۴۔ قولہٗ: بعض تاریخی شواہد اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں، کہ ابنائے نوح مختلف ممالک میں ہجرت کر گئے۔ جیساکہ طوفانِ نوح کے مشابہ روایات کا مختلف اقوام کی تاریخ میں پایاجانا۔ پس معلوم ہوا، کہ تمام دُنیا نوح ہی کی نسل سے ہے؟

اقول: (۱) اگر ہم مان بھی لیں کہ ان روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ نوح کی نسل مختلف ممالک میں پھیل گئی تو بھی یہ ماننا پڑیگاکہ وہ "نوح" ہرگز وہی "نوح" نہ تھا کہ جو آج سے چار ہزار برس قبل ہوا ہے اور جس کی نسل کہ ۹۰۰ برس کی قلیل مُدت میں تمام اکناف واطرافِ عالم میں پھیلی تسلیم کیجاتی ہے۔ بلکہ وہ اس سے بہت پہلے کا کوئی اور شخص ہے۔

(۲) نوح کی نسل کے دُنیا کے مختلف خطوں میں پھیل جانے سے یہ کس طرح ثابت ہوگیاکہ سب دُنیا نوح ہی کی اولاد ہے۔ کیا آریہ لوگوں کے ہندوستان میں ہجرت کر آنے سے اور ہندوستان کے اصلی لوگوں کا انکی روایات کو قبول کر لینے سے یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ سب ہندوستانی آریہ ہیں؟

۵۔ قولہٗ: رومیوں میں لکھا ہے:۔

"جس طرح ایک آدمی کے سبب سے گناہ دُنیا میں آیا۔ اور گناہ کے سبب سے موت آئی اور یوں موت سب آدمیوں میں پھیلگئی اسلئے کہ سبنے گناہ کیا" (۵/۱۲)

اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب "آدم" کی اولاد ہیں؟

اقول: ہم پولوس کے خیال کے قطعاً ذمہ وار نہیں۔ وہ تو گناہ کا بانی مبانی ہے پس اگر وہ یہ نہ کہے تو اور کون کہیگا، کہ ہم سب آدم کی نسل ہیں اور آدم نے گناہ کیا اور اسلیئے ہم سب گنہگار ہوگئے۔ سوال تو یہ ہے کہ پولس نے یہ نکتہ کہاں سے حاصل کرلیا کہ ہم سب آدم کی اولاد ہیں جبکہ خود عہدنامہ قدیم سے یہ بات غلط ثابت ہوتی ہے۔

اگر اسی کا نام دلیل ہے، کہ ایک واقعہ کے چار ہزار برس بعد کچھ لکھ دیا جائے تو پھر ہر رطب یابس قبول کئے جانیکے لائق ہے۔ پس پولوس کا قول بذات خود کوئی دلیل پیدا نہیں کرتا بلکہ خود دلیل کا محتاج ہے۔

۲۔ **قولہٗ :۔** قرآن کی آیت خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ (نساء ع) سے ثابت ہے کہ ہم سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں ؟

اقول :۔ اس کے جواب میں اول تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جس دعویٰ کو خود بائیبل قبول نہیں کرتی اس کا انحصار قرآن پر رکھنا ایک عیسائی کے لئے کسی طرح جائز نہیں ہے۔ قرآن اگر یہ کہے بھی کہ ہم سب ایک آدم کی اولاد ہیں، تو بھی یہ قول عیسائیوں کے کسی کام نہیں آسکتا۔ جب تک کہ بائیبل اس بات کی تردید سے باز نہ آجائے کہ ہم سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔ کیونکہ عیسائیوں کے لئے تو قابل قبول بائیبل ہے نہ کہ قرآن۔ قرآن کو تو وہ الزامی طور پر اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کر سکتے ہیں۔ مگر جب خود دعویٰ ہی انکی کتاب کے ضمن سے خارج ہو گیا ہو تو اس کی تائید کے معنی ہی کیا ہوئے۔ اور یہ کہنا کہ قرآن کے مطابق ہم سب اُسی "آدم" کی اولاد ہیں جس نے کہ شجرہ ممنوعہ کا پھل کھایا ایک ناپاک جھوٹ ہے۔ قرآن مجید تو صاف فرماتا ہے :۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (اعراف ع)

"اور تحقیق (پہلے) ہم نے پیدا کیا تمکو (ہر جگہ صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے نہ کہ تثنیہ کا) پھر اسکے بعد ہم نے تمہیں گروہوں میں ترتیب دیا (یعنی ایک ابتدائی نظام کی صورت پیدا کی) پھر اسکے بعد (ثُمَّ) ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کی تابعداری کرو۔ پس سوائے ابلیس کے سب نے اس کی تابعداری کی ۔"

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا (بقرہ ع)

"کہا ہم نے کہ نکل جاؤ اس جگہ سے تم جماعت کی جماعت ۔"

پس قرآن تو واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ پہلے انسانی تخلیق ہوئی، پھر ان میں ابتدائی قسم کی تنظیم کی صورت پیدا کی گئی یعنی ان کو قبائل اور گروہوں میں منضبط کیا اور اسکے بعد آدم کو بطور تہذیب جدید کے بانی کے کھڑا کیا گیا۔ اور چونکہ اسکو خلافت یعنی نبوت کے مقام پر کھڑا کیا گیا تھا (اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ بقرہ ع) اسلیئے سب نیک طاقتوں کو اُس کی خدمت کے لئے مامور کر دیا گیا۔ اور سب ان لوگوں نے جو کہ فرشتوں کی ہدایتوں کو قبول کرتے تھے آدم کی اطاعت کی (فَسَجَدُوْا) مگر نیکی کی تو ابلیس نے یا ان لوگوں نے جو اسکے دھوکہ میں آگئے۔ اور لَاُغْوِيَنَّهُمْ کے جال میں پھنس گئے۔ اور ابلیس نے اپنے یاروں کی مدد سے آدم کو ایسا تنگ کیا کہ خدا تعالےٰ نے آخر ان کو ہجرت کا حکم دیا اور کہا اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا تم سب کے

سب اس جگہ کو چھوڑ کر چلے جاؤ۔

رہی خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ والی آیت، سو اس سے اگر یہی مراد لی جائے کہ ہم سب ایک انسان کی اولاد ہیں، تب بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انسان وہی آدم تھا، کہ جس نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھایا بلکہ اس آدم کے متعلق تو ہم ابھی ابھی دیکھ چکے ہیں، کہ مطابق قرآن وہ انسانی تخلیق کے بعد کم از کم ایک دور چھوڑ کر تیسرے دور میں پیدا ہوا ہے۔

دراصل آیت خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کے معنے دو طرح سے ہیں۔ اور وہ دونو معنی اس کے علیم کل کی طرف سے ہونیکا زبردست ثبوت ہیں۔

اگر تو اس کے معنے انفرادی تخلیق کے اعتبار سے کئے جائیں تو یہ ہونگے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کو نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ اور یہ معنی بالکل سائنس کے مطابق ہیں۔ بلکہ قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے وہ مسئلہ بیان کر دیا جسے کہ سائنس نے اب آکر بیان کیا ہے۔ کہ انسانی منی میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے کیڑے ہوتے ہیں جن کو سپرمیٹوزوا کہتے ہیں۔ اور ان میں سے صرف ایک رحم مادر میں جا کر بچہ بنتا ہے یعنی خلقتِ انسانی نفس واحدہ ہی سے ہوتی ہے۔

اور اگر اس آیت کے معنے نسل انسانی کے اعتبار سے کئے جائیں تو نفس نکرہ لیا جائیگا۔ اور من جنسیہ اور معنے یہ ہوں گے کہ ہم نے تم سب کو ایک ہی جنس یعنی ایک ہی سٹاک (stock) سے پیدا کیا ہے۔ اور یوں نہیں ہوا کہ تم پہلے Monocell تھے اور پھر ترقی کرتے کرتے بندر بنے اور پھر بندر سے انسان بنے۔ بلکہ تمہارا نفس شروع ہی سے وہی تھا جو اب ہے۔ یعنی نفس انسانی ان معنوں کی رُو سے بھی قرآن کی صداقت یدِ بیضا کی طرح چمکتی ہے۔ سائینسدان ایک عرصہ تک ڈارون کی تھیوری کے اثر کے ماتحت رہنے کے بعد اب عین اسی نظریہ کی طرف واپس آرہے ہیں، جو کہ قرآن نے سینکڑوں برس پہلے بیان کر دیا تھا۔ کہ دراصل انسان ایک stock سے پیدا ہوا ہے۔ اور آخر کار سائنس کو قرآن کے آگے جھکنا پڑا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ آیت Monogenesis theory کے مقابلہ میں Polygenesis theory کو رد کرتی ہے۔ اور اگرچہ اکثر سائینسدان ایک عرصہ تک Polygenesis تھیوری کے قائل رہے۔ لیکن اب ان میں سے شاید ہی کوئی ہو جو اس کا قائل رہا ہو۔

ع- قدر کیا پتھر کی لعل بے بہا کے سامنے

۷۔ **قولہٗ**:۔ آیہ اِنَّ مَثَلَ عِيسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم سے پہلے انسان نہیں تھے۔ ورنہ ان کو بغیر ماں باپ کے کیوں پیدا کیا؟

اقول :- (۱) اس طرزِ استدلال سے تو ماننا پڑیگا کہ مسیحؑ سے پہلے باپ نہیں تھے۔ ورنہ انہیں بِن باپ کیوں پیدا کیا گیا۔

(۲) بائیبل میں ملک صدق سالم کے متعلق جو کہ ابراہیمؑ کے زمانہ کا ایک بادشاہ تھا۔ (پیدائش ۱۴ باب) آتا ہے :-

"یہ بے ماں بے باپ، بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کی عمر کا شروع اور نہ زندگی کا آخر بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا"[۱] (عبرانیوں ۷/۳)

پس ماننا پڑا کہ بے ماں باپ ہونا نسلِ انسانی کے اب ہونیکی دلیل نہیں۔ کیونکہ اگرچہ ملک سلم کتنا بھی قدیمی ہو، پھر بھی ابراہیم کا نسب اِس سے جُدا تھا۔ (عبرانیوں ۷/۶) اور ابراہیم اس کی اولاد میں سے نہ تھا۔

[۱] ہم نے سُنا ہے کہ بعض لوگ عبرانیوں ۷/۱۰ کی عبارت "اس لئے کہ جس وقت ملک صدق نے ابرہام کا استقبال کیا تھا وہ اس وقت تک اپنے باپ کی صلب میں تھا" سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ اِس جگہ ملک صدق سالم کا باپ کی صُلب میں ہونا بیان ہوتا ہے اس لئے یہ ثابت ہوا کہ اُنکا بے ماں باپ ہونا استعارہ کے معنے میں تھا۔ سو واضح ہو کہ مکمل عبارت دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں "وہ" میں اشارہ ملک صدق سلم کیطرف نہیں بلکہ "لاوی" کیطرف ہے چنانچہ مکمل عبارت اس طرح ہے :-

"پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ لاوی نے بھی جو دہ یکی لیتا ہے ابرہام کے ذریعہ سے دہ یکی دی۔ اس لئے کہ جس وقت ملک صدق نے ابرہام کا استقبال کیا تھا وہ اسوقت اپنے باپ کی صلب میں تھا"

مکمل وضاحت کے لئے ہم انگریزی عبارت بھی درج کر دینا مناسب سمجھتے ہیں جس سے کہ معنے بالکل واضح ہو جاتے ہیں :-

And as I may so say, Levi also, who receiveth tithes, payed tithes in Abraham. For he was yet in the loins of his father, when Melchisedec met him.

اگر اسجگہ "وہ" سے مراد ملک صدق سلم لیا جائے تو کوئی معنے نہیں بنتے۔ کیونکہ استقبال کے وقت صدق سلم صُلبِ پدر میں نہ تھا بلکہ بادشاہ تھا۔ (پیدائش ۱۴ باب۔ عبرانیوں ۷ باب) البتہ اگر اس سے مراد لاوی لیا جاوے تو معنے سیدھے اور صاف بنتے ہیں کہ لاوی نے ابراہیم کے ذریعہ دہ یکی دی اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ ابراہیم نے جب دہ یکی دی تو

(۳) اگر بے ماں باپ سے نسلِ انسانی کا جدّ ہونا فرض کر بھی لیا جائے تو ماننا پڑا کہ نسلِ انسانی کے دو باپ تھے۔ ایک آدم اور دوسرا ملک صدق سالم۔ پس اس بات کے لئے کوئی ثبوت نہیں رہا کہ تمام لوگ بوجہ آدم کی اولاد ہونے کے موروثی گناہ کا شکار ہیں۔

(۴) اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس آیت میں جس آدم کا ذکر ہے وہ وہی آدم تھا جس کا کہ شجرہ ممنوعہ کا پھل کھانا بیان ہوتا ہے۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ آیت وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ آدم پہلا انسان نہ تھا۔ بیشک یہ آدم بہت پہلے کا ہے۔ اور ممکن ہے کہ قدیم ترین ہی ہو۔ لیکن وہ آدم جس نے شجرہ ممنوعہ کو چکھا صرف ابو النوع ہے (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۱) یعنی انسانی جنس کی بعض شاخیں اُس سے نکلی ہیں ؛ اور بس۔

آدموں کی کثرت کے متعلق جہاں قرآن مجید سے واضح ثبوت ملتا ہے وہاں کئی احادیث اور اقوالِ ائمہ سے بھی ایسے ثبوت ملتے ہیں جو کہ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ امامیہ کی روایات میں ایک روایت ہے:-

ان اللہ تعالیٰ خلق قبل ابینا اٰدم ثلثین اٰدم بین کل اٰدم واٰدم الف سنۃ وان الدنیا بقیت خراباً بعدھم خمسین الف سنۃ ثم عمرت خمسین الف سنۃ ثم خلق ابینا اٰدم علیہ السلام (د) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے (۴۴۹) باپ آدم سے پہلے تیس آدم پیدا کئے۔ ہر ایک آدم اور آدم کے درمیان ایک ہزار سال گذرے اور ان کے بعد دُنیا پچاس ہزار سال ویران رہی۔ پھر پچاس ہزار سال تک آباد ہوئی۔ پھر ہمارے جدِ امجد آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور محمد بن علی الباقر سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا قد انقضی قبل اٰدم الذی ھو ابونا الف الف اٰدم واکثر۔ اس آدم کے پہلے جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹ لاوی جو کہ ابراہیم کی اولاد میں سے ہے اُس وقت ابراہیم کی صُلب میں تھا۔ پس اس نے ابراہیم کے ذریعہ سے وہ یکی دی۔

اس معاملہ میں عیسائی صاحبان کو کوئی جائے گریز نہیں کیونکہ اوّل تو ۶ کے الفاظ ایسے واضح ہیں کہ اُنہیں کوئی ابہام اور ایہام پایا نہیں جاتا اور دوسرے ۶ کے الفاظ کو توڑ کر اُن سے معنے نکالنے سے عبارت بے معنی ہو جاتی ہے۔

اور یہ کہنا کہ ۶ میں لکھا ہے کہ ملک صدق سلم کا نسب ابراہیم سے جُدا ہے۔ پس اس کا نسب ضرور ہوا۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں جُدا کے یہ معنے ہیں کہ اسکا وہ نسب نہیں جو ابراہیم کا ہے۔ اور اختلاف اس طرح سے ہے کہ ایک کا نسب ہے اور دوسرے کا نہیں۔ انگریزی عبارت سے معنے بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے:-

"But he whose descent, is not counted from them."

ہمارے باپ ہیں دس لاکھ آدم یا اس سے بھی زیادہ پیدا ہوتے۔ اور شیخ اکبرؒ نے فتوحاتِ مکیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے آدم سے چالیس ہزار سال پہلے ایک اور آدم تھے" (برہان القرآن ملا۲۴۹،۲۵۰)

"حضرت محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبر اپنی کتاب فتوحات مکیہ کے باب ۳۹۰ میں، پیدائش عالم کے متعلق ایک مضمون لکھتے ہیں جس کا خلاصہ ترجمہ اردو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

ایک بار میں نے نیم خوابی کی حالت میں دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ساتھ جنہیں میں نہیں پہچانتا خانہ کعبہ کے گرد طواف کر رہا ہوں۔ ان میں سے ایک نے دو بیت پڑھے۔ ایک تو مجھے بھول گیا ہے اور جو یاد رہا ہے وہ یہ ہے ؎

لقد طفنا کما طفتم سنینا ۔ بھذا البیت طرا اجمعینا

ترجمہ:۔ سالہائے دراز ہم سب ایک اس گھر کا طواف کرتے رہے جیسا کہ تم طواف کرتے ہو۔ ان میں سے ایک نے مجھے ایک ایسے نام سے پکارا جسکو میں نہیں پہچانتا۔ پھر مجھے اُسنے کہا میں تمہارے اجدادِ قدیم میں سے ہوں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو مرے ہوئے کتنی مدت ہوئی۔ کہا چالیس ہزار دو سو اسی برس۔ میں نے کہا ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو اتنی مدت نہیں ہوئی۔ اس نے کہا تم کس آدم کی بابت پوچھتے ہو۔ یہ آدم جو تم سے قریب گذرے ہیں یا دوسرے آدم۔ اس پر مجھے وہ حدیث یاد آئی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے انّ اللہ خلق مائۃ الف آدم۔ ترجمہ:۔ یعنی خدا تعالےٰ نے ایک لاکھ آدم پیدا کئے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ یہ شخص انہی اجداد میں سے ہوگا۔"

(اسرار شریعت ب۳ ص۲۰۱،۲۰۲)

"باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں۔ کہ میں ایک بار خواب میں حضرت ادریسؑ سے ملا۔ اور میں نے کہا کہ ایک شخص کو میں نے طواف کعبہ میں اس طرح پر دیکھا اور اس کے بعد سارا قصہ سُنایا۔ حضرت ادریسؑ نے فرمایا کہ اس شخص نے سچ کہا۔ میں پیغمبر ہوں اور میں یہ نہیں جانتا کہ عالم کی ابتداء کب ہوئی۔" (اسرار شریعت ب۳ ص۲۰۲)

اب جبکہ ہم عقلاً اور نقلاً اس بات کو ثابت کر چکے ہیں کہ واقعی "آدم" تمام نسل انسانی کا مُوجد نہیں۔ ہم عیسائی صاحبان کے فائدہ کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ اُن کے سب سے بڑے پادری یعنی جناب معلی الالقاب جارج ڈنسفورڈ صاحب بشپ آف لاہور بھی اس بات کے مقر ہیں کہ آدم تمام دُنیا کا باپ نہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں جو خط و کتابت اُن کی اس عاجز سے اور برادرم

چوہدری محمد نذیر صاحب رئیس امین آباد سے ہوئی، وہ ہم من و عن درج ذیل کر دیتے ہیں بشپ صاحب کی ہر دو چٹھیاں جو کہ ان کی قلمی ہیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اگر عیسائی مشن نے ان کا انکار کیا تو ہم انشاءاللہ ان کا عکس چھپوا دیں گے۔

Mianwali

Dated: 11. 6. 1943.

To

The Right reverend George Dunsford,
C. I. E., O. B. E., V. D., M. A., D. D.,
Bishop of Lahore.

Right Revd: Sir,

Many thanks for your kind reply to my query about the flood of Noah. This encourages me to put you another question.

I personally think that we are not all the sons of one Adam and Eve and I find that the Holy book also supports my view.

In Genesis 1: 27 and 5: 2 it is stated "Male and female created he them" on making a reference to an Hebrew scholar I have learnt that the equivalent of "them" in the hebrew script is אוֹתָם (Otham). Now according to Hebrew grammar (which is very much like the Arabic one) there should be at least three persons according to the meaning of this word.

Thus the first creation was not confined

to one pair only.

It is requested that you will kindly honour me by giving your opinion on this subject. (There is some other evidence also in the Holy Book to support my contention, but I do not go into its details for fear of wasting your time.)

your most obedient servant
sd: Salah-ud-Din.
E.A.C.

Office of the Bishop of Lahore,
Cathedral Close,
Lahore.
Gilbert House,
Kasauli. Simla Hills.

14. VI. 43.

Dear Sir

Very many thanks for your letter of 11.6.43. I feel sure you are right. I am not myself a fundamentalist in the interpretation of the Holy Bible and I do not therefore regard the Genesis story of Adam and Eve as pure history. No doubt you have already perceived that there are atleast four writers in Genesis! The one who wrote the 1st Chapter — that wonderful poem (and I am sure you know the

implications of their word, of creation in the first chapter - whom scholars know as "J" because he uses God (Jehovah) when he refers to the Almighty: and the one who wrote the second (from verse 4) and third chapters, known as "Je" because he refers to the Almighty as Lord God. (Jehovah Eloi). Whether by an act of creation in human time or by evolution in millions of years, God almighty is the creator, the one and only God. I do not think that the manner or mode of creation need concern us too much. Our main task is to ascertion His will and do it.

The enclosed pamphlet was sent to me the other day. I pass it on to you as you may find it interesting.

Yours Sincerely,
sd: George, Lahore.

To

The right revd: George Dunsford
Bishop of Lahore

Revd: Sir,

Science explains the first creation of man by the theory of evolution. Christianty and Islam however do not admit this theory. But

it seems very likely, seeing to the general behaviour of nature, that the first creation even though it might not have been the result of evolution, was certainly on a general bases and not confined to one part of the globe only or to one pair alone.

I hope you will very kindly throw some light upon the above subject and oblige.

your most obedient servant.
Sd: Malik Mohd Nazir,
Eminabad, Gujranwala Distt:)

From

The Bishop of Lahore.
Bishopsbourne,
Cathedral Close,
Lahore.

on Tour 24.VIII.43.

My dear Chowdhury Sahib

Many thanks for your letter of August 9th. Most educated Christians today believe in biological-evolution. The first chapter of Genesis is a wonderful and beautiful poem. It was never meant to be a Scientific account of creation. It does however teach mankind this supreme lesson - that God is the sole CREATOR of all things, the FIRST PRINCIPLE. If you are in Lahore when I am back from tour do come

and see me. Perhaps I could lend you a useful book which would support you in your belief, which is also my belief

yours Sincerely
sd: George, Lahore.
Bishop of Lahore.

مندرجہ بالا حقائق سے ہر ایک تعصب سے پاک منصف کا دل اس یقین سے بھر جانا ضروری ہے۔ کہ جہاں سائنس، عقل اور تاریخ اِس عقیدہ کو کہ ہم سب آدم کی اولاد ہیں قبول کرنے کے لئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں، وہاں خود بائیبل اِس عقیدہ کی تردید کرتی ہے۔ اور بشپ صاحب آف لاہور ہماری تائید کرتے ہیں۔ اب عیسائیوں کے لئے غور طلب امر یہ ہے کہ اُن کے کفارہ کی تو بنیاد ہی اسبات پر ہے کہ آدم ساری دُنیا کا اب ہے اور اُس نے گناہ کیا اس لئے اُس کا گناہ وراثتاً تمام نسل انسانی میں جاری ہوا۔ اور ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ "آدم" جس کا گنہگار ہونا بیان کیا جاتا ہے ہرگز ہرگز تمام نسل انسانی کا باپ نہیں ہے پس اس کے وسیلہ سے تمام نسل انسانی کا گنہگار ہونا بھی جائز نہ رہا۔ اور جب تمام نسل انسانی وراثتاً گنہگار نہیں تو مسیح کے کفارہ کی کوئی ضرورت نہ رہی اور اس طرح کفارہ کے محل کی بُنیادی اینٹ کے اُکھڑ جانے سے اُس کی تمام عمارت بے بُنیاد ہوگئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

وصیت:۔ وصایا منظوری سے قبل اسلئے شایع کیجاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع کرے۔ (سیکرٹری مقبرہ بہشتی)۔

نمبر ۶۳ ۵ ؎:۔ منکہ محمد یوسف خورشید ولد منشی محمد ابراہیم صاحب قوم کھوکھر راجپوت پیشہ ملازمت عمرہ ۲ سال بیدایشی احمدی ساکن حلقہ مسجد اقصیٰ قادیان ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ؎ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری کوئی جائداد نہیں ہے کیونکہ میرے والد صاحب بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہیں میرا گذارہ میری ماہوار آمد پر ہے جو کہ موجودہ ایام میں -/۵ ۷ روپے ماہوار ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں نیز یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میری وفات پر جو جائیداد ثابت ہو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میں اپنی آمد کی کمی بیشی کی اطلاع دفتر کو دیتا رہوں گا۔ نیز جو جائیداد پیدا کروں اسکی بھی اطلاع دیتا رہوں گا۔ وما توفیقی الّا باللہ العلی العظیم۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

العبد:۔ محمد یوسف خورشید فٹر Indian L.A.D. Type E C/o 10. A. D. P.O. 11.7.50

گواہ شد:۔ خادم محمد ابراہیم والد موصی۔

گواہ شد:۔ بشیر احمد سیالکوٹی محلہ دار الرحمت قادیان ؎

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نایاب کتب کا خزانہ

حیرت انگیز رعایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل نایاب کتب آپکو صرف ہمارے ہاں سے ہی مل سکتی ہیں صرف چند گنتی کی جلدیں موجود ہیں جلد سے جلد طلب فرمادیں ورنہ یہ سنہری موقع پھر ہاتھ نہیں آئیگا جس پتہ پر کتابیں منگوانی مقصود ہوں خواہ بذریعہ ریل یا بذریعہ پوسٹ آفس وہ صاف اور خوشخط لکھا جاوے۔ آرڈر کے ہمراہ دو روپے پیشگی ارسال فرمادیں۔

کراماتُ الصادقین	عه	مباحثۃ الحق لدھیانہ	عه
حمامۃ البشریٰ	مه	مباحثۃ الحق دہلی	عه
نور الحق ہر دو حصہ	عه	تحفہ قیصریہ	۶ر
سرّ الخلافہ	مه	ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب	۸
تحفہ بغداد	۶ر		
مباحثہ جنگ مقدس	عه	شحنۂ حق	۵ر
انجام آتھم	سے	آریہ دھرم	۳ر
نور الاسلام	۸ر	آئینہ کمالات اسلام	عه
سرمہ چشم آریہ	سے	خطبۂ عید الفطر	۳ر

اس کے علاوہ ہر قسم کی تبلیغی کتب آرڈر آنے پر روانہ کی جاسکتی ہیں۔ بطور نمونہ چند تبلیغی کتب جن کی قیمت میں حیرت انگیز رعایت کر دی گئی ہے حسب ذیل ہیں :-

مقدمے حضرت مسیح موعودؑ	۳ر	کلید القرآن مع لغات القرآن	۳ر
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب	۲ر	حمائل معرّا خورد	عه
براہین احمدیہ ریویو مولوی محمد حسین بٹالوی	صہ	خزینۃ العرفان فی تفسیر القرآن مجلد تفسیر ۲۶½ پارے مکمل۔	۱۲ر
مقدس چارٹ بصورت کیلنڈر	۱۲ر		
چشمۂ صداقت	۶ر	پارہ الٓمٓ	۳ر
درثمین مجلد	۶ر	پارہ سیقول	۳ر
مفتاح القرآن (قرآن پاک کی ڈکشنری)	للعہ	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو (بحالت قیام) جرمنی میں تیار شدہ۔	۸
تفسیر سروری ۱۰ پارے مکمل بے جلد	سے		

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو اردو قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

عدد ۱۲	ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۳ سنہ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۴ء	جلد ۴۳

فہرست مضامین

ایک معزز دوست کے چند سوالات اور انکا جواب

(از جناب مولنا مولوی غلام رسول صاحب راجیکی مبلغ سلسلہ احمدیہ)

نواب چوہدری محمدالدین صاحب کو اُن کے ایک معزز دوست نے احقاقِ حق کے لئے چند سوالات لکھ بھیجے تھے۔ جو انہوں نے جواب کے لئے حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی کو دیئے۔ مولوی صاحب نے جو جوابات تحریر فرمائے ہیں وہ مع سوالوں کے شائع کئے جاتے ہیں۔ حق طلبی کی نیت سے تحقیقِ مسائل کی طرف متوجہ ہونا موجب ثواب اور باعثِ رضاءِ الٰہی وسعادتِ دارین ہی ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالےٰ طرفین کے لئے یہ سلسلہ رقیمۃ الوداد، بابرکت اور موجب تعلقاتِ محبت واخوت بنائے اور اس کے نتائج فریقین کے لئے ہر پہلو کے لحاظ سے بہتر سے بہتر ظہور میں آئیں۔ آمین ثم آمین۔ (ایڈیٹر)

سوال نمبر ۱:۔ حدیثوں میں تو خاص کر ابن مریم کے آنے کا ذکر ہے۔ آپ صحیح بخاری دیکھ لیں، یا صحیح مسلم یا کوئی اور حدیث کی کتاب۔ اس صورت میں آپ کن وجوہات پر یہ کہتے ہیں کہ مثیل مسیح نے آنا تھا؟ رہا یہ سوال کہ حضرت الیاسؑ کی آمد کی بابت آپ لوگوں کی طرف سے بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت یحییٰ نے آنا تھا اور اس طرح سے وہ مثیل الیاسؑ آئے۔ آپ اگر ابن مریم دیکھینگے تو آپ پر ظاہر ہو جاویگا، کہ بائیبل کی یہ داستان ہی فرضی ہے۔

دیگر بائیبل کا یہ مضمون ہمارے لئے کیسے سند ہو سکتا ہے جبکہ آنیوالے کو ابن مریم کہا گیا ہے؟

سوال نمبر ۲:۔ اگر خدائی وعدہ قرآن میں یا دیگر کتب انبیاء میں عیسےٰ یا مسیح یا مثیل مسیح کے آنیکا نہیں ہے۔ تو آپ مرزا صاحب موصوف کو کس طرح مسیح موعود کہتے ہیں۔ حضورؐ نے تو ابن مریم کے آنے کی بشارت دی۔ وہ بشارت خدائی وعدہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ فتاویٰ احمدیہ جلد ا صفحہ یہ ہے کہ میں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا تھا۔ اس وعدہ کا کہاں ذکر ہے۔ خدا مفصل بیان کیجیے گا۔ کہاں سے اس کا کھوج نکالیں؟

سوال نمبر ۳: - اخبار بدر ۵ مارچ ۱۹۰۸ء میں ہے۔ کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں۔ لیجیے ہر ظلی نبی کا بھی سوال اُڑ گیا۔ یا مثیل عیسیٰ کا۔ خاتم النبیین کے معنے پھر اور کرنے پڑیںگے؟

سوال نمبر ۴: - جو غلبہ دین اسلام کو حضرت مسیح یا مثیل مسیح (آپ کے خیال کے مطابق) کے زمانہ میں ہونا تھا اس کا کیا حشر ہوا۔ ۱۹۰۸ء کے بعد تو مسلمانوں کی اور حالت بگڑ گئی۔ اور روز بروز بگڑتی جاتی ہے۔ دیکھیے صفحہ ۸۲، ۸۳ چشمہ معرفت۔ کیا چند ایک یورپین انگریزوں کا مسلمان ہونا کافی ہے؟

میں مرزا صاحب کے چند ایک دعاوی کا مفصل ذکر کروں تو وہ ایک لمبی داستان ہو جائیگی۔ آخر میں یہ بھی تو ہے کہ مرزا صاحب کرشن کے اوتار ہیں۔ کیا لفظ اوتار کے وہی معنے ہیں جو ہندو صاحبان لیتے ہیں۔ اور کیا یہ عقیدہ ایک اسلامی عقیدہ کہا جا سکتا ہے؟

سوال نمبر ۵: - اگر مرزا صاحب موصوف مثیل مسیح ہیں تو تتمہ حقیقۃ الوحی ص ۴۹ میں یہ کیوں لکھا گیا کہ مسیح ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے۔

سوال نمبر ۶: - آپ نے ایک اپنی تحریر میں اور سر ظفر اللہ خان صاحب نے بھی دوسرے نبیوں کے ذکر کے اخیر میں لکھا ہے کہ پھر حضرت احمد آئے۔ جس سے مراد آپ کی مرزا صاحب ہیں جن کا نام نامی غلام احمد ہے۔ کیا آپ نے ان کو وہی حضرت احمد قرار دیا ہے جس کی بشارت قرآن کریم میں مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَد"

آپ جو مجھ کو کبھی کبھی کہہ دیا کرتے ہیں کہ آپ کو پوری کیفیت معلوم نہیں ہے۔ اس لئے مہربانی کر کے کسی مستند آدمی سے اس کا جواب تحریر کرا کر بھیجیں۔

سوال نمبر ۷: - میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ حضرت مرزا صاحب پہلے اس کے قائل تھے کہ حضرت مسیح ابن مریم دوبارہ دُنیا میں آئیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے کسی وقت اس عقیدہ کو تبدیل کیا ہے۔ میں نے آپ کے مولوی صاحب سے کہا تھا کہ براہ مہربانی جس وقت پہلی دفعہ مرزا صاحب نے اس عقیدہ کو بدلا ہے اس کے الفاظ نقل کر کے بھیج دیں اور کتاب کا حوالہ دیدیں۔

پہلے سوال کا جواب!

آپ کا پہلا سوال آنے والے موعود کے متعلق یہ ہے۔ کہ حدیث بخاری میں اسے ابن مریم کہا گیا ہے لہٰذا یہ موعود ابن مریم کے نام والا ہونا چاہئے۔ نہ اس کے سوا کوئی اور۔ آپ کے اس سوال کے

جواب میں ذیل کے امور قابلِ توجہ ہیں :-

(ا) کیا جس قدر الفاظ حدیث صحیح بخاری کے ابن مریم کی آمد کے متعلق بیان کئے گئے ہیں وہ صرف ابن مریم کی نام تک ہی محدود اور محصور کئے گئے ہیں یا کچھ اور الفاظ بھی ابن مریم کے نام کے ساتھ مذکور ہیں۔ صحیح بخاری کی حدیث جس میں ابن مریم کی آمد کا وعدہ دیا گیا ہے اس کی ایک روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم و امامکم منکم۔ اِس حدیث کے الفاظ میں بیشک ابن مریم کا نام ہے لیکن ساتھ ہی و امامکم منکم کا فقرہ بھی موجود ہے جس میں آنحضرت صلعم نے خود ہی یہ بھی بتا دیا کہ ابن مریم کون ہے، وہ تمہارا امام ہے جو اے اہل اسلام تم میں سے ہوگا۔ اب اگر ابن مریم سے مراد وہی مسیح اسرائیلی ہوتے تو وہ اُمتِ محمدیہ کے فرد تو نہیں اور نہ ہی وہ اُمتِ محمدیہ کے لئے رسول ہو کر آ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی سورۂ آل عمران میں اُنہیں رَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے فقرہ میں اسرائیلیوں کا رسول قرار دیا ہے۔ اور سورۂ صف میں حسب آیت وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ۔ ان کا قول یوں پیش کیا گیا ہے۔ کہ مسیح نے کہا کہ اے قوم بنی اسرائیل میں صرف تمہاری طرف رسول کر کے بھیجا گیا ہوں۔ اِن نصوصِ صریحہ سے صاف ظاہر ہے کہ اسرائیلی مسیح کی آمد کا وعدہ آنحضرت صلعم ابن مریم کے نام سے اُمتِ محمدیہ کو نہیں دے سکتے بلکہ یہ ابن مریم جس کا وعدہ اُمتِ محمدیہ کو حدیث نبوی میں دیا گیا ہے وہ ابن مریم اُمتِ محمدیہ ہی کا ایک فرد پیش کیا گیا ہے، نہ کہ اُمتِ اسرائیلیہ کا۔

(ب) پھر آپ اگر یہ کہیں کہ ابن مریم سے مراد از روئے تاویل ابن مریم کا مثیل کیوں لیا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ علاوہ امامکم منکم کے قرینہ کے جو خود آنحضرت صلعم نے بطور تشریح کے پیش فرما دیا مسیح ابن مریم جو اسرائیلی ہیں اُن کی وفات کا ثبوت بھی ایک زبردست قرینہ ہے۔ کہ جس آنے والے مسیح ابن مریم کا وعدہ بطور پیشگوئی کے حدیث نبوی میں مذکور ہے، وہ مسیح ابن مریم اسرائیلی مراد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ قرآن کریم کے بہت سے مقامات میں آپؑ کی وفات کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ اور بعض حدیثوں میں علاوہ وفات کے ثبوت کے آنحضرت صلعم نے اُن کی عمر کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایک سو بیس سال ہوئی ہے۔ اور پھر صحیح بخاری میں دو مختلف حلیوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دو مسیح ہیں، ایک مسیح اسرائیلی اور دوسرے مسیح محمدی۔ جہاں مسیح اسرائیلی کے حلیہ کا ذکر ہے وہاں فوت شدہ نبیوں یعنی حضرت ابراہیمؑ اور

حضرت موسیٰ کے حُلیہ کا بھی مسیح اسرائیلی کے حُلیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور مسیح اسرائیلی کے اس حُلیہ کی نسبت اَحْمَر اور جَعْد کے الفاظ مذکور ہیں۔ کہ مسیح اسرائیلی سُرخ رنگ اور گھنگریالے بالوں والا تھا۔ لیکن جہاں مسیح محمدی کا حُلیہ بیان کیا گیا ہے وہاں آدم اور سبط الشعر کے الفاظ مذکور ہیں۔ کہ وہ گندم گوں اور سیدھے بالوں والا ہوگا۔ نیز مسیح محمدی کے ذکر کے ساتھ دجّال کا بھی ذکر کیا گیا ہے کیا ان دو حُلیوں سے جو مختلف ہیں دو الگ الگ مسیح ثابت نہیں ہوتے؟ آج اس زمانہ میں تو صرف ایک انگوٹھا لگانا بھی فیصلہ کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے لیکن افسوس! کہ آنحضرت صلعم کے دو مختلف بتائے ہوئے حُلیے دو الگ الگ ہستیوں کے تنازع کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں سمجھے جاتے حالانکہ اس فیصلہ کی تائید میں اور بھی کثرت کے ساتھ قرائن پائے جاتے ہیں۔

اور علاوہ موت کے قرینہ کے قرآن کریم کی سورۃ نور کی آیت استخلاف یعنی آیت وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ بھی زبردست قرینہ اس بات کا ہے کہ آنے والا ابن مریم یا مسیح ابن مریم یا عیسےٰ مسیح ابن مریم جو نام بھی ان ناموں میں سے آپ آنیوالے موعود کے متعلق سمجھیں بہرحال آپ اسے آنحضرت صلعم کے بعد آنیوالے مسیح ابن مریم کو آنحضرت صلعم کا خلیفہ ہی قرار دے سکتے ہیں۔ اور اگر آپ اُوپر کی آیت پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو صریح طور پر یہ بات سمجھ میں آسکے گی، کہ آنیوالا مسیح ابن مریم اگر آنحضرت صلعم کے خلفاء میں سے خلیفہ ہونیوالا ہے تو وہ یقیناً اسرائیلی مسیح اور اسرائیلی ابن مریم اور اسرائیلی عیسےٰ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ آنحضرت صلعم کے سب خلفاء جو آپ کے بعد قیامت تک وعدہ کے مطابق خدا کی طرف سے منصب خلافت پر فائز ہونیوالے ہیں وہ فقرۂ وَعَدَ اللّٰہُ کے رُو سے ایک تو وعدہ کے رُو سے موعود ہیں دوسرے فقرۂ اٰمَنُوْا کے رُو سے اُمّت محمدیہ کے مومنوں کے لئے بطور وعدہ بشارت موعود کی حیثیت میں آنیوالے ہیں تیسرے لفظ مِنْکُمْ کے رو سے اُمّت محمدیہ کے مومنوں میں سے آنیوالے ہیں نہ کہ اسرائیلیوں میں سے۔ اور چوتھے لفظ کَمَا کے رُو سے وہ پہلے گذرے ہوئے خلیفے جو موسیٰ نبی کے خلیفے ہو گذرے ہیں اور گذشتہ زمانہ میں گذر چکے ہیں آنحضرت صلعم کے خلفاء کے لئے مشبّہ بہ ہیں اور آنحضرت صلعم کے خلفاء موسوی خلفاء کے مثیل اور مشبّہ اور مشبّہ چیز مشبّہ بہ چیز کی عین نہیں ہوتی بلکہ مغائر ہوا کرتی ہے پس لفظ کَمَا جو تشبیہ کو چاہتا ہے اس سے مسیح اسرائیلی جو موسیٰ کا خلیفہ ہے وہ آنحضرت صلعم کا خلیفہ نہیں ہوسکتا۔ ہاں آنحضرت صلعم کا خلیفہ مسیح اسرائیلی کا مثیل ہوسکتا ہے۔ اور جس طرح

سورہ مزمل کی آیت اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کے رو سے لفظ کما کی تشبیہ سے آنحضرت صلعم کو موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا، اسی طرح آیت استخلاف کے لفظ کما سے جو تشبیہ کے اظہار کے لئے ہے محمدی خلفاء کو موسوی خلفاء کا مثیل قرار دیا ہے اور مسیح اسرائیلی موسیٰ کا خلیفہ ہے۔ تو حرف کما سے جو تشبیہ کے لئے لایا گیا ہے اس سے وہ آنحضرت صلعم کا خلیفہ نہیں ہو سکتا بلکہ آنحضرت صلعم کا خلیفہ مسیح اسرائیلی کا مثیل ہونا چاہیئے نہ کہ عین۔ پس اگر حدیث بخاری میں آنیوالے کا نام ابن مریم رکھا گیا ہے، تو حدیث ہی کے الفاظ میں اس ابن مریم کو امامکم منکم کے الفاظ میں امت محمدیہ کا فرد اور مسیح محمدی قرار دیا گیا ہے، جو قرآن کریم کی آیت استخلاف اور اس کے حرف کما کے رو سے اسرائیلی مسیح ابن مریم نہیں بلکہ اس کا مثیل ثابت ہو رہا ہے۔

(ج) اور اگر آپ اس صحیح تاویل کو قبول نہ کریں جو قرآن کریم کے لفظ کما اور حدیث بخاری کے فقرہ امامکم منکم کے رو سے نہایت معقول طریق پر پیش کر کے ابن مریم سے مراد مثیل ابن مریم لی گئی ہے۔ اور آپ الفاظِ حدیث کے ظاہری معنوں پر اصرار کرتے ہوئے ابن مریم سے مسیح اسرائیلی ہی مراد لیں اور تاویل کی جگہ حقیقی ابن مریم ہی سمجھیں تو پھر اس طرح کے ظاہری معنوں پر زور دینے سے خود حدیث کی صحت کو قبول کرنے میں دقت پیش آئے گی۔ اور وہ اس طرح کہ حدیث بخاری کے مذکورہ الفاظ میں ابن مریم کا لفظ تو ایک دفعہ استعمال ہوا ہے لیکن خطاب کی ضمیریں اسی حدیث میں چار دفعہ استعمال ہوئی ہیں۔ ایک ضمیر خطاب کی اَنْتُمْ استعمال ہوئی ہے۔ دوسری فیکم میں ضمیر کُمْ ہے۔ تیسری امامکم میں ضمیر کُمْ ہے۔ چوتھی منکم کے لفظ کُمْ کی ضمیر۔ اور ان چاروں ضمیروں میں مخاطب آنحضرت صلعم کے صحابہؓ تھے۔ جو حدیث کے بیان کرنے کے وقت سامنے موجود تھے۔ جنہیں مخاطب کر کے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ابن مریم تم میں اترے گا۔ اب اگر ابن مریم کی تاویل ناجائز ہے تو ان خطاب کی چاروں ضمائر کے اصل مخاطب بھی صحابہ کرامؓ ہی تھے، ان ضمائر سے مراد بھی صحابہؓ ہی ہو سکتے ہیں نہ اور لوگ۔ اس صورت میں کہ تاویل ناجائز ہے، حدیث کا یہ مطلب ہوگا، کہ اصل ابن مریم اصل صحابہؓ میں نازل ہو۔ ورنہ صحابہ کے فوت ہو جانے سے حدیث کی صحت پر زد پڑے گی، کہ جن صحابہ کو مخاطب کر کے آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا، کہ ابن مریم تم میں نازل ہوگا وہ صحابہؓ سب کے سب فوت بھی ہو چکے لیکن ابن مریم ان میں نازل نہ ہوا۔ چاہیئے تھا کہ ابن مریم حدیث کے الفاظ کے مطابق صحابہؓ کے اندر ضرور نازل

ہوتے یا اگر ابن مریم یعنی اصل ابن مریم نازل نہیں ہوئے تھے تو اُن کے نازل ہونے تک صحابہؓ ضرور زندہ رہتے، تا الفاظ کے ظاہری معنوں کے مطابق پیشگوئی پوری ہوتی۔ لیکن صحابہؓ تو سب کے سب فوت ہو چکے؛ اب کیا حدیث کی صحت میں فرق سمجھا جائیگا؟ ہرگز نہیں بلکہ حدیث کی صحت تو ابتک تسلیم کی جارہی ہے۔ خصوصاً رکتاب "ابن مریم" کے مؤلف صاحب تو ضرور ہی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔ اب اگر اُن کے نزدیک ابن مریم کے نام سے اصل ابن مریم مراد ہے تو خطاب کی چار ضمیروں سے مراد بھی آنحضرت صلعم کے صحابہؓ ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کے نزدیک صحابہؓ کے فوت ہو جانے پر بھی حدیث کی صحت میں فرق نہیں آتا اور صحابہؓ کی وفات کیوجہ سے آپ کے نزدیک وہ لوگ بھی صحابہؓ کے قائم مقام سمجھنے سے بصورتِ تاویل درست تسلیم ہو سکتے ہیں جنکے اندر ابن مریم نازل ہوں تو اِس صورت میں صحابہؓ کی وفات کی وجہ سے اگر خطاب کی چار ضمیریں جن کے مصداق صحابہؓ تھے، اُن سے مراد صحابہؓ نہیں تھے بلکہ صحابہؓ کے قائم مقام اور صحابہؓ کے مثیل مراد ہو سکتے ہیں تو اصل ابن مریم جو مسیح اسرائیلی ہیں جبکہ صحابہؓ کی طرح قرآن وحدیث کے روسے وہ بھی فوت شدہ ثابت ہیں، تو پھر ابن مریم کی وفات کے ثبوت کے بعد لفظ ابن مریم کیوں قابلِ تاویل نہ ہوگا؟ اور اس سے مراد بجائے اصل ابن مریم کے کیوں مثیل ابن مریم نہ ہوگا؟ اور اگر صحابہؓ کی وفات کی راہ سے صحابہؓ کے خطاب والی چار ضمیریں قابلِ تاویل ہو سکتی ہیں تو اِن چاروں کے مقابل ابن مریم کی وفات کے ثبوت کے بعد کیوں ایک لفظ ابن مریم کا قابلِ تاویل اور مثیلِ ابن مریم پر دال نہ ہوگا؟ کیا یہ عجیب انصاف کی صورت علمی دلائل کے سلسلہ میں قابلِ حرف زنی تو نہ ہوگی کہ آپ صحابہؓ کی وفات سے تو چار لفظوں کی جو ابن مریم والی حدیث کے ہیں تاویل کرنا اور صحابہؓ سے مراد صحابہؓ کے قائم مقام لوگ درست تسلیم کرلیں۔ لیکن جب ابن مریم کی وفات کا ثبوت قرآن وحدیث سے ملے تو ابن مریم کی وفات کے ثبوت پر ابن مریم کے لفظ کی تاویل کو سخت ناپسند کریں۔ حالانکہ استدلال کے لئے دونوں صورتیں آپس میں متشابہ اور بالکل ہم شکل ہیں۔ یعنی جس طرح صحابہؓ کے مخاطب کئے جانے کی چاروں ضمائر صحابہؓ کی وفات کے قرینہ سے قابل تاویل ہو کر اُن کے مثیل اور قائم مقام لوگوں پر دلالت کرنے والی ہیں، اُسی طرح ابن مریم کی وفات کے قرینہ سے ابن مریم سے مراد ابن مریم کا مثیل اور اُس کا قائم مقام ہو سکتا ہے۔ کیا اس پیش کردہ صورتِ استدلال کی روسے حقیقت کو پالینا اور اصل حقیقت کو سمجھ لینا کچھ مشکل بات ہے؟

(د) اگر محلِ کلام کی ضرورت پر بھی جو تاویل کی مقتضی ہو انسان اس سے پہلو تہی کرے تو کلام

صحیح کا مناسب پہلو اپنے افادہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے لئے حسب ذیل مرقومہ امثلہ قابل توجہ ہیں:۔

(۱) مثلاً صحیح بخاری کی پہلی جلد میں کتاب الاذان میں ذیل کی حدیث میں آنحضرت صلعم نے اپنی ازواج مطہرات کی نسبت بہ الفاظ عند المخاطبہ بیان فرمائے۔ اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صواحب یوسف یعنی اے میری ازواج تم یقیناً بلا کسی شک و شبہ کے یوسف علیہ السلام کے ساتھ والیاں ہو۔ اب آپ ہی فرمائیں کہ آنحضرت صلعم کا اپنے کلام میں باستعمال حرف اِنَّ اور لام جو تاکید کے لحاظ سے قائم مقام قسم کے ہیں۔ حرف اِنَّ بنونِ ثقیلہ قائم مقام دو قسموں کے اور حرفِ لام قائم مقام ایک قسم کے بانب دونوں حرفوں کے ساتھ تاکید کے طور پر یہ فرمانا کہ تم اے میری بیویو! یوسف علیہ السلام کے ساتھ والیاں ہو کیا آنحضرت صلعم کی اس حدیث بخاری کی رو سے جو بالکل صحیح حدیث ہے اور آپ کا کلام جو بالکل حق اور درست مسلم ہے۔ کیا اس کلام میں صواحب یوسف کے ساتھ چونکہ لفظ مثل یا مثیل یا کوئی حرف تشبیہ استعمال نہیں ہوا آپ کی طبیعت کا انسان جو ابن مریم سے بلا تاویل ابن مریم ہی مراد لینے کا خوگر ہے، اگر آنحضرت صلعم کے اس پیش کردہ کلام سے صواحب یوسف سے فی الواقع صواحب یوسف ہی مراد لے لے اور ساتھ ہی حرف اِنَّ اور حرفِ لام کی تاکید سے اس پر زور دے کہ جب آنحضرت صلعم زبردست تاکید سے فرماتے ہیں، آپ کے ہاں جو آپ کی بیویاں کہلانے والی خواتین تھیں وہ واقعی طور پر صواحب یوسف تھیں، اور ابن مریم والی حدیث میں تو ابن مریم کے متعلق کوئی تاکید کا حرف بھی نہیں استعمال ہوا، پھر بھی مؤلف کتاب "ابن مریم" ابن مریم سے مراد باوجود بکثرت حوالجات وفات ابن مریم اسرائیلی ابن مریم ہی لے رہے ہیں تو صواحب یوسف کا لفظ تو تاکیدی حروف کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ پھر صواحب یوسف کی وفات کا ذکر ان کا نام لے کر نہ قرآن میں پایا جاتا ہے نہ حدیث میں۔ لیکن ابن مریم کی وفات کا ذکر تو صرف قرآن کریم کی آیات سے ہی پیش کیا جائے تو تیس آیات کے قریب قریب وفات مسیح ابن مریم کے ثبوت میں پائی جاتی ہیں۔ پس ایسا شخص جو ان قرائن وفات کی موجودگی میں پھر بھی ابن مریم سے ابن مریم ہی مراد لیتا ہے اس کا حق ہے کہ وہ اپنی اس دلیل کے ضابطہ کی رو سے صواحب یوسف سے مراد ضرور صواحب یوسف ہی لے لیکن کیا آپ کے نزدیک صواحب یوسف کا فقرہ قابل تاویل اور مماثلت کے معنوں میں بطور استعارہ تسلیم ہوگا یا بغیر تاویل کے بصورت محکم حقیقی معنوں میں واقعی وہی صواحب یوسف جو حضرت یوسف کے وقت میں مصری عورتیں تھیں مراد ہونگی؟ اگر آپ صواحب یوسف سے مراد مصری عورتیں نہ لیں، بلکہ آنحضرت کی ازواج مطہرات مراد لیں تو آپ

سے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب لفظ مماثلت کا اور حرف تشبیہ کا صواحب یوسف کے متعلق استعمال نہیں کیا گیا تو آپ صواحب یوسف کو مماثلت کے معنوں میں کس قاعدہ سے لیتے ہیں؟ اگر آپ جواب میں یہ فرماویں کہ صواحب یوسف کا لفظ بطور استعارہ استعمال ہؤا ہے اور استعارہ بھی گو مماثلت کے معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے لیکن اس میں حرف تشبیہ استعمال نہیں کیا جاتا۔ جیسے کہ کہیں کہ زید شیر ہے یا زید کو بوصف سخاوت کہیں کہ زید حاتم ہے یا بوصف جمال کہیں کہ زید یوسف ہے تو بصورت استعارہ مشبہ کی جگہ مشبہ بہ کو استعمال کرنے سے شدتِ مشابہت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تشبیہ اور استعارہ کے درمیان یہ فرق پایا جاتا ہے کہ تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کا علاقہ حرفِ تشبیہ سے ذکر کیا جاتا ہے اور استعارہ میں حرفِ تشبیہ کو حذف کر کے مشبہ کو شدتِ تشبیہ کی غرض سے مشبہ بہ کے نام سے ذکر کرتے ہیں جیسے عدل کے وصف سے زید کو نوشیرواں کہا جائے۔

پس اسی طرح کی شدت مشابہت کے معنوں میں حدیث میں آنیوالے مسیح محمدی کو مسیح اسرائیلی سے بشدت مشابہت کیوجہ سے ابن مریم کا نام بطور استعارہ کے دیا گیا اور ازواج مطہرات کو صواحب یوسف کا۔

(۲) اور اگر ابن مریم کے متعلق آپکے قلب میں کُنیت کا استعمال کھٹکے کہ پیشگوئی یا استعارہ کی صورت اصل نام کی جگہ کُنیت کے ساتھ نہیں ہوتی تو اِس کے جواب میں صحیح بخاری میں آنحضرت صلعم کی نسبت اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِیْ کَبْشَۃَ کے الفاظ پڑھ لیں، کہ آپؐ کو استعارہ کے طور پر ابن ابی کبشہ کی کُنیت سے ذکر کیا گیا۔ پھر آپ ہندوستان کے فصیح اور بلیغ شاعر کا ذیل میں منظوم کلام بھی ملاحظہ فرماسکتے ہیں ؎

ابن مریم ہؤا کرے کوئی ❊ میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی

(۳) علاوہ اس کے اِس طرح کے استعارات کے نمونے قرآن کریم میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ مثلاً آنحضرت صلعم کے وقت کے یہود کو مخاطب کر کے قومی اشتراک کے معنے میں قوم یہود کے ان افراد کا فعل جو موسٰیؑ کے وقت تھے ان کے اِس فعل کو قوم یہود کے ان افراد کی طرف منسوب کر کے کلام میں بھی انہی کو مخاطب کرنا ذیل کی آیات سے ظاہر ہے۔ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ دیکھئے! موسیٰ کو کہنے والے کون تھے۔ اور کلام میں خطاب والے کون لوگ ہیں۔ ایسا ہی آیت وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى۔ ایسا ہی آیت وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ اور آیت اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ اور آیت وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وغیرہ

وغیرہ بہت سی مثالیں قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ کہ فاعل افراد اور ہیں اور مخاطب افراد اور۔

(۴) اسی طرح کے استعارات کا نمونہ سابقہ الہامی کتب مقدسہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں الیاس نبی کی پیشگوئی کا ذکر بطور استعارہ ہی کیا گیا ہے۔ جس سے مراد حضرت مسیح اسرائیلی کے فیصلہ کی رو سے حضرت یحییٰ نبی ظاہر ہوئے۔ اور بنی اسرائیل کے لئے الیاس نبی کی آمد کی پیشگوئی کا ذکر اور اہل اسلام کے لئے حدیث نبوی میں ابن مریم کا ذکر بطور پیشگوئی کے استعارہ کے لحاظ سے، دونوں پیشگوئیاں بالکل ہمشکل اور متشابہ ہیں۔ اور یہ کہنا کہ "بائیبل کا یہ مضمون ہمارے لئے کیسے سند ہو سکتا ہے" درست نہیں۔ کیونکہ قرآن تو کہتا ہے کہ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ کہ سند کے لئے تورات کو پیش کرو تا اس کی سند سے امر پیش کردہ کی تصدیق ہو سکے لیکن آپ ہیں کہ قرآن کریم کے منشاء کے خلاف تورات کی سند کو تسلیم کرنا پسند نہیں کرتے۔ خصوصاً اس صورت میں کہ قرآن میں سے الیاس کی پیشگوئی کی مشابہت کی ابن مریم کی پیشگوئی کی تصدیق ہوتی ہے۔

(۵) اور اسرائیلی قوم اور اُمّتِ محمدیہ کے موعودوں کی ابتلائی صورت دونوں قوموں کیلئے بالکل ہمشکل پائی جاتی ہے کہ اسرائیلیوں کا ایک موعود بھی پہلے شخص کے نام سے الیاس بتایا گیا حالانکہ وہ دراصل یوحنا یعنی یحییٰ تھا۔ اور یہود کی انتظار الیاس کے متعلق ابتلاء کے طور پر تھی۔ کیونکہ الیاس تو دراصل فوت شدہ نبی تھا جسے غلط فہمی سے زندہ سمجھکر موعود سمجھا گیا۔ جیسے کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو مسیح اسرائیلی جو فوت شدہ نبی ہے اس کے متعلق یہ غلط فہمی ہوئی کہ دونوں قومیں فوت شدہ مسیح اسرائیلی کو اپنا موعود قرار دیکر اس کی آمد کی غلط طور پر انتظار کرنے لگ گئیں، حالانکہ از روئے حقیقت الیاسؑ کا نام استعارہ کے طور پر حضرت یحییٰ کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ اور مسیح ابن مریم کا نام استعارہ کے طور پر حضرت احمد قادیانی کے لئے پیش کیا گیا تھا۔ اور قرآن نے اس مغالطہ کو دور کرنے کے لئے کہ الیاس سے اصل الیاس نہ سمجھا جائے آیت مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ الیاسؑ جو مسیحؑ سے پہلے کا رسول تھا وہ بھی اسی طرح فوت ہو کر دنیا سے گذر گیا جس طرح مسیحؑ سے پہلے دوسرے رسول فوت ہو کر گذر گئے اور آیت وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ کے رو سے اس مغالطہ کو دور کر دیا گیا جو فوت شدہ مسیح اسرائیلی کو غلط فہمی سے زندہ سمجھکر اُسے موعود کی حیثیت دے کر عیسائی اور مسلمان دونوں انتظار میں لگ گئے کہ مسیح ابن مریم جو اسرائیلی نبی ہے وہی آئیگا

ہے۔ پس آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے اِس امر کو پیش کر کے کہ مسیح اسرائیلی جو محمد رسول اللہ صلعم سے پہلے کا رسول ہے وہ بھی اسی طرح سے فوت ہو کر دُنیا سے گذر گیا جس طرح حضرت محمد رسول اللہ سے پہلے دوسرے رسول فوت ہو کر دُنیا سے چل بسے۔ پھر آنحضرتؐ کی وفات کے موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ نے اپنے خطبہ میں آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ الخ کو پڑھکر جب رسولوں کی جو آنحضرت صلعم سے پہلے ہو چکے تھے جن میں مسیح اسرائیلی بھی شامل تھے وفات سے آنحضرت صلعم کی وفات پر استدلال کیا کہ رسولوں کا منصب رسالت موت کے منافی نہیں ہوتا۔ پس جس طرح محمد رسول اللہ صلعم سے پہلے سب رسول رسول ہونے کے باوجود موت سے بچ نہیں سکے، آنحضرت صلعم کا رسول ہو کر موت سے نہ بچنا اور فوت ہو جانا رسولوں کی سُنّت کے مطابق تھا۔ اب حضرت ابو بکرؓ کا یہ استدلال جو آیت شریفہ سے آنحضرتؐ کی وفات کے ثبوت میں پیش کیا گیا وہ اسی صورت میں تسلیم ہو سکتا ہے، کہ آیت میں ان سب رسولوں کی وفات کو جو آنحضرت صلعم سے پہلے ہو گذرے بطور قاعدہ کلیہ کے تسلیم کیا جائے، ورنہ اگر پہلے رسولوں میں سے الیاسؑ یا مسیحؑ یا کسی اور رسول کو زندہ سمجھ لیا جائے تو آیت استدلال کا فائدہ نہیں دے سکتی جس فائدہ کی غرض سے اُسے استدلال کے معنوں میں پیش کیا گیا۔ اور خود خدا تعالےٰ پر بھی اعتراض پڑتا ہے۔ کہ اگر مسیح اسرائیلی جو آنحضرت صلعم سے پہلے کا رسول ہے وہ خدا کے نزدیک زندہ موجود تھا تو صحابہؓ کے لئے یہ آیت وجہ تسلی نہیں ہو سکتی تھی بلکہ اُن کے لیے شکوہ اور شکایت کے لئے گنجائش تھی، کہ جب مسیح اسرائیلی جس کا سلسلۂ ہدایت اور سلسلۂ اُمت آنحضرت صلعم کے ظہور سے ختم کر دیا گیا اُسے بے محل اور بے فائدہ زندہ رکھا گیا ہے تو وہ نبی جس کی نبوت کا سلسلہ، شریعت کا سلسلہ، اُمت کا سلسلہ مفید طور پر قیامت تک کے لئے جاری قرار دیا گیا اور جس کی زندگی مسیح اسرائیلی کی زندگی سے ہزارہا درجہ بڑھکر مفید تھی اُسے کیوں نہ لمبی زندگی دی گئی۔ پھر اسی طرح حضرت ابو بکرؓ نے جو اس آیت سے استدلال کیا اس پر بھی جرح کی گنجائش باقی رہتی ہے کہ جب پہلے رسولوں میں سے مسیح اسرائیلی زندہ تھے اور زندہ رکھنے کے لئے خدا نے پہلے رسولوں سے انہیں مستثنےٰ رکھا تو یہ استثناء کا فائدہ آنحضرتؐ کو کیوں نصیب نہ ہوا۔ کیا صحابہؓ کے لئے مسیح اسرائیلی کی زندگی کے مقابل آنحضرتؐ کی وفات کا مسئلہ وجہ تسلی ہو سکتا تھا، یا یہ کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے صدمہ پر مسیحؑ کی حیات کا استثناء نمک بر جراحت کے معنوں میں انہیں سخت بے چین کرنیوالا محسوس نہ ہوتا۔ پھر جب حضرت ابو بکرؓ نے اپنے خطبہ میں جو بخاری میں ہے

آنحضرت صلعم کی نسبت یہ الفاظ بھی کہدیئے کہ مَنْ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ۔ یعنی جو شخص محمدؐ کی عبادت کرتا ہے وہ تو فوت ہو گئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ زندہ نہ مرنیوالا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے یہ الفاظ حضرت عمرؓ کے ان الفاظ کی تردید میں اور ان کے جوش سے بھرے ہوئے کلام کے مقابلہ میں کہے۔ جبکہ وہ کہہ رہے تھے کہ وَاللّٰہِ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَمَنْ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَدْ مَاتَ فَاضْرِبُ عُنُقَہٗ ۔ یعنی خدا کی قسم رسول اللہ فوت نہیں ہوئے اور جو شخص یہ کہیگا کہ رسول اللہ فوت ہو گئے میں اس شخص کی گردن کو تلوار سے اُڑا دوں گا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ نے یہ خطبہ میں آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ کے سُنا تو صحابہؓ نے بالاتفاق حضرت ابوبکرؓ کی اس بات کو تسلیم کر لیا کہ واقعی آنحضرت صلعم فوت ہو گئے۔ اور اسی طرح کہ جس طرح آپؐ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے۔ اب یہ بات قابل توجہ ہے کہ جب ۶۳ سال کی عمر پر آنحضرت صلعم کی وفات کے انکار کو شرک اور آنحضرت صلعم کی عبادت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو کیا مسیح اسرائیلی کو جو موسیٰ کا خلیفہ ہے اور قوم بنی اسرائیل کا رسول ہے اُسے مسلمانوں کا ابتک زندہ تسلیم کر لینا شرک میں داخل نہیں ہوگا؟

(۴) پھر آنیوالے موعود کو جو آنحضرت کا خلیفہ ہے اور جسے حدیث میں استعارہ کے طور پر ابن مریم کے نام سے بھی ذکر کیا گیا ہے اس کے ابن مریم ہونیکی ایک توجیہ سورۃ تحریم میں بھی مذکور ہے۔ اور وہ اس طرح کہ سورۃ تحریم میں کافروں کو بھی دو عورتوں سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیوی سے جو کافر تھیں اور مومنوں کو بھی دو عورتوں سے تشبیہ دی گئی ہے یعنی فرعون کی بیوی اور حضرت مریم سے۔ اب قرآن کریم میں حضرت مریم کی نسبت صدیقہ کا وصف اور مرتبہ بھی مذکور ہوا ہے اور پھر یہی ذکر کیا گیا ہے کہ ان کے بطن سے مسیح ابن مریم جو بنی اسرائیل کے لئے نبی اور رسول تھے پیدا کئے گئے۔ اب امت محمدیہ کے مومنوں کو جب فرعون کی بیوی اور حضرت مریم سے تشبیہ دی گئی ہے تو ضرور ہے کہ امت محمدیہ کے بعض افراد حضرت مریم صدیقہ سے بھی مشابہت رکھنے والے ہوں۔ اور وہ صدیق بھی ہوں اور اس طرح وہ مثیل مریم ہوں۔ اور جب انہیں مریمی صفت سے ترقی دیکر خدا انہیں نبی بنائے تو مریم سے وہ ابن مریم بھی بن جائیں اور پھر ابن مریم ہو کر مسیح اسرائیلی کی مشابہت میں مسیح موعود ہو کر آنحضرت کے خلیفہ ہونے سے مسیح محمدی کی شان میں امت محمدیہ کے سامنے ظاہر ہوں۔ جیسا کہ آج حضرت احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سورۃ تحریم کی پیشگوئی کے مطابق ابن مریم بنا کر خدا نے مبعوث فرما دیا اور وہ پیشگوئی جو ابن مریم کے لئے قرآن اور حدیث میں مقدر کی گئی تھی اس زمانہ

میں ظہور میں آئی ۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ثم علیٰ ذٰلک ۔

دوسرے سوال کا جواب!

دوسرے سوال کے جواب کا حصہ اوپر کے جواب میں بہ تفصیل آچکا ہے ۔ ہاں یہ فقرہ اِس دوسرے سوال کا ضرور قابلِ توجہ ہے کہ جو آپ نے فتاویٰ احمدیہ کے صلہ کے حوالہ سے پیش کیا ہے ۔ کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے فرمایا کہ "مَیں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا تھا" اِس وعدہ کا کہاں ذکر ہے ، ذرا مفصّل بیان کیجئے گا کہیں سے اس کا کھوج نکالیں "

(۱) آپکے اِن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس سیّدنا مرزا صاحبؑ کا یہ فرمان کہ "مَیں وہی ہوں جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا تھا" شاید یہ قول یونہی کہدیا ہے اس کی دلیل یا سند کہیں سے نہیں مل سکتی ۔ اِسی وجہ سے آپ نے کہدیا کہ "کہیں سے اس کا کھوج نکالیں" آپ کا یہ سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی آپ سے سوال کرے کہ آنحضرت صلعم جو سب انبیاءؑ کے موعود ہیں اِس کا کیا ثبوت ہے ۔ تو جو جواب آپ دیں گے اُسی معیار پر ہم بھی جواب دیدیں گے ۔

(۲) تاہم آپ کی خاطر ذیل میں قرآن کریم اور حدیث بخاری کی سند سے سیّدنا حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان کردہ دعویٰ کے ثبوت کے لئے کچھ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں ۔ امید ہے کہ ثبوتِ دعوےٰ کے لئے جو کھوج نکال کر آپ کے پیش کیا جائیگا آپ اُسے توجہ سے پڑھیں گے ۔ اور ضرور اس میں غور کریں گے ۔ قرآن کریم کی سورۂ آل عمران کی آیت ذیل ملاحظہ فرمایئے ۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اللہ تعالےٰ نے اِن الفاظ میں بتایا ہے کہ سب نبیوں سے خدا تعالےٰ نے آنیوالے بعد کے رسول پر ایمان لانے اور اس کی نصرت کرنے کا وعدہ لیا ہے ۔ اور اس رسول سے مراد آنحضرت صلعم ہیں جن کی نسبت سب نبیوں سے وعدہ لیا گیا اور اس وعدہ کے بالمقابل آنحضرت صلعم سے سب نبیوں کی تصدیق کرائی ۔ اور سب نبیوں کی اُمتوں کے لئے خدا نے آپ کو رحمۃ للعالمین کی شان

کے ساتھ مبعوث فرمایا لیکن آنحضرت صلعم کی بعثتیں دو ہیں۔ پہلی بعثت آیت صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۚ کے روسے تکمیل ہدایت کے اغراض و مقاصد سے تعلق رکھتی تھی اور دوسری بعثت آپ کی آیت هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝ کے روسے تکمیل اشاعت ہدایت کے لئے اور پہلی بعثت اصالۃً بذاتہٖ اور دوسری بعثت نیابۃً آنیوالے مسیح محمدی کے ذریعے ظہور میں آنیوالی تھی۔ جو موجودہ دَور میں ظہور میں آچکی۔ اور پہلی بعثت کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کے متعلق آپکے مقصد تکمیل ہدایت کی خصوصیت کے معنوں میں آپکے حق میں سب نبیوں نے جو آپ سے پہلے ہوگذرے ایمان لانے اور نصرت کرنے کے ساتھ گویا آپ کے آنے کا وعدہ برنگ پیشگوئی اپنی اپنی امت سے بیان کیا۔ جیسا کہ اس وعدہ کا ذکر سورۂ آل عمران کی آیت وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ الخ کے الفاظ میں اُوپر تحریر میں لایا گیا ہے۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ جو آنحضرت صلعم کی بعثتِ ثانی کے ظہور کے لئے مسیح موعود کی حیثیت میں اِس چودہویں صدی کے مبارک دَور میں مبعوث فرمائے گئے ان کی نسبت بھی سب نبیوں سے مع آنحضرت صلعم کے وعدۂ ایمان و نصرت بطور مضبوط وعدہ و میثاق کے لیا گیا۔ چنانچہ اِس وعدہ کا ذکر سورۂ احزاب کی آیت ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝

دیکھئے! اِس آیت میں اصحاب سلسلہ رسولوں سے جو اولو العزم کہلاتے ہیں، یعنی آنحضرت صلعم اور حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسٰےؑ اور عیسٰےؑ ان سب سے میثاق اور پختہ عہد لیا گیا۔ اور علاوہ دوسرے نبیوں کے خود محمد رسول اللہ صلعم سے بھی عہد لینے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ رسول جسکے متعلق سب نبیوں سے اور آنحضرت صلعم سے بھی عہد لیا گیا وہ نہ تو خود آنحضرت صلعم مراد ہوسکتے ہیں اور نہ ہی آپؐ سے پہلے کا کوئی رسول ہے بلکہ اِس سے مراد وہ رسول ہوسکتا ہے جو آنحضرت صلعم کے بعد آنیوالا ہے۔ اور وہی مسیح موعود یعنی مسیح محمدی ابن مریم کے نام والا بھی ہے۔ جو خدا کے فضل سے آچکا یعنی حضرت سیدنا احمدؐ قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

یہ تو وہ وعدے تھے جو قرآن کریم میں حضرت مسیح محمدیؐ کے متعلق سب نبیوں کی زبان پر سے کئے گئے۔ اور قرآن میں اُن کا ذکر کر دیا گیا۔

آپ اگر یہ کہیں کہ ان نبیوں سے وعدہ لینے کا ذکر کیا گیا جو نوحؑ نبی سے لیکر آنحضرت صلعم تک

پائے جاتے ہیں۔ نوحؑ سے پہلے کے نبیوں کا ذکر نہیں تو اس کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کی وحی جو قرآن سے ثابت ہے اس میں حضرت امام مہدی جنہیں حدیث لا المهدی الا عیسٰی کے رو سے عیسےٰ بھی کہا گیا ان کی پیشگوئی کا ذکر پیش کیا گیا ہے۔ اور وہ وحی مع ثبوت حسب ذیل ہے:-

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے وحی کے ذریعے کچھ کلمات خدا سے سیکھے۔ جن میں خدا کی وحی کے ذریعے مہدی علیہ السلام کی آمد کی پیشگوئی کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى کے الفاظ میں مہدی موعود علیہ السلام کی پیشگوئی ہی کا ذکر ہے۔ هُدًى مصدر ہے اور مصدر مبنی للفاعل والمفعول بھی ہوتا ہے۔ بلکہ جب کسی موصوف کی صفت میں مبالغہ اور مفہوم صفت کا انتہاء ظاہر کرنا مقصود ہو تو فاعل اور مفعول کے واسطے محلِ مبالغہ میں عام طور پر مصدر کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ عادل شخص جو صفتِ عدل سے انتہائی کمال عدل رکھنے والا ہو اُسے بطور مبالغہ عدل بھی کہہ لیتے ہیں۔ حالانکہ عدل کا لفظ بجائے خود مصدر ہے۔ اِسی طرح هُدًى جو مصدر ہے وہ بمعنے مفعول مہدی کے معنوں میں بطور مبالغہ صفت ہدایت استعمال ہوا ہے۔ اور اِهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا کے فقرہ میں جمیع سے مراد سب آدمؑ کے متعلقین تھے۔ یعنی سب اہل وعیال جو دُنیا میں پھیلکر مختلف مُلکوں اور خطوں میں قوموں کی صورت میں وسعت پذیر ہوگئے۔ اور جس طرح آدم ابتدائی دورِ بشری کے لئے جمیع اولاد کے لئے خدا سے عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے علمی فیوض کا مورد ہو کر اور خدا تعالیٰ کی ہدایت وحی کے واسطہ سے مہدی ہو کر اپنی نسلِ اول کا ہادی بنا اِسی طرح آدم کی تمام نسل کے آخری دَور میں جبکہ تمام دُنیا کی قومیں ایک قوم کی طرح اور تمام دُنیا کے ممالک بوجہ اسباب اتحاد کے میسر آنے کے ایک شہر کے حکم میں ہو جانیوالے تھے اُسوقت مہدی موعود خدا کی طرف سے کامل ہدایت جو سب دُنیا کی قوموں کے لئے مکتفی ہو سکے لیکر مبعوث ہونیوالے تھے۔ اور اس طرح ساری کی ساری نسل آدم مہدی موعود سے ہدایت کا فائدہ اٹھانیوالی تھی۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ مہدی موعود کی پیشگوئی جو آدمؑ کی وحی میں پیش کی گئی وہ آدم علیہ السلام کی سب

اولاد اور سب نسلوں کے لئے یکساں طور پر مسلسل چلی آتی رہی۔ اور جب ایک رسول کی قوم بھول گئی تو اس کے بعد دوسرا رسول آیا۔ پھر تیسرا۔ پھر مختلف ملکوں کے لوگوں میں مختلف رسول بھیجے جانے لگے۔ اور آخری دَورِ شریعت کے لئے حضرت محمد رسول اللہ بغرض تکمیلِ ہدایت مبعوث کئے گئے اور پھر سب دُنیا کی قوموں کو ایک قوم بنانے کے لئے تبلیغِ ہدایت کے بعد تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کی غرض سے حضرت مہدی موعود کو مقرر فرمایا گیا جو مسیح محمدی اور ابن مریم کے نام سے بھی ملقب ہونیوالے تھے اور جنہیں آج حسب پیشگوئی تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کے لئے اِس آخری دَور میں مبعوث فرمایا گیا۔ چنانچہ موجودہ زمانہ خدا کے فضل و رحم سے اسی مبارک وجود کی بعثت کا ہے۔ والحمد للہ علی ذٰلک

یہ آیات جو بطور سند اور ثبوت قرآن کریم سے پیش کی گئی ہیں، گو اسی قدر تفصیل اور کھوج کے لحاظ سے آپ کے مطالبہ متفصیل و کھوج کے لئے کفایت کرنیوالی ہیں لیکن قرآنی آیات کے بعد صحیح بخاری کی ایک حدیث بھی آپ کی خاطر پیش کرتے ہیں۔ بخاری شریف کے باب الدجال کے ذکر میں آنحضرت صلعم کے یہ الفاظ مرقوم ہیں:۔

قام رسول اللہ فی الناس فاثنی علی اللہ بما ھو اھلہ ثم ذکر الدجال فقال انی لانذرکموہ۔

یعنی دجال کا ذکر فرماتے ہوئے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مَیں تمہیں دجال سے ڈراتا ہوں۔ اور ہوشیار کرنا چاہتا ہوں۔ وما من نبی الّا و قد انذرہ قومہ۔ اور دنیا میں ایسا کوئی بھی نبی نہیں ہوا جسنے اپنی قوم کو دجال سے نہ ڈرایا ہو۔ اور حسب مقولہ لکلِّ فرعون موسیٰ و لکلّ دجال عیسیٰ اگر ہر فرعون کے لئے کسی موسیٰ کا ہونا ضروری ہے اور ہر دجال کے لئے کسی عیسیٰ کا ہونا از بس ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ جس دجال کی آنحضرت صلعم کے زمانہ تک ہر ایک نبی نے پیشگوئی کی ہے، دجال کی پیشگوئی کے ضمن میں ہر ایک نبی نے حسب مقولہ ولکلّ دجال عیسیٰ عیسےٰ کی پیشگوئی کا ذکر بھی بطریق مرموز تعرف الاشیاء باضدادھا کے اصل کے ماتحت کردیا ہے۔ اور قرآن کریم نے بھی تعرف الاشیاء باضدادھا کے اصل پر بعض جگہ اس کی مثال کو پیش فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۃ نحل میں فرمایا جَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ۔ یعنی خدا نے تمہارے لئے قمیص وغیرہ ایسا لباس بنایا جو تمہیں گرمی کی تکلیف سے بچاتا ہے۔ اب اِس آیت میں یہ فرمانا کہ گرمی کیلئے تمہارا لباس جو خدا نے تمہارے لئے بطور نعمت عطا فرمایا تمہیں گرمی سے بچاتا ہے۔ حالانکہ لباس گرمی کے علاوہ سردی کی تکلیف سے بھی بچاتا ہے۔ تو گرمی کے ذکر کے ساتھ سردی کا ذکر نہ کرنا بطور اصل

تعرف الاشیاء باضدادہا گرمی کے ذکر کے اندر ضمناً سردی کا بھی ذکر آگیا ہے۔ اسی طرح دجّال اور فتنۂ دجّال کے ذکر کے ضمن میں عیسےٰ کی پیشگوئی کا ذکر بھی بطور لزوم مفہوم اضداد کر دیا گیا ہے۔ اور جس طرح ہر نبی نے دجّال معہود کی پیشگوئی کی اس کے ضمن میں مسیح موعود کی پیشگوئی بھی آگئی۔ چنانچہ اس طور پر حضرت اقدس سیدنا مرزا صاحب احمدؑ قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہر نبی کی زبان پر بطور وعدہ و بصورت تصدیق آج موجودہ زمانہ میں وقوع میں آچکا اور فتاویٰ احمدیہ کے صفحہ والے حوالہ کی تصدیق بھی ہوگئی۔ اور اگر آپ علمی اور معقولی طریق پر علیٰ منہاج نبوت صداقت مبینہ پر غور فرمائیں گے تو ممکن ہے کہ آپ جیسے فہیم انسان کا حقیقت رس دماغ اور نکتہ فہم ذہن اس بیان صداقت نشان کی تصدیق سے اعراض کر سکے۔ اور اگر آپ حدیث نبوی میں فتنۂ دجّال کے ساتھ مسیح موعود جو فتنۂ دجّال کو دنیا سے دور کرنیوالا ہے اس کا بھی ذکر پڑھ لیں گے تو لکلّ دجالٍ عیسیٰ کے رو سے ہر ایک نبی کے ذکر دجّال کے اندر مسیح موعود کی آمد کا ذکر بھی آنحضرتؐ کی تفصیل سے بخوبی سمجھ لیں گے۔ اور سابقہ نبیوں میں سے دانیال باب ۱۲ میں تو مسیح موعود کی آمد بارہ سو نوے سے تیرہ سو پینتیس تک بتائی گئی ہے؂

تیسرے سوال کا جواب!

اور یہ سوال کہ ۱۹۰۸ء کے ۵ رمارچ والے اخبار بدر میں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم نبی اور رسول ہیں"۔ ان الفاظ کی نسبت یہ کہنا کہ "یعنے ظلّی نبی کا بھی سوال اڑ گیا"۔ کیونکر اڑ گیا۔ اس کی تشریح نہیں فرمائی۔ ایسا ہی فقرہ "یا مثیل عیسےٰ کا" اس کے متعلق بھی کچھ نہیں فرمایا کہ کس توجیہہ کی بناء پر سوال کے اڑجانے کی تقریب پیش آئی جس کے رو سے ہمیں خاتم النبیین کے معنے پہلے مسلمہ معنوں کے خلاف کچھ اور کرنے پڑیں گے۔

آں محترم کے ان فقرات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے سلسلۂ احمدیہ کی کتب کو غور سے نہیں پڑھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ظلّ اپنی مظہریت کے کمال تام کے مرتبہ میں آئینہ کی طرح اصل نما بھی ہوتا ہے۔ کیا آئینہ کے اندر سورج کا عکس جو آفتاب نما ہے آپ اُسے آفتاب نہ کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ اور آم کا درخت جس پر اس کا پھل بمرتبہ ثمر ظلّ کا مقام اور نشان پیش کرنیوالا ہے آپ آم کے پھل کو آم نہ کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ اور اگر ایم۔ اے استاد سے پڑھ کر ایم۔ اے ہونیوالا شاگرد استاد کی ایم۔ اے کی شان دکھانے کے لئے بمرتبہ ظلّ ایم۔ اے ہے آپ اُسے ایم۔ اے

نہ کہیں گے تو کیا کہیں گے۔ پس اگر کوئی شخص شاگرد ایم۔ اے کو اُستاد ایم۔ اے کا ظل کہدے تو شاگرد کے ایم۔ اے ہونے کی ڈگری میں یا اس کی علمی شان میں کچھ فرق آجائے گا یا بعض صفات کی مشابہت سے شاگرد ایم۔ اے کو کسی دوسرے ایم۔ اے شاگرد کا مثیل کہدیں تو کیا اس مماثلت سے مثل یہ کے مثیل ایم۔ اے کی شان اور علمی ڈگری میں کچھ نقص لازم آجائے گا؟ انہی امثلہ پر اگر آپ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلعم کا ظل اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کا مثیل سمجھ لیتے اور یہ دونوں شانیں آنحضرت صلعم کے افاضہ ختم نبوت کی طفیل آیت مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ الخ کے ارشاد کے ماتحت انعام نبوت سے آپ کے نبی اور رسول ہونے کے دعوے کو پرکھتے تو یقیناً آپ ان دعاوی کی تصدیق میں تامّل اور تردّد کی گنجائش نہ پاتے۔ اور نہ ہی ازراہِ استعجاب ایسے کلمات کے تحریر کرنے کی ضرورت پیش آتی جو بالصّراحت قرآن کریم اور حدیث نبوی کے منشاء کے خلاف ہیں۔ کیا قرآن میں دعاء فاتحہ سے طلب انعامات کے لئے امتِ محمدیہ کو حکم نہیں؟ اور آیت وعدہٗ انعامات میں اُمتِ محمدیہ کے لئے وعدہٗ انعام نبوت بھی داخل نہیں کیا گیا؟ پھر کیا صحیح مسلم میں آنیوالے مسیح موعود کو آنحضرت صلعم نے نبی کے خطاب سے یاد نہیں فرمایا؟

خاتم النبیین کی حقیقت!

آپ نے خاتم النبیین کے معنوں کے متعلق "کچھ اور معنے کرنے ہونگے" کا فقرہ فرما کر اس بات کا اظہار کیا ہے کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کا دعوئ نبوت و رسالت گویا خاتم النبیین کی حقیقت کے منافی ہے لیکن آنحضرت صلعم جو خاتم النبیین ہیں آپؐ کی یہ شان اس طرح کی نبوت و رسالت کے دعوے کی مزاحم و منافی نہیں۔ اس لئے کہ حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کی نبوت و رسالت آنحضرت صلعم کے افاضہ کی رو سے خود حضور ختمی مآب کی اپنی ہی نبوت و رسالت ہے۔ کیونکہ وہ آپؐ کے فیض سے اور آپ ہی کے اغراض و مقاصد کی تکمیل و خدمات کے لئے ہے۔ اور اگر آپ کے نزدیک خاتم النبیین کے معنے لا نبی بعدی کے مفہوم کے ہم معنے اور ہم مراد ہیں تو اس صورت میں آپ پھر ابن مریم جو اسرائیلی نبی ہیں اور جن کے نام پر آپ نے ایک کتاب بھی تالیف فرمائی اُن کی آمد کا استثناء کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ اور اگر آپ فرمائیں کہ مسیح ابن مریم اسرائیلی نبی تو آنحضرت صلعم کے تابع نبی ہو کر آئیں گے۔ اور خاتم النبیین اور لا نبی بعدی کی حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد شریعت جدیدہ

ناسخہ والا نبی نہیں آسکتا نہ کہ تابع نبی۔ تو ان معنوں میں کہ آنحضرت صلعم کا خاتم ہونا اور آپ کا ارشاد لا نبیَّ بعدی دونوں کا یہی مطلب ہے کہ آپ کے بعد شریعت جدیدہ ناسخہ والا نبی قیامت تک نہیں آسکتا۔ ہمیں بھی کُلیۃً اتفاق ہے۔ اور اس سے بھی اتفاق ہے کہ تابع شریعت نبی آسکتا ہے جیسے آپ بھی مانتے ہیں۔ صرف فرق ہے تو یہ ہے کہ آپ موسیٰ کے خلیفہ یعنی اسرائیلی مسیح کو جو قرآن کریم کے نص صریح کے رو سے صرف قوم بنی اسرائیل کے لئے رسول کر کے بھیجا گیا اور پھر قرآن و حدیث نبوی کی شہادات سے اس کا فوت ہونا بھی ثابت ہو چکا۔ ایسے مسیح کو آنحضرت صلعم کے بعد آنیوالا موعود رسول مانتے ہیں۔ اور ہم آیت استخلاف اور حدیث وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کے رو سے اُسے مسیح محمدی اور اُمتِ محمدیہ کا فرد تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس پر قرآن و حدیث کی شہادات و آیات بیّنات و علامات زمانہ کی تصدیقات کی رو سے ایمان رکھتے ہیں کہ وہ موعود مسیح آنیوالے آچکے۔ اور وہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰة والسلام ہیں۔ اور کسی نبی کا اُمتی ہو کر آنا یعنی منصب نبوت سے معزول ہو کر، یہ اسلامی تعلیم اور اہلِ اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ جیسا کہ اہلسنت کے علماءٔ میں سے بعض نے فرمایا کہ ؎

ولانّ الانبیاء لفی امانٍ ÷ من العصیان عمداً وانعزالٍ

یعنی خدا کے نبیوں کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ اُن سے عمداً گناہ سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ منصبِ نبوت سے معزول ہوتے ہیں۔

پھر کس قدر تعجب ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلعم کے بعد مسیح ابن مریم یعنی اسرائیلی نبی کے آنے کو تو مانتے ہیں لیکن مسیح محمدی کے آنے پر خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی کو پیش کر دیتے ہیں۔ گویا یہ بات کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں اور حدیث لا نبی بعدی آپ کا ارشاد ہے، یہ مسیح اسرائیلی نبی کے آنے کے لئے روک نہیں بن سکتی، روک بن سکتی ہے تو مسیح محمدی کے لئے۔ گویا اُمتِ محمدیہ کے نصیب میں تو دجال ہی دجال ہیں جن کی تعداد تیس سے بہتر تک بتائی جاتی ہے لیکن نبی کوئی ایک بھی اس خیر امت سے نہیں آسکتا۔ ہاں اگر نبی آسکتا ہے تو اُمتِ اسرائیلیہ کا مسیح نبی آسکتا ہے۔ گویا آنحضرت صلعم کا خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین ہونا اُمتِ محمدیہ کے اندر دجالوں کی آمد کو تو نہیں روکتا جو اُمتِ محمدیہ اور دُنیا کی قوموں کو گمراہ کر کے دوزخی بنانے والے ہیں، لیکن روکتا ہے تو نبیوں کو جن کی وساطت اور کوشش سے دُنیا میں ہدایت اور نور پھیلتا ہے! اور لوگ اُن کی برکات سے مستفیض ہو کر مومن بنتے ہیں اور جنتی۔ کیا ایسا فاسد عقیدہ فطرت

سلیمہ کا عقیدہ ہوسکتا ہے، یا ایسی تعلیم اسلام اور قرآن جیسی پاک اور مہالک کتاب کی طرف منسوب ہوسکتی ہے؟ ایسے غلط عقیدہ سے تو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی کسرِ شان کے علاوہ خدا تعالےٰ کی بے عیب ذات اور اسکی پُر حکمت صفات پر بھی حملہ ہے ؛

چوتھے سوال کا جواب!

چوتھا سوال آپ کی طرف سے یہ ہے کہ "جو غلبہ دینِ اسلام کو مسیح یا مثیلِ مسیح (آپ کے خیال کے مطابق) کے زمانہ میں ہونا تھا اس کا کیا حشر ہوا؟ ۱۹۰۸ء کے بعد تو مسلمانوں کی اور حالت بگڑ گئی، اور روز بروز بگڑتی جاتی ہے۔ دیکھئے صفحہ ۸۲/۸۳ چشمہ معرفت۔ کیا چند یورپین انگریزوں کا مسلمان ہونا کافی ہے؟"

آں محترم کے اس پیش کردہ سوال پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنجناب حضرت اقدس مرزا صاحبؑ کی اصل کتاب کو پڑھکر سوال کو پیش نہیں کرتے بلکہ کسی مخالف اور معاند کے رسالہ کی غلط بیانی پر اعتماد کرکے اور جھوٹ کو سچ سمجھ کر بات کو پیش کرتے ہیں۔ اور یہ نمونہ صرف اس چوتھے سوال میں ہی نظر نہیں آتا بلکہ پانچویں سوال میں بھی اس کا نمونہ آنجناب کی تحریر میں پایا جاتا ہے۔ کیا چشمۂ معرفت جو حضرت مرزا صاحبؑ کی تصنیف ہے، وہ ۱۹۰۸ء کے بعد کی ہے؟ کیونکہ آپ نے اس کے حوالہ کے رو سے لکھا ہے اور چشمہ معرفت کے صفحہ ۸۲/۸۳ کا حوالہ دیکر لکھا ہے کہ "۱۹۰۸ء کے بعد تو مسلمانوں کی اور حالت بگڑ گئی اور روز بروز بگڑتی جاتی ہے۔" اور اس عبارت کے معاً بعد لکھا۔ دیکھئے! صفحہ ۸۲/۸۳ چشمہ معرفت میرے مہربان اور محقق دوست! تحقیق کی راہ یہ نہیں ہوا کرتی کہ تساہل کے طور پر بلا احتیاط حوالہ کو نقل کرکے پیش کیا جائے۔ کاش! آپکو معلوم ہوتا کہ چشمۂ معرفت جو حضرتؑ کی کتاب ہے۔ اسمیں ۱۹۰۸ء کے بعد کے متعلق کے حالات مشہودہ کا حوالہ قابلِ تسلیم نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی اسے کتاب چشمۂ معرفت کی طرف آپ کی تحریر کی بناء پر منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت اقدس سیدنا مرزا صاحبؑ تو ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء میں وصال فرما گئے اور چشمۂ معرفت بہر حال آپ کی وفات سے پہلے ہی کی تصنیف ہوسکتی ہے۔ پھر بقول آپ کے اس میں ۱۹۰۸ء کے بعد کے متعلق آپکا حوالہ پیش کرنا کس قسم کی صداقت پر محمول ہوسکتا ہے؟

اسی طرح آپ نے سوال ۵ میں حقیقۃ الوحی جو حضرت مرزا صاحبؑ کی تصنیف ہے اس کے

تتمہ کے صفحہ ۲۹ کے حوالہ سے یہ شعر لکھا ہے کہ ؎

"مسیح ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ✤ اس سے بہتر غلام احمدؑ ہے"

اس حوالہ کے نقل کرنے میں آپ نے احتیاط نہیں فرمائی۔ اوّل اس طرح کہ یہ شعر جسے آپ نے نقل کیا ہے حضرت مرزا صاحبؑ نے بھی اس شعر کو ایک مخالف کی تحریر سے بطور نقل حوالہ کے تحریر فرمایا ہے ورنہ یہ شعر دراصل آپؑ کی کتاب معیار الاصفیاء کا ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ نے حوالہ نقل کرنے میں جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں ان میں آپ کی دو طرح کی غلطی پائی جاتی ہے۔ ایک یہ کہ آپ نے اس مصرع کو کہ "ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو" اس کی جگہ یہ لکھدیا ہے کہ "مسیح ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو" اور لفظ "مسیح" کو اپنی طرف سے زائد طور پر رقم فرما دیا، جو صحتِ نقل کے لحاظ سے احتیاط طلب بات ہے۔ دوسرے یہ کہ شعر کے وزن کو بگاڑا۔ اور پہلے مصرعہ کو دوسرے مصرعہ کے وزن کے تناسب سے مغائرت کے ساتھ پیش کیا جو متکلم پر اس کے صحیح کلام کو بگاڑ کر پیش کرنے سے اغیار کی نظر میں حرفِ طعن کے لئے نشانہ بنانے کی غیر مناسب تحریک ہے جو محض معمولی سی بے احتیاطی کے نتیجہ میں سرزد ہوئی۔ پس محبانہ گذارش ہے کہ آپ جیسی محتاط ہستی آئندہ زیادہ محتاط رہے۔

اس کے بعد اب آپ کے مضمون کے دوسرے پہلو پر بغرض جواب کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ ہمارے نزدیک مسیح بھی ہیں یعنی مسیح موعود ہو کر خدا کیطرف سے مبعوث ہونیوالے اور مسیح محمدی کی حیثیت سے مسیح اسرائیلی کے مثیل بھی ہیں۔ اس لئے کہ جس طرح آنحضرت صلعم حضرت موسےٰؑ کے مثیل تھے اسی طرح مسیح محمدی جو آنحضرت صلعم کے آخری خلیفہ ہیں مسیح اسرائیلی کے جو موسےٰ علیہ السلام کے آخری خلیفہ تھے بسلسلۂ مشابہت مثیل قرار پائے۔ اور مسیح اسرائیلی جو آپ کے نزدیک بھی نبی اور رسول ہوئے ہیں ان کی کامیابی کا نقشہ جو ان کی بعثت کے ابتدائی دَور کے وقت ظہور میں آیا وہ بھی آپ سے بسلسلۂ تاریخ مخفی نہیں۔ پس مسیح اول کے مقابل پر مسیح ثانی کو رکھکر بنظرِ غور دیکھیں تو آپ کو مسیح محمدی کی شان پُر فائق بمقابل مسیح اسرائیلی نمایاں طور پر معلوم ہوسکتی ہے۔ اور میزانِ عدل اور تقابلِ حالات کی رو سے آپ کے لئے بہترین جواب ہوسکتا ہے۔ ہاں آپکا مسلمانوں کی حالت کا بگڑنا اور پھر بگڑتے جانا جسے آپ نے بغرض تحقیق یا بطور اعتراض پیش کیا ہے اس کا جواب بھی حضرت مسیح اسرائیلی کے وقت کے حواریوں اور آپؑ کے مخالف یہودیوں کے حالات کثرت و قلت کے تقابل سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ پھر آپ اپنے مسلّمہ کی بنا پر اس سوال کا جواب ہاں تسلی بخش جواب کیا ایسے معترض کو دے سکتے ہیں جس کا یہ سوال ہو کہ مسیح اسرائیلی جو قوم یہود کیلئے

رسول ہو کر آئے، بارہ حواری جوان پر ایمان لائے ان کے سوا باقی قوم یہود جو تورات کے ماننے والے تھے ان میں سے جتنے لوگوں کو مومن بنایا۔ اور پھر مسیح کے آنے پر یہود کی حالت بوجہ مسیح کی مخالفت کے آیا سدھرتی چلی گئی یا بگڑتی اور پھر روز بروز بگڑتی ہی چلی گئی اور بگڑتے بگڑتے پھر نوبت بایں جا رسید کہ مسیح کی مخالفت سے اُن پر غضب الٰہی ایسا بھڑکا کہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ کے ارشاد کے مطابق ان کی حالت یہ ہوئی کہ یہودی قوم محض مسیح کی مخالفت کیوجہ سے خدا کے نزدیک مغضوب علیہم قرار پائی۔ پس مسیح اسرائیلی کی بعثت کے بعد قوم نصاریٰ جو ماننے والی تھی اس کا روز بروز بڑھتے جانا اور پھر بڑھتے بڑھتے مسیح کے ماننے سے اور اسکے نام کی عزت اور احترام کی بدولت دُنیا بھر کی حکومتوں کو حاصل کرنے سے سب اقوام عالم پر چھا جانا اور قوم یہود جو مخالفت اور عناد میں روز بروز مسیح کے دشمن ہوتے گئے وہ بگڑتے بگڑتے اور گھٹتے گھٹتے جہان میں انتہائی ذلت اور نکبت کی حالت تک پہنچے اور دُنیا نے نصاریٰ اور یہود دونو قسم کے لوگوں کا حشر مشاہدہ کیا اور اب تک کر رہے ہیں۔ یہی جواب ہے اس سوال اور اعتراض کا جو مسیح محمدی اور احمدیوں اور غیر احمدی مسلمانوں کے لئے مقدرات سے ہے۔ اسی منہاج اور دستور قدرت کا نمونہ اب بھی ظاہر ہوتا رہے گا کہ احمدی جماعت جو حضرت مسیح محمدی پر ایمان لانیوالی ہے وہ بڑھے، پھلے اور پھولے اور مخالف مسلمان بمع دوسری اقوام عالم کے گھٹتے گھٹتے یہود کی حالت کی مصداق بن جائیں۔

میرے مہربان دوست آپ مسلمانوں کی حالت بگڑنے اور پھر روز بروز بگڑتے جانے کے متعلق اُسوقت سوال کرنے کا حق رکھتے تھے جبکہ سب مسلمانوں کی قوم حضرت مسیح محمدی پر ایمان لاتی اور آپ کو قبول کر کے احمدی جماعت کی اتباع کے نمونہ پر آپ کی تابعدار ہو جاتی، اس کے بعد پھر بگاڑ ہوتا اور مسلمانوں کو ذلت اور ادبار نصیب ہوتا تو پھر آپ جو چاہتے اعتراض کی صورت پیش کرتے اور جب مسلمانوں کی قوم حضرت مسیح محمدی کی یہود کے نمونہ پر مخالفت پر تُلی ہوئی ہے تو جس طرح یہود مسیح اسرائیلی کی مخالفت سے مسیح کے ماننے والوں کی طرح عزت اور عروج حاصل نہ کر سکے اسی طرح غیر احمدی مسلمان مسیح محمدی کی مخالفت کے ساتھ مسیح محمدی کے ماننے والوں کی برکتیں اور ترقیاں اور مقام عروج حاصل نہیں کر سکتے۔

آپ نے اپنے چوتھے سوال کے آخر میں کرشن کے اوتار ہونے کی نسبت بھی دریافت کیا ہے کہ کرشن اوتار کے متعلق لفظ "اوتار کے وہی معنے ہیں جو ہندو صاحبان لیتے ہیں۔ اور کیا یہ

عقیدہ اسلامی عقیدہ کہا جا سکتا ہے؟" جواباً عرض ہے کہ :-

مختلف زبانوں میں ایک ہی چیز کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ عربی زبان میں نبی رسول کہتے ہیں تو فارسی زبان والے اسے فرستادہ اور پیغمبر کہہ لیتے ہیں۔ اور انگریزی والے پرافٹ کہتے ہیں اسی طرح عبرانی میں نابی کے لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے سنسکرت میں اسے اوتار کے لفظ میں استعمال کیا جاتا ہو۔ اوتار کے سوا ہندو صاحبان کی بول چال میں نبی اور رسول کی بجائے کوئی اور لفظ نہیں سننے میں آیا۔ ہاں قرآن کریم آیت اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ اور آیت وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ اور آیت وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا کے رو سے خدا نے دنیا کی ہر قوم میں جب کوئی نہ کوئی رسول ضرور بھیجا ہے تو یقیناً ہندوؤں کی قوم کے اندر بھی کوئی رسول بغرض ہدایتِ قوم مبعوث کیا گیا ہو۔ اور رامچندر اور کرشن دونوں کو ہندو صاحبان اوتار مانتے ہیں اور ہندو قوم کی زبان عربی تو ہے نہیں کہ وہ اپنی قوم کے رسول کو رسول کے لفظ سے پکاریں۔ پس قیاس چاہتا ہے کہ اوتار کا لفظ ہی لفظ رسول کے قائم مقام اور ہم معنی استعمال کیا جاتا ہوگا۔ گو ہندو صاحبان بتغیر یسیر اس کی حقیقت مظہر اللہ کے معنوں میں یا عیسائیوں کی طرح وہ بھی مسیح کی اُلوہیت کیطرح کرشن اور رامچندر کیطرف شانِ اُلوہیت کو منسوب کرنیوالے ہوں۔ اور خدا کے رُوپ میں اُنہیں سمجھتے ہوں لیکن مرورِ زمانہ سے جیسے بہت سے حقائق اور صداقتیں مفقود ہو کر محاوراتِ زبان میں بھی تبدیل ہونے کے ساتھ کچھ کا کچھ تغیر پیدا کر لیتے ہیں جیسے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰؑ کو جو خدا کے رسول تھے غلطی سے خدا اور خدا کا بیٹا کہتے کہتے مسیح کے رسول ہونیوالی حقیقت بھی بھول گئے۔ بلکہ زبان پر عیسائی قوم مسیح کی نسبت لفظ رسول کا استعمال بھی ترک کر بیٹھی ہے اور غلو آلود بدعت کے پُرزور رواج سے ممکن ہے ہندو قوم نے بھی عیسائیوں کی طرح رام اور کرشن کی نسبت ایسی ہی مشرکانہ رواج کی بدعت پیدا کر لی ہو۔ اور لفظ رسول کی جگہ لفظ اوتار استعمال کر لیا ہو۔ لیکن مزید غور کرنے سے یوں بھی معلوم ہوتا ہے کہ اوتار کا لفظ ہندوؤں کے لٹریچر میں خدا تعالیٰ کی نسبت کہیں بھی استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور جب اوتار کا لفظ رام اور کرشن جیسی مقدس اور بزرگ ہستیوں کی نسبت ہی استعمال کیا جاتا ہے تو اگر اور کوئی لفظ ہندوؤں کی زبان میں لفظ رسول کے معنوں میں نہیں ملتا تو یقیناً اس سے یہی سمجھا جائیگا کہ رسول کے لفظ کی جگہ اوتار کا لفظ وضع کیا گیا ہے۔ اور اس صورت میں کہ لفظ اوتار کا رسول کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اوتار بمعنی رسول اسلامی

عقیدہ کے منافی نہیں ہو سکتا۔
آپ نے اِس چوتھے سوال کے ضمن میں یہ بھی لکھا ہے کہ "مَیں مرزا صاحبؑ کے چند دعاوی اگر مفصل ذکر کروں تو وہ ایک لمبی داستان ہو جائیگی۔ اگر یہ مرقومہ اور مرسلہ سوالات مفصل ذکر نہیں تو اب اس کے بعد مفصل ذکر بطور لمبی داستان "بھی لکھکر بھیج سکتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ جوابات بھی دیں گے۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ کا کرشن اوتار کا دعوٰے ہندوؤں کے موعود اور منتظر کے لحاظ سے ہے جو گیتا کی پیشگوئی کا مصداق ہے۔ اور حضرت مرزا صاحبؑ موعود الاقوام کی حیثیت سے ہندوؤں کے لئے کرشن اوتار کے قائم مقام ہیں اور عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے قائم مقام مسیح اسرائیلی کے۔ اور مسلمانوں کے لئے قائم مقام آنحضرت صلعم کے۔ علیٰ ہذا دوسری قوموں کے لئے بھی انہی معنوں میں۔ قرآن میں اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ کی پیشگوئی فرمائی گئی کہ ایک ہی وقت میں سب رسول موعود الاقوام کی حیثیت میں جَرِیُّ اللّٰہِ فِی حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ کے وجود کے ذریعے ظہور میں لائے جائیں گے جیسا کہ موجودہ زمانہ میں یہ پیشگوئی نمایاں طور پر وقوع میں آچکی اور مُلک ہند جس میں سب قومیں اور مذاہب جمع تھے اسی ملک میں بلحاظ مناسبت حضرت موعود سیدنا مرزا صاحبؑ مبعوث فرمائے گئے۔
والحمد للہ علیٰ ذٰلک ؂

پانچویں سوال کا جواب!

پانچواں سوال آپ کا یہ ہے کہ "اگر مرزا صاحب موصوف مثیل مسیح ہیں تو تتمہ حقیقۃ الوحی کے ۵۴ میں یہ کیوں لکھا گیا کہ ؎

مسیح ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ؂ اس سے بہتر غلام احمدؐ ہے"

شعر کی منقولہ عبارت میں "مسیح" کا لفظ بوجہ عدمِ احتیاط زائد طور پر تحریر میں لایا گیا تھا جسکی اوپر چوتھے سوال کے جواب میں اصلاح کر دی گئی۔ باقی رہا یہ سوال کہ حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام مثیلِ مسیح ہوکر پھر کیوں مسیح سے افضل ہونیکا دعوٰی کرتے ہیں، جیسا کہ شعر مذکور سے بھی ثابت ہوتا ہے۔
آپ کے اِس سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپکے نزدیک جو شخص کسی کا مثیل ہوتا ہے وہ مثیل اپنے مثل بہ سے افضل نہیں ہوتا۔ آپکا یہ خیال گو بعض مثالوں میں درست بھی تسلیم ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ کوئی کسی شخص کو جو بی۔ اے ہو یا ایم۔ اے دوسرے بی۔ اے یا ایم۔ اے کو بلحاظ ڈگری اور نمبروں کی مساوات کے مثیل کہدے لیکن بعض مثالوں میں مثیل مثل بہ سے ادنیٰ بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ کوئی شخص اپنے

معمولی حسین دوست کو بوجہ محبت یوسف کہدے۔ یا یوسف کا مثیل کہدے۔ اور بعض مثالوں میں مثیل ممثل بہ سے افضل بھی ہوتا ہے جیسے کہ آنحضرت صلعم کو آیت اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَیْکُمْ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کے رو سے موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے حالانکہ آنحضرت صلعم موسیٰ علیہ السلام سے بدرجہا افضل ہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے لئے رسول تھے اور آنحضرت صلعم تمام اقوام عالم کے رسول بنائے گئے۔ اسی طرح مسیح اسرائیلی ایک قوم کیلئے رسول تھا لیکن مسیح محمدی رسول اللہ صلعم کی طرح اقوام عالم کے لئے مبعوث کئے گئے۔ پس ان معنوں میں یہ کہنا کہ ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو ÷ اس سے بہتر غلام احمدؑ ہے

بالکل بجا اور درست ہے ÷

چھٹے سوال کا جواب!

چھٹا سوال آپکا آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ کے مصداق کی تعیین کے متعلق ہے۔ کہ کیا جس احمدؐ رسول کی بشارت قرآن کی آیت موصوفہ میں پائی جاتی ہے وہ مرزا صاحبؑ ہی ہیں۔ اس کا ثبوت پیش کرنا چاہیئے۔

اس سوال کا جواب بصورت ثبوت ذیل کے امور پیش کردہ سے ملاحظہ فرمائیے! اور قبل از عرض جواب یہ بھی واضح ہو کہ یہ جواب علمی تحقیق کا رنگ بھی اپنے اندر رکھیگا۔ اور اسمیں کوئی شک نہیں کہ اس بشارت ذکر کردہ کا مصداق حضرت احمدؑ قادیانی ہی ہیں اور آپ کی جماعت آپ ہی کو یقین کرتی ہے اور چوہدری سر ظفر اللہ خانصاحب ہوں یا کوئی اور ہر ایک احمدی بشارت احمدؐ رسول کا مصداق حضرت احمدؑ قادیانی کو قرار دیتا ہے۔ اور یہ قرار دینا کورانہ تقلید کی بنا پر نہیں بلکہ علیٰ وجہ البصیرت ہے جسکے بعض وجوہ نمبروار پیش خدمت ہیں۔

(۱) اعلیٰ درجہ پر بشانِ حکمیت قرآن کریم ہے۔ اور قرآن کے بعد بسلسلۂ روایات حدیث کا مرتبہ ہے۔ حدیث کو قرآن کی طرح یقینی مراتب پر نہیں سمجھا جاتا۔ اسلئے کہ روایات میں جن انسانوں کا ہاتھ متصرف ہوا ہے انہیں احتیاط کا وہ مرتبہ میسر نہیں آسکا جو الہٰی وحی یعنی قرآن کو حاصل ہوا۔ اسلئے حدیث کا مقام ظنی ہے۔ اور ظن کا مقام چونکہ صدق اور کذب دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے اور اسکے فیصلہ کیلئے قرآن کریم کا یقینی کلام ہی میزان عدل اور معیار صدق کی شان دکھا سکتا ہے۔ آیت مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗ اَحْمَدُ سورہ صف کی آیت ہے۔ جس میں چار رسولوں کا ذکر اور ان کی جماعتوں

کا ذکر بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ صف کے اندر ان چار رسولوں میں سے دو شریعت والے رسول ہیں جو صاحبِ سلسلہ تھے۔ اور سلسلہ کی ابتداء میں بانی کی حیثیت رکھنے والے اور دو رسول ان چار رسولوں میں سے ان دو بانی رسولوں کے سلسلہ کے لئے آخری کڑی کے طور پر مبعوث کئے گئے۔ دو شریعت والے رسولوں کا ذکر اور ان کی جماعت کا ذکر سورۃ کے ابتدائی حصہ میں کیا گیا ہے۔ اور وہ دو بانی رسول جو شریعت والے ہوئے ان میں سے ایک محمد رسول اللہ صلعم اور دوسرے موسیٰ علیہ السلام ہیں اور سلسلہ کے آخر میں آنے والے دو تابع شریعت رسولوں میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء میں سے آخری خلیفہ ہوئے اور دوسرے احمد رسول ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے بعد آپ کے خلفاء میں سے آخری خلیفہ کی شان میں اس چودھویں صدی کے سر پر مبعوث فرمائے گئے۔ آنحضرت صلعم کی جماعت کا ذکر اور جماعت کے ذکر کے اندر ضمناً آپ کا ذکر آیت اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ میں ذکر ہوا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے صحابہؓ کی تعریف فرمائی ہے کہ وہ خدا کے محبوب ہیں اور جیسے کہ خدا نے آیت قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ میں فرمایا تھا۔ کہ محمد رسول اللہؐ کی متابعت کرنے والے خدا کے محبوب ہو جاتے ہیں۔ سو اس بات کی تصدیق اس سورۂ صف کی آیت سے پیش کی گئی کہ محمد رسول اللہ صلعم کے صحابہؓ جنہوں نے آپؐ کی اتباع کی اور آپؐ کے متبع ہو کر اس حد تک اتباع کا نمونہ دکھانیوالے ہوئے کہ سربکف ہو کر جانوں کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے اسلام کو مٹانیوالے ظالموں اور متواتر حملہ کرنیوالے سیاہ دل کافروں اور اہلِ اسلام کے خونخوار دشمنوں کے میدانِ قتال میں دنیا کے حقیقی اور بلند عزم جانبازوں سے بھی بڑھکر شانِ فدائیت کا مظاہرہ کرنے والے سمجھے گئے۔ ان خدا کے محبوبوں کو محبوبِ خدا بنانیوالا کون تھا؟ وہی محمد رسول اللہ محبوب خدا جسکی شان پُر عظمت دکھلانے کیلئے ان فدائی صحابہؓ میں سے ہر ایک فدائی محمد رسول اللہ صلعم کی کامل تعلیم اور کمال افاضہ کا نمونہ دکھانے کے لئے آئینہ بنا ہوا تھا۔ اور اس محبوب جماعت کا وجود اپنی جامعیت کی حقیقت میں آئینۂ محمدؐ نما تھا۔ گویا محمد رسول اللہؐ اس جماعت کے اندر بمنزلہ روح تھے۔ اور افرادِ جماعتِ صحابہؓ آنحضرت صلعم کیلئے بمنزلہ جسم و اعضاء تھے۔ و نعم ما قیل ؎

قومٌ کرامٌ لا نفرق بینھم ÷ کانوا لخیر الرسل کالاعضآء

یعنی صحابۂ آنحضرتؐ ایک بزرگ ترین قوم تھے۔ جن کے درمیان ہم تفریق نہیں کرتے کیونکہ سب صحابہؓ خیر الرسلؐ کے وجود کے لئے بمنزلہ اعضاء تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعتِ مبارکہ کے ذکر کے بعد سورۂ صف میں حضرت موسٰے علیہ السلام کا ذکر آیت ذیل میں پیش کیا گیا ہے۔ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ موسٰی علیہ السلام کے اس ذکر کے معاً بعد حضرت عیسٰی ابن مریم علیہ السلام کا ذکر ذیل کی آیت میں پیش کیا گیا ہے۔ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ۔ یعنی حضرت عیسٰی ابن مریم نے قوم بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف خدا کا رسول ہو کر آیا ہوں اور میری رسالت کے اہم مقصد دو ہیں۔ ایک مقصد مجھ سے پہلی چیز کے متعلق ہے یعنی تورات کی تصدیق دوسرا مقصد میرے بعد کے رسول کے متعلق ہے یعنی احمد رسول کی بشارت۔

سورۂ صف میں ان چاروں رسولوں کا ذکر ایک معنی رکھتا ہے جس سے اس غرض کا اظہار بھی مقصود ہے کہ دو سلسلوں کے دو پہلے رسولوں اور دو پچھلے رسولوں کا ذکر بلحاظ مناسبت و مماثلت پیش کیا جائے۔ اب جس طرح آنحضرت صلعم موسٰی علیہ السلام کی پیشگوئی کے مصداق اور مثیل ہیں ویسے ہی حضرت احمد رسول عیسٰے کی پیشگوئی کے مصداق اور ان کے مثیل بھی ہیں۔ اور ان آیات پیش کردہ میں غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت عیسٰی حضرت موسٰے کے بعد موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ ہوئے ویسے ہی بلحاظ مماثلت محمد رسول اللہ کے بعد محمدی سلسلہ کے خلفاء میں سے حضرت احمد رسول محمد رسول اللہ کے آخری خلیفہ ہو کر آئے۔ اور اس صورت میں بشارت احمد رسول کے مصداق حضرت احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مناسب معلوم ہوتے ہیں۔

(۲) حضرت عیسٰے علیہ السلام کی نسبت جو سورۂ صف کی آیت موصوفہ و مذکورہ بالا میں ان کے رسول ہونے کے دو اہم مقصد بیان کئے گئے ہیں یعنی ایک مقصد تصدیق تورات کے متعلق اور دوسرا مقصد احمد رسول کی بشارت کے اظہار کے متعلق۔ ان دونوں مقصدوں پر بھی غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ احمد رسول کی بشارت کے مصداق علمی تحقیق کی رو سے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے سوا کوئی دوسرا رسول ہے۔ اور غور و تدبر کے لئے ذیل کی وجوہ قابل ملاحظہ ہیں:۔

(۱) یہ مسلم ہے کہ تورات کے اندر حضرت موسٰی علیہ السلام نے خدا کی وحی کی بناء پر محمد رسول اللہ کی جو موسٰی کے مثیل رسول تھے پیشگوئی کی اور پھر اسی تورات میں صحیفہ غزل الغزلات میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے

حضرت صلعم کا محمدؐ نام بھی ذکر کیا۔ اب غور فرمائیے گا کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے رسول ہونیکا ایک مقصد تورات کی تصدیق ہی تو کیا اس تصدیق میں محمدؐ رسول اللہ صلعم کے متعلق جو پیشگوئی تورات میں کی گئی اسکی تصدیق شامل نہ ہوگی؟ اگر آپ کہیں کہ شامل ہوگی تو اس صورت میں کہ مسیح کی تصدیق تورات سے آنحضرتؐ کی پیشگوئی جو تورات میں ہی اسکی بھی تصدیق ہوگئی۔ پھر کیا عیسیٰؑ اسی تورات والے موعود رسول کی تصدیق بھی کرنیوالے اور پھر اسی موعود رسول کی تبشیر کرنیوالے ٹھہرے لیکن کیا یہ عجیب بات اور طرفہ تر لطیفہ نہ سمجھا جائیگا کہ آنحضرت صلعم بحیثیت موعود رسول ہونیکے تورات کی تصدیق کی رو سے تو حضرت عیسیٰؑ کے نزدیک محمدؐ قرار پائیں لیکن جب وہی آنحضرتؐ جو موعود رسول ہونیکی حیثیت میں تورات میں محمدؐ کے نام والے تھے اب عیسیٰؑ کی تبشیر اور بشارت کے اظہار کیوقت محمدؐ سے احمدؐ رسول کے اسم میں تبدیل ہوگئے۔

میرے مکرم دوست! غور فرمائیے گا کہ جب تصدیق اور تبشیر کا مقصد بلحاظ موعود رسول کی پیشگوئی کے ایک ہی وجود قرار پاتا ہی تو پھر اس ایک ہی وجود موعود کیلئے تصدیق اور تبشیر کے دو الگ الگ لفظ استعمال کرنے میں کونسی زائد حکمت ملحوظ تھی جس کا اظہار دو الگ الگ لفظوں کے اظہار کے سوا ناممکن تھا۔ کیا آپ وہ حکمت بیان کر سکتے ہیں؟ ورنہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ محمدؐ اور احمدؐ دو الگ الگ رسول ہیں۔

(ب) پھر غور فرمائیے! کہ جب یہود اور نصاریٰ دونوں قوموں کا تورات پر ایمان ہی اور دونوں قوموں کا اس بات پر بھی ایمان ہی کہ تورات کی پیشگوئی جو مثیل موسیٰؑ کے متعلق ہی وہ اسی موعود رسول کے متعلق ہے جسے اسی تورات کے دوسرے مقام میں سلیمان نبی کی وحی میں محمدؐ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ تو اب مسیح ابن مریم باوجود دعوئ تصدیق تورات اگر اسی موعود رسول کو جسے تورات محمدؐ کے نام سے پیش کرتی ہے، احمدؐ رسول کے نام سے پیش کریں تو کیا مسیح کا محمدؐ کیجگہ احمدؐ نام پیش کرنا تورات کی تصدیق ہوگی یا تکذیب؟ پس مسیح کی تصدیق محمدؐ نام کے پیش کرنے میں ہی جو مثیل موسیٰ ہے اور مسیح کی تبشیر احمدؐ رسول کے نام سے پیش کرنے میں مثیل مسیحؑ کے حق میں ہے نہ کہ مثیل موسیٰ کے حق میں۔

(ج) پھر نظر تدبر سے اس پہلو کو بھی ملحوظ فرمائیے کہ تورات کے محمدؐ موعود کو مسیح کا احمدؐ موعود قرار دینا اور ایک ہی موعود کی نسبت محمدؐ کیجگہ احمدؐ ظاہر کرنیسے اختلافی صورت پیش کرنا علاوہ تورات کی تکذیب کے قوم یہود اور نصاریٰ کیلئے اس اختلافی صورت کے پیش کرنیسے کس قدر اشکال کی راہ پیدا کر دی ہے کہ یہود اور نصاریٰ اس صورت اختلاف سے دونوں قومیں کبھی بھی تورات کے موعود رسول کو ایک موعود کی حیثیت میں نہیں تسلیم کر سکتیں۔ یہود گو تورات کی رو سے اس مثیل موسیٰ موعود رسول کو محمدؐ کے نام سے تلاش کریں اور محمدؐ نام والا موعود رسول انہیں مل جائے تو نصاریٰ اسکو قبول

نہیں کرسکتے۔ اسلئے کہ ان کے نزدیک تورات کے موعود رسول کا نام مسیح کی بشارت پیش کردہ کی رو سے احمدؐ رسول ہے نہ کہ محمدؐ۔ پس مسیحؑ کی بشارت والا رسول انہی معنوں میں اس اختلافی صورت کے اشکال سے ممیز طور پر شناخت کے فائدہ کے رو سے تعیین پذیر ہوسکتا ہے کہ محمدؐ کو الگ رسول تسلیم کیا جائے اور احمدؐ کو الگ رسول۔ اور تصدیق والے موعود رسول کو مثیلِ موسیٰ قرار دیا جائے اور تبشیر والے موعود رسول کو مثیلِ مسیح قرار دیا جائے۔

(۵) اور مسیح اسرائیلی نے بھی انجیل میں جو اپنی آمد ثانی کے متعلق پیشگوئی کی ہے اس میں ایکطرف تو اپنا دوبارہ آنا پیش کیا ہے اور دوسری طرف اپنی دوبارہ آمد کو اپنے مثیل کی آمد میں ظاہر کیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے کہ "پھر تم مجھے کبھی نہ دیکھو گے جب تک یہ نہ کہو کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے" مسیح کا یہ کہنا کہ "پھر تم مجھے کبھی نہ دیکھو گے" اس فقرہ میں اپنی موت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ "پھر تم مجھے کبھی نہ دیکھو گے"۔ اور مسیح کا یہ کہنا کہ "جب تک یہ نہ کہو کہ مبارک ہو وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے" اس فقرہ میں اپنی دوبارہ آمد کا ذکر اپنے مثیل کی آمد کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ اور یہ عجیب کرشمہ خدا تعالیٰ کی قدرت نمائی کے نتیجہ میں پایا گیا ہے کہ مسیحؑ کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی جسے مسیح نے خود اپنے مثیل کی آمد میں ظاہر کی ہے اور جسے نصاریٰ اور مسلمانوں نے قبل از ظہور پیشگوئی اپنی غلط فہمی سے مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کو حقیقتہً مسیح اسرائیلی کی ذاتی آمد کی پیشگوئی سمجھ لیا جیسے کہ قوم یہود نے یوحنا کے ظہور کی پیشگوئی کو غلط فہمی سے یوحنا کی جگہ ایلیا یعنی الیاسؑ کی آمد کو سمجھ لیا۔ حالانکہ الیاسؑ کی آمد کی پیشگوئی کا مطلب حقیقت میں الیاس کی آمد کی جگہ مثیلِ الیاس یعنی یوحنا کی آمد تھی۔ اسی طرح مسیح کی پیشگوئی جو دراصل مثیل مسیح یعنی حضرت احمدؑ قادیانی کے حق میں تھی غلط فہمی سے بجائے مسیح محمدی کے مسیح اسرائیلی یعنی مسیح موسوی کے حق میں سمجھ لی گئی۔ اور پھر جس طرح مسیح نے اپنے الفاظ پیشگوئی میں یہ بھی ظاہر کیا کہ مسیح دوبارہ بھی آئیگا اور یہ بھی کہدیا کہ میری دوبارہ آمد سے میرے نام پر آنیوالے یعنی مسیح کے نام پر آنیوالے مثیل مسیح کی آمد مراد ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی حدیثوں میں بھی مسیح موعود کی پیشگوئی کی نسبت یہ بھی ظاہر کیا گیا کہ مسیح ابن مریم نازل ہونیوالے ہیں اور پھر وہاں ہی وامامکم منکم کہکر یہ بھی ظاہر کردیا کہ آنیوالا مسیح موعود اگرچہ مسیح کے نام سے آنیوالا ہے لیکن اسے مسیح ابن مریم اسرائیلی اور موسیٰؑ کا آخری خلیفہ مسیح نہ سمجھ لینا۔ بلکہ آنیوالا مسیح مسیح محمدی اور امتِ محمدیہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے ہر دو مسیحوں کے الگ الگ حلیوں کے امتیاز کی رو سے مسیح اسرائیلی جو سرخ رنگ والا اور گھنگریالے بالوں والا تھا اور فوت ہوچکا وہ مراد نہیں بلکہ گندمی رنگ اور سیدھے بالوں والا مسیح مراد ہے

جو سورۂ نور کی آیتِ استخلاف کی رو سے لفظ مِنْکُمْ اور لفظ کَمَا مثیلِ مسیح اور مثیلِ محمدی اور محمدی خلفاء میں سے آخری خلیفہ ہے۔ پس مسیح کی بشارت جو احمد رسول کے متعلق ہے وہ درحقیقت مثیلِ مسیح یعنی مسیح محمدی کے متعلق ہے۔ اور خود احمد کا لفظ بھی مسیح کی دوبارہ آمد پر جو مسیح کے عود کرنے کے معنوں میں دلالت کرنیوالا ہے۔ کیونکہ لغت میں کسی چیز کا عود کرنا اور عود کے ساتھ ظہور کرنا احمد بھی کہلاتا ہے۔ چنانچہ قاموس وغیرہ کتب میں لکھا ہے اَلْعَوْدُ اَحْمَد۔ اور اسی محاورہ میں ذیل کا کلام فارسی ہے ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

نبی معنوں میں حضرت اقدس سیدنا احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب ✤ گر نہ ہوتا نام احمد جس پہ میرا سب مدار

یعنی اگر میں مسیح کی آمدِ ثانی کا مصداق نہ ہوتا جو العود احمد کے معنوں میں ہے۔ تو جس طرح مسیح اسرائیلی نے اپنی آمدِ اول میں صلیب کا مونہہ دیکھا اور صلیب اُسے زخمی کرنے کیساتھ اس کے لئے کاسر کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ میں مسیح کی دوبارہ آمد کا مصداق ہو کر احمد ہونیکے ساتھ صلیب کو توڑنے کے واسطے کَاسِرُ الصَّلِیْب ہو کر ظاہر ہوا۔ اور صلیب جس کے ذریعے مسیح اسرائیلی کو غلط فہمی سے یہود اور نصاریٰ نے مصلوب اور ملعون ظاہر کیا۔ مسیح محمدی احمد رسول کی حیثیت میں اس ملعون بنانیوالی صلیب کو پاش پاش کرنے کے لئے ظاہر ہوا۔ پس مسیح محمدی جو احمد رسول ہو کر آیا وہ صلیب کا مونہہ دیکھنے اور صلیب کے ذریعے تکلیف اٹھانے کے لئے نہیں آیا بلکہ صلیب کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ اور صلیب کو پاش پاش کرنے اور صلیب کے لعنتی عقیدہ کے فتنہ سے مسیح کو نجات دلانے کے لئے جس فاتحانہ شان کے غلبہ بر صلیب کا حاصل ہونا ہے اس کا سب دارومدار میرے احمد نام پر ہے۔ پس یہ کس قدر الٰہی تصرف ہے کہ بشارت احمد رسول کے رو سے احمد رسول کی پیشگوئی کا مصداق تو ہمارے مسلمان بھائی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو غلط فہمی سے قرار دے لیتے ہیں لیکن مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کو ہرگز آنحضرت پر چسپاں نہیں کرتے۔ اور مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کو آنحضرت صلعم جو مسیح اسرائیلی کے معاً بعد کے رسول ہیں اُن سے گذار کر اس مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کا مصداق اس وجود کو قرار دیتے ہیں جو آنحضرت صلعم کے بعد ظہور میں آنیوالا ہے۔ اور اس صورت میں مسلمان اپنی سادگی اور غلط فہمی سے یہ نہیں سمجھتے کہ احمد رسول کی بشارت کا مصداق وہی موعود ہو سکتا ہے جو ایک طرف مسیح کی دوبارہ آمد کا مصداق ہو اور دوسری طرف مسیح محمدی اور محمدی خلفاء سے آخری خلیفہ کی حیثیت میں مسیح موسوی کی مماثلت میں مسیح ابن مریم کہلانے کا حکم بھی اس پر صادق آتا ہو۔ اب آپ یا آپ کے دوسرے غیر احمدی علماء اور مسلمان بھائی اس بات کو

مانتے ہیں یا پہلے کسی نے مانا کہ مسیح کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرتؐ ہیں؟ جب ایسا نہیں ہوا تو پھر یہ بھی درست نہیں کہ احمدؐ رسول کی بشارت کا مصداق آنحضرت صلعم کو قرار دیا جائے۔ بلکہ حق بات یہی ہے کہ بشارت احمدؐ رسول کا مصداق وہی وجود ہو سکتا ہے جو مسیح کی دوبارہ آمد کا مصداق ہو۔ اور وہ یقیناً حضرت احمدؑ قادیانی ہیں۔ پس احمدؐ رسول کی بشارت کے مصداق بھی وہی ہیں۔

(۵) بشارت احمدؐ رسول کا مصداق مسیح محمدی ہیں جو کہ مثیل مسیح ابن مریم اسرائیلی ہیں نہ کہ آنحضرتؐ جو کہ مثیلِ موسیٰ ہیں۔ اس بات کی تصدیق کے لئے سورۂ صف کے آخر میں احمد رسول کی علاماتِ مخصوصہ کے ذکر کرنے کے بعد ایک بات مماثلت مسیح اسرائیلی کے متعلق ذیل کی آیت ہے۔ یعنی آیت:۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ

اس آیت میں جو بشارت احمدؐ رسول کے ذکر کے بعد احمدؐ رسول کی علامات کے سلسلہ میں ذکر کی گئی ہے یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ مومنوں کی جماعت کہ جسے انصار اللہ ہونے کے لئے خطاب کیا گیا اور ارشاد فرمایا کہ وہ انصار اللہ ہو جائیں اور ان کا انصار اللہ ہونا حضرت مسیح اسرائیلی کی جماعت حواریین کے انصار اللہ ہونے کی طرح ہو جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ وہ جماعت مومنین جن کا انصار اللہ ہونا مسیح اسرائیلی کی جماعتِ حواریین کے انصار اللہ ہونے کی مماثلت میں پیش کیا گیا ہے وہ اس رسول کی جماعت ہونی چاہیئے جو مثیل مسیح ہو نہ کہ اس رسول کی جو مثیل موسیٰ ہو۔ اور قرآن کریم سے یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم جو مثیل موسیٰ ہیں وہ موسیٰ کی طرح جلالی رسول ہیں اور آپؐ کے صحابہؓ بھی آپؐ کی طرح جلالی تھے۔ جیسا کہ آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ اور عیسیٰؑ اسرائیلی جمالی رسول تھے اور آپؑ کی جماعتِ حواریین بھی آپؑ کے نمونہ پر جمالی تھی۔ اس صورت میں بشارتِ احمدؐ رسول کا مصداق وہی رسول ہو سکتا ہے جو مسیح اسرائیلی کی طرح جمالی ہو نہ کہ جلالی۔ اور اشدّاء علی الکفار کے معنوں میں اس کی جماعت نہ ہو، بلکہ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ کے نمونہ پر زرم کھیتی کے طور پر اس کی روئیدگی کا ظہور ہو یعنی يَضَعُ الْحَرْبَ کے معنوں میں۔ حربی جہاد اور قتال کا رسول نہ ہو بلکہ مسیحؑ کے نمونہ پر اس کی تبلیغ آیات بیّنات اور دلائل اور معجزات کے ذریعے قلوب کو مسخر کرنیوالی ہو۔ جیسے کہ حضرت احمدؑ قادیانی کا مسلک بالکل مسیح کی طرح اور بالکل مسیحؑ کے نمونہ پر پایا جاتا ہے۔ پس بشارت احمدؐ رسول جس کی جماعتِ مومنین مسیح اسرائیلی کی جماعتِ حواریین کی مماثلت میں ذکر کی گئی ہے۔ یقیناً ان حواریوں کی مثیل جماعت کا رسول مثیل مسیح

ہونے کے حضرت مسیح محمدی اور احمد قادیانی ہی ہو سکتے ہیں!

(ج) اور سورہ صف کے وہ الفاظ جن میں حضرت مسیح اسرائیلی نے بشارت احمد رسول کا ذکر کیا ہے اور رکھا ہے کہ میں تورات کی تصدیق اور احمد رسول کی تبشیر کیلئے رسول ہو کر آیا ہوں حضرت مسیح کی یہ تصدیق تورات اور تبشیر احمد رسول کیلئے خطاب صرف اسرائیلی قوم کے لئے مخصوص تھا چنانچہ آیت اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کے الفاظ سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ان الفاظ سے ظاہر ہے جس طرح تورات کی تصدیق کا کام مسیح کی رسالت کے لحاظ سے صرف قوم بنی اسرائیل سے مخصوص طور پر تعلق رکھتا ہے اسی طرح بشارت احمد رسول کے اظہار کا کام جو آپ کی رسالت کے ساتھ تعلق رکھتا تھا بلحاظ اس کے کہ اس بشارت کو وہ بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے مخصوص طور پر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بشارت بھی خاص طور پر بنی اسرائیل سے ہی تعلق رکھنے والی تھی۔ اور یہ امر اس بات کے لئے قوی قرینہ ہے کہ آنیوالے احمد رسول کا تعلق کسی نہ کسی بناء پر بنی اسرائیل کی قوم کے ساتھ ضرور ہی موجب بشارت تھا جس طرح کہ تصدیق تورات کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا۔ اور وہ اس طرح کہ اگرچہ محمد رسول اللہ صلعم کے ظہور پر آپ کے صاحب شریعت ہونے سے موسوی شریعت کا خاتمہ ہو گیا اور آنحضرت صلعم نہ نسل کے رو سے قوم بنی اسرائیل سے تھے اور نہ ہی دین اور شریعت کے لحاظ سے موسوی شریعت کے تابع تھے بلکہ ناسخ شریعت موسویہ ہو کر آئے جو قوم بنی اسرائیل کیلئے بباعث نسخ شریعت و نسخ امت بشارت نہ ہو سکتے تھے بلکہ انذاری صورت میں ظاہر ہوئے جیسا کہ اسرائیلی انبیاء کی طرف سے اور موسیٰ سے لیکر مسیح تک کے نبیوں نے اس انذاری حالت کے وقوع میں آنے کے لئے متواتر پیشگوئیاں ہوتی آئیں لیکن ان انذاری حالات کے باوجود مسیح اسرائیلی نے جو اسرائیلیوں کے آخری رسول تھے جہاں یہ حالات پیش کئے اور واضح بیانات سے بتایا کہ اے اسرائیلی قوم تم سے یہ آسمانی بادشاہت یعنی انعامات نبوت کا سلسلہ جو متواتر تمہارے اندر جاری چلا آیا تھا اب تم سے چھین کر خدا ایک دوسری قوم کو دے دیگا۔ اب تمہارے لئے اور تو کوئی بات فخر کا موجب نہیں ہو سکتی۔ ہاں احمد رسول جو مذہباً گو مثیل موسیٰ نبی کا تابع ہو کر آنیوالا ہے لیکن نسلاً وہ اسحٰق کی نسل سے ہونے کے باعث تمہارے لئے ایک فخر کی صورت باقی رہ گئی ہے بشرطیکہ تم اس کے ظہور پر جو بطور مماثلت میرا ہی قائم مقام اور میری دوبارہ آمد کا مصداق اور میرا ہی مثیل ہو گا اس سے تم فائدہ اٹھانے والے ہو سکو۔ احادیث میں بھی اسی طرح کی روایت پائی جاتی ہے کہ آنیوالا مہدی جو حدیث لا المھدی الّا عیسٰی کی حدیث

کا مصداق ہوگا یعنی وہ مہدی اور عیسٰے دونوں حیثیتوں کا حامل ہوگا۔ وہ اسمٰعیلی بھی ہوگا اور اسرائیلی بھی یعنی اسکا وجود دونسلوں کے تعلقات کا حامل ہوگا۔ اس طرح سے بھی کہ آنحضرت صلعم کے جو اسمٰعیلی ہیں تابع ہونیسے اسمٰعیلیوں کے بھی تعلق رکھنے والے ہونگے اور نسلاً اسرائیلیوں سے تعلق رکھنے والے یعنی وہ مذہبی اور روحانی تعلقات سے اسمٰعیلیوں کے فرزند ہونگے اور نسلی اور خونی قرابت کے لحاظ سے اسرائیلیوں کے فرزند۔ اور چونکہ دینی اور روحانی کمالات کا تعلق بلحاظ علم وعرفان قلب اور دماغ سے تعلق ہوتا ہے جو وجود کا اوپر کا حصہ ہے۔ اور نسل کا تعلق نیچے کے بدن سے ہے۔ اور یہ بات آنحضرت صلعم میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ خالص اسمٰعیلی ہیں لیکن حضرت احمد قادیانی رسول آنحضرت صلعم کے تابع اور آخری خلیفہ ہونیسے اسمٰعیلی خاندان سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسحٰق کی نسل سے ہونیسے اسرائیلی بھی اور مثیل مسیح بھی اور مہدی اور مسیح کی پیشگوئی کے رو سے دونوں حیثیتوں کے مصداق بھی۔ یعنی مہدی موعود بھی ہیں اور مسیح موعود بھی۔ اور یہ دونوں باتیں احمد رسول کی بشارت کے ساتھ تعلق رکھنے سے بنی اسرائیل کیلئے ان معنوں میں بشارت بھی ہوسکتی ہے۔ جن معنوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسیح ابن مریم نے بنی اسرائیل کو خاص مخاطبہ سے مخاطب کرتے ہوئے احمد رسول کی بشارت کا اظہار فرمایا۔ بنی اسرائیل اور یہود تو شاید اس بشارت سے فائدہ حاصل کرسکیں لیکن اے کاش کہ امت محمدیہ اس احمد رسول سے کہ جس کے ظہور کا زمانہ اُسے میسر آیا فائدہ اٹھا سکے!

(۳) پھر قرآن کریم نے آنحضرت صلعم کا نام جو بطور علم محمد ہے چار بار اُسے ذکر کیا ہے لیکن احمد کے نام سے ایک دفعہ بھی ذکر نہیں کیا۔

(۴) آنحضرت صلعم نے بھی اپنا نام درود میں اور اذان میں اور نمازیں اور اقامت میں اور بادشاہوں کی طرف مراسلات اور خطوط لکھنے میں اور صلح حدیبیہ وغیرہ اور بیعت کے وقت وغیرہ تقریبات میں جہاں بھی نام پیش کیا محمد نام ہی پیش کیا۔

(۵) امام شوکانی نے اپنی کتاب "مجموعہ احادیث موضوعہ" میں صاف لکھا ہے کہ احمد نام کے بارہ میں کہ وہ آنحضرت صلعم کا علم ہے اس کے متعلق جس قدر بھی روایات ہیں سب (وضعی) ہیں۔

(۶) اس سلسلۂ جوابات میں شاید یہ امر بھی قابل توجہ واستفسار سمجھا جائے کہ حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ السلام نے اپنی کتب ورسائل میں بشارت احمد رسول کا مصداق حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو قرار دیا ہے۔ یہ امر بھی بیشک قابل جواب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدس سیدنا حضرت مرزا صاحب نے جیساکہ حضور اقدس نے "ازالہ اوہام" میں تحریر فرمایا۔ آنحضرت صلعم کو جامع جمال وجلال قرار دیتے ہوئے وصفی معنوں میں حضور نبی کریم کو محمد اور احمد دونوں ناموں کا جامع بلحاظ مطاع امت وصاحب کتاب شریعت

قرار دیا ہے اور اپنے تئیں برطبق پیشگوئی مجرد احمد قرار دیتے ہوئے احمد اور عیسےٰ دونوں کو بلحاظ مماثلت متحد الحقیقت ٹھہرایا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام میں بیان فرمایا کہ احمد اور مسیح دونوں اپنی حقیقت کے رو سے ایسے ہی مرتبہ اتحاد پر پائے جاتے ہیں جیسے ایک درخت کے دو پھل یا ایک جوہر کے دو ٹکڑے۔ اور اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ اور اعجاز المسیح میں تفصیل اس بات کا ذکر فرمایا ہے۔ بلکہ اعجاز المسیح میں جو آپ کی عربی تصنیف ہے اور سورہ فاتحہ کی اعجازی تفسیر ہے اس میں فرمایا ہے کہ یہ نکتہ یاد رکھو کہ تمہیں ہر دجال و ضال سے نجات دیگا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کی پیشگوئی کی یعنی محمد رسول اللہ صلعم کی اور عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کی جو احمد رسول ہے اور اس نکتہ حقہ صادقہ کے انکار کرنیوالے کو دجال اور ضال ان معنوں میں قرار دیا ہے کہ اگر اس نکتہ حقہ کی صداقت بیان کردہ سے انکار کیا جائے تو اس انکار سے کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ (اوّل) یہ کہ مسیح اسرائیلی نے اپنی دوبارہ آمد کے متعلق پیشگوئی کی کہ مسیح دوبارہ آئیگا اور یہ دوسری پیشگوئی مسیح اسرائیلی علیہ السلام نے بشارت احمد رسول کے متعلق پیش کی اور ان دونوں پیشگوئیوں کا مصداق اپنی حقیقت کی رو سے ایک ہی وجود تھا یعنی مسیح محمدی جو اُمت محمدیہ کا فرد اور خلفاء محمدیہ میں سے آخری خلیفہ تھا اب ان دونوں پیشگوئیوں کو قبل از ظہور موعود لوگوں نے اپنی غلطی سے یا اپنی غلط فہمی سے کچھ کا کچھ سمجھ لیا یعنی مسیح اسرائیلی کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی جو مثیل مسیح یعنی مسیح محمدی کے متعلق تھی اسے تو مسیح اسرائیلی کے متعلق سمجھ لیا اور بشارت احمد رسول جو اپنی حقیقت کے رو سے حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے نائب کے متعلق تھی یعنی مسیح محمدی حضرت احمد قادیانی کے متعلق اُسے حضرت محمد رسول اللہ صلعم پر چسپاں کر دیا۔ اور ان دونوں قسم کی غلطیوں سے مسیح محمدی جو احمد رسول اور نائب محمد تھے اُن کی آمد کا سرے کا نام و نشان ہی مٹا ڈالا گیا۔ اور محمد رسول اللہ صلعم کے اس آخری خلیفہ اور عظیم الشان موعود کی اپنوں اور بیگانوں کے دانستہ ظلموں اور نادانستہ غلطیوں اور گمراہیوں سے اس قدر حق تلفی کا مظاہرہ ہوا کہ شاید ہی ابتدا نسل انسانی سے لیکر آج تک ایسا خطرناک ظلم کسی کی حق تلفی کیلئے وقوع میں آیا ہو۔ اور پھر افسوس اور ہزار ہا افسوس اُمت محمدیہ کے اُن علماء سوء پر ہے کہ جنہوں نے نصاریٰ کے پادریوں کی ہمنوائی سے اس حق تلفی کیلئے وہ زور کہ آنحضرت صلعم کے ممبر پر کھڑے ہو ہو کر مسیح اسرائیلی کی آمد کے صدیوں سے متواتر گیت گاتے چلے آتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ مسیح محمدی کی جگہ مسیح اسرائیلی کی آمد کا اظہار کرنا اور بار بار کے بیانات سے اسکی اشاعت پھیلا دینا مسیح محمدی کی حق تلفی کی جا رہی ہے۔ سو نصاریٰ جو دوسرے موعود کی انتظار میں تھے ان قریب دیکھنے والوں کا ان کی روش اختیار کر کے انکا ہم عقیدہ بنجانا۔ یہ وہی شقاوت مقدرہ تھی جسکی نسبت اعجب مجملہ علماء سوء کی نسبت علماءھم شرّ من تحت ادیم السماء اور قوم یہود و نصاریٰ کی مشابہت کیہ

النعل بالنعل کی مماثلت میں پورے اُترے جسے محسوس کرتے ہوئے ایک عارف قلب کا دردمندانہ احساس کے ساتھ حضرت مسیح محمدی کی حق تلفی کیلئے جو انتہائی درجہ کا ظلم وقوع میں آیا اور پھر اُمت مسلمہ کے دعویدار حمایت اسلام کے ناموں کے لباس میں علماء سوء کی کرتوت ظاہر کرنیوالے ظالموں کیطرف سے اس پر آہ و فغاں کیلئے ذیل کا کلام بالکل مناسب معلوم ہوتا ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ؎ کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

(۷) اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ بشارت احمد رسول کے ساتھ اگرچہ مسیح محمدی کا بھی تعلق ہے اور آنحضرت صلعم کا خلیفہ اور نائب ہونیکی حیثیت کے مخصوص منصب کے رو سے آپ ہی احمد رسول اور اس پیشگوئی کے مصداق ہیں لیکن خلافت چونکہ نبوت کا ظل ہے اور ظل کی ہستی اصل کی ہستی سے بغیر نا ممکن ہوتی ہے۔ اسلئے اصل اور ظل کے باہمی تلازم کی رو سے احمدؐ محمدؐ کیلئے مشعر ہے اور محمدؐ احمدؐ کیلئے شعور بخش ہے۔ اور دونوں کے شعور کی دلالت متلازمہ ایسی ہی ہے جیسے کہیں کہ زید وزیر ہے تو وزیر چونکہ بادشاہ کیلئے بلحاظ تعلق لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتا ہے اسلئے زید کے وزیر ہونے سے باعث لزوم ضرور کسی بادشاہ کیلئے اس کا وزیر ہونا تسلیم ہوسکیگا۔ اسی طرح اگر زید کو بادشاہ کہیں تو اسکے بادشاہ ہونیکے متعلق کسی وزیر کا ہونا بھی لزوم کے طور پر قابل تسلیم ہوگا۔

پھر ایک مثال اس کی آنحضرت صلعم اور حضرت عمرؓ کے واقعات متماثلہ میں بھی ملتی ہے۔ آنحضرت صلعم نے خدا تعالیٰ کیطرف سے کشفی طور پر دیکھا کہ کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کی چابیاں آپکے ہاتھ میں دیگئی ہیں۔ اس کشف کی تصدیق حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں ظاہر ہوئی جبکہ کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کی چابیاں فاروقی فتوحات کے نتیجہ میں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئیں۔ اب بالواسطہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلعم کے حق میں پوری ہوئی۔ اور بلاواسطہ یعنی براہ راست حضرت عمرؓ کے حق میں وقوع میں آئی۔ اور یہ پیشگوئی دونوں کیساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اصالۃً آنحضرتؐ کیساتھ اور ظلی معنوں میں حضرت عمرؓ کیساتھ۔ اسلئے کہ حضرت عمرؓ کی خلافت آنحضرت صلعم کی نبوت کی ظل تھی اور جو کچھ خلافت کے دور میں ظہور میں آیا بلحاظ برکات فتوحات در اصل وہ سب کا سب برکات نبوت ہی کے نتیجہ میں ظہور میں آیا۔ اور ان معنوں میں حضرت عمرؓ کا ہاتھ خلافت کی معین حیثیت کے رو سے مستقل صورت بھی رکھتا ہے اور جب اسے آنحضرت صلعم کی نبوت کے ظلی مقام میں دیکھیں تو عمرؓ کا ہاتھ آنحضرت صلعم کا ہاتھ ہوجاتا ہے اور اس طرح وہ پیشگوئی بلحاظ اصل نبوت و ظل خلافت آنحضرتؐ کی طرف بھی منسوب ہوسکتی ہے اور حضرت عمرؓ کی طرف بھی۔

پھر اس کی ایک مثال قانون قدرت کے منظر میں بھی ملتی ہے۔ اور وہ مثال آفتاب اور مہتاب کے وجود

میں بلحاظ نسبتِ افاضہ و استفاضہ پائی جاتی ہے۔ سورج کی روشنی حسب ارشاد وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اصلی روشنی اور مستقل حیثیت کی روشنی ہے اور چاند کی روشنی حسب ارشاد وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا اصلی روشنی نہیں اور نہ ہی مستقل روشنی ہے بلکہ آفتاب کی روشنی کے عکس سے بمنزلہ ظلیت چاند کو یہ روشنی حاصل ہوتی ہے۔ پس اسی نسبتِ افاضہ سے اصل روشنی سورج کی ہے۔ اور بہ نسبت استفاضہ چاند کی روشنی ظلی معنوں میں عارضی روشنی ہے۔ گو ہمارا یہ کہنا بھی درست ہے کہ بدرِ تام یعنی چودہ کے چاند کے اندر کی روشنی در اصل سورج کی روشنی ہے اور چاند کا اپنا کچھ بھی نہیں لیکن جب ہم چودہ کے چاند کی رات کی روشنی کا پرکیف نظارہ دیکھ کر یہ کہتے ہیں کہ چودھویں رات کا روشن منظر چاند کی چاندنی کا نتیجہ ہے تو اس صورت میں ہمارا یہ کہنا بھی بالکل درست اور قابلِ تسلیم ہوتا ہے۔ کہ رات کو روشن کرنیوالا چاند ہے۔ اور رات کی روشنی کا براہِ راست تعلق چونکہ چاند سے ہے اسلئے اس براہِ راست تعلق کیوجہ سے ہمیں رات کی روشنی اور چاند کے مخصوص تعلق پر نظر کرتے ہوئے یہ کہنا بھی بالکل جائز ہے کہ چودہ کی روشن رات کا دَور چاند کا دَور ہے۔ اور گو چاند کا روشن ہونا براہِ راست سورج سے ہے لیکن چودھویں رات کا روشن منظر بھی براہِ راست چاند سے ہے۔ یہی مثال اصل اور ظل کے معنوں میں محمدؐ اور احمدؐ کے ساتھ بشارتِ احمدؐ رسول کی پیشگوئی کی ہے کہ بشارتِ احمدؐ کا موعود رسول بلحاظ اصل محمد رسول اللہ صلعم ہے۔ جیسے کہ حضرت عمرؓ اور آنحضرت صلعم کی مثال میں کسریٰ اور قیصر کے خزانوں کی چابیوں کی پیشگوئی بلحاظ اصل اور واسطۂ نبوت کے آنحضرت صلعم سے تعلق رکھتی ہے اور بلحاظ ظہور حضرت عمرؓ اور آپؓ کی خلافت سے تعلق رکھتی ہے۔ اور احمدؐ رسول جو بدرِ تام ہیں وہ محمد رسول اللہؐ کے آفتابِ نبوت سے روشن ہیں لیکن اس چودھویں صدی کے دَور کے روشن کرنے سے براہِ راست اپنی ایک طرح کی مستقل حیثیت بھی رکھتے ہیں۔

(۸) محمدؐ اور احمدؐ دونوں بصیغۂ تفضیل پائے جاتے ہیں۔ محمد محمودیت سے بصیغہ مبالغہ تفضیل ہے اور احمد افعل التفضیل کے وزن پر حامدیت سے بصیغۂ تفضیل ہے۔ محمد کے معنے ہیں ایسا موصوف جس کی بار بار حمد کی جائے۔ اور جو بلحاظ وصفِ تفضیل محمودیت کے اس انتہائی مقام فضیلت پر پہنچنے والا ہو جس سے بڑھکر انسان کیلئے کوئی مقام اور مرتبۂ فضیلت نہ پایا جاتا ہو۔ اور احمد کے معنے ہیں ایسا واصف اور حامد جو بواسطۂ اتباع اپنے مطاع اور متبوع سے استفاضہ کے ذریعے اس کے فیوض کے انتہائی کمالات کو حاصل کرنے کے ساتھ اپنے محمد مطاع کی محمودیت کی اعلیٰ شان دکھانے کے لئے اس کے سب حامدوں کے بالمقابل احمد ہو یعنی بہت حمد کرنیوالا اور سب سے بڑھ کر حمد کرنے والا

اس محمدؐ اور احمدؐ کے وصفِ محمدیت اور احمدیت پر نظر کرنے سے بہ نسبت افاضہ و استفاضہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کا مقام بلحاظ صاحبِ شریعت ہونے کے متبوعیت اور افاضہ اور محمودیت کو چاہتا ہے! اور احمدؐ کا مقام بلحاظ تابع شریعت ہونے کے اتباع اور استفاضہ اور حامدیت کا مقتضی ہے۔ اور آپؑ کا غلام احمدؐ نام بھی اس پر دال ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ محمدؐ اپنے مرتبۂ محمدیت کے رو سے مرتبۂ احمدیت سے بہت بڑھ کر شان رکھنے والا ہے۔ کیونکہ محمدؐ صاحبِ شریعت ہے اور احمدؐ تابع شریعت اور محمدؐ متبوع اور مطاع ہے اور احمدؐ تابع اور مطیع اور محمدؐ اتباع کرنے والے کو افاضہ سے مستفیض کرنے والا ہے اور احمدؐ محمدؐ کی اتباع کرنے سے اس کے افاضہ سے مستفیض ہونیوالا اور محمدؐ محتاج الیہ اور حاجت روائی کرنیوالا اور احمدؐ محتاج ہے محمدؐ کی حاجت روائی کا۔ اور محمدؐ مقتضی ہے کہ اس کی اتباع کرنیوالے اور اس سے فیض حاصل کرنیوالے اس کی حمد کریں اور بار بار کریں اور احمدؐ اس امر کا مقتضی ہے کہ وہ محمدؐ کی اتباع کرنے سے اس سے فیض حاصل کرنیوالا ہو۔ اور اس کا اُمتی ہو اور اپنے مطاع نبی سے نبوت تک کا فیض حاصل کرنے سے اپنے مطاع نبی کا کمال افاضہ اپنی ظلی نبوت اور بروزی نبوت اور مجازی نبوت کے ساتھ بشانِ احمدیت دکھلانے والا ہو۔ اب ان معنوں میں محمدؐ افضل ٹھہرے یا احمدؐ۔ اور بشارت احمدؐ رسول کا مصداق محمدؐ رسول اللہ صلعم کو قرار دینا اور براہِ راست قرار دینا آپ کی عزت ہے یا ہتک۔ اور احمدؐ سے براہِ راست محمدؐ مراد لینا آپؐ کی شان کو زیادہ ظاہر کرتا ہے یا احمدؐ جو آپؐ کی محمدیت کی شان دکھلانے کے لئے آپؐ کی حمد کو احمدؐ ہو کر دکھلانے والا ہے۔ اس کے استفاضہ کے اظہار کے ساتھ آپؐ کی شان بڑھتی ہے۔ احمدؐ تو چاہتا ہے کہ وہ کسی محمدؐ کا تابع اور اُمتی ہو اور پھر محمدؐ کے افاضہ کا محتاج ہو۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ بشارتِ احمدؐ رسول کا مصداق محمدؐ کو قرار دے کر حضرت احمدؐ فاریابی کی طرح آپؐ کو بھی کسی نبی کا اُمتی اور تابع اور محتاج افاضہ قرار دیا جائے۔ کیا یہ محمدؐ رسول اللہ صلعم جیسے عظیم الشان صاحبِ شریعت رسول کے لئے عزت کی صورت ہوگی یا ہتک اور توہین کی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ احمدؐ کو حامدیت کے معنوں میں بصیغۂ تفضیل قرار دیا جائے۔

(۹) ہاں بقاعدۂ تصریف ثلاثی مجرد سے چونکہ اسم تفضیل کا صیغہ فاعل اور مفعول دونوں کے لئے آسکتا ہے، بلکہ آتا ہے تو اس صورت میں احمد بصورتِ فاعل حامدیت سے اسم تفضیل ہوگا اور بصورتِ مفعول محمودیت سے اسم تفضیل۔ اور اس لحاظ سے احمد کے معنے حامدیت کی تفضیل کے لئے ہوں گے بہت حمد کرنے والا۔ اور محمودیت کی تفضیل کے لئے ہوں گے بہت حمد کیا گیا۔ اور

اس صورت میں احمد کا لفظ احمدیت اور محمدیت دونوں حقیقتوں کا حامل اور دونوں کے مفہوموں پر مشتمل سمجھا جائے گا۔ اور اسی مشترکہ حقیقت کی رو سے حضرت اقدس سیدنا احمد قادیانی نے اپنی بعض تحریروں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع جمال و جلال کی حیثیت سے مکی اور مدنی دو زمانوں کی زندگی کے لحاظ سے محمد اور احمد دونوں وصفوں سے متصف قرار دیا ہے لیکن اپنے تئیں احمد کا مفہوم جو جامدیت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور العود احمد کے مفہوم میں مسیح موعود سے بھی اس کا تعلق ہے اس بنا پر آپ نے مجرد احمد کا پہلو اپنے متعلق تسلیم فرمایا۔

اور آپ کا غلام احمد نام فیملی نیم ([illegible]) کے عرف کے رو سے بلحاظ اصلیت احمد [illegible] اور غلام احمد اور غلام قادر دونوں بھائی تھے۔ اصل نام احمد اور قادر ہی ہے۔ اور غلام زاید ہے۔ آپ کے والد بزرگوار مرزا غلام مرتضیٰ نے بھی دو گاؤں دونوں بیٹوں کے نام پر احمد آباد اور قادر آباد کے نام پر بسائے اور آباد کئے۔

(۱۰) حضرت احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو جمالی اور جلالی شان کا جامع قرار دیتے ہوئے احمد کا جمالی نام مکہ کی زندگی کے متعلق ذکر کیا ہے اور محمد کا جلالی نام مدینہ کی جلالی زندگی کے متعلق۔ اور پھر مدینہ کی جلالی زندگی جو دس سالہ تھی آپ کی وفات کے بعد کا دور انہی دس سالوں کی زندگی کے اجمالی دور کی تفصیل میں مسیح موعود کے ظہور تک کے لمبے زمانہ تک چلتا رہا اور بلحاظ قوت و شوکت یہ زمانہ بارہویں صدی ہجری تک چلا اور تیرھویں صدی کا زمانہ جو فتنوں کے ہجوم کا زمانہ تھا اور جس میں ایک طرف علماء اسلام نے علی العموم علماء سوء کی شقاوت میں مبتلا ہونا اختیار کر لیا اور دوسری طرف اسلامی حکومتیں برباد ہونے لگ گئیں۔ تیسری طرف پادریوں اور آریوں کے سوامی دیانند اور پنڈت لیکھرام وغیرہ نے اسلامی تعلیم پر اعتراضات کی بوچھاڑ پر بوچھاڑ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اور یہی تیرھویں صدی تھی جس کی نحوستوں کی پے در پے خبریں مشتہر چلی آتی تھیں اور یہی وہ صدی تھی جس کے مجدد حضرت سید احمد بریلوی ظالموں کی خون آشام تلواروں سے شہید کر دیئے گئے۔ اور اسی نحوست کی طرف مہدی موعود کے ظہور کی ضرورت کے اظہار کے لئے ماہ رمضان میں سورج اور چاند کے خسوف اور کسوف کا نشان ظاہر ہوا۔ اور چاند کو رمضان کی تیرھویں رات کو خسوف ہوا جو تیرھویں صدی کے پُر نحوست ابتلاؤں کی طرف قدرت کی طرف سے اشارہ تھا۔ لیکن جب اسلام تیرھویں صدی میں سمندر کے مد و جزر

کی طرح ایک بہت بڑے جزر کا ظہور ہوا۔ جس کے ظہور پر اسلام کا درد رکھنے والوں نے مرثیے لکھے اور حالیؔ جیسے قومی شاعر نے نہایت ہی پُرسوز اور پُردرد مرثیہ لکھا۔ تیرہویں صدی میں اسلام جس بدترین تنزل اور بدحالی میں مبتلا ہوا اس کی نسبت مایوسی کا عالم اسلامیانِ ہند پر اس قدر چھایا ہوا تھا کہ جس کی نسبت ذیل کا مایوسی سے لبریز کلام مرثیہ خوانی کر رہا ہے ؎

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے ÷ اسلام کا گِر کر نہ اُبھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی مد ہے ہر جزر کے بعد ÷ دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

تیرہویں صدی میں اسلام کی یہ حالتِ تنزل و ادبار درحقیقت حسبِ ارشاد وَاللَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ وَالصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ کے معنوں میں رات کے بعد نئے دن کی آمآمد کی بشارت تھی۔ اور چاند کی سلخ کی راتوں اور محاق کی شبہائے تاریک وتار کے بعد نئے چاند کے طلوع کے لئے ایک مژدۂ جانفزا تھا۔ جو ہزارہا عیدوں سے بڑھ کر افسردہ قلوب کے اندر مسرت اور فرحت کی لہر پیدا کرنے والا ہوا۔ اور چودہویں صدی کے آغاز اور سر صدی پر اس موعود الاقوام اور مہدیٔ اسلام کے ظہور کی منادی ہزارہا آیاتِ بیّنات اور نشانات و علامات اور شہاداتِ حقّہ کے ساتھ شروع ہو گئی۔

اور آنحضرت صلعم کی جمالی زندگی جو مکہ میں اسم احمدؐ کی جمالی نسبت سے اجمالی نقشہ دکھانے والی ہوئی اس کا تفصیلی طور پر چودہویں صدی کے سر پر بشارتِ احمدؐ رسول کے مطابق حضرت احمدؐ قادیانی کے وجود کے ذریعے شروع ہوا۔ اور پھر قیامت تک دَورِ احمدیت کا لمبا سلسلہ باعثِ برکات و اثمر وجود پذیر ہوتا رہے گا۔

(۱۱) احمد جو افعل التفضیل کے وزن پر اسم تفضیل کے معنوں میں ہے اور جیسا کہ اوپر بیان ہوا فاعل اور مفعول دونوں سے احمد کی تفضیل حامدیت اور محمودیت دونوں کے لئے مسلّم ہے۔ اور ایک ہی صیغہ کا بصورت اشتراکِ مفہوم حامد کے لئے بھی احمد ہونا اور محمود کے لئے احمد ہونا یعنی محمّد کے معنوں میں اس سے بشانِ بلاغت ایک اعجازی بشارت کے طور پر احمد کے نام کو پیش کیا گیا ہے۔ اور طبعی ترتیب چونکہ اِس بات کی مقتضی ہے کہ احمد سے محمّد کا وجود پہلے ظہور فرما ہو۔ اور محمّد کی محمدیت کے لئے حمد کرنے والا احمد محمّد کے بعد ہو اس لئے اِس اشتراکی مفہوم کی رو سے

لفظ احمد کے مفہوم سے محمد کے ظہور کا مفہوم مقام سبقت و تقدم کے اقتضاء سے ضرور ہے کہ پہلے ظہور فرما ہو اور احمد تفضیل حامدیت بعد میں۔

اس صورت میں، بشارتِ احمد رسول میں محمد اور احمد یعنی محمد جو صاحب شریعت رسول ہے اور احمد جو تابع شریعت اور نائب محمد رسول ہے دونوں کی پیشگوئی ایک ہی لفظ میں پیش کرنا اور ایک ہی لفظ تابع اور متبوع دونوں طرح کے رسولوں کے لئے کافی ہونا حیرت آفرین اور تعجب انگیز اعجازی کرشمہ ہے۔ اور ان دونوں رسولوں کی پیشگوئی کی طرف اشارہ فقرہ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ کے لفظ مِنْ بَعْدِي پر بھی پایا جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ مسیحؑ نے تبشیر کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ احمد رسول میرے بعد سے آئے گا۔ صرف بَعْدِي نہیں فرمایا بلکہ مِنْ بَعْدِي فرمایا ہے۔ اور بَعْد کا لفظ ظرف ہے جو مظروف کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا کے فقرہ میں مسیحؑ کے تابعداروں کی نسبت خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ کافر یہودیوں پر ہمیشہ ہی فوق رہیں گے یعنی فائق رہیں گے۔ اور فوق جو ظرف ہے اس سے مراد فوق اور فوقیت والے ہیں جو فائق ہیں اور فوق ظرف کے لئے مظروف۔ اسی طرح بَعْد جو ظرف ہے اس سے بعدیت والا رسول مراد ہے یعنی محمد رسول اللہؐ اور مِنْ بَعْدِي سے احمد رسول مراد ہے جو محمدؐ سے ہوگا۔ اور محمدؐ کے بعد بطور نائب ہوگا۔ اور مِنْ بَعْدِي کا مِنْ حضرت ابراہیمؑ کے قول فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي کے لفظ مِنِّي کے معنوں میں ہے۔ سو جن معنوں میں مِنِّي کا مِنْ ہے انہی معنوں میں مِنْ بَعْدِي کا مِنْ ہے۔ یعنی بعد میں آنے والے رسول سے یعنی اس کی اتباع کی نسبت رکھنے والا ہوگا۔

تو جو مفہوم مِنْ بَعْدِي کے فقرہ سے محمد اور احمد کی بشارت کے لئے پیدا ہوتا ہے وہی لفظ احمد کے اندر سے اشتراکی مفہوم کے ساتھ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح احمد کے لفظ کے اندر سے اشتراکی مفہوم کی رو سے محمد رسول اللہ صلعم کے ظہور کو طبعی ترتیب کے رو سے تقدم حاصل تھا، اسی طرح مِنْ بَعْدِي کے فقرہ میں بھی بعد والے رسول یعنی محمد رسول اللہ صلعم کے ظہور کو ترتیب طبعی کے اقتضاء کے ماتحت تقدم حاصل ہے۔ اور مِنْ بَعْدِي کے مِنْ نے احمد کو جو تابعِ شریعتِ محمدیہ رسول ہے اُسے بلحاظ ترتیب طبعی تاخر میں رکھا ہے۔ اور حضرت اقدس احمدؑ قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشارتِ احمد رسول سے جہاں کہیں اپنے موعود اور مصداق

حصے کے ذکر کے علاوہ اِس بشارتِ احمدؐ رسول کا مصداق آنحضرت صلعم کو بھی قرار دیا ہے وہ صرف انہی متذکرہ وجوہ کی بنا پر ذکر کیا ہے۔ اور محمدؐ عربی اور احمدؐ ہندی دونوں کا ایک ہی بشارت کا مصداق ہونا بہ نسبت لزوم و بہ کیفیت معلوم ایک دوسرے کے لئے مزاحم نہیں ہو سکتا۔

پس اِن پیش کردہ امور سے بشارتِ احمدؐ رسول کو خواہ کسی جہت سے بھی دیکھیں اِس بشارت کے اندر مسیح موعود کی پیشگوئی بھی پائی جاتی ہے۔ جو احمدؐ رسول ہے اور نائب محمدؐ رسول اللہ کیونکہ محمدؐ اور احمدؐ باعتبار نسبتِ لزوم ایکدوسرے کے لئے لازم و ملزوم کے طور پر پائے جاتے ہیں۔

فتدبر! ثم تدبر!! بالقلب الشہید والبصر الحدید والحق محقق بالقول السدید۔ والحمد للہ علی ذالک ثم کذالک۔

ساتویں سوال کا جواب!

آپ کا ساتواں سوال اِس بارہ میں ہے۔ کہ "حضرت مرزا صاحب پہلے اسکے قائل تھے کہ حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام دوبارہ دُنیا میں آئینگے اسکے بعد انہوں نے کس وقت اِس عقیدہ کو تبدیل کیا جو وقت پہلی دفعہ مرزا صاحب نے اِس عقیدہ کو بدلا ہے اسکے الفاظ مجھے نقل کر کے بھیجدیں اور کتاب کا حوالہ دیں"؟

اِسکے جواب میں واضح ہو کہ تصنیف کے لحاظ سے پہلے جس کتاب میں یہ عقیدہ ظاہر فرمایا کہ مسیح ابن مریم دوبارہ دُنیا میں آئینگے وہ براہین احمدیہ حصہ چہارم ہے پھر جس کتاب میں اِس عقیدہ کو بدل کر یہ تحریر فرمایا کہ مسیح ابن مریم فوت ہو چکے ہیں اور آنیوالا موعود مسیح درحقیقت مسیح محمدی ہے۔ جو مسیح اسرائیلی کی مماثلت میں بھیجا گیا وہ کتاب فتح اسلام ہے۔ اور براہین احمدیہ جس میں مسیح ابن مریم کی دوبارہ آمد کا عقیدہ تحریر فرمایا وہ ۱۸۸۴ء اور ۱۲۹۷ھ ہجری میں شائع ہوئی اور فتح اسلام ۱۸۹۱ء میں تصنیف ہو کر شائع کی گئی۔ اور مفصل طور پر مسیح ابن مریم کے فوت ہونیکے دلائل اور اپنے آنیکا ذکر مع شہادات و علاماتِ زمانہ کتاب ازالہ اوہام و تحفہ گولڑویہ وغیرہ میں تحریر فرمائے ہیں۔ کسی وقت کتاب فتح اسلام جس میں سب سے پہلے مسیح ابن مریم کی وفات اور اپنے مسیح موعود ہونیکا اعلان فرمایا آپ کی خدمت میں انشاء اللہ بھیجدی جائے گی۔

ہاں آپ کو اگر اِس تبدیلئ عقیدہ کے متعلق دل میں سوال پیدا ہو تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ وہ پیشگوئی جو خدا تعالیٰ علام الغیوب کی طرف سے اپنے نبیوں کے ذریعے کیجاتی ہے اسکی اصل کیفیت اور اصل حقیقت بھی خدا ہی بتا سکتا ہے۔ اور اُس پیشگوئی کا من کل الوجوہ علم بھی اُس موعود کو ہی دیا جاتا ہے جسکے حق میں وہ پیشگوئی کیجاتی ہے۔ اور قبل از ظہور پیشگوئی بہت ممکن ہے کہ

انسان پیشگوئی کا مطلب کچھ کا کچھ سمجھے اور محکمات کو متشابہات اور متشابہات کو محکمات کے معنوں میں سمجھ لے اور حقیقت کو پورے طور پر سمجھنے سے قاصر رہے۔ اسی بنا پر خدا تعالیٰ نے پیشگوئیوں کے بارہ میں فرمایا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا یعنی غیب دانی کا کمال صرف اللہ ہی کیلئے ہے وہ عنقریب جب اپنے نشانات جو پیشگوئی کے طور پر بتائے گئے ہیں دکھائیگا اور اپنے قول کی حقیقت کو اپنے فعل سے ظاہر کریگا تب تم ان پیشگوئیوں کے نشانوں کو اپنی حقیقت کے رو سے شناخت کر سکو گے ورنہ قبل از ظہور پیشگوئی پیشگوئی کا کامل علم اور اسکی من کل الوجوہ معرفت صرف اللہ تعالیٰ کے علم تک ہی محدود اور مخصوص رہیگی۔ اور اسکی مثالیں قرآن و حدیث اور عہد عتیق اور عہد جدید میں بہت کچھ پائی جاتی ہیں اور بحیثیت مسلم خود آپ کے مسلمات میں سے ہیں مثلاً آنحضرت صلعم کے مبعوث اور موعود ہونیکی پیشگوئی جو تورات اور انجیل میں حسب ارشاد قرآنی اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ کے الفاظ میں آپ کیلئے بھی مسلمات میں سے ہے کہ ایک اُمی نبی اور رسول کے آنیکی پیشگوئی تورات اور انجیل میں ذکر کیگئی ہے جسکی مصداق اور صحیح مصداق حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ذاتِ مقدس ہے۔ اور یہ بات آپکو بھی مسلم ہے کہ فی الواقع اس ذکر کردہ پیشگوئی کا مصداق حضرت محمد رسول اللہ ہی کا وجود ہے لیکن اس پیشگوئی کو یہود اور نصاریٰ آنحضرت صلعم کے حق میں نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس پیشگوئی کا مصداق آپؐ کو قرار دیتے ہیں۔ بلکہ پیشگوئی میں جو موسیٰؑ کی کتاب استثناء باب ۱۸ میں موسےؑ کے مثیل اور موسیٰؑ کے بھائیوں میں سے ایک رسول کے حق میں ذکر کیگئی ہے۔ یہود اور نصاریٰ اس مثیل کو کسی اسرائیلی رسول کیلئے سمجھتے ہیں اور موسےؑ کے بھائیوں سے مراد اسماعیلیوں کو نہیں سمجھتے بلکہ اسرائیلیوں کو سمجھتے ہیں۔ اور انکا انکار اسی بنا پر ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم اسرائیلیوں میں سے نہیں آئے بلکہ اسماعیلیوں میں سے آئے ہیں۔ اور اس وجہ سے وہ مثیل موسیٰ رسول کی پیشگوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ اب بھائیوں کا لفظ اسرائیلیوں کے متعلق بھی ہو سکتا ہے اور اسماعیلیوں کے متعلق بھی لیکن یہود اور نصاریٰ اپنی قوم کو جو بنی اسرائیل ہے اور اسماعیلیوں کی قوم سے قریب تر ہے۔ اسی سے اس مثیل موسیٰ کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ علاماتِ کثیرہ کی رو سے جو علاوہ کتاب استثناء کے زبور اور غزل الغزلات اور یسعیاہ نبی کی کتاب اور دانیال کے صحیفہ میں مذکور ہیں صفائی اور صراحت کیساتھ وہ علامات عرب کی سرزمین میں ظاہر ہونیوالے رسول کے حق میں پائی جاتی ہیں جو اسماعیلیوں میں سے مبعوث کیا گیا اور عرب میں چونکہ اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل بسنے والی تھی اسلئے آنیوالے عربی رسول کو الرسول النبی الامی کے لفظ سے الامی قرار دیا گیا یعنی ام القریٰ

جو مکہ کا نام ہے اسکا رہنے والا اور اُمّیّ کے لفظ میں گو اُمّ القریٰ کی نسبت سے آپ کے مکی ہونے کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے لیکن چونکہ مکہ میں خالص حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل ہی کی نسل آباد ہے اسلئے علاوہ مکی ہونیکے اُمّیّ کے لفظ میں آپ کے اسمٰعیلی ہونیکی طرف بھی اشارہ تھا جس سے موسیٰ کے بھائیوں میں سے مثیل موسےٰ کے آنیوالے رسول کی پیشگوئی آپ ہی کے حق میں پائی جاتی ہے اور اسرائیلیوں میں سے کسی رسول نے بھی مثیل موسیٰ رسول کی پیشگوئی کا مصداق ہونیکا دعویٰ نہیں کیا سوا محمد رسول اللہ صلعم کے جو اسمٰعیلی رسول ہیں۔ چنانچہ سورہ مزمل میں اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا کے ارشاد میں بڑے زور سے مثیل موسیٰ ہونیکی پیشگوئی کا مصداق ہونا پیش کیا گیا ہے اور آیت وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا الخ میں جو وعید مفتری اور جھوٹے مدعیٔ رسالت کی نسبت تورات کے بیان کردہ وعید کے مطابق پیش کیا گیا ہے کہ مفتری کو قتل کیا جاتا ہے آنحضرت صلعم باوجود دعویٰ رسالت اس وعید سے محفوظ رہے۔ اور قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى کے وعید سے بھی کہ مفتری خائب و خاسر رہتا ہے آپ محفوظ رہے اور وعدۂ نصرت و فتوحات جو وعدہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا الخ میں پیش کیا گیا اسکے مطابق آیت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کے رو سے آپ نے نصرت اور فتح کا نظارہ اور فوج در فوج لوگوں کا اور قوموں کا دین اسلام میں داخل ہونے کا خوش منظر بھی آپ نے دیکھا اور بالآخر کامیابی کیساتھ طبعی موت سے وفات پانیوالے ہوئے اور آپ کے بعد بھی موسیٰ کے سلسلۂ خلفاء کیطرح حسب ارشاد وَلَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سلسلۂ خلفاء آجتک برابر ظہور میں آتا رہا اور آج بھی موسےٰ کے آخری خلیفہ مسیح ابن مریم کی مماثلت میں حضرت احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے گئے۔

باوجود آنحضرت صلعم کی صداقت کے اس لمبے سلسلہ کے پائے جانے کے قوم یہود و نصاریٰ جو آج تک منکر چلے آتے ہیں ہر طرح کے نشانوں اور معیاروں کی تصدیق کے باوجود انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ سو یہ انکار کسی حقیقت کی بناء پر نہیں بلکہ حسد اور عناد اور خود روی اور خودی کے حجابوں کی وجہ سے ہے۔ تاہم یہ تو ظاہر ہے کہ پیشگوئی کے نہ سمجھنے اور اسکے قبول کرنیسے قوموں کی قومیں غلطی اور غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتی ہیں جیسے کہ یہود اور نصاریٰ کی قوم ابتک مثیل موسیٰ رسول کی پیشگوئی جو آنحضرت صلعم یعنی عربی اور مکی رسول کے حق میں تھی قبول نہیں کرتے۔ اور خود قرآن کریم میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب تک آنحضرت صلعم کو قرآنی وحی سے نہیں بتایا گیا کہ اس مثیل موسےٰ رسول کی پیشگوئی کے آپ ہی مصداق ہیں آپ اس راز کو قبل از اطلاع دہی نہیں سمجھ سکے۔ اور جب آپ نے اپنی ازواج کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا اَسْرَعُكُنَّ لُحُوقًا بِي اَطْوَلُكُنَّ يَدًا کہ میری وفات

سے بعد پہلے جو بیوی مجھے ملنے والی ہے وہ لمبے ہاتھ والی ہے۔ اس پر ازواج مطہرات نے جب ہاتھ ماپے تو لمبے ہاتھ حضرت سودہؓ کے ظاہر ہوئے لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب حضرت زینبؓ کا وصال ہوا تو سب کو حیرت ہوئی کہ فوت تو حضرت سودہؓ نے پیشگوئی کے مطابق ہونا تھا، حضرت زینبؓ کیسے فوت ہوئیں۔ پھر جب مزید غور کیا گیا تو یہ بات کھلی کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت اور کریم النفسی کی صورت میں لمبا ہاتھ ہے کیونکہ انسان محتاجوں اور مسکینوں کو کچھ دینے کے وقت لمبا ہاتھ کرتا ہے۔ اور اس طرح کا لمبا ہاتھ جو بلحاظ سخاوت و کریم النفسی کے پایا جاتا ہے یہ خوبی سب ازواج کی نسبت صرف حضرت زینبؓ سے مخصوص تھی۔ پس انکشاف پر پیشگوئی قابلِ تصدیق ہوگئی۔ لیکن قبل از ظہور پیشگوئی کوئی نہ سمجھ سکا کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری لمبا ہاتھ ہے جو متبادر الی الذہن معنوں سے تعلق رکھتا ہے یا اس کے سوا کوئی اور معنیٰ ہے جو متشابہات کے طور پر تاویل سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی طرح حضرت اقدس مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قبل از اطلاع وحی کہ آپؑ ہی مسیح موعود ہیں اور یہ کہ مسیح موعود کی پیشگوئی آپؑ ہی کے حق میں ہے اور آپؑ ہی مسیحؑ کی دوبارہ آمد کے مصداق مسیح ہیں، جبکہ خدا کی کھلی وحی سے آپؑ کو اطلاع نہیں دی گئی آپؑ نے اسی قومی اور پہلے عقیدہ کا اظہار کیا جو بالصراحت اس بات کی دلیل ہے کہ آپؑ کس قدر اعلیٰ شان کے تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ نیز یہ کہ آپؑ کسی منصوبہ اور افتراء کا ارتکاب کرنے والے نہ تھے۔ یہی تو وجہ تھی کہ آپؑ نے سادگی اور عدم بناوٹ سے اپنی پہلی تصنیف میں جو براہینِ احمدیہ کے نام سے شائع ہوئی صاف طور پر لکھ دیا کہ مسیح ابن مریم دوبارہ آنیوالے ہیں۔

اب جوبات قابلِ تعریف ہے وہ کسی شریف اور حق شناس انسان کے نزدیک قابلِ اعتراض نہیں ہوسکتی۔ اور آپ کو ہم شریف اور حق شناس اور حق پسند اور حق پذیر ہی سمجھتے ہیں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نایاب کتب کا خزانہ

حیرت انگیز رعایت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل نایاب کتب اگرچہ صرف ہمارے ہاں سے ہی مل سکتی ہیں صرف چند نسخوں کی تعداد میں موجود ہیں جلد سے جلد طلب فرما دیں۔ صورت دیگر موقع پھر ہاتھ نہیں آئیگا جس پتہ پر کتابیں منگوانی مقصود ہوں خواہ بذریعہ وی پی یا بذریعہ پوسٹ آفس وہ صاف درج فرمایا جائے۔ آرڈر کے ہمراہ دو روپے پیشگی ارسال فرما دیں۔

کرامات الصادقین	[illegible]	مباحثہ الحق لدھیانہ	[illegible]
حمامۃ البشریٰ	[illegible]	مباحثہ الحق دہلی	[illegible]
نور الحق ہر دو حصہ	[illegible]	تحفہ قیصریہ	[illegible]
سر الخلافہ	[illegible]	ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب	۸
تحفہ بغداد	[illegible]	تحفہ حق	[illegible]
مباحثہ جنگ مقدس	[illegible]	آریہ دھرم	۵
انجام آتھم	[illegible]	آئینہ کمالات اسلام	[illegible]
انوار الاسلام	[illegible]	خطبہ الہامیہ	[illegible]
سرمہ چشم آریہ			

اس کے علاوہ ہر قسم کی تبلیغی کتب آرڈر آنے پر روانہ کی جاسکتی ہیں۔ بطور نمونہ چند تبلیغی کتب جن کی قیمت میں حیرت انگیز رعایت کر دی گئی ہے حسب ذیل ہیں :۔

فتاویٰ حضرت مسیح موعودؑ	[illegible]	کلید القرآن مع لغات القرآن	[illegible]
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب	[illegible]	مسائل معترا خورد	[illegible]
براہین احمدیہ ریویو مولوی محمد حسین بٹالوی	[illegible]	خزینۃ العرفان یعنی تفسیر القرآن مجلد	[illegible]
مقدس چارٹ بصورت کیلنڈر	[illegible]	تفسیر ۲۶ پارے مکمل	۱۲
چشمہ صداقت	[illegible]	پارہ الم	[illegible]
درثمین مجلد	[illegible]	پارہ سیقول	۶
مفتاح القرآن (قرآن پاک کی ڈکشنری)	[illegible]	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فوٹو بحالت قیام جرمنی میں تیار شدہ	[illegible]
تفسیر سروری ۸ پارے مکمل بے جلد			

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو اردو، قادیان